حسن رضا بریلوی

فن اور شخصیت

ترتیب و تحقیق

ڈاکٹر خورشید احمد قادری
اسٹنٹ پروفیسر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

محمد ثاقب رضا قادری
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حسن رضا بریلوی: فن اور شخصیت
تحقیق و تالیف: محمد ثاقب رضا قادری (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)
ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری
پیش کش: الخیر ریسرچ سنٹر بند روڈ لاہور
لاہور، اکبر بک سیلرز، مارچ ۲۰۲۲ء = صفحات 600
۱۔ سوانح و تاریخ
۲۔ اُردو ادب

طبع اوّل: مارچ ۲۰۲۲ء/ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ
ناشر: اکبر بک سیلرز، طابع: محمد اکبر، لاہور
قیمت:۔۔۔۔۔۔روپے
دستیابی کا پتہ:
اکبر بک سیلرز، زبیدہ سنٹر 40 اُردو بازار، لاہور
صوتی رابطہ: 0300-8852283 فون: 042-37352022
برقی پتہ: saqib1126@gmail.com

انتساب

شمسؔ بریلوی، نظیرؔ لدھیانوی، مرید احمد چشتی
راجا رشید محمودؔ، سید اویس علی سہروردی

کے نام

جو میرے پاس سے جاتے ہیں وہ نہیں آتے
وہاں سے یوں تو بہت لوگ آتے جاتے ہیں
حسنؔ بریلوی

الاھداء

حسنؔ رضا بریلوی کے اُستاد
اُردو زبان وادب کی تاریخ میں جذبات اور شوخی کے شاعر
فصیح الملک، بلبل ہندوستان

حضرت داؔغ دہلوی

کی شاعرانہ فصاحت و بلاغت کے نام

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داؔغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

فہرست مضامین

تقدیم: بریلی میں علم و فضل کی روایت-11، حسنؔ بریلوی: تاریخ ادب اُردو کی ایک منفرد شخصیت-12

حسن شناسی: تاریخ کے آئینے میں-14، کچھ پیش نظر کتاب کے بارے میں-21

حسن رضا بریلوی: سیرت و اَحوال 25-298 تحریر: محمد ثاقب رضا قادری

خانوادۂ حسنؔ بریلوی: 27-37

امیر سعید اللہ خان-27، امیر سعادت یار خان-28، شاہ محمد اعظم خان-29، حافظ محمد کاظم علی خان-29، امام العلماء مولانا شاہ رضا علی خان نقشبندی-30، رئیس المتکلمین مفتی نقی علی خان-31، امام احمد رضا خان-32، مولانا حسن رضا خان-34، مولانا محمد رضا خان عرف ننھے میاں-35

مولانا حسن رضا خان: شخصی اَحوال، 38-66

ولادت و جائے ولادت-38، سلسلۂ نسب-38، میرا بیٹا مستان ہوگا-38، تعلیم و تربیت-38، حسن بریلوی اور فنِ شاعری-39، عربی کلام-42، بیعت و ارشاد-45، شادی و اولاد-42، مولانا حکیم حسین رضا خان-46، مولانا حسنین رضا خان-47، مولانا فاروق رضا خان-51، اخلاق و کردار-51، حج و زیارت-52، حاضریٔ مکہ مکرمہ-53، حاضریٔ مدینہ منورہ-55، وصال پُر ملال-58، قطعات تاریخ وصال-60

حسنؔ شناسی کی چند اہم جہتیں 67-130

حسنؔ اور داغؔ-69: حسنؔ نے داغؔ کی تقلید کی ہے-73، حسنؔ کے کلام میں داغؔ کا ذکر-74

حسنؔ بریلوی غزل کے شاعر: 77

حسنؔ بریلوی نعت گوئی کے میدان میں-88: نعتیہ اشعار میں قرآن و حدیث کی ترجمانی-85، نعت اور غزل کی مشترک زمینیں-87، حسنؔ بریلوی بہ حیثیت عاشق رسول ﷺ-93

حسنؔ اور رضاؔ-96: باہمی تعلق و محبت کی شان دار روایت-97، مولانا حسن رضا اور دارالعلوم منظر اسلام-99، مطبع اہل سنت و جماعت (بریلی) کا انتظام و انصرام-101

مولانا حسن رضا بہ حیثیت تنقید نگار-103: ندوۃ العلماء-103،مسئلہ تفضیل-104،مسئلہ گاؤ کشی-105، قادیانی جماعت-105، فرقۂ نیچریہ-105،غیر مقلدیت-105، تقابل ادیان-106

حضرت حسنؔ میدانِ صحافت میں-107: گلدستۂ بہارِ بے خزاں-107،اخبار روز افزوں-108، ماہنامہ قہر الدیان علی مرتد بقادیان-109

مولانا حسن رضا خان اور اکابر بدایوں-110

حسنؔ بریلوی اصحاب فکر و دانش کی نظر میں-114

مولانا حسرت موہانی-114،نواب مرزا داغ دہلوی-114، ماہر القادری-114، راجا رشید محمود-117،حزیں کاشمیری-118، پروفیسر ڈاکٹر سید اختر جعفری-118،علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی-119، پروفیسر ڈاکٹر فرمان علی فتح پوری-119، پروفیسر ڈاکٹر نفیس سندیلوی-120،حکیم محمد موسیٰ امرتسری-120،اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی-120، ڈاکٹر محمد اسلم بھٹی-121،عبدالغفار انصاری-121،ڈاکٹر محمد اسعد بدایونی-125

حسنؔ بریلوی کے تلامذہ-126:

شررؔ رام پوری-126، عاشقؔ بریلوی-126، ناجیؔ بریلوی-127،محشرؔ بریلوی-128،مظہرؔ بریلوی-128، اخترؔ بریلوی-128، قیسؔ بریلوی-128،حلمؔ بریلوی-129، فیروزؔ بریلوی-129، مولانا جمیل الرحمٰن جمیلؔ رضوی-129، وامقؔ بریلوی-129،حمیدؔ بریلوی-130،ارشادؔ امروہی-130،قیصرؔ مراد آبادی-130

حسنؔ بریلوی کی تصانیف: 131-276

ذوقِ نعت-133، وسائل بخشش-144،صمصام حسن بر دابرفتن-147،ثمر فصاحت-150،قند پارسی-168، ساغرِ پُر کیف-169، نگارستانِ لطافت-170، دین حسن-177، تزک مرتضوی-200، بے موقع فریاد کے مہذب جواب-213، فتاوی القدوہ لکشف الدفین الندوہ-222،آئینۂ قیامت-225،ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری-230، ندوہ کا تیجہ رُوداد سوم کا نتیجہ-239، اظہارِ رُوداد-253،کوائف اخراجات-260،سوالات حقائق نما بر رؤس ندوۃ العلماء-266

حسن بریلوی کے شعری فنون

حسنؔ بریلوی اور فن تاریخ گوئی: 277-284

حسنؔ بریلوی کی منقبت نگاری: 285-300

درود بر اصحاب و ازواج و اہل بیت نبی ﷺ-285،منقبت چار یارانِ نبی ﷺ-286،

منقبت خلیفۂ اوّل- 286، منقبت خلیفۂ دوم- 287، منقبت خلیفۂ سوم- 288، منقبت خلیفۂ چہارم-289، مناقب اہل بیت پاک-289، مدح امامانِ پاک-290، ذکرحضرت سیدنا جعفر طیار-290، منقبت سیدنا حضرت امیر معاویہ-290، منقبت امام اعظم ابوحنیفہ-290، استغاثہ-291، منقبت حضور غوث اعظم-291، فارسی اشعار-292، ہندی اشعار-292، نغمۂ رُوح-293، منقبت حضرت خواجہ غریب نواز-294، منقبت حضرت شاہ بدیع الدین-296، منقبت حضور اچھے میاں-296، قصیدہ درمدح شاہ فضل رسول بدایونی-298

حسنؔ بریلوی کی نثر نگاری 301-332

مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی: حسنؔ بریلوی کی نثری خصوصیات اور مشہور نثر نگاروں سے موازنہ-، اُردو نثر کی غایت-302، فورٹ ولیم کالج-304، اُردو نثر کی آبرو-304، نثر کی خصوصیات-307، اقسام نثر-308، نثر مرجز-309، نثر مقفّٰی-309، نثر مسجّع-312، نثر عاری-313، نثر سلیس سادہ-314، نثر سلیس رنگین-316، رجب علی سرور-316، مناسبات-319، شگفتگی ووارفتگی-321، کیفیت فطری-324، اجمالی جائزہ-325، بابائے اُردو مولوی عبدالحق-325، مولوی شبلی نعمانی-326، مہدی افادی-328، حافظ محمود شیرانی-329، ابوالکلام آزاد-330

حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری 333-462

مولانا حضور احمد منظری: حسنؔ بریلوی بہ حیثیت نعت گو شاعر-335: ذوق نعت کی ادبی اہمیت-336، فکر وفلسفہ-339، عشق رسول ﷺ-339

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی: اُستاذِ زمن کی نعتیہ شاعری کی ایک جھلک-342: صنعت تلمیح-345، صنعت تلمیع-346، صنعت اقتباس-346، صنعت تضاد-347

علامہ شبنم کمالی: حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری ''ذوق نعت'' کے آئینہ میں-348: حمد باری تعالیٰ-348، تقسیم عنوانات-349، حسن و جمال حضور ﷺ-349، ذکر سراپائے حضور ﷺ-350، ذکر ولادت حضور ﷺ-352، رفعت مدارج ومقام حضور ﷺ-353، اختیاراتِ حضور ﷺ-354، سخاوت حضور ﷺ-354، ذکر محشر در اُمید کرم-354، شاعر کی تمنائے دل-356، اظہارِ عجز-356، شہر محبوب اور دشت مدینہ سے محبت-357، اصلاح عقیدہ-359، کشف رازِ نجدیت-359، تمہید ذکر معراج-360، ذکر شہادت-360، رُباعیات-362، نظم استغاثہ-362، مناقب-364، نقش آخر-364

مولانا محمد رفیق عالم رضوی: اُستاذِ زمن اور اُن کی نعتیہ شاعری-365: حسنؔ بریلوی کے اندر شاعری رَچی بسی تھی-365، دَورِ حاضر میں نادرُ الوجود-366، تشبیہات و استعارات کا برمحل استعمال-366، ندرتِ کلام کا آئینہ دار-367، اُستاذِ زمن کے اشعار قرآن و حدیث کا

ترجمہ-367، ارتقائی منازل-368، حسنؔ کی شاعری میں اشارات کا استعمال-368، سہل زبان کا مالک-369
مولانا محمد نجف القادری الرضوی: فن نعت گوئی میں حسنؔ بریلوی کا مقام-370
مولانا مظفر احمد قادری: حسنؔ بریلوی اپنے وقت کے حسان تھے-373
علامہ شمسؔ بریلوی: ''ذوق نعت'' پر ناقدانہ نظر-377: خارجی خصوصیات-384، محاورات کا استعمال-386، ندرتِ خیال-390، واردات محبت اور جذبات نگاری-393، حسن محبوب، اس کی رفعتیں اور اس کی شان-395، فراق محبوب آرزوئے دیدار-396، استعارے کا لطیف استعمال-397
نظیرؔ لدھیانوی: ''ذوق نعت'' کا محققانہ جائزہ-400: مضمون آفرینی-401، حسن الفاظ-404، متضاد الفاظ-404، تکرار الفاظ-405، مترادف الفاظ-406، تواتر وتقسیم-406، رعایات لفظی-408، محاورات-409، بے ساختگی-410، تشبیہات-411، اصلیت وحقیقت-412، معراج-415، سراپا-415، مشکل زمینیں-416، آیات کا حوالہ-418، رحمت و شفاعت-420، رُباعیات-421
ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی: حسنؔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری-425
ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی: حسنؔ بریلوی کا ذوق نعت گوئی-446
ڈاکٹر سراج احمد القادری بستوی: حضرت حسنؔ بریلوی کی فکری تگ وتاز-498

حسنؔ بریلوی کی غزلیہ شاعری 463-538

مولانا سید اکمل اجملی: حسنؔ بریلوی کی شاعری میں عشق کا تصور-465
ڈاکٹر سید شمیم گوھر: شاعری میں حسنؔ بریلوی کا مقام اور منصب-472: رضاؔ بریلوی کا شاعر-472، حسنؔ اور رام پور-473، مقام ومنصب-473، خصوصیات وفن-474، نعت گوئی کا عظیم شاعر-474، خوبیاں ہی خوبیاں-475، ایک عظیم محقق کا تاثر-476، دیگر اصنافِ سخن-476
ڈاکٹر خورشید رضوی: حسنؔ بریلوی کی غزلیہ شاعری-477
اصغر حسین خاں نظیرؔ لدھیانوی: ''ثمر فصاحت'' کا محققانہ جائزہ-484: شوخی-485، طنز-491، معاملہ بندی-495، بوسہ-498، وصل-499، نازک خیالی-500، ندرت خیال-503، حسن بیان-512، صنعت تواتر یا تقسیم-515، محاورات-518، رعایاتِ لفظی-520، لفظی تقدم وتاخر-523، تکرار الفاظ-524، تضادِ الفاظ-526، جان اور بے وفائی-528، لفظ ''کم'' کا استعمال-529، تیغ کو گلے لگانا-531، خرام اور قیامت-531، جلوہ اور دنیا کی تباہی-532، زاہد، واعظ اور ناصح-533، چھوٹی زمینیں-535

حسنؔ بریلوی کی مثنویاں 566-539

اُردو مثنویات: ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری-541

فارسی مثنویات: ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری-563

خراجِ محبت 571-567

صوفی جمیل اختر صدیقی-569، حکیم قدرت اللہ اشرف نوری-571، محمد عظیم قریشی-572، مولانا علی احمد مصباحی-574

فہرست حواشی (کتاب میں مذکور اہم شخصیات کا تعارف)

حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوری-576، شیخ عبدالحق محدث دہلوی-576، علامہ شمسؔ بریلوی-576، اُستاذ الاساتذہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی-577، نظیرؔ لدھیانوی-578، حاجی محمد مرید احمد چشتی-578، راجا رشید محمودؔ-579، سید اویس علی سہروردی-580، شہاب الدین رضوی-581، ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ بریلوی-582، کرامت علی خاں شہیدیؔ-582، مولانا سفایت علی کافیؔ مرادآبادی-582، سید علی احسنؔ مارہروی-583، محسنؔ کاکوروی-584، شاہ بدیع الدین قطب المدار-585، حضور احمد خان آثمؔ بریلوی-585، علامہ شبنم کمالی-585، ڈاکٹر سید شمیم گوہر-586، سید اکمل اجملی-586، مولانا حسرت موہانی-587، ماہرؔ القادری-587، محوؔ بریلوی-588، حافظ خلیل الدین حافظؔ پیلی بھیتی-588، مفتی اعجاز ولی خان رضوی-588، مفتی تصدق علی خان رضوی-588، ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی-588، ڈاکٹر سراج القادری بستوی-589، ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی-591، ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی-591، ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری-593، ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری-594، محمد ثاقب رضا قادری-594

ماخذ ومراجع 596

بریلی میں علم وفضل کی رِوایت

بریلی دریائے گنگا کے کنارے علاقہ 'روہیل کھنڈ' کے زرعی اعتبار سے زرخیز علاقے کا ایک خوب صورت اور بڑا شہر ہے۔ یہ ریاست اُتر پردیش کے صدر مقام لکھنؤ سے ۲۵۲ کلو میٹر شمال مشرق اور ہندوستان کے دارالحکومت دہلی سے ۲۵۰ کلو میٹر مشرق کی جانب واقع ہے۔ مغلوں نے ۱۵۶۹ء میں اس علاقے پر قبضہ کیا۔ ریاست اَودھ نے ۱۷۷۴ء میں بریلی کو اپنا حصہ بنایا۔ نواب اَودھ نے ۱۸۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ اِلحاق کر لیا۔ بریلی کے غیور عوام نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد خان بہادر خان کی قیادت میں ایک سال تک اپنی آزادی کو برقرار رکھا لیکن ۱۸۵۸ء میں انگریزوں نے اپنی چال بازیوں کے سبب دوبارہ اس شہر پر قبضہ کر لیا۔

علم وفضل، شعر وادب، فقر وتصوف کے لحاظ سے بریلی میں یوں تو بہت نامور شخصیات پیدا ہوئیں لیکن جو عالم گیر شہرت اور پہچان اس خطہ کو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی جائے ولادت و مدفن ہونے کے سبب حاصل ہوئی، وہ محتاج بیان نہیں۔ بریلی کی علمی روایت اُتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ یہ شہر۔ تاریخِ روہیل کھنڈ، عربی زبان وادب میں روہیل کھنڈ کا حصہ، چند شعرائے بریلی، تذکرہ نعت گویانِ بریلی، تذکرہ شعرائے بریلی وہ چند کتابیں ہیں جن میں بہ حیثیت مجموعی علاقہ روہیل کھنڈ اور بالخصوص بریلی کے اہل علم وفضل کے علمی کارناموں کو کسی حد تک اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ضرورت اس اَمر کی ہے کہ شعراء وادبائے بریلی کے علاوہ علماء، فضلاء اور فقراء بریلی کے حوالے سے تحقیقی کتب مرتب کی جائیں۔

☆

حسنؔ بریلوی: تاریخ ادب اُردو کی ایک منفرد شخصیت

حضرت حسنؔ بریلوی کئی حوالوں سے تاریخِ ادب اُردو کی ایک منفرد شخصیت ہیں۔ آپ کی انفرادیت کا پہلا حوالہ یہ ہے کہ آپ ایک پابندِ صوم وصلاۃ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی انفرادیت کا دوسرا حوالہ یہ کہ آپ کے برادرِ اکبر فقہی اعتبار سے مجتہد فی العصر، سخن وَری میں اُستاذ الاساتذہ، سلوک میں قطب الاقطاب اور علومِ عقلیہ میں غزالیٔ زماں تھے۔ آپ کی انفرادیت کا تیسرا حوالہ یہ کہ آپ بذاتِ خود ایک دینی درس گاہ سے فارغ التحصیل تھے۔ طوطیٔ ہند، بلبلِ ہندوستان فصیح الملک داؔغ دہلوی سے خط کتابت کی محدودیت کے ذریعے نہیں بلکہ براہِ راست تلمذ اختیار کیا یہاں تک کہ داؔغ کے تلامذہ کی کہکشاں میں ''پیارے شاگرد'' ہونے کا اعزاز صرف آپ کو حاصل ہوا۔ اُردو شاعری میں نہ صرف یہ کہ آپ خود صاحبِ دیوان تھے بلکہ آپ کے بہت سے شاگرد بھی صاحبِ دیوان شعراء کی صف میں شامل تھے۔ یہ اعزاز بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے کہ ہر فن میں انھیں امامِ وقت کی شاگردی کا شرف حاصل ہو۔ جس اُستاد سے 'شاعرِ مشرق' کو تلمذ حاصل ہو اُس کے اُستاذ الاساتذہ یا امامِ فن ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ اُستاذِ زمن کو نعت میں امام احمد رضا خان بریلوی اور غزل میں اُستاد نواب مرزا خاں داؔغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔

تاریخ ادب اُردو کے مؤرخین اس حقیقت کا اعتراف تو کرتے ہیں کہ اُردو شاعری کا آغاز مذہبی اور نعتیہ شاعری سے ہوا لیکن بعد ازاں جب تاریخِ ادب اُردو مرتب ہوئی تو نعت کو اُردو شاعری کی حدود سے باہر کی چیز قرار دے دیا گیا۔ چہ جائے کہ حسن رضا نے میدانِ نعت کے ساتھ ساتھ خود کو میدانِ غزل کا شاہ سوار بھی منوایا لیکن نعت کی پاکیزگی نقادانِ اُردو کو نہ بھائی جس نے انھیں غزل گو شعراء میں شمار نہ ہونے دیا۔

گزری صدی نے ادب وشاعری کے حوالے سے بہت سے نشیب وفراز دیکھے۔ دینی ونعتیہ شاعری سے بات گل وبلبل اور طوق وزنجیر سے ہوتی ہوئی ترقی پسندی اور نظم گوئی اور آزاد

شاعری تک جا پہنچی ۔محولہ بالا کو تو اصنافِ سخن کے طور پر قبول کیا گیا لیکن نعت اور نعت گو شعراء کو منبر و محراب سے تعلق کی بنا پر اصنافِ سخن اور شعراء میں جگہ دینے سے انکار کردیا گیا۔حسنؔ بریلوی ایک طرف غزل میں نازک خیالی اور اُسلوبِ بیان کے سبب اس کا حق رکھتے ہیں کہ انھیں اُردو کے اُستاد شعراء میں جگہ دی جائے تو دوسری طرف نعت میں تغزل کی لطافتوں کو برتنے کے باعث اور نثر میں اعتباریت اور بلند خیالی کو جزوِ تحریر بنانے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ انھیں اُردو زبان و ادب اور جمہور اہلِ اسلام کا محسن قرار دیا جائے ۔

حسنؔ بریلوی اگر صرف ایک شاعر ہوتے تو تذکرہ نگاروں اور ناقدین کی طرف سے بے اعتنائی کا ایک پہلو ہی سامنے آتا لیکن ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ حسن رضا ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے ۔ان کے فن کی مختلف جہتوں میں تاریخ گوئی، عربی، اُردو و فارسی شاعری، اُردو نثر نگاری، تنقید نگاری، ادبی و دینی صحافت وہ پہلو ہیں جن پر کماحقہٗ توجہ نہیں دی گئی ۔

مرتبین نے درج بالا پہلوؤں کو روشن کرنے کی اپنی سی کاوش کی ہے اس اعتراف کے ساتھ کہ یہ حرفِ آخر نہیں بلکہ نکتۂ آغاز ہے اُن محققین کے لیے جو سچے اور سُچے ادب میں دلچسپی رکھتے ہیں ۔

''حسن رضا بریلوی ۔فن اور شخصیت'' کے مرتبین نے پچھلی رُبع اور ایک صدی میں حضرت حسن رضا کے حوالے سے لکھے جانے والے ادب کو تعلیقات اور مستند حوالوں سے مزین کر کے یک جا پیش کرنے کی اپنے تئیں ایک بھرپور کوشش کی ہے لیکن انسانی سعی ہونے کے ناطے تسامحات سے مبرا ہونا اس کا مقام نہیں ۔اُمید ہے اہلِ نظر حوصلہ افزائی اور رہنمائی میں بخل سے کام نہیں لیں گے ۔

☆

حسنؔ شناسی
تاریخ کے آئینے میں

''حسن شناسی'' اگر چہ ایک مظلوم عنوان رہا ہے لیکن گزشتہ ایک سو چودہ سالوں میں اس حوالے سے مختلف علمی و ادبی حلقوں میں کچھ نہ کچھ تحریک بیدار ہوتی رہی ہے۔ جس کی کچھ تفصیل یہاں پیش کی جاتی ہے:

۱۔ سب سے پہلے تو حضرت حسنؔ بریلوی کے محبّین، تلامذہ و اولاد نے بروقت توجہ کرتے ہوئے مولانا حسنؔ کے غزلیہ اور نعتیہ دیوان کو شائع کیا۔ حسنؔ بریلوی کے تلامذہ نے اُستاذ کے وصال نیز دیوان غزلیہ و نعتیہ کی اشاعت پر قطعات تواریخ رقم کیے۔ حسنؔ بریلوی کے ایک شاگرد حکیم برکت علی نامیؔ نے ''تذکرۂ مختصر'' بھی تحریر کیا۔

۲۔ حسنؔ بریلوی کی بعض کتب و رسائل مثلاً دین حسن، آئینۂ قیامت، نگارستانِ لطافت اور نعتیہ دیوان ذوق نعت کو متعدد بار شائع کیا گیا جس کے سبب علمی و ادبی حلقوں میں حسنؔ بریلوی کی یاد تازہ رہی۔ البتہ مولانا کی دیگر تصانیف منظر سے غائب ہوتی گئیں یہاں تک کہ ربّ کریم کی عطا کردہ توفیق و عنایت سے راقم نے اپنے دیگر احباب کے تعاون سے انہیں تلاش کیا اور انڈیا کے ایک فاضل دوست جناب محمد افروز قادری کی معاونت سے ''کلیاتِ حسن'' اور ''رسائل حسن'' کے ناموں سے دو جلدوں میں مدوّن کیا جو کہ ۲۰۱۲ء میں بیک وقت پاک و ہند سے شائع ہوئیں۔

۳۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنے رسالہ اُردوئے معلی (علی گڑھ) کے شمارہ بابت نومبر ۱۹۱۱ء میں مولانا حسن رضا بارے مضمون تحریر کیا اور انتخابِ کلام بھی شائع کیا۔

۴۔ ایک ہندو فاضل لالہ سری رام نے اپنی کتاب ''خم خانۂ جاوید'' میں حضرت حسنؔ بریلوی کا بھرپور اور بہتر انداز میں تذکرہ کیا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیبؔ بریلوی نے اپنی کتاب ''چند شعرائے بریلی'' میں حسنؔ بریلوی کی غزلیہ و نعتیہ شاعری پر بہت عمدہ تبصرہ تحریر کیا ہے اور حسن بریلوی کی سیرت و کردار بارے بھی نئی معلومات درج کی ہیں۔

۶۔ معروف مؤرخ جناب مرید احمد چشتی مرحوم کی تحریک پر محترم اصغر حسین خان نظیرؔ لدھیانوی نے حسن بریلوی کے غزلیہ اور نعتیہ دیوان پر شاندار تبصرہ تحریر کیا جو کہ ''شعرِ حسن'' کے نام سے شائع ہوا۔

۷۔ اقبال اختر قادری لکھتے ہیں: ۱۹۸۷ء میں لاہور کی ''مجلس سخن'' کے زیر اہتمام حضرت حسنؔ بریلوی کی یاد میں لاہور انٹرنیشنل ہوٹل میں ایک کانفرنس بعنوان ''تذکارِ نعت گستر'' منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت حسنؔ بریلوی کے فکر و فن پر مضامین و مقالہ جات پڑھے گئے۔ اور بعض مشہور نعت خواں حضرات نے ان کا نعتیہ کلام سنایا۔ اس کانفرنس میں پڑھے گئے مضامین کو ''ماہنامہ نعت'' لاہور نے اپنے خصوصی نمبر ''حسنؔ رضا بریلوی کی نعت''، شمارہ جنوری ۱۹۹۰ء میں بہت شاندار طریقہ سے شائع کیا ہے۔ اس میں درج ذیل عنوانات ہیں:

(۱) نعت حسنؔ پر ایک طائرانہ نظر	از، حزیں کاشمیری
(۲) ''ذوقِ نعت'' کا شاعر	از، اصغر حسین خان نظیرؔ لودھیانوی
(۳) حسن رضا بریلوی کی نعت گوئی	از، پروفیسر ڈاکٹر سیّد اختر جعفری
(۴) حضرت حسنؔ بریلوی اور ان کی شاعری	از، قسیم الدین احمد
(۵) محبت کا شاعر	از، راجا رشید محمود

۸۔ کراچی کے ایک پبلشنگ ادارے ''مدینہ پبلشنگ کمپنی'' نے حسن بریلوی کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' کو حضرت علامہ شمس بریلوی کے تحقیقی مقالہ ''ذوقِ نعت پر ناقدانہ نظر'' کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری (چیف ایڈیٹر اُردو ڈکشنری بورڈ پاکستان) نے اپنی کتاب ''اُردو کی نعتیہ شاعری'' میں حضرت حسنؔ بریلوی کا ذکر نمایاں انداز میں کیا۔

۱۰۔ پروفیسر ڈاکٹر نفیس سندیلوی نے رسالہ ''نگار'' کے ''داغ نمبر'' میں، مولانا حسرت موہانی نے اپنی تصنیف ''نکات سخن'' میں حسنؔ بریلوی کا ذکر احسن انداز میں کیا۔

۱۱۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر نے ''نعت کے چند شعرائے متقدمین'' میں حضرت حسنؔ بریلوی کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کے کلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۲۔ ذوق نعت مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کے متن پر علامہ شمس بریلوی کا تحقیقی مقالہ ''ذوق نعت پر ایک ناقدانہ نظر'' شائع ہوا۔

۱۳۔ ماہنامہ سُنّی دنیا، بریلی کے مدیر مولانا شہاب الدین رضوی (انڈیا) نے مولانا حسن رضا نمبر ۱۹۹۴ء میں شائع کیا جس میں متعدد اہل علم و تحقیق نے حضرت حسنؔ بریلوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحقیقی و تجزیاتی مقالات تحریر کیے ہیں جن پر مفتی تحسین رضا خان تحسینؔ بریلوی اور مفتی حبیب رضا خان حبیبؔ بریلوی نے نظر ثانی اور تصحیح کا کام انجام دیا۔ کل مقالات کی تعداد تقریباً ۳۱ ہے۔ معروف اہل قلم کے نام یہ ہیں: مولانا حامد رضا خان بریلوی، مولانا حبیب رضا خان بریلوی، حکیم سید برکت علی نامیؔ بریلوی، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر ادیب بریلوی، مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ طارق، ڈاکٹر مولانا امجد رضا خان، مفتی عبدالمبین نعمانی، علامہ سبطین رضا خان، مولانا شمشاد حسین رضوی، مولانا سیّد اکمل اجملی، ڈاکٹر سید شمیم گوہر، مولانا حضور احمد منظری، مولانا قمر الزمان مصباحی، صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری، ڈاکٹر اسعد بدایونی، ڈاکٹر سراج احمد القادری بستوی، علامہ شبنم کمالی، مولانا اقبال احمد قادری، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا محمد رفیق عالم رضوی، صوفی محمد جمیل اختر رضوی، نازاں فیضی، مولانا محمد نجف القادری، مولانا محمد ادریس رضوی، شاہ احمد حسین قادری، مولانا مظفر احمد قادری، عبدالغفار انصاری، مولانا بشارت علی رضوی۔

یہ نمبر اپنے مشمولات کے اعتبار سے نہایت اہم ہے لیکن مولانا کے ذاتی حالات و واقعات

اوراخلاق وکردار کے متعلق زیادہ تحریریں شامل نہیں ہیں۔

۱۴۔ ڈاکٹر اسعد بدایونی نے اپنی کتاب ’’داغ کے اہم تلامذہ‘‘ میں حسن بریلوی پر مضمون لکھا اوران کی نعتیہ وغزلیہ شاعری پر اپنا تجزیہ پیش کیا ہے۔

۱۵۔ مجاہدملت مولانا عبدالستار خان نیازی نے مولانا حسن رضا کی کتاب ’’آئینۂ قیامت‘‘ پر ایک مبسوط مقدمہ ’’پیغام حیات‘‘ کے نام سے تحریر کیا جسے ظہورالدین امرتسری نے اپنے ادارہ سے شائع کیا۔

۱۶۔ ڈاکٹرحسین مجیب المصری (م ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء) قاہرہ (مصر) کے مشہور ادیب و شاعر، محقق ومؤرخ تھے۔اُردو، فارسی سمیت متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا۔اُردو کے اکابر ادباء وشعراء غالب، اقبال وغیرہ کے منتخب کلام کوعربی میں منظوم کر کے اپنی کتب میں پیش کیا۔ آپ تین بار پاکستان تشریف لائے اور ۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال ایوارڈ نیز ۱۹۸۸ء میں حکومت پاکستان نے صدارتی ایوارڈ پیش کیے۔آپ نے متعدد تصانیف رقم کیں جن میں سے ’’کربلا بین الشعراء الشعوب الاسلامیۃ‘‘ قاہرہ سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔جن میں مولانا حسن رضا خان فاضل بریلوی کے منتخب کلام کا عربی منظوم ترجمہ بھی درج ہے۔

۱۷۔ محترمہ گلشن آراء نے ۲۰۰۳ء میں جواہر لال یونیورسٹی (نئی دہلی، انڈیا) سے ’’مولانا حسن رضا کی ادبی خدمات‘‘ کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا اور ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

۱۸۔ ڈاکٹر محمد سعید طریحی (پ ۱۹۵۴ء/ ۱۳۷۶ھ) عراق کے شہر کوفہ کے باشندہ اور اب ہالینڈ میں مقیم ہیں۔شیعہ مکتب فکر کے اہم محقق، مؤرخ، صحافی اور سیاح ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں ہندوستان آئے اور کچھ عرصہ قیام کر کے علمی مواد جمع کیا۔ بعدازاں برصغیر کے متعلق عربی میں متعدد کتب تحریر کیں۔مشاہیر ہند کے اَحوال پر کتاب ’’اعلام الھند‘‘ لکھی جو ۲۰۰۵ء میں بیروت سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس میں مولانا حسن رضا خان بریلوی کے اَحوال بھی درج کیے۔

۱۹۔ پروفیسر منیر الحق کعبی نے ’’نگارستانِ لطافت‘‘ مصنفہ مولانا حسن رضا خان پر ایک مقالہ

''قوت بازوئے امام احمد رضا'' کے نام سے تحریر کیا جو کہ اسی کتاب کے ساتھ مسلم کتابوی (لاہور) سے شائع ہوا۔

۲۰۔ رسالہ ''نعت رنگ'' (کراچی) کی جلد ۱۸ ''امام احمد رضا نمبر'' میں ڈاکٹر صابر سنبھلی کا تحقیقی مقالہ بعنوان ''مولانا حسن رضا خان اور اعلیٰ حضرت میں کچھ مماثلتِ طرح'' شائع ہوا۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی کا ایک تحقیقی مضمون ''مولانا حسن رضا خان کی نعتیہ شاعری'' بھی دستیاب ہوا، جسے ہم نے پیشِ نظر کتاب کا حصہ بنا دیا ہے۔

۲۱۔ ڈاکٹر سراج احمد القادری بستوی نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ ''مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ایک تحقیقی مطالعہ'' میں مولانا حسن رضا خان کے متعلق لکھا ہے، نیز ڈاکٹر صاحب نے ''مولانا احمد رضاؔ بریلوی اور مولانا حسنؔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک موازناتی مطالعہ'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ بھی تحریر کیا جو کہ انڈیا کے کسی مجلہ میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے راقم کو اس کی سوفٹ فائل بذریعہ ای میل مہیا کی۔ افسوس کہ ڈاکٹر صاحب سے رابطہ اُس وقت ہوا، جب پیشِ نظر کتاب ترتیب و تدوین کے آخری مراحل میں تھی۔

۲۲۔ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی (مالیگاؤں، انڈیا) نے ''مولانا حسن رضا کی نعتیہ شاعری'' کے متعلق ایک مقالہ تحریر کیا تھا جو کہ پیشِ نظر کتاب میں شامل ہے۔ نیز ڈاکٹر صاحب نے ہماری مرتبہ کتاب ''کلیاتِ حسن'' پر بھی تجزیاتی مقالہ تحریر کیا تھا جو کہ ان کے ویب بلاگ پر موجود ہے۔

۲۳۔ ڈاکٹر سراج احمد القادری بستوی نے اطلاع دی کہ ''حسن رضا کی نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے ڈاکٹر تحسین فاطمہ نے پروفیسر ناز قادری کی زیرِ نگرانی تحقیقی مقالہ تحریر کیا جس پر ۲۰۰۶ء میں بہار یونیورسٹی (انڈیا) نے اُنہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا۔

۲۴۔ راقم نے ۲۰۱۱ء میں ''مولانا حسن رضا خان کی تصنیفی خدمات'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جس میں مولانا کی منظوم و منثور تمام تصانیف کا تعارف کروایا گیا۔ راقم کا یہ مقالہ پاکستان میں پہلی مرتبہ ماہنامہ سوئے حجاز (لاہور) نے تین اقساط میں شائع کیا، پھر

معارف رضا (کراچی) نے غالباً ۲۰۱۲ء کے سالنامہ میں یکجا شائع کیا۔ یہی مقالہ انڈیا کے رسالہ یادگارِ رضا (مالیگاؤں) نے بھی اپنے سالنامہ میں شائع کیا، نیز متعدد ماہناموں نے قسط وار بھی شائع کیا تھا۔

۲۵۔ ۲۰۱۲ء میں ہی پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری مرحوم نے مولانا حسن رضا کا غزلیہ دیوان ''ثمر فصاحت'' جدید کمپوزنگ کے ساتھ اپنے ادارہ ''رضا پبلیکیشنز'' سے شائع کیا۔ ڈاکٹر خورشید رضوی نے اس پر مقدمہ لکھا جو مختصر ہوتے ہوئے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر خورشید رضوی کا یہ مقالہ پیشِ نظر کتاب میں شامل ہے۔

۲۶۔ ۲۰۱۲ء میں راقم اور مولانا افروز قادری چریاکوٹی کی مشترکہ کاوش سے مولانا حسن رضا کی جملہ منظوم و منثور تصانیف یکجا شائع ہوئیں۔ نثری کتب و رسائل کے مجموعہ کو ''رسائل حسن''، اور منظومات کے مجموعہ کو ''کلیات حسن'' کا نام دیا گیا۔ یہ دونوں کتب بیک وقت پاکستان اور ہندوستان سے شائع ہوئیں۔ انڈیا کے احباب نے ''کلیات حسن'' شائع کرتے ہوئے حضرت حسنؔ بریلوی کا غزلیہ دیوان ''ثمر فصاحت'' خارج کر دیا تھا۔

۲۷۔ مولانا محمد ادریس رضوی (گلبرگہ) نے ''اُستاذِ زمن، علم و عمل اور فکر و فن کے عظیم پیکر'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا کہ جو ماہنامہ سُنّی دنیا (بریلی) کے ''حسن رضا نمبر'' میں شائع ہوا۔ نیز ہماری مرتبہ کتاب ''کلیات حسن'' کے متعلق تعارفی مضمون بھی تحریر فرمایا جو کہ پیشِ نظر کتاب کا حصہ ہے۔

۲۸۔ جانشین شرفِ ملت ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری کی زیرِ نگرانی منہاج یونیورسٹی (لاہور) کے ایک طالب علم راشد محمود رضوی نے مولانا حسن رضا کی شاعری کے فنّی و لسانی جائزے پر ایم فل کا مقالہ تحریر کیا۔

۲۹۔ سہ ماہی رسالہ مدحت، لاہور کے مدیر معروف نعت خوان، نعت گو شاعر اور صحافی محترم سرور حسین نقشبندی نے جلد نمبر ا، شمارہ نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳ بابت مارچ تا نومبر ۲۰۱۷ء کا ایک حصہ ''گوشۂ حسن رضا بریلوی'' کے عنوان سے مختص کیا اور معروف اہل قلم کے تحقیقی مقالات

کو اس خصوصی شمارہ میں جگہ دی۔

۳۰۔ مولانا حسن رضا بریلوی کی علمی و ادبی خدمات پر ہندوستان کے ایک دوست ڈاکٹر حامد علی نے پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر کی زیرنگرانی تحقیقی مقالہ تحریر کیا جس پر گلبرگہ یونیورسٹی (انڈیا) نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری ایوارڈ کی ہے۔(یہ مقالہ نیٹ پر دستیاب ہے)

۳۱۔ کراچی کے ایک دوست محترم محمد عتیق شاہ مرسل قادری نے ''محاکاتِ امام حسن رضا کا خصوصی مطالعہ، ذوق نعت کے تناظر میں'' ایم فل کا مقالہ تحریر کیا ہے اور معائنہ کے لیے فیڈرل اُردو یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی میں جمع کروادیا ہے۔

۳۲۔ ڈاکٹر مشاہد رضوی (انڈیا) نے خبر دی کہ اُن کے کزن محترم نور محمد ابن پیر محمد نے پنیہ شلوک اہلیہ بائی ہولکر سولاپور یونیورسٹی، سولاپور (مہاراشٹر، انڈیا) میں پی ایچ۔ڈی مقالہ بعنوان ''حسن رضا بریلوی کی نثری وشعری خدمات کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' کے لیے رجسٹریشن ہو چکی ہے۔

۳۳۔محترم اظہر عباس علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد) سے ''حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا موضوعاتی اور تکنیکی مطالعہ'' کے عنوان سے ایم فل (اُردو ادب) کے لئے تحقیقی مقالہ تحریر کر رہے ہیں۔

۳۴۔پیش نظر کتاب ''حسن رضا بریلوی: فن اور شخصیت'' پیش خدمت ہے۔

کچھ پیشِ نظر کتاب کے بارے میں

''رسائل حسنؔ'' اور ''کلیات حسنؔ'' کی اشاعت کے وقت ارادہ تھا کہ ''جہانِ حسنؔ'' کے نام سے مولانا حسن رضا خان حسنؔ فاضل بریلوی کے متعلق اہلِ علم کے تحقیقی مقالات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دے دی جائے لیکن اس دوران دیگر کئی موضوعات میں مشغولیت کے سبب یہ کام التوا کا شکار رہا۔ کورونا لاک ڈاؤن سنہ ۲۰۲۰ء میں مولانا حسن رضا کے متعلق متعدد تحقیقی مقالات کمپوز کروا لیے لیکن اس وقت ''احوال و آثارِ فیضی'' زیرِ ترتیب تھی پس یہ کام مؤخر ہوتا رہا۔ نومبر ۲۰۲۱ء میں عزیز دوست ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری سے اس کام کا ذکر کیا تو انہوں نے اپنے تعاون کا مکمل یقین دلایا چنانچہ کتاب کا ابتدائی مسودہ اُن کے حوالے کر دیا گیا۔ جسے ڈاکٹر صاحب نے بڑے انہماک سے پڑھا اور کتاب کی ترتیب کے متعلق اہم تجاویز سے نوازا۔ ابتدا میں ارادہ تھا کہ حضرت حسنؔ بریلوی کے فکر و فن اور شخصیت کے متعلق اہم مقالات کو مختلف ابواب میں ترتیب دے کر ہفتہ دس دن میں اشاعت کے لیے دے دیا جائے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ان مقالات میں بیشتر جگہ مواد کی یکسانیت، بے جا تکرار اور متعدد شخصیات کے ناموں کو ذکر کرتے ہوئے بھاری القابات لگائے گئے ہیں۔ ان مقالات میں درج شعری مثالوں کو ملاحظہ کیا گیا تو ان میں بھی کتابت کی کثیر اغلاط موجود پائیں۔ نثری اقتباسات کو حضرت حسنؔ بریلوی کے تحریر کردہ متن سے تقابل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مقالہ نگاران نے متعدد مقامات پر عبارات کو مفید مطلب اور آسان فہم بنانے کے لیے الفاظ کا ردّ و بدل کیا ہے۔ اس صورتِ حال نے حدودِ کار اور دورانیہ کو مزید وسعت دے دی تھی جو کہ بالکل غیر متوقع تھی۔ چنانچہ کتاب کی ترتیب پر از سرِ نو غور کرتے ہوئے قرار پایا:

۱۔ حضرت حسنؔ بریلوی کے سیرت و اَحوال اور خاندانی پس منظر بارے معلومات نیز آپ کے فکر وفن بارے مقالات کو از سرِ نو ترتیب دیا جائے کہ کہیں بھی مواد میں یکسانیت اور تکرارِ لفظی و معنوی نہ ہو۔ اس مقصد کو یقینی بنانے کے لیے متعدد مرتبہ کتاب کے مسودے کو بالاستیعاب پڑھا گیا اور ہر بار اس میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔

۲۔ حضرت حسنؔ بریلوی کی تصانیف کا مفصل تعارف شامل کتاب کیا جائے۔

۳۔ حسنؔ شناسی کی متعدد اہم جہتیں (جن پر اب تک زیادہ توجہ نہیں کی جا سکی) کو بہتر اور نمایاں انداز میں کتاب کا حصہ بنایا جائے، اس ضمن میں ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری نے راقم کی تحریک پر حضرت حسن رضا بریلوی کی اُردو مثنویات بارے ایک عمدہ مضمون بھی تحریر کیا۔ جانشین شرف ملت ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری نے حضرت حسنؔ بریلوی کے فارسی کلام کے مختصر جائزہ پر ایک مضمون تحریر کیا۔ نیز حسنؔ بریلوی کے عربی کلام پر بھی اپنے ایک برقی پیغام میں اظہارِ خیال فرمایا جسے کتاب کا حصہ بنا دیا گیا۔ یونہی راقم نے ''حسنؔ اور داؔغ''، ''حسنؔ اور رضاؔ'' کے عناوین سے حضرت حسنؔ بریلوی کے اپنے اُستاذ داؔغ دہلوی اور برادرِ اکبر امام احمد رضا سے باہمی تعلقات و روابط کا جائزہ پیش کیا ہے۔ حضرت حسنؔ بریلوی کی تاریخ گوئی اور منقبت نگاری کے متعلق مضامین میں اہم و مفید اضافات بھی کیے گئے۔

۴۔ ''حسنؔ شناسی، تاریخ کے آئینے میں'' کے عنوان سے مقدمۂ کتاب میں حضرت حسنؔ بریلوی کی شخصیت و فکر اور فنّی کمالات بارے اربابِ علم و تحقیق کے کام کی نشان دہی کر دی ہے تا کہ مستقبل میں حضرت حسنؔ بریلوی پر کام کرنے والوں کو موضوعات کی ترتیب و انتخاب اور مطلوبہ مواد تک رَسائی میں سہولت ہو سکے۔

۵۔ حضرت حسنؔ بریلوی کی اولاد سے اہم شخصیات کا تعارف کتاب میں درج کیا گیا ہے اور دیگر اولاد کی تفصیل بارے ایک شجرہ شامل کتاب کیا گیا ہے جو کہ راقم کی تحریک پر مولانا مفتی تحسین رضا خان کے صاجزادے مولانا حسان رضا خان نے ترتیب دیا۔ مولانا حسان

رضا سے اس شجرہ کی ترتیب کے لیے محترم میثم عباس رضوی (لاہور) اور محترم محمد زبیر قادری (مدیر "مسلک"، "افکار رضا"، بمبئی) وسیلہ بنے۔

۶۔ کتاب میں مذکور اہم شخصیات کے متعلق توضیحی حواشی کتاب کے آخر میں درج کیے گئے ہیں۔

۷۔ کتاب کو متعدد مرتبہ پروف ریڈنگ کے عمل سے گزارا گیا ہے، لیکن پھر بھی مواد کی ترتیب واندراج اور کمپوزنگ میں سہو واغلاط سے مبرّا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس ضمن میں مرتبین عرض گزار ہیں کہ قارئین کرام کہیں کوئی سُقم ملاحظہ فرمائیں تو ضرور احسن انداز میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

اللہ ربّ العزت جلّ جلالہٗ کی عطا کردہ توفیق اور اُس کے حبیب جانِ رحمت کانِ رحمت تاجدارِ ختم نبوت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نظرعنایت سے پیش نظر کتاب تحقیق وترتیب اور اشاعت کے مراحل سے گزر کر قارئین کرام کے ملاحظہ واستفادہ کے لیے دستیاب ہوئی۔ کتاب کی ترتیب وتدوین میں ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری اور بزرگ محقق محترم عابد حسین شاہ پیرزادہ (چکوال) نے اہم مشوروں سے نوازا۔ پیر طریقت میاں محمد نعیم اویسی، اُستاذ العلماء علامہ قاری محمد سلیمان سیالوی اور یادگارِ اسلاف سیّد اویس علی سہروردی کتاب کی ترتیب وتدوین کے لیے خصوصی طور پر دعا گو رہے۔ ربّ کریم سب کو جزائے خیر سے نوازے اور اس کام کو ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین

آخر میں اپنے مشفق ومہربان دوست حضرت علامہ مفتی حافظ اُسید الحق قادری الازہری محقق ومحدّث بدایونی (۱۹۷۵۔ ۲۰۱۴) کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ بہترین اخلاق واقدار کے حامل، مستند وجیّد عالم دین اور بہترین محقق تھے۔ نہایت کم عمری میں ایک سو سے زائد کتب ورسائل کی تحقیق وترتیب جدید کا کام انجام دیا نیز اُن پر تحقیقی مقدمات تحریر کیے۔ اپنے اسلاف کی کتب کی اشاعت نَو کے ساتھ ساتھ خود بھی مختلف موضوعات پر کتب تحریر کیں۔ ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دنیا بھر کے محققین کے ساتھ علمی تعاون کرتے تھے اور اس ضمن میں اپنے

دستیاب وسائل کو بروئے کار لانے اور دستِ تعاون بڑھانے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا۔ ''رسائل حسن'' اور ''کلیات حسن'' کی ترتیب و تدوین میں اگر آپ کا تعاون شامل نہ ہوتا تو شاید ہمارے لیے یہ کام نہایت دُشوار ہو جاتا۔ آپ نے حضرت حسنؔ بریلوی کی نایاب کتابیں اپنے کتب خانہ سے اسکین کروا کر مہیا کیں۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ رسائل و کلیات حسن کی اشاعت کے بعد ہمارا ارادہ ''جہانِ حسنؔ'' لانے کا ہے تو آپ نے از خود بذریعہ ای میل درج ذیل پیغام ارسال فرمایا

''اُمید ہے کہ 'جہانِ حسن' کا کام چل رہا ہوگا، اس سلسلے میں میرے لائق جو بھی خدمت ہو مطلع فرمائیں۔''[1]

راقم نے اُن کی خدمت میں ''مولانا حسن رضا اور اکابر بدایوں کے باہمی روابط و تعلقات'' کا موضوع پیش کیا تھا جسے اُنہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا، لیکن ۲۰۱۴ء میں اُن کی شہادت کے سبب یہ موضوع تشنۂ تحقیق ہی رہا۔ ربّ کریم سے دعا ہے کہ عالم ربّانی حضرت شہید بغداد رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو بُقعۂ نور بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

☆

[1] برقی مکتوب مورخہ ۴/اپریل ۲۰۱۲ء مندرجہ عالم ربانی نمبر (ماہنامہ جام نور، اپریل ۲۰۱۴)

حسن رضا بریلوی
سیرت و اَحوال

خانوادۂ حسنؔ بریلوی

حسنؔ بریلوی کے آباؤ اجداد افغانی پٹھان تھے، عہد مغلیہ میں برصغیر پاک و ہند منتقل ہوئے جبکہ ان کا اصل وطن قندھار (افغانستان) اور قبیلہ 'بڑھیچ' تھا، جہاں ان کی ریاست واَمارت اور نوابی و جاگیر داری تھی۔ دنیاوی ریاست و امارت، حکومت و اقتدار، شجاعت و بہادری اور سماجی فوقیت و برتری کے باوجود یہ قبیلہ دین داری، عدل پروری و انصاف گستری، تقویٰ وطہارت، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، علوم ومعارف پروری اور شریعت کی پاسداری میں اپنی مثال آپ تھا۔ غرض دینی و دنیاوی، ہر دو اعتبار سے یہ خاندان نہایت ممتاز ومنفرد تھا۔

امیر سعید اللہ خان

اس خاندان کے مورث اعلیٰ امیر سعید اللہ خان عہد مغلیہ میں واردِ ہندوستان ہوئے، پہلے کچھ عرصہ لاہور میں قیام کیا، کہا جاتا ہے کہ لاہور کا شیش محل ان کو بطورِ جاگیر ملا تھا۔ مولانا حسنین رضا خان بریلوی اپنی خاندانی رِوایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ رِوایت اس خاندان میں سلف سے چلی آرہی ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ والیانِ قندھار کے خاندان سے تھے۔ شہزادہ سعید اللہ خان ولی عہد حکومت قندھار کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سوتیلی ماں کا دَور دورہ ہوا تو اُنھوں نے اپنے بیٹے کے لیے ولی عہدی کی جگہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں ان باپ بیٹوں میں اتنا نفاق کرا دیا کہ شہزادہ سعید اللہ خان ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ ان کے چند دوستوں نے بھی اس ترکِ وطن میں ان کا ساتھ دیا۔ یہ ساری جماعت قندھار سے لاہور آ گئی۔ لاہور کے گورنر نے دربارِ دہلی کو اطلاع کی کہ قندھار کے ایک شہزادے کسی کشیدگی کی وجہ سے ترکِ وطن کر

کے لاہور آگئے ہیں۔ اس کے جواب میں مہمان نوازی کا حکم اور اور لاہور کا شیش محل ان کو رہائش کے لیے عطا ہوا، جو آج بھی موجود ہے۔"[1]

کچھ عرصہ لاہور میں قیام کے بعد امیر سعید اللہ خان دہلی چلے گئے، جہاں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز المرام ہوئے، یہاں تک کہ آپ کو "شش ہزاری" (ایک منصب دار جس کے ماتحت چھ ہزار سپاہی ہوا کرتے تھے) کا منصب بھی ملا۔ آپ نے جب بڑھاپے کی وجہ سے ملازمت چھوڑ دی تو آخری عمر یادِ الٰہی میں گزار دی۔ ذکر وفکر کے لیے جس جگہ قیام کیا، وہیں وصال کے بعد دفن ہوئے، بعد میں مسلمانوں نے اس جگہ کو قبرستان میں تبدیل کر دیا۔ یہ قبرستان "شہزادے کا تکیہ" کہلاتا ہے اور محلہ 'معماران' بریلی میں واقع ہے۔[2]

امیر سعادت یار خان

محمد سعادت یار خان بن امیر سعید اللہ خان مغل بادشاہ محمد شاہ (۱۷۰۲ء/ ۱۷۴۸ء) کے وزیر شعبۂ مالیات تھے۔ دہلی میں 'بازار سعادت گنج' اور 'سعادت خان' کی نہریں ان کے نام سے منسوب تھیں۔ آپ کو ریاست 'روہیل کھنڈ' کا صوبہ دار بنایا گیا مگر اُس وقت آپ بستر علالت پر تھے۔ آپ کی خدمات کے سبب ضلع بدایوں کے اطراف میں مواضعات معافی عطا کیے گئے۔

سعادت یار خان کے تین بیٹے تھے:

۱۔ شاہ محمد اعظم خان

۲۔ شاہ محمد مکرم خان[3]

۳۔ شاہ محمد معظم خان[4]

---

[1] سیرت اعلیٰ حضرت، ص ۷۲، مؤلفہ مولانا حسنین رضا خان بریلوی

[2] تاج الشریعہ کے خاندانی حالات از مفتی حنیف رضا خان بریلوی، یہ مقالہ درج ذیل ویب لنک پر ۱۲/فروری ۲۰۲۲ء کو ملاحظہ کیا گیا۔ https://muftiakhtarrazakhan.com/arc119/

[3] مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں کہ ان کی نرینہ اولاد اب نہیں ہے البتہ ان کی نسل میں ان کی نواسیوں کی اولاد ہے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۹۹)

[4] حیات اعلیٰ حضرت کے عرصۂ تصنیف میں ان کی اولاد میں سے مولانا بخش اللہ خان حیات تھے۔ (ایضاً)

شاہ محمد اعظم خان

شاہ محمد اعظم خان بن امیر سعادت یار خان کچھ عرصہ مختلف اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز رہے لیکن پھر تارک دنیا ہوگئے اور اسی جذب و مستی کی کیفیت میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ محلہ 'معماران' بریلی میں قبرستان معروف بہ "شہزادے کا تکیہ" میں ان کی قبر بھی ہے۔ آپ کا شمار صاحب ولایت و کرامت بزرگوں میں ہوتا تھا۔

آپ جن دنوں تکیہ معماران میں گوشہ نشین تھے، اُس زمانہ میں آپ کے صاحبزادے حافظ محمد کاظم علی خان بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ حافظ صاحب اپنے والد محترم سے ملاقات کے لیے ہر جمعرات کو حاضر ہوتے اور گراں قدر رقم نذر کرتے۔ ایک مرتبہ موسم سرما میں آئے تو دیکھا کہ سردی کی شدت سے حفاظت کے لیے ان کے جسم پر کوئی مناسب کپڑا نہیں، تو حافظ صاحب نے اپنی قیمتی چادر اُتار کر اپنے والد کو اوڑھا دی، لیکن انہوں نے فوراً اُتار کر آگ کے الاؤ پر ڈال دی۔ حافظ صاحب نے دل میں سوچا کہ یہ تو قیمتی چیز ضائع ہوگئی، کسی غریب کو دے دیتا تو اُس کا بھلا ہو جاتا۔ اس وسوسہ کے آتے ہی شاہ محمد اعظم خان نے آگ کے بھڑکتے شعلوں میں ہاتھ ڈال کر وہ چادر کھینچ لی اور فرمایا: "کاظم لے اپنی چادر"۔ دیکھا تو چادر بالکل صحیح سالم تھی، اُس پر آگ کا کچھ اثر نہ تھا۔

شاہ محمد اعظم خان نے دو نکاح کیے۔ پہلی زوجہ سے صاحبزادہ حافظ محمد کاظم علی خان پیدا ہوئے جبکہ دوسری زوجہ سے چار صاحبزادیاں ہوئیں۔

حافظ محمد کاظم علی خان

حافظ محمد کاظم علی خان بن شاہ محمد اعظم خان ضلع بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ دو سو سواروں کی بٹالین ان کی خدمت میں ہمہ وقت موجود رہتی تھی اور سلطانِ وقت کی طرف سے آپ کو آٹھ گاؤں معافی جاگیر میں ملے تھے۔

آپ نے تین شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ سے تین اولادیں ہوئیں:

۱۔ امام العلماء صوفیِ باصفا مولانا رضا علی خان نقشبندی،

۲۔ رئیس الحکماء حکیم تقی علی خان،
۳۔ صاحبزادی موتی بیگم

دوسری زوجہ سے تین لڑکیاں بدر النساء، صدر النساء اور قمر النساء پیدا ہوئیں۔

تیسری زوجہ سے ایک بیٹا جعفر علی خان پیدا ہوا۔

حکیم تقی علی خان، مہاراجہ جے پور کے طبیب خاص تھے۔ ان کا نکاح دہلی کے مشہور حکیم محمد واصل خان کی صاحبزادی سے ہوا تھا، جن سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔

۱۔ مہدی علی خان،
۲۔ حکیم ہادی علی خان،
۳۔ فتح علی خان،
۴۔ فدا علی خان۔

مہدی علی خان کا نکاح مولانا رضا علی خان نقشبندی کی بیٹی سے ہوا، ان کا ایک بیٹا احمد حسن خان ہوا۔ حکیم ہادی علی خان کا نکاح ریاست ٹونک میں عبد العلیم خان کی بیٹی سے ہوا، اور چار اولادیں ہوئیں: ہدایت علی خان، سردار ولی خان، محبوب علی خان، صدیق النسا بیگم۔ ان میں سے سردار ولی خان کی اولاد میں سے مولانا مفتی تقدس علی خان بریلوی، مولانا اعجاز ولی خان رضوی مشہور ہیں۔

امام العلماء مولانا شاہ رضا علی خان نقشبندی

حضرت مولانا شاہ رضا علی خان (۱۸۰۹۔ ۱۸۶۶) کا شمار اپنے عہد کے ممتاز علماء وصوفیہ میں ہوتا تھا۔ آپ علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور جملہ علوم وفنون بالخصوص فقہ وفتوی نویسی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مسند افتاء پر فائز ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا خلیل الرحمن ٹونکی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نام ملتے ہیں۔ آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے معروف شیخ حضرت فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت کی اور فقر وغنا کی عملی تربیت حاصل کی۔ مولانا رحمٰن علی مؤلف تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں:

''آپ اپنے اقران و اماثل اور علمائے زمانہ میں مشارٌ الیہ تھے خصوصاً علم فقہ و تصوف میں کامل مہارت حاصل فرمائی۔ تقریر نہایت پُر تاثیر فرماتے۔ آپ کے اَوصاف شمار سے باہر ہیں خصوصاً نسبت کلام اور سبقت کلام، زہد وقناعت، حلم وتواضع، تجرید وتفرید، آپ کی خصوصیات سے تھے۔''

مولانا شاہ رضا علی خان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جس کے سبب آپ کی جائیداد کا بڑا حصہ انگریزوں نے ضبط کرلیا۔

۲/ جمادی الاوّل ۱۲۸۲ھ کو آپ کا وصال بریلی میں ہوا، اور وہیں تدفین ہوئی۔

مولانا شاہ رضا علی خان نے دو نکاح کیے۔ پہلی زوجہ سے حضرت رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان اور ایک صاحبزادی تھیں جن کا نکاح حکیم تقی علی خان کے صاحبزادے مہدی علی خان سے ہوا۔ دوسری زوجہ سے ایک بیٹی مستجاب بیگم تھیں جن کا نکاح وہاب علی خان آنولوی سے ہوا لیکن لاولد فوت ہوئیں۔

رئیس المتکلمین مفتی نقی علی خان

حضرت مولانا نقی علی خان (۱۸۳۰۔ ۱۸۸۱ء) مفتی، فقیہ، ماہر علوم دین اور صوفی منش بزرگ تھے۔ تعلیم وتربیت سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے والد گرامی شاہ رضا علی خان کے دارالافتاء میں مشق فتوی نویسی میں مشغول ہوئے اور اس میں یہاں تک مہارت حاصل کی کہ آپ کی ذات مرجع علماء ہوگئی۔ ایک دینی درس گاہ ''مصباح التہذیب'' کی بنیاد رکھی اور کثیر تشنگانِ علوم کو فیض یاب کیا۔ تقریباً چالیس کتب بھی تصنیف کیں جو کہ آج بھی اہل علم میں حد درجہ مقبول ہیں۔

۲۹/ ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات وقت نماز ظہر آپ نے اس دنیا کو خیر آباد کہا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ نزع کے وقت میں سرہانے موجود تھا۔ واللہ العظیم ایک نورِ ملیح علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اُٹھ کر برقِ تابندہ کی طرح چہرے پر چمکا، جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے یہ حالت ہو کر غائب ہوگیا، اس کے ساتھ ہی رُوح بدن میں نہ تھی۔ آخری لفظ جو آپ کی

زبان سے اَدا ہوا، وہ لفظ ''اللہ'' تھا۔

مولانا نقی علی خان کی شادی مغلیہ خاندان کے نواب اسفند یار بیگ (لکھنؤ) کی بیٹی حسینی خانم سے ہوئی۔ یہ خاتون اپنے خاندان میں اپنی غیر معمولی ذہانت و ہوش مندی کے سبب ''سلطان عقل'' اور ''وزیر عقل'' کے القاب سے مشہور تھیں۔ ان سے تین بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ احمدی بیگم[۱]

۲۔ امام احمد رضا خان

۳۔ مولانا حسن رضا خان

۴۔ حجاب بیگم[۲]

۵۔ مولانا محمد رضا خان

۶۔ محمدی بیگم (زوجہ کفایت اللہ خان خلف عطاء اللہ خان)

امام احمد رضا خان

مولانا حسن رضا خان کے بڑے بھائی مولانا امام احمد رضا خان (۱۸۵۶۔۱۹۲۱ء) مشہور عالم دین، مفتی، محدّث، مفسر، مختلف علوم وفنون بالخصوص علم ریاضی وجفر کے ماہر، متقی ومتورّع اور بلند پایہ نعت گو شاعر تھے۔ مختلف علوم وفنون پر تین سو سے زائد کتب ورسائل تحریر کیے۔ آپ کے فتاوی کا مجموعہ ''العطایا النبویّہ فی الفتاوی الرضویہ'' (۳۳ جلدیں) مشہور ومعروف ہے۔ آپ کے تلامذہ، خلفا، مریدین اور عقیدت مندوں کی تعداد ہندوستان بھر میں دیگر مسالک کے وابستگان کی نسبت سب سے زیادہ ہے۔ امام احمد رضا خان کا نکاح شیخ فضل حسین

---

[۱] مولانا نقی علی خان کی اولاد میں سب سے بڑی بیٹی احمدی بیگم تھیں۔ ان کا نکاح یکم ربیع الاوّل ۱۲۸۴ھ کو غلام دستگیر خان عرف محمد شیر خان خلف محمد عمران خان سے ہوا جو بریلی کے محلہ جسولی کے رہنے والے تھے۔ ان کے دو فرزند مولانا علی احمد خان اور مولانا علی محمد خان تھے اور ایک دختر محمودی جان تھیں جن کا نکاح بعد ازاں مولانا نقی علی خان کے شاگرد مولانا حشمت اللہ (ڈپٹی کلکٹر، علی گڑھ) سے ہوا تھا۔ محمودی جان کے ایک فرزند محمد اسحٰق خان عرف ''پیارے میاں'' بیرسٹر اور علی گڑھ میں پروفیسر تھے۔ ثاقب قادری

[۲] حجاب بیگم زوجہ وارث علی خان کے دو فرزند واجد علی خان اور شاہد علی خان تھے نیز تین دختران بھی تھیں۔

عثمانی[1] کی دختر ارشاد بیگم سے ہوا تھا۔امام احمد رضا خان کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں جن کے نام اور کوائف یوں ہیں:

۱۔ مولانا حامد رضا خان ۲۔ مولانا مصطفیٰ رضا خان

۳۔ مصطفائی بیگم (زوجہ حاجی شاہد علی خان بن حجاب بیگم)

۴۔ کنیز حسن (زوجہ حمید اللہ خان بن حاجی احمد اللہ خان بن رئیس اعظم کفایت علی خان)

۵۔ کنیز حسین (زوجہ حکیم حسین رضا خان ابن مولانا حسن رضا خان)

۶۔ کنیز حسنین (زوجہ مولانا حسنین رضا خان ابن مولانا حسن رضا خان)

۷۔ مرتضائی بیگم (زوجہ مجید اللہ خان بن حاجی احمد اللہ خان بن حاجی کفایت علی خان)

مولانا حامد رضا خان ماہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء میں بریلی میں پیدا ہوئے، اور ۱۷ر جمادی الاوّل ۱۳۶۲ھ کو بریلی میں ہی فوت اور مدفون ہوئے۔محض ۱۹ سال کی عمر میں تمام علوم دینیہ وعصریہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔شاہ ابوالحسین نوری مارہروی سے بیعت ہوئے۔مولانا حامد رضا کی شادی ان کی پھوپھی حجاب بیگم کی بیٹی کنیز عائشہ سے ہوئی تھی۔آپ کے دو صاحبزادے مولانا ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں (۱۳۲۵۔۱۳۸۵ھ) اور مولانا حماد رضا خان عرف نعمانی میاں (۱۳۳۴۔۱۳۷۵ھ) تھے۔نیز چار صاحبزادیاں ہوئیں جن کے نام یوں ہیں:

۱۔ اُم کلثوم زوجہ حکیم حسین رضا خان

۲۔ کنیز صغریٰ بیگم زوجہ مفتی تقدس علی خان

۳۔ رابعہ بیگم زوجہ مشہود علی خان

۴۔ سلمیٰ بیگم زوجہ مشاہد علی خان

مولانا ابراہیم رضا خان کی شادی مولانا مصطفیٰ رضا خان نوری کی بڑی صاحبزادی نگار فاطمہ

---

[1] شیخ فضل حسین عثمانی کا نکاح غلام فرید خان کی دختر یعقوبی جان سے ہوا تھا۔غلام فرید خان کے والد غلام دستگیر خان اور دادا شہزادہ مکرّم خان تھے جو کہ امیر سعادت یار خان کے بیٹے اور محمد اعظم خان کے برادرِ اصغر تھے۔

سے ہوئی، ان کی کل آٹھ اولادیں ہوئیں جن میں پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ جن کے نام یوں ہیں:

۱۔ مولانا ریحان رضا خان عرف رحمانی میاں (۱۹۰۸۔۱۹۸۵)

۲۔ مولانا اختر رضا خان الازہری (۱۹۴۳۔۲۰۱۸)[1]

۳۔ تنویر رضا خان ۴۔ مولانا قمر رضا خان

۵۔ مولانا منّان رضا خان ۶۔ سرفراز بیگم

۷۔ سرتاج بیگم ۸۔ دلشاد بیگم

مولانا حماد رضا خان عرف نعمانی میاں کی اولاد میں صرف تین کے نام معلوم ہوئے:

۱۔ حمید رضا خان ۲۔ مسّرت بی بی ۳۔ نصرت بی بی

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان ۲۲؍ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۶؍جولائی ۱۸۹۳ کو بریلی میں پیدا ہوئے اور ۱۴؍محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲؍نومبر ۱۹۸۱ء کو وصال ہوا۔ محض چھ ماہ کی عمر میں ہی حضرت شاہ ابوالحسین نوری مارہروی نے جملہ سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت سے نوازا۔ طویل عمر پائی، نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک فتاوی تحریر کیے۔ متعدد کتب بھی تصنیف کیں۔ آپ کے مریدین، تلامذہ اور خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کا ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں تھیں، بیٹے کا نام انوار رضا خان رکھا لیکن اس کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا۔ چھ بیٹیوں کے نام یوں ہیں:

۱۔ نگار فاطمہ، ۲۔ انوار فاطمہ،

۳۔ برکاتی بیگم، ۴۔ رابعہ بیگم،

۵۔ ہاجرہ بیگم، ۶۔ شاکرہ بیگم۔

مولانا حسن رضا خان

مولانا حسن رضا اور ان کی اولاد کے متعلق معلومات اگلے صفحوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] بریلی کے موجودہ سجادہ مولانا عسجد رضا خان مولانا اختر رضا خان کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ثاقب قادری

مولانا محمد رضا خان عرف ننھے میاں

آپ مولانا نقی علی خان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، ابھی کم سن ہی تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا چنانچہ آپ کی تربیت و پرورش کا ذمہ امام احمد رضا نے نبھایا۔ اپنے برادرِ گرامی سے ہی جملہ علوم میں فیض یاب ہوئے بالخصوص علم الفرائض میں مہارت حاصل کی اور مسند افتاء پر متمکن ہوئے۔ فرائض ومیراث کے زیادہ تر فتاوی آپ ہی تحریر کرتے تھے۔

آپ کا نکاح خواجہ قطب بریلی کے رہائشی غلام علی خان کی صاحبزادی سکینہ بیگم سے ہوا، مولانا حسن رضا خان نے آپ کا سہرا لکھا جو کہ ان کے غزلیہ دیوان ''ثمر فصاحت'' کے آخر میں موجود ہے۔ مولانا محمد رضا کی ایک صاحبزادی فاطمہ بیگم تھیں جن کا نکاح اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے مولانا مفتی مصطفیٰ رضا خان سے ہوا۔

مولانا محمد رضا خان عین عالم شباب میں راہی ملک بقا ہوئے۔ آپ کے وصال کی خبر ہفت روزہ اخبار الفقیہ امرتسر میں شائع ہوئی جو کہ یہاں نقل کی جاتی ہے:

موتُ العالِم موتُ العالَم

موت اُس کی ہے کرے جس کا زمانہ اَفسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

برادرِ عزیز! سلام مسنون۔ نہایت اَفسوس کے ساتھ یہ اطلاع دیتا ہوں کہ میرے برادر معظم حضرت جناب مولانا مولوی شاہ محمد رضا خان صاحب قبلہ قادری برادر خورد اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا مولوی مفتی حاجی حافظ قاری شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور چھوٹے حقیقی چچا اور خسر حضرت جناب مولانا مولوی شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب قادری فرزند دوم اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً ایک سال علیل رہ کر (۲۱ رشعبان المعظم ۱۳۵۸ھ مطابق ۵ راکتوبر ۱۹۳۹ء) یوم پنج شنبہ کو رات کے دس بجے بعد نماز عشاء، نماز اَدا کر کے اِنتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

رات ہی رات میں حضرت مرحوم کے حادثۂ الیمہ کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ صبح سے جوق دَر جوق مسلمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ تین بجے حضرت مرحوم کے مستقر سے جنازہ کمالِ احترام سے اُٹھایا گیا، مسلمانوں کا اس قدر اژدحام تھا کہ کاندھا دینے والوں کو پلنگ تک پہنچنا دُشوار تھا۔ جنازہ کے آگے آگے مشہور نعت خواں حضرات، اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کی مشہور نعت 'کعبہ کے بدرالدُّجیٰ تم پہ کروڑوں درود' اور مقبول غزل 'وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں' اپنے موثر و دلکش لحن سے پڑھتے ہوئے چلتے تھے۔ حضرت مرحوم کے خاندانی قبرستان تک جہاں اپنے والدین کریمین کے پاس آپ کا دفینہ عمل میں آیا۔ نماز جنازہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالعزیز خان صاحب محدث نے پڑھائی۔ حضرت صدرالافاضل جناب مولانا الحاج حکیم سیّد شاہ محمد نعیم الدین صاحب قادری مراد آبادی، حضرت جناب مولانا امجد علی صاحب قادری رضوی، حضرت جناب مولانا عبدالعزیز خان صاحب محدث، حضرت جناب مولانا محمد احسان الحق صاحب نعیمی بہرائچی، حضرت جناب مولانا سردار احمد صاحب قادری، حضرت جناب مولانا احمد یار خان صاحب ایسے فضلائے عظام وعلمائے کرام نے اَذانیں پڑھیں۔ مجمع میں ہر درجہ کے مسلمان موجود تھے۔ حضرت جناب مولانا ابرار حسن صاحب اور حضرت جناب مولانا مولوی مفتی نواب مرزا صاحب قادری رضوی غرضیکہ حضرات علمائے اَعلام کا بڑا شاندار مجمع تھا۔

حضرت موصوف کے تقدس وفضائل کے اندازہ کے لیے غالباً اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ سن شعور سے عمر بھر نماز جماعت سے اَدا فرمائی، اور اس دنیا کو خیر آباد کہتے وقت آپ پر کوئی نماز روزہ قضا نہیں۔

حضرت مولانا مرحوم کے انتقال کا جو صدمہ سارے خاندان کو ہوا ہے وہ لا بیان ہے۔ اب بزرگوں میں کوئی باقی نہیں رہا۔ مولا عزوجل حضرت مرحوم کے ورثا اور تمام

اعزائے عظام کو صبر جمیل عطا فرمائے، جن سے مجھے پوری دلی ہمدردی ہے۔

اخبار الفقیہ کے مدیر جناب مولانا حکیم معراج الدین امرتسری نے یہ نوٹ تحریر کیا:

''ہمیں جناب قبلہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے جو رنج والم ہوا ہے وہ تحریر سے باہر ہے۔ افسوس ہے کہ دنیا ذواتِ قدسیہ سے خالی ہو رہی ہے۔ میں حضرت مولانا صاحب کے فاضل و یکتائے روزگار، عالم باعمل داماد و بھتیجے حضرت مولانا مولوی شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان قبلہ قادری مدظلہ سے اس ناقابل تلافی صدمۂ عظیم میں دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے دعائے مغفرت پڑھتا ہوں اور اپنے غفور و رحیم خدا سے ملتجی ہوں کہ وہ آپ کو حادثۂ اَلیمہ میں صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے، اور حضرت مرحوم کو جنات عالیات کرامت فرمائے۔[1]

☆

---

[1] الفقیہ، امرتسر: ۱۴؍اکتوبر ۱۹۳۹ء

مولانا حسن رضا خان

ولادت وجائے ولادت:

مولانا محمد حسن رضا حسن بریلوی ۲۲/ ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ، مطابق ۱۰/ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو بریلی محلہ سوداگران میں واردِ جہانِ رنگ و بو ہوئے۔

سلسلۂ نسب:

آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے: ’’حسن رضا خان بن حضرت مولانا نقی علی خان بن مولانا شاہ رضا علی خان بن حافظ محمد کاظم علی خان بن شاہ محمد اعظم خان بن امیر محمد سعادت یار خان بن امیر محمد سعید اللہ خان‘‘۔

میرا بیٹا مستان ہوگا:

جناب علی محمد خان صاحب (مولانا حسن رضا کے بھانجے) فرماتے ہیں کہ میری والدہ مرحومہ کا کہنا ہے کہ جب مولانا احمد رضا خان پیدا ہوئے تو میرے والد (مولانا نقی علی خان بریلوی) ان کو جناب دادا صاحب (مولانا شاہ رضا علی خان) قدس سرہ العزیز کی خدمت میں لے گئے، دیکھ کر گود میں لیا اور فرمایا: یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا، اور جب ’منجھلے میاں‘ مولوی محمد حسن رضا خان پیدا ہوئے تو ان کو دیکھ کر فرمایا: یہ میرا بیٹا ’مستان‘ ہوگا۔[1]

تعلیم وتربیت:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ مولانا حسن رضا کے والد ماجد مولانا نقی علی خان علیہ رحمۃ الحنان کی

---

[1] حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱ص: ۱۰۳

ذاتِ ستودہ صفات عوام تو عوام علماء کا بھی مرجع تھی اور دُور دراز سے لوگ مسائل شرعیہ میں اُن سے رُجوع کرتے تھے۔ گویا مولانا حسن رضا نے ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اور یوں علم وفضل میں یکتائے روزگار ہستیوں کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی نیز برادرِ اکبر امام احمد رضا خان سے بھی استفادہ کیا۔ حکیم سیّد برکت علی نامیؔ (تلمیذ حسنؔ بریلوی) تحریر کرتے ہیں:

''یہ اپنے پدرِ بزرگ وار اعلیٰ حضرت امام العلما حضور سیدنا مولوی نقی علی خان قدس سرہ العزیز کے خزائن علم وعقل سے مستفیض تھے، اور جواہر معانی وفضل سے بہرہ وَر تھے، علاوہ بریں بریلی میں اپنے اخی المعظم، مرکز دائرۂ علوم، مجدد مائۃ حاضرہ، عالم اہل سنت حضرت مولانا حاجی مفتی محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم وافضالہم کی فیض صحبت سے فیض معنوی حاصل کیا کیے۔''[1]

مولانا حسن رضا کے دیگر اساتذہ بارے کتب تراجم خاموش ہیں البتہ قرین قیاس یہی ہے کہ آپ کی تعلیم کا سلسلہ آپ کے برادرِ اکبر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ساتھ ساتھ جاری رہا ہوگا، پس جن اساتذہ سے انہوں نے استفادہ کیا، ممکن ہے کہ حسنؔ بریلوی نے بھی انہی اساتذہ کے روبرو زانوئے تلمذ تہہ کیے ہوں۔

مولانا حسنؔ بریلوی نے معقولات ومنقولات میں مہارت حاصل کرنے کے بعد طالبانِ علم دین کو درس دینے کا فرض منصبی انجام دیا۔ نیز تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔ قرآن و حدیث، فقہ، تفسیر، فلسفہ، تاریخ، منطق، حکمت، اسماء الرجال، تقابل ادیان اور فن مناظرہ میں آپ کے یکتائے روزگار ہونے پر آپ کی ایک درجن سے زائد تصانیف شاہد عادل ہیں۔

حسنؔ بریلوی اور فنِ شاعری:

فن شاعری میں مولانا حسن رضا نے ابتدائی تربیت تو گھر سے ہی حاصل کی، خدا نے طبیعت بھی موزون عطا کی تھی، جب شعر گوئی کی طرف طبیعت زیادہ راغب ہوئی تو باقاعدہ تربیت کے

---

[1] تذکرۂ مختصر، ذوق نعت (قدیم)، ص ۱۳۶

لیے اساتذۂ فن کی طرف رجوع کیا۔ اُس وقت نواب مرزا داؔغ دہلوی کا قیام رام پور میں تھا۔ حسنؔ بریلوی رام پور گئے اور اپنے پھوپھا جناب فضل حسن خان کے یہاں مقیم ہو کر داؔغ دہلوی کے شاگرد ہوئے اور شاعری میں مہارت حاصل کی۔ داؔغ ان پر بہت مہربان تھے اور ان کو ''پیارے شاگرد'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ حسنؔ نے ''مرثیہ داؔغ'' میں لکھا ہے ؎

''پیارے شاگرد'' تھا لقب اپنا　　کس سے اس پیار کا مزا کہیے

مولانا حسن رضا کی تعلیم و تربیت، مذہبی ماحول، باعمل زندگی، اور شعرگوئی کی فطری صلاحیت کا تقاضا تھا کہ وہ نعت لکھتے: چنانچہ انھوں نے نعت گوئی میں بھی وہ امتیاز پایا کہ باید و شاید۔ ان کے تحریر کردہ نعتیہ کلام برصغیر پاک و ہند میں یکساں مقبول ہیں۔ نعت گوئی کے بدائع و صنائع اور اَسرار و رُموز کے لیے آپ نے اپنے برادرِ اکبر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے رُجوع کیا، چنانچہ ایک موقع پر امام احمد رضا نے بابِ نعت میں مولانا کے حزم و احتیاط کا خطبہ یوں فرمایا:

''مولانا (کفایت علی) کافی اور حسنؔ میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔ اِن کو (یعنی مولانا حسن کو) میں نے نعت گوئی کے اُصول بتا دیے تھے، ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رَچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیارِ اعتدال پر صادِر ہوتا، جہاں شبہ ہوتا مجھ سے دریافت کر لیتے۔ ہندی نعت گویوں میں ان دو کا کلام ایسا ہے، باقی دیکھا گیا ہے کہ اکثر قدم ڈگمگا جاتا ہے۔''[1]

معروف نقّاد علامہ شمس بریلوی لکھتے ہیں:

''جس زمانے میں دارالعلوم ''منظرِ اسلام'' بریلی میں شعبۂ فارسی کا صدر تھا اور میرا تمام دن وہاں کی علمی اور ادبی فضاؤں میں گزرتا تھا خصوصاً محبِ صادق مولوی ابرار حسین صدیقی تلہری مرحوم کے یہاں مجمع احباب ہوتا اور جناب حسنؔ بریلوی کے خلف جناب حکیم حسین رضا خان صاحب بھی اس صحبت دل نشین میں شریک ہوتے تو اکثر اُن کی زبان

---

[1] الملفوظ: حصہ دوم، ص ۴۳۔۴۱ مطبوعہ کراچی

سے یہی سنا کہ آپ کا نعتیہ کلام جناب داغ کی اصلاح سے حک آشنا نہیں ہوا بلکہ آپ اپنا نعتیہ کلام اپنے برادرِ گرامی اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کو سناتے وہ جو کچھ اصلاح مناسب تصور فرماتے دے دیتے۔ یہی سبب ہے کہ جناب حسنؔ کے کلام میں شکوہِ الفاظ، بندش تراکیب اور جدّت مضامین کا جہاں تک تعلق ہے اُس کا رنگ اعلیٰ حضرت کے کلام سے ملتا جلتا ہے''[1]

مولانا کی قادرُ الکلامی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ اخبارُ اہل فقہ' (امرتسر) کے ایڈیٹر مولانا غلام احمد اخگرؔ تحریر کرتے ہیں کہ ُایک دفعہ مجھے بریلی جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے مولانا حسن رضا سے عرض کیا کہ میں نعتیہ رسالہ جاری کرنے والا ہوں، پہلی طرح ہوگی ''محوِ دیدارِ محمد دل ہمارا ہوگیا''، اس پر ایک نعتیہ غزل تحریر فرمادیجیے۔ آپ نے فوراً قلم برداشتہ غزل لکھ دی جس کے چند اشعار درج ہیں۔

ڈوبتوں کا ''یا نبی'' کہتے ہی بیڑا پار تھا
غم کنارے ہو گئے پیدا کنارا ہو گیا

تیری طلعت سے زمیں کے ذرّے مہ پارے بنے
تیری ہیبت سے فلک کا مہ دو پارا ہو گیا

نام تیرا، ذِکر تیرا، تُو، ترا پیارا خیال
ناتوانوں، بے سہاروں کا سہارا ہو گیا[2]

مولانا حسن رضا ایک زبردست عاشقِ رسول تھے جس کا بیّن ثبوت آپ کا نعتیہ دیوان ُذوقِ نعت' ہے۔ ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیبؔ لکھتے ہیں کہ مولانا حسن رضا کے صاحبزادے مولانا حسنین رضا نے بتایا:

''رسول مقبول ﷺ کا ذکر گرامی سن کر ان (یعنی مولانا حسنؔ) کی آنکھیں نم ہوجاتی

---

[1] ''ذوقِ نعت پر ناقدانہ نظر''، تقدیم بر ذوقِ نعت، ص ۹

[2] رسائل حسن، تقدیم، ص ۲۲

تھیں۔فریضۂ حج کی اَدائیگی کے بعد جوانہوں نے وفات سے سات ماہ قبل اَدا کیا تھا اور جس مدت میں انہوں نے''ذوقِ نعت'' کو مرتب کیا، اُن کی حالت غیر سی رہی اور خاص کیفیت طاری رہی جس کا اظہار اُن کی نعتوں میں بار بار ہوا۔ یہ حالت عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے تھی جس میں فنائیت پیدا ہوگئی تھی'۔[1]

مولانا حسن رضا نے اُردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی اشعار و قصائد کہے ہیں۔فارسی میں تو باقاعدہ ایک مختصر دیوان بنام 'قند پارسی' اور ایک فارسی مثنوی بنام 'صمصام حسن بر دابر فتن' ہے۔اس کے علاوہ خواجہ محمد جان قدسی کی مشہورِ زمانہ فارسی نعت۔

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پر مولانا حسن رضا کی ایک خوبصورت فارسی تضمین بھی ملتی ہے جسے ہم نے''کلیات حسن'' میں شامل کر دیا ہے۔

عربی شاعری میں مولانا حسن رضا کی کوئی باقاعدہ تصنیف تو نہیں: تاہم ''تزکِ مرتضوی'' میں جا بجا موضوع کی مناسبت سے مولانا نے عربی میں اشعار تحریر فرمائے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں عربی زبان میں کامل مہارت حاصل تھی، ان کی عربی شاعری میں رَوانی اور سلاست کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری کے مطابق مولانا حسن رضا نے عربی شاعری میں زبردستی محسنات بدیعیہ لانے کی کوشش میں اپنی عربی شاعری میں تکلف کا عنصر داخل نہیں کیا بلکہ سلاست کا راستہ اپنایا ہے۔[2] تزکِ مرتضوی کی مختلف جگہوں پر آنے والے اشعار یہاں یک جا نقل کیے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْکَوْنِ وَ الْبَشَرِ حَمْدًا یَّدُوْمُ دَوَامًا غَیْرَ مُنْحَصِرِ
کائنات اور انسانوں کے ربّ کی دائمی اور غیر محدود حمد ہے۔

---

[1] رسائل حسن، ص ۲۲

[2] برقی مکتوب بنام راقم، مورخہ ۱۷ جنوری ۲۰۲۲ء

وَ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ الزَّاکِیَاتِ عَلٰی خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ مُنْجِی النَّاسِ مِنْ سَقَرٖ

نیز بہترین پاکیزگی بخشنے والے درود ہوں لوگوں کو دوزخ سے بچانے والی کائنات کی بہترین ہستی کے لئے۔

بِکَ الْعَیَاذُ اِلٰھِیْ اَنْ اَشَا حَکَمًا سِوَاکَ یَا رَبَّنَا یَا مُنْزِلَ النُّذُرٖ

الٰہی اے ڈرسنانے والی آیات نازل کرنے والے! میں اِس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے سوا کسی سے فیصلہ چاہوں۔

اَلَا تَعَالَ اِلَی الْمُخْتَارِ مِنْ مُّضَرٍ صَلَّی الْاِلٰہُ عَلَی الْمُخْتَارِ مِنْ مُّضَرٖ

اے مخاطب! بنو مضر میں سے منتخب ہستی کی بارگاہ میں آؤ، اللہ تعالیٰ بنو مضر میں سے منتخب ہستی پر درود بھیجے۔

اِنْ شِئْتَ فَانْھَضْ اِلَی الْفَارُوْقِ تَسْاَلُہٗ فَالْحَقُّ یَظْھَرُ مِنْ اَلْفَاظِہِ الْغُرَرٖ

اگر تم چاہو تو حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں آؤ تاکہ ہم اُن سے استفسار کرلیں، کیونکہ اُن کے چمکتے الفاظ سے حق ظاہر ہوتا ہے۔

ھَلُمَّ اَسْرِعْ نُسَائِلُ عِنْدَ حَیْدَرَۃٍ اَنْ لَّا تَقُوْلَ تَحَاکَمْنَا اِلٰی عُمَرٖ

آؤ جلدی کرو ہم حضرت علی سے رہنمائی لے لیں، کہیں تم یہ نہ کہو: ہم نے حضرت عمر سے فیصلہ لے لیا ہے۔

اِسْمَعْ کَلَامَ اُولِی الْعِرْفَانِ وَالْعُلَمَا فَفِیْھِمُ الْاُسْوَۃُ الْحُسْنٰی لِمُعْتَبِرٖ

اہل علم وعرفان کی گفتگو سنو، نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے اُن کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

اِنْ کَانَ عِنْدَکَ بُرْھَانٌ فَاَبْدِ لَنَا اَمْ لَا اِمَامَ سِوَی الْاِصْرَارِ وَالْبَطَرٖ

اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو ہمارے پاس لاؤ، یا اصرار اور ضد ہی تمہارا امام ہے؟

مَالِیْ اَرَاکَ سَلِیْطًا تَشْتِمُ الْعُلَمَا اِنَّ الشَّتِیْمَۃَ یَا ھٰذَا مِنَ الْکُبَرٖ

میں تمہیں زبان دراز اور علماء کو گالی دینے والا کیوں دیکھتا ہوں؟ اے مخاطب علماء کو گالی دینا بڑے گناہوں میں سے ہے۔

العَبْدُ یُثْنِی عَلَی المَولیٰ بِمَحْمِدَةٍ اَشْھٰی مِنَ الدَّرِّ بَلَ اَبْھٰی مِنَ الدُّرَرِ

بندہ ربّ کی ایسی حمد وثناء کرتا ہے جو موتیوں سے زیادہ مرغوب بلکہ موتیوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔

وَ لٰکِنَّ الْھِدَایَةَ لَنْ تَنَالَا بِلَا فَضْلٍ مِنَ الْمَوْلیٰ تَعَالیٰ

لیکن ہدایت ایک ایسی نعمت ہے جسے تم مولیٰ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر نہیں پاسکتے۔

نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ مولانا حسن رضا نے رنگ مجاز میں بھی کلام تحریر فرمایا۔ غزلیہ شاعری میں آپ کے دو دیوان شائع ہوئے ایک کا نام 'ساغر پُر کیف' اور دوسرا 'ثمر فصاحت' ہے۔ 'ساغر پُر کیف' نہایت مختصر تھا اور بقول ڈاکٹر صابر سنبھلی مرحوم 'ثمر فصاحت' میں ضم ہو چکا ہے۔

مولانا کی غزلیہ شاعری کے متعلق لالہ سری رام لکھتے ہیں:

'آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی، سادگی، بندش اور شوکت الفاظ کے علاوہ پُر درد اور مؤثر بھی۔ طرزِ بیان میں سادگی کے ساتھ تیکھا پن غضب کا ہے۔ تعقید اور آورد کا شروع سے آخر تک نام ونشاں بھی نہیں ہے۔ اکثر مصرعۂ ثانی کی نسبت مصرعۂ اُولیٰ کے الفاظ کو اُلٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرعۂ ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں کی جاسکتی۔ بول چال اور محاورات میں بھی حرف گیری کی کم گنجائش ہے: الغرض آپ کا مذاقِ شعر پاکیزہ اور اُسلوبِ بیان قابل تعریف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں'۔ [1]

وفات سے ایک سال قبل مولانا نے حج کا فریضہ اَدا کیا، اور سفر حج سے واپسی پر رنگ مجاز

---

[1] خم خانۂ جاوید، ج ۲، ص ۴۵۱ مطبوعہ امپیریل بک ڈپو پریس، دہلی، ۱۹۱۱ء

ترک کر دیا اور ساری توجہ مدینہ وشاہِ مدینہ ﷺ کی مدح سرائی اور نعتیہ دیوان ’ذوق نعت‘ کی ترتیب واشاعت پر مرکوز کر دی۔

بیعت وارشاد:

حضرت حسنؔ بریلوی تاجدار مارہرہ مطہرہ سراج السالکین نور العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں قدس سرہ العزیز سے شرف بیعت و ارادت رکھتے تھے۔ پیر و مرشد سے عقیدت و ارادت قلبی کا اندازہ اس قطعۂ تاریخ سے بخوبی ہو سکتا ہے، جو آپ نے اپنے مرشد برحق کے وصالِ پُر ملال پر قلم بند کیا ہے۔ واضح رہے کہ حضرت شاہ ابو الحسین نوری میاں کا وصال ۱۳۲۴ھ میں ہوا ہے۔ فارسی قطعۂ تاریخ یہ ہے:

مرشد ما شیخ اقطاب زمانہ بو الحسین — نور آگیں نور افزا نور ربّ نوری لقب
کاشف استار پنہاں واقف اسرارِ غیب — منزل انوارِ سبحاں مہبط افضال ربّ
آں کہ ہر دم لطف فیضش برغلاماں بے غرض — آں کہ پیہم فیض لطفش برگدایاں بے سبب
آں کہ مہرش کشت دین سُنّیاں را ابر جود — آں کہ قہرش زشت اہل زیغ را برق غضب
آں کہ کرد از نفحۂ مو عرصۂ جانہا تتار — آں کہ کرد از لمعۂ رو کشور دلہا حلب
جودِ او حاجت روائے مستمنداں بے سوال — لطف او مشکل کشائے دردمنداں بے طلب
ملت بیضا منور کرد و جانِ تازہ داد — سطوت موسیٰ بدستش رحمت عیسیٰ بلب
نورِ چشم مصطفیٰ چشم و چراغ مرتضیٰ — شمع ایوان ہدیٰ مہر عجم ماہِ عرب
رفت زیں دارِ فنا واحسرتا واحسرتا — آں شہ والا حسب عالی گہر بالا نسب
شد جہاں بے نور بے نورو چناں بے نور شد — شب چو بخت تیرہ بختاں روز روشن ہمچو خب
اے حسنؔ گفتیم صوری معنوی تاریخ نقل — بست و چار و سیزدہ صد دورۂ ماہ رجب
(۱۳۲۴ھ)

شادی واولاد:

مولانا حسن رضا خان کا نکاح اصغری بیگم دختر علیم اللہ خان (بن میاں شہزاد احمد خان بن

معظم خان بن شاہ محمد اعظم خان بن امیر سعادت یار خان بن امیر سعید اللہ خان) سے ہوا۔ آپ کے تین بیٹے اور تین ہی بیٹیاں ہوئیں جن کے نام اور کوائف یوں ہیں :

۱۔ مولانا حکیم حسین رضا خان

۲۔ مولانا حکیم حسنین رضا خان

۳۔ مولانا فاروق رضا خان

مولانا حکیم حسین رضا خان

حکیم مولانا حسین رضا خان کی پہلی شادی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی بیٹی کنیز حسین سے ۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ کو ہوئی جن سے تین بیٹے ہوئے جن کے نام یوں ہیں :

مولانا مرتضیٰ رضا خان، مولانا ادریس رضا خان، مولانا جرجیس رضا خان

دوسری شادی امام احمد رضا کے بڑے بیٹے مولانا حامد رضا خان کی بیٹی اُم کلثوم سے ہوئی جن سے ایک بیٹا مولانا یونس رضا خان اور بیٹی غوثیہ بیگم (زوجہ خلیق میاں) پیدا ہوئیں۔ مولانا یونس رضا خان تقسیم ہند کے بعد ہری پور ہزارہ (پاکستان) میں مقیم ہو گئے تھے، ان کی اولاد بارے معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔

مولانا حکیم حسین رضا خان کو تالیف وتصنیف اور شعر وشاعری سے رغبت نہ تھی البتہ آپ نے اپنے والد محترم مولانا حسن رضا خان کا نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' اور غزلیہ دیوان ''ثمر فصاحت'' نہایت اہتمام سے شائع کروایا۔

مولانا حسنین رضا خان

مولانا حسنین رضا، مولانا حسن رضا کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ اپنے تایا جان امام احمد رضا خان فاضل بریلوی سے دارالعلوم 'منظر اسلام' میں تعلیم اور تربیت حاصل کی نیز معقولات کی کچھ کتابیں مولانا ہدایت رسول رام پوری سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک دارالعلوم منظر اسلام میں ہی تدریس کرتے رہے۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا حشمت علی خان پیلی

بھیتی، مولانا ابرار حسن صدیقی تلہری، مولانا حامد علی رائے پوری، مولانا سردار علی خان، مولانا ادریس رضا خان، مولانا اعجاز ولی خان رضوی، مولانا تقدس علی خان رضوی معروف ومشہور ہیں۔

مولانا سبطین رضا خان اپنے والد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''حضرت والد ماجد میں خاندانی شرافت ونجابت وعلمی قابلیت کے علاوہ اور بھی بے شمار خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ خداداد ذہانت، زورِ قلم، حق گوئی و بے باکی، شگفتگی مزاج، حسن اخلاق، فیاضیٔ طبع، سادگی، ایثاروقربانی، دین وملت ومخلوقِ خدا کی خدمت کا جذبہ بے کراں یہ وہ خصوصیات ہیں جو اُن میں نمایاں طور پر پائی جاتی تھیں۔ بعض نامساعد حالات کی بنا پر درس گاہ سے علاحدگی اختیار کرنے کے بعد 'حسنی پریس' کے نام سے ایک پریس قائم کیا تھا جو ایک زمانے تک کام کرتا رہا اور کتب دینیہ بالخصوص رسائل اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا کام اس سے بہت بڑے پیمانے پر ہوتا رہا ہے۔ بہت سے رسائل تو اپنے صرفہ سے چھاپے اور مفت تقسیم کرائے۔ اُس دَور کو ہر حیثیت سے اُن کی زندگی کا شان دار دَور کہا جاسکتا ہے۔ اُس وقت صحت بھی بہت اچھی تھی اور رفارغ البالی بھی تھی۔ شہر کے رؤسا میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اسی زمانہ میں خلافت کمیٹی، ندوہ تحریک، فتنۂ وہابیت اور دوسرے اُٹھنے والے فتنوں کے سدباب کے لیے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان اور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان نوری و دیگر علماء کرام کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کا دستِ راست بن کر کام کرتے رہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ (بریلی) کی شان دار خدمات میں آپ کا نمایاں حصہ تھا۔ حلقۂ احباب بہت وسیع تھا جس میں علماء ومشائخ کے علاوہ شہر و بیرونِ شہر کے بہت سے رؤساء و وکلاء و بیرسٹران نیز سیاسی لیڈر و حکام اور اعلیٰ افسران، امیر وغریب غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے جو آپ کے علم وفضل کے دل سے معترف تھے اور آپ کا ادب واحترام پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے۔ اُن کی نشست گاہ پر صبح سے لے کر شام تک مقامی و بیرونی لوگوں کی آمد ورفت کا تانتا بندھا رہتا تھا جن میں ملنے والوں کے علاوہ ضرورت مند بھی کثیر تعداد میں ہوتے تھے۔ ہمہ وقت مجلس گرم رہتی مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی لیکن کبھی غیر مہذب و ناشائستہ گفتگو نہ فرماتے۔ اندازِ گفتگو پیارا اور دل پذیر ہوتا اور بات اتنی ٹھوس فرماتے

کہ مخاطب کے دل میں اُتر جاتی اور وہ مطمئن ہو جاتا۔طبیعت اتنی مرنجاں مرنج اور شگفتہ پائی تھی کہ کیسا ہی مغموم و متفکر انسان آپ کے پاس آتا لیکن تھوڑی ہی دیر میں سارا رنج وغم بھول جاتا، ہر ماحول میں اپنے لیے گنجائش پیدا کر لینا اور بروقت و برجستہ دماغ سے ایسی بات نکالنا کہ جو پورے ماحول پر اثر انداز ہو،اس میں اُنھیں کمال حاصل تھا۔غرض کہ برمحل گفتگو کی صلاحیت، حاضر دماغی اور ذہانت بلا کی پائی تھی۔شیخ الادب حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی نے کہ انھیں بھی حضرت سے فخر تلمذ حاصل تھا، والد ماجد کی ذہانت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس زمانے میں حضرت درس دیتے تھے،معقولات کی بڑی بڑی کتابیں آپ کے پاس رہا کرتی تھیں۔کبھی کبھی ایسا ہوا کرتا کہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے، ہفتہ عشرہ بعد شب میں واپس ہوتے اور صبح کو بغیر مطالعہ کیے درس گاہ میں تشریف لے آئے اور پڑھانا شروع کر دیا، مشکل سے مشکل سبق ہوتا،طلبا جو اُس وقت محنتی اور ذہین ہوتے تھے،ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے اور آپ سب کو یکے بعد دیگرے مسکت اور تسلی بخش جواب دیتے جاتے اور دورانِ سبق محسوس نہ ہونے دیتے کہ بغیر مطالعہ پڑھا رہے ہیں۔

آپ مقرر نہیں تھے۔متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں 'وصایا شریف'، 'دشت کربلا'، 'نظام شریعت' اور 'اسبابِ زوال' طبع ہو چکی ہیں۔متعدد احادیث زبانی یاد تھیں اکثر حدیث پاک بیان کرتے ہوئے آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور آنسوؤں سے آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔شعر وشاعری سے بھی شغف تھا خود بھی شعر کہتے تھے،ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خدا ہی جانے اُن کے سر کی عزت اور عظمت کو
قدم اُن کے جہاں پہنچے وہ عرشِ ربِّ اکبر ہے

ترے الطافِ بے پایاں تری چشم کرم مولا
ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے

ہمارے پاس تھا ہی کیا جسے قربان کر دیتے
بس اک ٹوٹا ہوا دل ہے جو قدموں کے نچھاور ہے

یہ مہر و ماہ بھی تو منتظر ہیں اک اشارہ کے
زمیں پر آپ رہتے ہیں حکومت آسماں پر ہے

پلٹنے والے کیا پلٹے مقدر کا پلٹنا تھا
نہ یاں وہ سبز گنبد ہے نہ یاں اللہ کا گھر ہے

غضب ہی کر دیا حسنینؔ طیبہ سے پلٹ آئے
وہ جیتے جی کی جنّت ہے وہ جنّت سے بھی بڑھ کر ہے

مولانا حسنین رضا خان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی سے بیعت تھے اور ان کی خلافت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ تقریباً ۹۱ر برس عمر پائی۔ عمر عزیز کا آخری حصہ ذکر الٰہی، اوراد و وظائف اور تلاوتِ قرآن میں گزارا، جب اس کی سکت نہ رہی تو 'الحمدللہ والشکر للہ' اور 'اللہ اللہ' کا وِرد ہمہ وقت جاری رہتا تھا یہاں تک کہ 'اللہ اللہ' کہتے ہوئے ۵ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۱ء روز یک شنبہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔''[1]

مولانا حسنین رضا خان کی پہلی شادی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی بیٹی کنیز حسنین سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی شمیم بانو (زوجہ جرجیس رضا خان) پیدا ہوئیں۔ دوسری زوجہ سے ایک بیٹی اور تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یوں ہیں:

۱۔ مولانا سبطین رضا خان،
۲۔ مولانا تحسین رضا خان،
۳۔ مولانا حبیب رضا خان،

اور ایک بیٹی جو کہ مولانا اختر رضا خان ازھری میاں کی زوجہ ہوئیں۔

---

[1] حیات مصنف از مولانا سبطین رضا خان مشمولہ 'سیرت اعلیٰ حضرت' از مولانا حسنین رضا خان

نوٹ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے ماہنامہ جہان رضا (لاہور) بابت فروری ۱۹۹۲ء میں تحریر کیا ہے'' مولانا حسنین رضا خان قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔'' آپ کی یہ تحریر'' مجالس علماء'' مرتبہ محمد عالم مختار حق میں بھی آگئی ہے جب کہ یہ حقائق کے منافی ہے۔ مولانا یونس رضا خان ابن حکیم حسین رضا خان بریلوی کے متعلق یہ رِوایت ملتی ہے کہ آپ قیام پاکستان کے بعد ہری پور ہزارہ منتقل ہو گئے تھے۔ ثاقب قادری

مولانا سبطین رضا خان نومبر ۱۹۲۷ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم مظہر الاسلام بریلی سے تعلیم حاصل کی، جدید تعلیم مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) سے حاصل کی۔علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والد گرامی مولانا حسنین رضا خان، صدر الشریعہ مصنف بہارِ شریعت مفتی امجد علی اعظمی، علامہ شمس الدین جعفری جون پوری (مصنف قانون شریعت) اور علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی سے حاصل کی۔ مولانا مصطفیٰ رضا خان نوری کے مرید وخلیفہ ہوئے۔مختلف مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے بالآخر کانکیر ضلع بستر چھتیس گڑھ کو اپنا مسکن بنایا اور کثیر تشنگان علم کو فیض یاب کیا۔ ۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۹ نومبر ۲۰۱۵ء کو وصال فرمایا۔ان کی اولاد میں دو بیٹے محمد جنید رضا خان عرف سلمان میاں اور محمد عبید رضا خان عرف نعمان میاں، نیز تین بیٹیاں ہیں۔

مولانا تحسین رضا خان ۱۴ رشعبان المعظم ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۳ رجنوری ۱۹۳۰ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم مظہر الاسلام (بریلی) سے تعلیم حاصل کی، دورۂ حدیث کے لیے پاکستان آئے اور جامعہ رضویہ (فیصل آباد) میں شیخ الحدیث علامہ سردار احمد قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے درس حدیث حاصل کیا۔ دیگر اساتذہ میں مفتی امجد علی اعظمی، مفتی مصطفیٰ رضا خان نوری، مفتی علامہ شمس الدین جون پوری، مولانا غلام یٰسین رضوی پورنوی، مفتی وقار الدین قادری، علامہ غلام جیلانی اعظمی وغیرہ جلیل القدر شخصیات شامل ہیں۔

مولانا تحسین رضا عمر بھر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ راگست ۲۰۰۷ء بروز جمعۃ المبارک وصال فرمایا۔آپ کے تین صاحبزادے حسان رضا، رضوان رضا، صہیب رضا اور ایک صاحبزادی ہیں۔

مولانا حبیب رضا خان، ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق اگست ۱۹۳۳ء کو محلہ کانکر ٹولہ، پرانا شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم منظر اسلام (بریلی) سے تعلیم حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان نوری، مولانا حسنین رضا خان، مولانا غلام جیلانی اعظمی، مولانا تحسین رضا قادری، حافظ انعام اللہ رضوی، علامہ مولانا سید احمد علی رام پوری اور مولانا غلام یٰسین پورنوی کے نام نمایاں ہیں۔

مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان نوری کے مرید ہوئے اور ۱۵ رصفر المظفر ۱۳۹۶ھ کو اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔تمام زندگی درس وتدریس،تبلیغ اور فتوی نویسی میں مصروف عمل رہے۔آپ کا وصال ۲۶ رجمادی الاوّل ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۷ رمارچ ۲۰۱۴ء کو بریلی میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا فاروق رضا خان

مولانا حسن رضا کے تیسرے بیٹے مولانا فاروق رضا خان لاولد فوت ہوئے۔

مولانا حسن رضا کی اولاد کا مکمل شجرہ کتاب کے آخر میں دیا جائے گا۔

اخلاق وکردار:

مولانا حسن رضا خان زہد وورع اور تقوی وطہارت میں بھی اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ مسلمانوں سے میل جول، پرسش احوال اور انفاق فی سبیل اللہ میں حد درجہ انہماک رکھتے تھے۔محترمہ گلشن آراء اپنے مقالہ میں آپ کی خدا ترسی کے متعلق رقم طراز ہیں:

”حضرت حسنؔ بریلوی کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ مسجد کے سامنے ایک لکڑی کے موٹے تختہ پر تشریف رکھتے تھے (یہ عام سڑک تھی)، جب کسی مسافر یا راہ گیر کو غریب یا مجبور سمجھتے تو اُس کا حال دریافت کرتے اور اُس کی اِمداد فرماتے،غریبوں اور بیواؤں سے کرایہ وصول نہیں کرتے تھے۔نماز ایسے خلوص سے پڑھتے کہ اکثر اوقات رِیش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔جب مسجد سے تمام نمازی چلے جاتے تو آپ بعد میں مسجد سے نکلتے۔اگر کوئی مسافر نظر آتا تو اپنی بڑی بیٹھک میں نہایت آرام سے جگہ دیتے،بیٹھک میں اچھے خاصے پلنگ بستروں سمیت اور بیٹھنے کے لیے موڈھے بھی رکھے ہوئے تھے۔ نماز اشراق،چاشت اور تہجد کے پابند تھے۔ان کا خاندان مہمان نوازی اور فیاضی میں بھی مشہور تھا۔آپ مہمان نوازی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے تھے،مہمان کو اپنی طرف سے کچھ نقدی بھی پیش کرتے تھے۔[1]

---

[1] حسن رضا بریلوی،حیات وکارنامے از گلشن آراء،صفحہ:۱۹

حج وزیارت:

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت نے دوسرا حج وزیارت مع اہل وعیال واحباب کیا تھا۔ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں واپسی ہوئی تھی۔ ان کی غیر حاضری میں حضرت حسنؔ بریلوی نے گھر باراور مدرسہ کا سارا کام باحسن وجوہ انجام دیا تھا۔ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں اُستاذِ زمن حضرت حسنؔ فریضۂ حج اَدا کرنے اور زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کو براہ بمبئی واپسی ہوئی، تو اعلیٰ حضرت بنفس نفیس بریلی سے بمبئی اپنے بھائی کی پیش قدمی کے لیے تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت کے مکتوب کا یہ اقتباس دیکھیں۔ جبل پور کے حضرت شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی کو لکھتے ہیں:

’’برادر بجان برابر مولوی حسن رضا خان سلمہ الرحمٰن کا خط ۲۶؍ذی الحجہ کا لکھا ہوا مکہ معظمہ سے یک شنبہ گزشتہ کو آیا تھا جس میں صرف اس قدر تھا کہ عن قریب بعونہٖ تعالیٰ مدینہ طیبہ حاضر ہونے والے ہیں۔ مگر تعین تاریخ نہ تھا۔ اس یک شنبہ کو کوئی خط آئے، مگر نہ آیا۔ وحسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ اگر خط آجاتا، تو حساب ہوسکتا کہ واپسی بالخیر کب تک ہوگی۔ اب ایک نہایت مجمل حالت ہے۔ دعائے خیر فرمائیں۔

حضرت بابرکت سیّد محمد حبیب اللہ صاحب دمشقی جیلانی، اولادِ امجاد حضور پُر نور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں اور اس اَفقر واَحقر کے حال پر کمال کرم فرماہیں، پہلے سے تشریف لاتے ہیں۔ یہ بھی میرے حجاج سلّمہم اللہ تعالیٰ کے استقبال کو میری طرح بمبئی تشریف لے جانے والے ہیں۔ میں دو ایک روز اور خط کا انتظار کر کے چلوں گا۔ اگر نہ آیا، یا آیا اور حساب سے وقفہ پایا، تو بعونہٖ تعالیٰ ضرور حاضر جبل پور ہو کر دو ایک روز جناب کی زیارت سے شرف اندوز ہوتا ہوا بمبئی جاؤں گا اور اگر خط آیا، جس سے ظاہر ہوا کہ بالخیر فوراً بمبئی پہنچنا چاہیے، تو جناب کو بذریعہ تار اطلاع دے دوں گا کہ براہِ راست بمبئی جاتا ہوں۔‘‘[1]

---

[1] کلیات مکاتیب رضا، جلد دوم، از غلام جابر شمس پورنوی، ڈاکٹر طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۵

اعلیٰ حضرت کے اس مکتوب گرامی سے کئی باتیں روشن ہو کر سامنے آتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو اپنے بھائی سے کتنی محبت تھی، ’برادر بجان برابر‘ کے الفاظ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے احوال سے باخبر رہے۔ اعلیٰ حضرت خود بمبئی تشریف لائے اور ساتھ میں بریلی لے گئے۔ حضرت سید شاہ محمد حبیب اللہ جیلانی، جو اولاد غوث پاک سے تھے، دمشق سے اعلیٰ حضرت سے ملنے برابر بریلی تشریف لایا کرتے تھے۔ ۱۳۲۴ھ میں جب اعلیٰ حضرت دوسرا حج کر کے بمبئی تشریف لائے تھے، تو شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی جبل پور سے بمبئی اعلیٰ حضرت سے ملاقات اور جبل پور لے جانے کی غرض سے آئے تھے اور گزارش کی تھی کہ جبل پور چلا جائے، اس وقت اعلیٰ حضرت نے اجمیر شریف جانے کا قصد فرمایا اور جبل پور کے لیے ’پھر کبھی‘ کہہ کر معذرت چاہی۔ اب کہ بریلی سے بمبئی تشریف لانے والے تھے کہ راستہ جبل پور ہو کر ہی تھا۔ وقت میں گنجائش نکل آئی اور اس بار چار روز جبل پور میں قیام فرما کر اہل جبل پور کو مسرور و شاد کر دیا۔[1]

مولانا حسن رضا خان نے کعبۃ اللہ شریف زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً میں حاضری کی کیفیات و جذبات کو درج ذیل کلام میں بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

حاضریٔ مکہ

حضورِ کعبہ حاضر ہیں حرم کی خاک پر سر ہے
بڑی سرکار میں پہنچے مقدر یاوَری پر ہے

نہ ہم آنے کے لائق تھے نہ قابل منہ دِکھانے کے
مگر اُن کا کرم ذرّہ نواز و بندہ پروَر ہے

خبر کیا ہے بھکاری کیسی کیسی نعمتیں پائیں
یہ اُونچا گھر ہے اِس کی بھیک اندازہ سے باہر ہے

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھئے ’’سفرنامۂ اعلیٰ حضرت‘‘ مرتبہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

تصدق ہو رہے ہیں لاکھوں بندے گرد پھر پھر کر
طوافِ خانۂ کعبہ عجب دلچسپ منظر ہے
خدا کی شان یہ لب اور بوسہ سنگِ اَسود کا
ہمارا منہ اور اِس قابل عطائے ربِّ اکبر ہے
جو ہیبت سے رُکے مجرم تو رحمت نے کہا بڑھ کر
چلے آؤ چلے آؤ یہ گھر رحمٰن کا گھر ہے
مقامِ حضرتِ خلّت پدر سا مہرباں پایا
کلیجہ سے لگانے کو حطیم آغوشِ مادر ہے
لگاتا ہے غلافِ پاک کوئی چشم پُر نم سے
لپٹ کر ملتزم سے کوئی محو وصل دلبر ہے
وطن اور اُس کا تڑکا صدقے اس شامِ غریبی پر
کہ نورِ رُکن شامی رُوکش صبحِ منور ہے
ہوئے ایمان تازہ بوسۂ رُکن یمانی سے
فدا ہو جاؤں یمن و ایمنی کا پاک منظر ہے
یہ زمزم اُس لیے ہے جس لیے اس کو پیئے کوئی
اِسی زمزم میں جنت ہے اِسی زمزم میں کوثر ہے
شفا کیوں کر نہ پائیں نیم جاں زہر معاصی سے
کہ نظارہ عراقی رکن کا تریاقِ اکبر ہے
صفائے قلب کے جلوے عیاں ہیں سعی مسعیٰ سے
یہاں کی بے قراری بھی سکونِ جانِ مضطر ہے
ہوا ہے پیر کا حج پیر نے جن سے شرف پایا
اُنھیں کے فضل سے دن جمعہ کا ہر دن سے بہتر ہے

نہیں کچھ جمعہ پر موقوف افضال و کرم اُن کا
جو وہ مقبول فرما لیں تو ہر حج حجِ اکبر ہے
حسنؔ حج کر لیا کعبہ سے آنکھوں نے ضیا پائی
چلو دیکھیں وہ بستی جس کا رستہ دل کے اندر ہے

حج بیت اللہ کا شرف پانے کے بعد مولانا حسن رضا خان مدینہ شریف حاضری کے لیے بصد شوق رختِ سفر باندھتے ہیں اور ۹ر محرم الحرام ۱۳۲۶ھ کو مدینہ شریف پہنچتے ہیں۔ اس حاضری کی کیفیات کا کچھ اظہار کلام ذیل میں ہوا۔

حاضریٔ مدینہ

سحر چمکی جمالِ فصلِ گل آرائشوں پر ہے
نسیمِ روح پرور سے مشامِ جاں معطر ہے
قریب طیبہ بخشے ہیں تصور نے مزے کیا کیا
مرا دل ہے مدینہ میں مدینہ دل کے اندر ہے
ملائک سر جہاں اپنا جھجکتے ڈرتے رکھتے ہیں
قدم اُن کے گنہگاروں کا ایسی سر زمیں پر ہے
ارے او سونے والے دِل ارے او سونے والے دِل
سحر ہے جاگ غافل دیکھ تو عالم منور ہے
سہانی طرز کی طلعت نرالی رنگ کی نکہت
نسیمِ صبح سے مہکا ہوا پُر نور منظر ہے
تعالیٰ اللہ یہ شادابی یہ رنگینی تعالیٰ اللہ
بہارِ ہشت جنّت دشتِ طیبہ پر نچھاور ہے
ہوائیں آ رہی ہیں کوچۂ پُر نورِ جاناں کی
کھلی جاتی ہیں کلیاں تازگی دل کو میسر ہے

منور چشمِ زائر ہے جمالِ عرشِ اعظم سے
نظر میں سبز قُبّہ کی تجلّی جلوہ گستر ہے
یہ رفعت درگہِ عرش آستاں کے قرب سے پائی
کہ ہر ہر سانس ہر ہر گام پر معراجِ دیگر ہے
محرم کی نویں تاریخ بارہ منزلیں کر کے
وہاں پہنچے وہ گھر دیکھا جو گھر اللہ کا گھر ہے
نہ پوچھو ہم کہاں پہنچے اور اِن آنکھوں نے کیا دیکھا
جہاں پہنچے وہاں پہنچے جو دیکھا دل کے اندر ہے
ہزاروں بے نواؤں کے ہیں جمگھٹ آستانہ پر
طلب دل میں، صدائے ''یا رسول اللہ'' لب پر ہے
لکھا ہے خامۂ رحمت نے دَر پر خط قدرت سے
جسے یہ آستانہ مل گیا سب کچھ میسر ہے
خدا ہے اس کا مالک یہ خدائی بھر کا مالک ہے
خدا ہے اس کا مولیٰ یہ خدائی بھر کا سرور ہے
زمانہ اس کے قابو میں زمانے والے قابو میں
یہ ہر دفتر کا حاکم ہے یہ ہر حاکم کا افسر ہے
عطا کے ساتھ ہے مختار رحمت کے خزانوں کا
خدائی پر ہے قابو بس خدائی اس سے باہر ہے
کرم کے جوش ہیں بذل و نعم کے دَور دَورے ہیں
عطائے با نوا ہر بے نوا سے شیر و شکر ہے
کوئی لپٹا ہے فرطِ شوق میں روضے کی جالی سے
کوئی گردن جھکائے رُعب سے با دیدۂ تر ہے

کوئی مشغولِ عرضِ حال ہے یوں شادماں ہو کر
کہ یہ سب سے بڑی سرکار ہے تقدیر یاور ہے
کمینہ بندۂ دَر عرض کرتا ہے حضوری میں
جو موروثی یہاں کا مدح گستر ہے ثنا گر ہے
تری رحمت کے صدقے یہ تری رحمت کا صدقہ تھا
کہ اِن ناپاک آنکھوں کو یہ نظارہ میسر ہے
ذلیلوں کی تو کیا گنتی سلاطینِ زمانہ کو
تری سرکار عالی ہے ترا دربار برتر ہے
تری دولت تری ثروت تری شوکت جلالت کا
نہ ہے کوئی زمیں پر اور نہ کوئی آسماں پر ہے
مطاف و کعبہ کا عالم دکھایا تُو نے طیبہ میں
ترا گھر بیچ میں چاروں طرف اللہ کا گھر ہے
تجلی پر تری صدقے ہے مہر و ماہ کی تابش
پسینے پر ترے قربان رُوحِ مشک و عنبر ہے
غم و افسوس کا دافع اشارہ پیاری آنکھوں کا
دل مایوس کی حامی نگاہِ بندہ پرور ہے
جو سب اچھوں میں ہے اچھا جو ہر بہتر سے بہتر ہے
ترے صدقے سے اچھا ہے ترے صدقے میں بہتر ہے
رکھوں میں حاضری کی شرم ان اعمال پر کیوں کر
مرے امکان سے باہر مری قدرت سے باہر ہے
اگر شانِ کرم کو لاج ہو میرے بُلانے کی
تو میری حاضری دونوں جہاں میں میری یاور ہے

مجھے کیا ہو گیا ہے کیوں میں ایسی باتیں کرتا ہوں
یہاں بھی یاس و محرومی یہ کیوں کر ہو یہ کیوں کر ہے
بُلا کر اپنے کُتّے کو نہ دیں چمکار کر ٹکڑا
پھر اس شانِ کرم پر فہم سے یہ بات باہر ہے
تذبذب مغفرت میں کیوں رہے اِس دَر کے زائر کو
کہ یہ درگاہِ والا رحمتِ خالص کا منظر ہے
مبارک ہو حسنؔ سب آرزوئیں ہو گئیں پوری
اب اُن کے صدقے میں عیش ابد تجھ کو میسر ہے

وصال پُرملال:

مولانا حسن رضا ۳ر شوال المکرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۸ء کو بہ عمر ۵۰ سال، ۶ ماہ میں بعارضۂ تپ اِس جہانِ فانی سے رحلت کر گئے۔[1] بریلی کے سٹی (City) قبرستان میں اپنے والد گرامی مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ کے قریب آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے برادر اکبر مجدد دین وملت عالم اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور قبر انور میں اپنے دست اقدس سے رکھا۔

حکیم سیّد برکت علی نامیؔ بریلوی، مولانا حسن رضا کے تلامذہ میں سے تھے۔ سب سے پہلے آپ نے ہی مولانا حسن رضا کے مختصر حالات لکھے جو کہ نعتیہ دیوان ''ذوق نعت'' کے ہمراہ شائع ہوئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

[1] مولانا حسن رضا کی تاریخ وصال بارے ایک روایت ۲۲ر رمضان ۱۳۲۶ھ کی بھی ملتی ہے، جس کو لالہ سری رام نے اپنی کتاب ''خمخانۂ جاوید'' (ج ۲، ص ۴۵۱) پر نقل کیا ہے۔ لالہ سری رام کے بقول اُن کو مولانا حسن رضا کے حالات اُن کے صاحبزادے حکیم حسین رضا خان نے بھجوائے۔ لیکن ہم نے مولانا حسن رضا کے تلمیذ حکیم سیّد برکت علی نامیؔ کی روایت کو ترجیح دی ہے جسے اُنہوں نے اپنے اُستاد کے ''تذکرۂ مختصر'' میں بیان کیا ہے، یہ تذکرہ ''ذوق نعت'' کی پہلی اشاعت کے ہمراہ شائع ہوا تھا۔ ثاقب قادری

سرگذشت عہد گل راز نظیری بشنوید
عندلیب آشفتہ تر میگوید این افسانہ را

’’آہ چمنستانِ سخن کا وہ سرسبز و شاداب گلشن جس میں طرح طرح کے شگفتہ پھول طرح طرح کی کلیاں طرح طرح کے غنچے تر و تازہ نظر آتے تھے آج ایک کُملا یا ہوا پھول بصد حسرت وحرمان نظر آرہا ہے کہ زمانہ کے ناگوار صدموں سے مرجھا گیا ہے۔ آہ یہ پھول کون سا ہے یہ حضرت اُستاذی حسن بریلوی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے کمالِ سخن کی خوشبوؤں سے چمن شاعری مہک رہا تھا، جن کی رنگینئ کلام کی سرسبز و شاداب شاخیں میدان سخن کو گھیرے ہوئے تھیں، جن کی زبان کی دلچسپیاں ایک عالم پر سکہّ بٹھائے ہوئے تھیں، جن کے محاورات کی بندشیں عالم وعالمیان کو اپنا وارفتہ بنائے ہوئے تھیں۔ اور کیوں نہ ہوتے آخر کس کیاری کے پھول تھے، کس چشمہ سے سیراب ہوئے تھے، یہ سینے پدر بزرگوار اعلیٰ حضرت امام العلماء حضور سیدنا مولوی محمد نقی علی خان صاحب قدس سرہ العزیز کے خزائن علم وعقل سے مستفیض اور جواہر معانی وفضل سے بہرہ وَر تھے، اور سرچشمۂ سخن فصیح الملک بلبل ہندوستان حضرت اُستاذ داغ دہلوی مرحوم کی نہروں سے اپنے گلستانِ شاعری کے پودوں کو سینچا تھا۔ ایک مدت تک ریاست رام پور میں رہ کر اُستاد کے گلشن سخن سے گل چینی فرماتے رہے اور بریلی آکر اپنے اخی معظم، مرکز دائرہ علوم، مجدد مائتہ حاضرہ، عالم اہل سنت حضرت مولانا مولوی حاجی مفتی جناب محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ ادام اللہ تعالی برکاتہم وافضالہم کی صحبت سے فیض معنوی حاصل کیا کئے۔ غرض ۲۲ ؍ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ (تاریخ ولادت) سے ۳ ؍شوال ۱۳۲۶ھ (تاریخ وصال) تک اسی معز ز گھر میں نشو ونما پائی۔ اللہ اللہ خوش قسمتی دیکھئے کہ سالِ گذشتہ ہی میں حج بیت اللہ کے اہم فرض کو پورا کر کے اپنے سچے اور پاک قلب کو زیارت حرمین طیبین کے چمکتے ہوئے نور سے منور کیا۔ اس سچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت نے اُن کے دل پر ایسا گہرا اثر کیا کہ واپس آکر دُنیوی کاموں کی طرف نگاہ اُٹھا کر

نہ دیکھا، آتے ہی ان کے جذبِ محبت نے ان کو طبع دیوان نعت پر آمادہ کر دیا اور اشاعت شروع کر دی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العظیم سرکار کریم سے وہ حسن قبول پایا کہ دورانِ طبع ہی میں "یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ"[1] کا حکم پہنچا، وہ تو اچھے تھے اور ان شاء اللہ الکریم بہت اچھے رہے مگر مہجور دل پر گذری جو گذری اُف نہیں کیا۔[2]

مولانا حسن رضا کے وصال پر کثیر اہل علم وفن نے قطعات تاریخ وصال رقم کیے، جنہیں ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

حکیم سیّد برکت علی نامیؔ بریلوی تلمیذ حسنؔ بریلوی

ناميؔ خستہ نہ نالم بچہ رو — کوہِ اُفتاد دریغا اُفتاد
دلِم از فرقت اُستادم سوخت — از لبم چون نہ بر آید فریاد
ہر کہ پُرسید ز من باعث غم — گفتمش "سوئے جناں رفت اُستاد"
سال فوتش ز جوابم جوئید — دیگر امروز نمیدارم یاد

سیّد محمود علی عاشقؔ وحمدؔ بریلوی تلمیذ حسنؔ بریلوی

حمدؔ اس غم میں ہے جینا مشکل — اُٹھا دنیا سے حسنؔ سا کامل
عید کے چاند میں داغ دل — اے فلک تجھ سے خدا ہی سمجھے
۱۳۲۶ھ

دیگر

ٹھنڈی ٹھنڈی چمن خلد سے آئی جو ہوا — آیا اُن نازنین آنکھوں میں سر شام سے خواب

---

[1] (اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ کہ تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں داخل ہو جا۔) الفجر ۸۹: ۲۷۔۳۰

[2] ذوق نعت (قدیم)، تذکرۂ مختصر ص ۱۳۵، ۱۳۶

میں نے اس خواب حسن کے یہ کہے سال اے حمدؔ   ''حور کی گود میں آج آیا ہے آرام سے خواب''
۱۳۲۶ھ

دیگر

جس طرف دیکھ آج ہے سنسان   بلبلیں اُڑ گئیں چمن سے کہاں
ہائے ساری بہار گلشن کی   لُوٹ کر لے گئی کہاں کو خزاں
ڈھونڈتی ہیں جسے مری آنکھیں   کہیں اُس گل کا کچھ نہیں ہے نشاں
گلشن دہر کر گیا خالی   بلبل خوش نوا و خوش اِلحاں
وہ فصاحت تھی اُس کے نغموں میں   ہو بلاغت کا جس پہ دل قرباں
اُس کی شیریں بیانیاں سن کر   غنچوں کی ہو گئی تھی بند زباں
سن کر اُس کا کلام ہوش رُبا   طوطی ششدر ہے آئینے حیراں
کہتے تھے سب ''حسنؔ میاں'' اُن کو   ہو رہا تھا ابھی یہ جن کا بیاں
نام نامی حسنؔ رضا خان تھا   اور تھا عرف اُن کا ''منجھلے میاں''
کر کے رحلت وہ دارِ فانی سے   ہو گئے راہی ریاضِ جناں
کیوں نہ اس غم میں ہو گریباں چاک   کیوں نہ اس غم میں آنکھیں ہوں گریاں
کیوں نہ اس سوزِ غم سے جان جلے   کیوں نہ اُٹھے دل و جگر سے دھواں
اُن کی ہجرت سے دل کے ٹکڑے ہیں   کیوں نہ لب پر ہو میری آہ و فغاں
اب تو دم ٹوٹنے لگا میرا   ہو گئی بند بس یہاں سے زباں
سن رحلت کی جستجو تھی مجھے   بولا ہاتف کہ تُو نہ ہو جویاں
سر انصاف سے یہ کہہ دے حمدؔ   ''خوش زبان اب حسنؔ میاں سا کہاں''

دیگر

لوگو دنیا میں تمہیں آئی ہیں میٹھی نیندیں   ایسے سوتے ہو کہ ہو نشہ میں جیسے کوئی چور

آکے ہر اک کے سرہانے یہ اَجل کہتی ہے — اب تو اُٹھ جاگ ہوئی صبح نمود اے مغرور
شام ہوتی ہے کوئی دم میں جو چلنا ہے تو چل — تو ہے کمزور کڑی دھوپ ہے اور منزل دُور
الغرض قافلے جاتے ہیں عدم کی جانب — تو بھی چل اُٹھ کہ تجھے بھی وہیں جانا ہے ضرور
مان لے مان لے ورنہ میں کہے دیتی ہوں — تجھے لے جاؤں گی ہوں میں تو اسی پر مامور
مختصر یہ کہ فنا ہو گی سبھی کو اک دن — بس چلن ہے یہی دنیا کا یہی ہے دستور
آج تک اس میں کسی کی نہ چلی ہے نہ چلے — سچ نہ مانے جو اسے اُس کی سمجھ کا ہے قصور
یہ تو سب سچ ہے مگر دل کو مرے صبر نہیں — کہ یکا یک مری نظروں سے چھپا ہائے وہ نور
فیض گفتار کلیم اُس کے سخن سے ظاہر — اُس کی نورانی جبیں سے تھا عیاں پرتو طور
ہائے وہ پیارا حسنؔ آج اُٹھا دنیا سے — ہائے اس غم میں نہ کیونکر ہو مرا دل رنجور
ہائے اس غم سے ہو کیوں کر نہ کلیجا گھائل — ہائے اس غم میں پڑیں کیوں نہ جگر میں ناسُور
حمدؔ اب صبر کرو صبر بڑی نعمت ہے — یہی خالق کی مشیّت تھی یہی تھا منظور
اور اُن کے سن رحلت کی کرو فکر ایسی — جس سے اعمال کا اور شانِ کرم کا ہو ظہور
فکر تاریخ میں آنکھیں جو ذرا بند ہوئیں — میرے کانوں میں صدا آئی فلک سے ''مغفور''

۱۳۲۶ھ

حکیم سیّد عبدالصمد سرشارؔ بریلوی

چون حسنؔ در جوارِ رحمت حق — یافت جائے و زین جہان شد دُور
سال تاریخ ہجریش سرشارؔ — مختصر من نوشتہ ام ''مغفور''

۱۳۲۶ھ

حکیم سیّد مسعود غوث فیضؔ ابن حکیم سیّد عبدالصمد سرشارؔ تلمیذ حضرت حسن بریلوی

رحمت غفّار کی دن رات پڑتی ہے بھرن — عفو کے گلہائے رنگیں سے بنی تربتِ چمن
یوں ندا دی فیضؔ ہاتف نے بہ آواز بلند — اہل دین جنت کی کیاری بن گئی قبر حسنؔ

۱۳۲۶ھ

سیدعلی احسن مارہروی

خان حسن رضا کہ بحسن لیاقتش مطبوع خاص و عام شدہ شاہد سخن
مقبول دہر چوں نشود ہر کلام او تخیل پاک طبع نکو فکرتش حسن
ایوا کہ رفت تاج ز فرق عروس نظم واحسرتا کہ فوت شد آں تاجدارِ فن
ہر گہ بگوشم ایں خبر غم اثر رسید چشمم بریخت اشک و بزد نالہ قلب من
آں نیک نام بامن بدنام داشتہ ربط و خلوص و اُنس دلی سر وہم علن
آں پاک زاد یافت شرف اے زہے شرف از حج و از زیارتِ قبر شہ زمن
یا غافر الذنوب بود رحمت براد بہر چہار یار دہم از بہر پنجتن
بعد از دعائے مغفرت احسنؔ بسال نقل گو ''زینت بہشت بود حاجی حسنؔ''
۱۳۲۶ھ

مولانا محمد انور مدرس مدرسہ ہاشمیہ (بمبئی)

کر گئی پرواز رُوحِ بلبل باغِ سخن اُڑ گیا رنگِ چمن حسنِ سخن جاتا رہا
عیسوی سن میں کہی انورؔ نے تاریخ وفات مل کے ہمراہِ حسنؔ حسنِ سخن جاتا رہا
۱۹۰۸ء

دیگر

گئے عدم کو جہاں سے حسن رضا صاحب خبر تمام یہ سن سن کے برہم آج ہوئے
کہو یہ مصرع تاریخ رحلت اے انورؔ حسنؔ رضائے الٰہی سے بیدم آج ہوئے
۱۳۲۶ھ

دیگر

نہ کیوں ہو ایک زمانہ کو آپ کا ماتم وحید عصر جناب حسنؔ رضا خان تھے

جو فکر عیسوی تاریخ ہے تو اے انورؔ ''کہو حسنؔ کو طفیل حسن خدا بخشے''
۱۹۰۸ء

حاجی سید تجمل حسین تجملؔ چشتی فخری نظامی جلال پوری

حسنؔ بود مداح خیر الوریٰ حسنؔ بود سرتاج اہل سخن
حسنؔ بود شیدائے اصحاب پاک حسنؔ بود دلدادۂ پنجتن
حسنؔ بود یک صوفی زندہ دل حسنؔ بود یک ماہر علم و فن
حسنؔ رفت سوئے بہشت بریں حسنؔ کرد رحلت ز دارِ محن
بگو بہر سال اے تجملؔ حسین حسنؔ نامور یافت قربِ حسن
۱۳۲۶ھ

دوارکا پرشاد حلمؔ بریلوی تلمیذ حسن بریلوی

چھوڑ کر گلشن دنیا کو حسنؔ ہوئے فردوس میں جا کر آباد
یوں لکھا حلمؔ نے سالِ رحلت ''خلد میں پہنچے جنابِ اُستادؔ''
۱۳۲۶ھ

برج موہن کشور فیروزؔ بریلوی تلمیذ حسن بریلوی

سیر دنیا سے ہو گئے جب سیر گئے اُستاد سوئے دارِ بقا
نیّر چرخ نظم تھے اُستاد اُن سے تھی ملک شاعری میں ضیاء
کیا ہی تھا اُن کا پاک وصاف کلام روزمرّہ تھا کس قدر اچھا
جو لکھی نثر بے نظیر لکھی جو کہا شعر لاجواب کہا
نعت لکھنے میں تھے اگر کامل تو مجازی میں آپ تھے یکتا
تھی توجہ تلامذہ پر خاص تھیں عنایات باپ سے بھی سوا

ہوئی یک لخت فرقتِ اُستاد	فلک پیر نے یہ رنج دیا
اب نہیں کوئی قدر دانِ سخن	اب نہیں لطف شاعری اصلاً
سالِ رحلت یہ آہ لکھ فیروزؔ	''آج افسوس کی حسنؔ نے قضا''

۱۳۲۶ھ

منشی محمد یعقوب ضیاؔ

بلبل خوشنوائے باغ سخن	جانب خلد چل بسا افسوس
ہو گیا گلشن سخن برباد	چل گئی صرصرِ قضا افسوس
نہ رہا لطف شاعری نہ رہا	جو نہ کیجے وہ ہے بجا افسوس
عمر بھر نعت مصطفائی میں	محو سو جان سے جو رہا افسوس
چھپ کے تیار جب ہوا دیوان	خود وہ دنیا سے چھپ گیا افسوس
چین پاتا نہیں کسی پہلو	دل ہے یوں غم میں مبتلا افسوس
فکر تاریخ کیا ضیاؔ کیجے	ہے زباں پر ''حسن رضا افسوس''

۱۳۲۶ھ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی

قوت بازوئے من سُنّی نجدی فگن	حاج و زائر حسنؔ سلّمہٗ ذوالمنن
نعت چہ رنگیں نوشت شعر خوش آئیں نوشت	شعر مگو دیں نوشت دُور ز ہر رَیب وظن
شرع ز شعرش عیاں عرش بہ بتیش نہاں	سُنّیہ را حرزِ جاں نجدیہ را سر شکن
قلقل ایں تازہ جوش بادہ بہنگام نوش	نور فشاند بگوش شہد چکاں در دہن
کلک رضاؔ سال طبع گفت بہ افضال طبع	زانکہ ز اقوال طبع کلک بود نغمہ زن
''اَوج بہیں محمدت جلوہ گہہ مرحمت''	''عافیت عاقبت بادِ نوائے حسنؔ''

''بادِ نوائے حسنؔ باب رضائے حسنؔ'' ''باب رضائے حسن باز بہ جلب مِنن''
''باز بہ جلب مِنن باز وِ بخت قوی'' ''باز وِ بخت قوی نیک حجاب محن''
''نیک حجاب محن فضل عفو و نبی'' ''فضل عفو و نبی حبل وی و حبل من''

آخری چار شعروں میں ہر مصرع سے سنہ وصال ۱۳۲۶ھ برآمد کیا ہے۔

دیگر

نعت حسنؔ آمدہ نعت حسن حسن رضا باد بزیں سلام
اِنَّ مِنَ الذَّوق لسحرٌ ہمہ انّ من الشعر لحکمۃ تمام
کلک رضاؔ داد چناں سال آں یافت قبول از شد رأس الانام

ہر مصرع سے سنہ وصال ۱۳۲۶ھ نکلتا ہے۔

☆

حسن شناسی کی
چند اہم جہتیں

حسنؔ اور داغؔ

سلطان الشعراء بلبل ہندوستان فصیح الملک نواب میرزا خاں داغؔ دہلوی ۱۲/ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء بمقام شاہجہاں آباد دہلی محلہ بلّیماراں میں پیدا ہوئے۔ مولوی غیاث الدین مصنف ''غیاث اللّغات'' سے فارسی پڑھی۔ مولوی سیّد احمد حسین تلمیذ میر تقی میرؔ سے استفادہ کیا، خوش نویسی میں پہلے سیّد امیر پنجہ کش دہلوی اور پھر مرزا عباداللہ بیگ سے اصلاح لی۔ فنّ شہ سواری و سپاہ گری کے کل اُصول اور کرتب سیکھے۔ شاعری میں خاقانیٔ ہند شیخ ابراہیم ذوقؔ کے شاگرد ہوئے۔ اور ''فصیح الملک'' و ''بلبل ہندوستان'' کہلائے۔

۱۸۵۷ء کے بعد داغؔ رام پور آ گئے اور تقریباً چالیس برس تک یہیں مقیم رہے۔ نواب کلب علی خاں بہادر کے انتقال ۱۸۸۶ء کے بعد دہلی چلے آئے اور پھر حیدرآباد چلے گئے۔ ۹/ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۷/فروری ۱۹۰۵ء کو آٹھ روز مرض فالج میں مبتلا رہ کر دارِ فانی سے انتقال کیا۔

حضرتِ داغؔ عقیدے کے لحاظ سے اہل سنت تھے۔ اس سلسلہ کا ایک لطیفہ مولانا سیّد احسن مارہروی نے بیان کیا ہے کہ فروری ۱۹۰۲ء تھی کہ مرزا صاحب کے نام ایک کپڑے کی تھیلی میں دو کتابیں پہنچیں، ایک کا نام ''جلوۂ خورشید'' تھا، دوسری کا ''زعفرانِ زارِ رضا'' دونوں کتابیں نظم میں تھیں۔ بھیجنے والے کا نام محمد رضا خان تھا۔ او پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ ''یہ کتاب خاص مذہب اثنا عشری کی ہیں، اہل سنت ملاحظہ نہ فرمائیں'' مرزا صاحب ان کتابوں کو دیکھ کر بہت گھبرائے مجھے مکان سے بلوایا اور فرمایا۔ بھائی ان کتابوں کو واپس کرو، اور اُسی وقت یہ خط لکھوایا:

''جناب شیعہ صاحب ! آپ کا کلام میرے پاس پہنچا، آپ کی یاد آوری کا ممنون ہوں مگر میں اہل سنت والجماعۃ سے حنفی المذہب ہوں۔ آپ کی ہدایت کے بموجب آپ کی کتابوں کو نہ دیکھ سکا۔''[1]

میرزا داؔغ دہلوی کے ساتھ مولانا حسن رضا کا تعلق شاگردانہ تھا۔ داؔغ کے رام پور قیام کے دوران مولانا نے ان سے کافی استفادہ کیا۔ مولانا حسن بریلوی کا اکثر رام پور آنا جانا رہتا تھا: کیونکہ آپ کے پھوپھا جناب فضل حسین صاحب ُراج دوارہ٬ رام پور ہی میں رہتے تھے: لہٰذا جب بھی اپنے پھوپھا صاحب کے یہاں تشریف لے جاتے تو حضرت داؔغ سے استفادہ ضرور کرتے اور ایسا بھی ہوا کہ کبھی کبھی ۲/ ۲ ماہ رہ کر استفادہ کیا۔[2]

داؔغ دہلوی نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کی تعریف بھی کی ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ ُاگر میں نعتیہ شاعری کرتا تو حسنؔ کو اپنا اُستاد بناتا'۔[3]

مولانا حسنؔ رضا بریلوی کے تعلقات حضرت داؔغ سے بہت دنوں تک رہے۔ ایک بار اپنے برادرِ اکبر حضرت احمد رضاؔ بریلوی کی ایک غزلیہ نعت کا مطلع داؔغ کو سنایا:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

تو داؔغ صاحب سن کر پھڑک اُٹھے اور فرمایا کہ مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔

داؔغ کی طبیعت میں خوش دلی و مذاق اور لطیفہ گوئی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کوئی بات بھی لطیفے سے خالی نہ ہوتی تھی، وہ بالکل اپنے اس شعر کے مصداق تھے

باتیں سنئے تو پھڑک جائیے گا — گرم ہیں داؔغ کے اشعار یہ کیا

لالہ سری رام نے ''خم خانۂ جاوید'' میں مولانا حسن رضا کی رِوایت سے داؔغ دہلوی کے متعدد لطائف تحریر کیے ہیں جنہیں ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

---

[1] نگار، جنوری، فروری ۱۹۵۳ء صفحہ نمبر ۱۲۷
[2] حسن رضا نمبر: ۲۰۵
[3] حسن رضا نمبر: ۱۳۸

ایک مرتبہ مولانا حسن رضا خان رام پور میں اپنے اُستاد داغ دہلوی کے ہاں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک نہایت ہی ضعیف العمر صاحب عربی لباس پہنے ہوئے بیٹھے گا رہے تھے۔ حسنؔ بریلوی کہتے ہیں کہ جب وہ اُٹھ گئے تو میں نے پوچھا ''حضرت یہ ذاتِ شریف کون تھے؟''

فرمایا: تم واقف نہیں؟

عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: سچ کہتے ہو؟ گزارش کیا، واقعی عرض کرتا ہوں۔

فرمایا: میاں یہ جنّت کے قوال تھے۔

اسی طرح ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک صاحب تشریف لائے، آپ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، وہ واپس گئے۔ سلام پھیر کر اپنے ملازم سے فرمایا ''اُنھیں بلانا'' وہ جا کر لایا۔ پوچھا: کیوں آئے تھے پھر چلے کیوں گئے؟ کہا: آپ نماز پڑھتے تھے اور مجھے ایک دوسرا کام تھا۔ فرمایا: میں نماز پڑھتا تھا ''لاحول'' تو نہیں پڑھتا تھا۔

ایک مرتبہ نواب کلب علی خان رام پوری خلد آشیاں کے سامنے ''سانس'' کی تذکیر و تانیث پر بحث ہو رہی تھی جو فریق مذکر کہتا تھا وہ دلّی والوں کے کلام سے سند پیش کرتا، فریق مخالف لکھنؤ والوں کے اشعار سے ثبوت دیتا تھا۔ مرزا داغ خاموش بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے کہ نواب صاحب نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، مرزا داغ تم کچھ نہیں کہتے۔ فرمایا: فریقین تھک لیں تو میں ایک قولِ فیصل عرض کروں گا۔ دونوں فریقوں نے بالاتفاق کہا کہ آپ ہی کے سر فیصلہ ہے۔ فرمایا: ''میرے نزدیک مؤنث کی سانس مؤنث اور مذکر کا مذکر''۔ اس پر سب ہنس دیے اور گفتگو ختم ہوگئی۔

ایک مرتبہ رام پور کے مشاعرہ میں طرح دی گئی ''ہم کو رونا ہے خندۂ گل کا'' داغ دہلوی کچھ علیل تھے، مسہل ہو چکے تھے، طرح پر غزل نہ کہی تھی، تلامذہ نے اصرار کیا، ناتوانی کا عذر فرمایا۔ مگر بعض ضدّی شاگردوں نے نہ مانا۔ فرمایا خیر قلم دان لاؤ۔ سب خوش ہو گئے کہ اُستاد غزل تصنیف فرمائیں گے، اب کان مشتاق ہیں اور نگاہیں اُستاد کا منہ تک رہی ہیں کہ یہ مطلع ارشاد ہوا:

ہم کو کیا لطف ساغر مُل کا   کبھی کچھڑی ملی کبھی پُھلکا

مولانا سیّد احسن مارہروی رِوایت کرتے ہیں کہ ایک دن احباب و تلامذہ خدمت اُستاد میں حاضر تھے اور آپ غزل کہہ رہے تھے، مرزا مظفر حسین بیگ بارقؔ بھی حاضر تھے، اُنھوں نے اُستاد کے فکرِ بے ساختہ اور تصنیف برجستہ کو دیکھ کر معمولی طور پر کہا کہ خدا جانے آپ کس طرح شعر کہتے ہیں ذرا دیر نہیں ہوتی کہ پورا شعر کہہ دیتے ہیں۔ اُستاد نے یہ سن کر فرمایا ''بھائی تم کس طرح شعر کہتے ہو'' اُنھوں نے جواب دیا کہ حضرت ہم تو کسی خاص وقت پلنگ پر لیٹ کر اور حقّہ سامنے رکھ کر فکرِ سخن کرتے ہیں۔ کبھی اس طرف کروٹ لی کبھی اُس طرف، کبھی اُٹھے، کبھی بیٹھے، اس مشکل سے کوئی شعر نکلتا ہے، فرمایا ''آپ شعر نہیں کہتے بلکہ شعر جَنتے ہیں۔''[1]

رنگ مجاز میں مولانا حسن رضا نے اس حد تک داؔغ کی اِقتدا کی ہے کہ مولانا حسرت موہانی تحریر کرتے ہیں:

'آپ نے اپنے اندازِ سخن کو اُستاد کے رنگِ کلام سے اس قدر مشابہ بنا دیا ہے کہ اکثر داؔغ اور حسنؔ کی شاعری میں فرق مشکل ہو جاتا ہے۔'[2]

ڈاکٹر اسعد بدایونی لکھتے ہیں:

'حسن رضا خان کی شاعری بنیادی طور پر غزل کی شاعری ہے، اور اُن کی غزل گوئی قدیم دبستانِ سخن کی تمام خوبیاں یعنی صحت زبان، محاورہ، شوخی، معاملہ بندی اور عاشقانہ مضامین کی حامل ہے جو اپنی اپنی جگہ جڑے ہوئے نگینوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ داؔغ کے شاگردوں نے زبان کی تراش خراش اور اسے ملک کے طول و عرض میں پھیلانے کی جو خدمت انجام دی، اُس سے انکار ناممکن ہے۔ حسنؔ رضا نے بھی زبانِ داؔغ کی توسیع و ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اُستاد کے رنگِ سخن کو اپنے کلام میں سمونے میں وہ دوسرے شاگردوں سے پیچھے نہیں رہے۔ اسی لیے اُن کا شمار داؔغ کے ممتاز شاگردوں میں کیا جاتا ہے۔ جب بھی داؔغ کے رنگ سخن کی بہترین پیروی کرنے

---

[1] خم خانۂ جاوید، ج ۳، ص ۳۱۱

[2] حسن رضا نمبر: ۱۹ بحوالہ ماہنامہ اُردوئے معلیٰ، علی گڑھ۔ جون ۱۹۱۲ء

والوں کی فہرست بنائی جائے گی، حسنؔ بریلوی کا نام شامل کرنا ناگزیر ہوگا'۔ [1]

حسنؔ نے داغؔ کی تقلید کی ہے:

ڈاکٹر عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''نواب مرزا داغؔ دہلوی کے تلامذہ میں بیخودؔ بدایونی، بیخودؔ دہلوی، نسیمؔ بھرت پوری، نوحؔ ناروی، سائلؔ دہلوی، حسنؔ بریلوی، بیباکؔ، حیرتؔ، آزادؔ، رساؔ، فیروزؔ شاہ رام پوری، احسنؔ مارہروی اور اشکؔ وغیرہ مشہور ہیں اور ان میں بعض صاحب دیوان بھی ہیں۔ لالہ سری رام نے ''خم خانۂ جاوید'' میں اکثر مشہور تلامذۂ داغؔ کے حالات لکھے ہیں اور ان کے کلام کا کافی انتخاب بھی دیا ہے اور ہم نے اس انتخاب کو پڑھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ ان لوگوں نے کم و بیش داغؔ کی خصوصیات کو قائم رکھا ہے۔'' [2]

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ لکھتے ہیں: مولانا حسن رضا خان حسنؔ رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان کا شعر بہ شعر مطالعہ کرنے کے بعد مستفاد ہوا کہ انہوں نے اپنے اُستاد کی تقلید کی۔ ان کے الفاظ، تراکیب لغات، روزمرہ اور محاورہ جانِ فصاحت ہیں۔ ان کی زبان میں غضب کی کشادگی اور خوش گوئی ملتی ہے۔ انہوں نے بھی اپنے اُستاد کی طرح بداعت کا سہارا نہیں لیا مگر اس کی تقلید کے باوجود وہ امتیاز کے حامل ہیں۔ اس امتیاز کا باعث اُن کی شخصی زندگی ہے۔

مولانا حسن رضا خان حسنؔ عالم دین اور منقولات و معقولات کے منتہی تھے۔ اُن کی تربیت دینی ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ انہوں نے شاعری کو وسیلۂ رزق اور ذریعۂ شہرت نہیں بنایا تھا۔ وہ درباروں سے غیر متعلق تھے۔ وہ نہایت خود دار اور تہذیبِ نفس کی دولت سے مالا مال شاعر تھے۔ لہٰذا داغؔ کی تقلید میں غزلیں لکھتے وقت انہوں نے اپنے علم و فضل، اپنے تقویٰ، خود داری و تہذیب نفس کی چادر مرمریں مجسمے پر ڈال کر اُسے ڈھانپ لیا تھا بالکل اسی طرح جیسے سابقین نے بداعت کے پردے میں داغؔ کی برہنگی کو چھپا لیا تھا۔ یہ اعلیٰ

---

[1] داغ کے اہم تلامذہ: ۶۶ مطبوعہ علی گڑھ

[2] شعر الہند، جلد اوّل، ص ۳۶۸

فنکاری تھی سابقین میں جرأتؔ اور متاخرین میں داغؔ ایسی فنکاری سے محروم رہے۔ داغؔ کے شاگردوں میں سے حفیظؔ جون پوری ایسی اعلیٰ فنکاری کے حامل ہیں۔"[1]

حسنؔ کے کلام میں داغؔ کا ذکر

حسنؔ نے اپنے اشعار میں کئی مقامات پر داغؔ دہلوی سے اپنی نسبت شاگردی کا اظہار کیا ہے، جس کا اِدراک ہمیں ان کے غزلیہ دیوان "ثمر فصاحت" کے مطالعہ سے ہوا، چنانچہ ہم نے ایسے تمام اشعار کو یہاں جمع کر دیا ہے جن میں حسنؔ نے اپنے اُستاد کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"پیارے شاگرد" تھا لقب اپنا　　کس سے اِس پیار کا مزہ کہیے

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذت سوز و گُداز
اے حسنؔ شاگرد ہوں میں داغؔ سے اُستاد کا
(ثمرِ فصاحت: ص ۴)

جس کو زمانہ "بلبل ہندوستاں" کہے　　اب کون ہے حسنؔ شعراء میں سوائے داغؔ
(ثمرِ فصاحت: ص ۵۴)

حال اب یہ ہے حسنؔ کا کہ بقولِ اُستاد　　رات بھر "ہائے صنم ہائے صنم" کرتے ہیں
(ثمرِ فصاحت: ص ۶۱)

حضرتِ اُستاد کے دیکھیں قدم چل کر حسنؔ　　گر خدا پہنچا دے ہم کو مصطفیٰ آباد میں
(ثمرِ فصاحت: ص ۶۵)

نوٹ: "رام پور" کا اسلامی نام "مصطفیٰ آباد" تھا۔

ذوقؔ کے شاگرد کے شاگرد کا دیکھیں کلام　　با حیا ہیں اب بھی گر ڈوبیں نہ دشمن آب میں
(ثمرِ فصاحت: ص ۸۷)

لطف ان سست مضامیں میں کہاں سے آئے
اے حسنؔ گر کرم حضرتِ اُستاد نہ ہو
(ثمرِ فصاحت: ص ۹۸)

---

[1] چند شعرائے بریلی، ص ۱۴۷، ۱۴۸

تم نے چُنے ہیں پھول یہ گلزارِ داغ سے　　یہ گل فشانیاں تو نہ ہوتیں کبھی حسنؔ

(ثمرِ فصاحت: ص۱۰۷)

حسنؔ نے اپنے اُستاد کے دیوان ''آفتابِ داغ'' کی اشاعت کے موقع پر تاریخ طباعت بہ صورتِ نظم تحریر فرمائی جو کہ ''ثمر فصاحت'' کے صفحہ نمبر ۱۸۸ پر موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حسنؔ اُستاد سے اپنے مجھے یہ عرض کرنی ہے
کہ سایہ تم پہ ہو یٰسین کی ساتوں مبینوں کا
کنارِ طبع سے آج ''آفتابِ داغ'' چمکا ہے
کہ گھونگھٹ اُٹھ گیا ہے دفعتاً سو مہ جبینوں کا
نزاکت اور صفائی دونوں اس سے قول ہاری ہیں
نہیں دیوان مگر مکھڑا ہے مہوش نازنینوں کا
زمین شعر ہے کیا جگمگائی اس کے پرتو سے
یہی سرور ہے بزم نظم میں گردوں نشینوں کا
اسی کی روشنی میں معنی نازک چمکتے ہیں
اسی سے گرم ہنگامہ ہے سب باریک بینوں کا
اسی سے پرورش پاتے ہیں لعل معنی رنگین
اسی کی ضو سے گھر روشن ہے مضموں کے خزینوں کا
اسی کی دُھوپ میں اُڑتی ہے رنگت روئے حاسد کی
اسی کے آگے فق ہوتا ہے منہ دقت گزینوں کا
اسی کے سامنے آنکھیں جھپک جاتی ہیں اعدا کی
یہیں تو جھلملاتا ہے چراغ اُن عیب چینوں کا
سربد بیں کبھی کا اُڑ چکا تاریخ لکھو تم
''پری رُوپوں کا جمگھٹ ہے یہ میلہ ہے حسینوں کا''

[۱۳۰۲ہجری]

حسنؔ نے اپنے اُستاد داؔغ دہلوی کی وفات ۱۳۲۲ھ پر بھی تاریخی نظم تحریر کی جو کہ ''ثمر فصاحت'' کے صفحہ نمبر ۱۹۶ سے ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے:

گئے جنت کو حضرتِ اُستاد　　غمِ فرقت کا حال کیا کہیے
اس قیامت کو حشر زا لکھیے　　اس مصیبت کو جاں گزا کہیے
فلکِ نظم پر قمر نہ رہا　　شمس کو آج بے ضیا کہیے
کہتی ہے بزمِ نظم کی حالت　　عیش منزل کو غم سرا کہیے
ملک کیسا وہ تھے فصیحِ زماں　　اب فصاحت کا خاتمہ کہیے
بلبلِ ہند اور جہانِ اُستاد　　بلکہ اس سے بھی کچھ سوا کہیے
یاد ہیں رام پور کے جلسے　　اُن کی شفقت کا حال کیا کہیے
''پیارے شاگرد'' تھا لقب اپنا　　کس سے اس پیار کا مزہ کہیے
پوچھئے کس سے اب رُموزِ سخن　　کس سے خاطر کا مدعا کہیے
مر مٹیں نظم کی تمنائیں　　آہ کس کس کا مرثیہ کہیے
شدنی وہ جو بے ہوئے نہ رہے　　ایسی صورت میں ہائے کیا کہیے

مرگِ اُستاد کی حسنؔ تاریخ
''داؔغ نواب میرزا'' کہیے
[۱۳۲۲ھ]

☆

حسن بریلوی غزل کے شاعر

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ لکھتے ہیں:

''جب مولانا حسن رضا خان رام پور سے بریلی شریف آئے تو عوام نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ بہت مشہور ہو گئے ۔ مشاعروں کا وہ زور بندھا کہ بایدوشاید۔ محلہ معماران بریلی شریف میں وہ عمارت جو''امام باڑہ'' کہلاتی ہے اور جس میں ہر سال ۷ رمحرم الحرام کو بڑی دُھوم دھام ہوتی ہے نئے شہر میں مشاعروں کا بڑا مرکز تھی۔ اسی عمارت میں اُستاد داؔغ کی زیرِ صدارت بھی مشاعرہ ہوا تھا جس کا حال میں نے اپنی کم عمری کے زمانے میں بڑے بوڑھوں کی زبانی سنا تھا۔ حسنؔ کے تلامذہ کی تعداد شمار میں نہیں آسکتی۔ وہ جب تک زندہ رہے، بریلی کی اقلیم شاعری ان کے قبضے میں رہی۔ مولانا حسنؔ کے تلامذہ میں مداح رسول جناب جمیل الرحمن خان جمیلؔ، قاضی محمد خلیل حیرانؔ، سید محمود علی عاشقؔ اور دوارکا پرشاد حلمؔ مشہور ہوئے۔ یہ تمام شعرا خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ حسنؔ کے انتقال کے بعد انہوں نے بریلی کی ادبی وقعت کو قائم رکھا اور داؔغ کے طرزِ شاعری کو فروغ بخشا۔''[1]

مزید لکھتے ہیں:

''مولانا حسن رضا خان کے زمانے میں ہی نعتیہ مشاعروں کا رواج پڑا۔ ان سے قبل بریلی کے مشاعروں میں بطورِ ہدیۂ تبریک حمد و نعت و منقبت خوانی ہوتی تھی۔ جب حسنؔ کی نعت گوئی نے ہندوستان گیر شہرت حاصل کی اور بریلی میں نعت گوئی کو غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی تب نعت گوئی کے لئے مشاعرے بھی جدا منعقد ہونے لگے۔

---

[1] چند شعرائے بریلی، ص ۱۴۳

مولانا حسن رضا خان کے زمانے سے ہی مشاعروں میں مزاح نگاروں نے اپنا کلام پڑھا۔اس کا آغاز یوں ہوا کہ حسنؔ سے ایک ہزل گو شاعر خنداںؔ اور حکیم عبدالصمد سرشارؔ سے ایک شاعر، جن کا تخلص فلفلؔ وابستہ تھے۔مشاعروں میں ہر دو گروپوں کی طرف سے یہ ہزل گو پیش ہوتے اور سامعین کے لئے انبساط کا سامان فراہم کرتے۔خنداںؔ کے دیوان کا سائز بغدادی قاعدہ کے برابر،تعداد صفحات ۲۴،کاغذ بھدا گلابی،ایک نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔

بحیثیت مجموعی بریلی میں اُردو شاعری کا وہ دَور جس کا آغاز مولانا حسن رضا خان کے ساتھ ہوا اور جس کا اختتام ۱۹۴۷ء میں ہوا، ایک دلچسپ، رنگارنگ، اور ہمہ ہمی کا دَور تھا۔جس کی شیریں یاد آج بھی عمر رَسیدہ اشخاص کے قلوب میں باقی ہے۔نواب مرزا داؔغ، اُن کے تلامذہ اور اُن کے متبعین نے فصیح البیانی کو غزل کی خاص خصوصیت سمجھا۔داؔغ ''فصیح الملک'' کہلاتے اور اُن کے تلامذہ و متبعین نے فصاحت کو ہی ہنر غزل گوئی سمجھ کر سخن سنجی کی۔ان تمام مشاعروں کی غزلیات کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اشعار میں کشادگی، تیز زبانی اور خوش گوئی ملتی ہے۔ان کے اشعار بالعموم ایسے الفاظ سے خالی ہیں جنھیں بلغاء نے ناپسند کیا یا جن کی سند ان سے نہیں ملتی۔ان کے اشعار میں ضعف ترکیب کلمات اور ترکیب غیر مانوس و الفاظ ثقل و نادرست بھی نہیں ملتے۔ان کے اشعار میں اجماع دو حرف از یک جنس کہ موجب ثقل ہو، نہیں ملتا۔غیر مانوس الفاظ اور مشکل لغات بھی نہیں ملتے۔لہٰذا علم معانی کی اصطلاح میں شعراء کا یہ گروہ ''فصیح البیان'' تھا اور اس کے سرخیل ''فصیح الملک'' تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سابقین فصیح البیان نہ تھے؟ جب فصاحت کے بغیر اعلیٰ شعر گوئی کا تصور ناممکن ہے تو بلا تردّد یہ ماننا پڑتا ہے کہ سابقین بھی فصیح البیان تھے۔لہٰذا اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داؔغ اور اُن کے حلقے کے شعراء کی فصیح البیانی میں وہ کون سی قدر غیر مشترک ہے جو وجہ امتیاز بن سکتی ہے؟ میرے خیال میں وہ قدر غیر مشترک بداعت ہے۔سابقین نے بداعت کا استعمال بالالتزام کیا۔داؔغ اور ان کے گروہ کی شاعری اس التزام سے خالی ہے۔لہٰذا

سابقین کی غزلیات ایک ایسے مرمریں مجسمہ کی طرح تھیں جس کی تزئین کے لئے یا جس کو قابل قبول بنانے کے لئے خارجی حسن کاری کا سہارا لیا گیا۔ داغ اور اُن کے گروہ کی غزلیات صرف مرمریں مجسمہ کی طرح تھیں جس کے اعضاء، نشیب وفراز، برہنگی، خود سپردگی اور مستقل احساس تقرب نے ہی اس کو قابل قبول بنایا۔''[1]

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں: مولانا حسن رضا خان حسنؔ نے داغ کی غزل کی سوقیت دُور کی۔ زود گوئی کے باوجود غزل کی فضاء کو برقرار رکھا۔ اظہارِ حدیث خلوت، خمریات، شوخی اور دیگر مضامین غزل کو باندھنے کے باوصف اُستاد کی تقلید میں ایک تنگ دائرے میں مقید نہیں ہوئے۔ انہوں نے دل کی فطری کسک اور قلب کے نور کو بھی اپنی غزل میں پیش کیا۔ وہ فطری طور پر غزل کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

حسنؔ بریلوی کے غزلیہ دیوان سے منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں:

حسن جب مقتل کی جانب تیغ بُرّاں لے چلا — عشق اپنے مجرموں کو پا بہ جولاں لے چلا
آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے — بزم سے میں آرزوئے دید جاناں لے چلا
جلوہ گہ میں سیل گریہ نے رکھا محروم دید — تشنہ لب کو سُوکھے گھاٹوں جوشِ طوفاں لے چلا
ڈھونڈتی تھی ہر طرف کس کو نگاہِ واپسیں — آس کس کے دید کی بیمارِ ہجراں لے چلا
اُف ری متوالی جوانی کچھ خبر تجھ کو نہیں — ساغرِ مے بوسہؑ لب ہائے جاناں لے چلا
کی ہیں کس کم بخت دل کے جذب نے گستاخیاں — کون بے پردہ انھیں سوئے شبستاں لے چلا
میرے گھر تک پاؤں پڑ کر اُن کو لایا تھا نیاز — ناز دامن کھینچتا سوئے رقیباں لے چلا
دل کو جاناں سے حسنؔ سمجھا بجھا کر لائے تھے — دل ہمیں سمجھا بجھا کر سوئے جاناں لے چلا

....

شوخی سے باز آئے وہ کن شوخیوں کے ساتھ
بے چین کر گئے وہ نگہ شرمسار سے

....

[1] چند شعرائے بریلی، ص ۱۴۷

شوخیاں اُس کی قیامت سے بھی کچھ اُونچی گئیں
ہم تری نیچی نظر کو شرمگیں کہنے کو تھے

....

محو رِضائے یار ہوں مجھ کو خبر نہیں — اندازِ لطف کیا ہے اَدائے عتاب کیا

....

اے خدا اور کوئی مجھ سا بنا میرے بعد — رہیں آرام سے کیوں اہل جفا میرے بعد

....

زلف ٹیڑھی ہو مگر عاشق سے تم ٹیڑھے نہ ہو
زلف میں اچھی طبیعت میں کجی اچھی نہیں

....

خود معالج کی ضرورت ہے معالج کو مرے
مرے نسخے میں کہیں شربت دیدار نہیں

....

اب نظر آتے ہیں زاہد راہ پر آتے ہوئے
تا درِ میخانہ آ جاتے ہیں سمجھاتے ہوئے
سوچ تو دل میں مرے داتا ترے باڑے کی خیر
دید کے بھوکے پھریں یوں ٹھوکریں کھاتے ہوئے

....

کچھ حسینوں کی محبت بھی بُری ہوتی ہے — کچھ یہ بے چین طبیعت بھی بُری ہوتی ہے
آپ کی ضد نے مجھے اور پلائی حضرت — شیخ جی اتنی نصیحت بھی بُری ہوتی ہے
قیس کے حال کو سن سن کے جگر پھٹتا ہے — ساتھ کھیلے کی محبت بھی بُری ہوتی ہے

....

دل میں غم ہے، قلق ہے، حیرت ہے — تمھیں کس چیز کی ضرورت ہے
ہاں مجھے اُن سے عشق ہے ناصح — آپ کہیے مری طبیعت ہے

....

نقاب میں بھی وہ جلوہ تہِ نقاب نہیں سحاب سے جو چھپے یہ وہ آفتاب نہیں

....

تم اور پچی ہوئی کسی مے نوش کی پیو بہکے ہوئے ہو شیخ ذرا ہوش کی پیو
اس مے میں سوزِ دل سے ہے لطف کباب بھی بوتل دبی ہوئی مری آغوش کی پیو

....

ہجر بت ہے سبب ذکر خدا اے واعظ رات دن 'ہائے خدا ہائے خدا' کرتے ہیں

....

اے جانِ گل گزرتے ہیں جس رہگذر سے آپ
کہتی ہیں نکہتیں کہ گئے ہیں اِدھر سے آپ

....

عمر روتے ہی کٹی جان پہ کھیلے ہی بنی ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے محبت اُن کی

....

عشق صد گونہ اَلم، حسن ہزاراں غفلت کیسے بھولوں میں انھیں وہ مجھے کیا یاد کریں

....

مچل جائے گا دل تو ساری شوخی بھول جاؤ گے
بلائے بد ہے یہ کیا جانے تم نے اس کو کیا سمجھا

اعجاز کی باتیں تری گفتار میں دیکھیں
رفتار میں چلتا ہوا جادو نظر آیا

....

دم آخر ترے حسرت بھرے گھر کے قیامت تھی
گلے مل مل کے روئی بیکسی ایک ایک ارماں سے

....

کیا پاؤ گے تم ہم سے فقیروں کو ستا کر　　بندے کو ذرا خوف بھی لازم ہے خدا سے

....

موت بھی کیا جانے کچھ بیمار ہے　　کیوں نہیں آتی ترے بیمار تک

....

آہ وہ حال جس کو ڈر سے ترے　　لا بھی سکتے نہ ہوں زباں تک ہم

....

نہ ہم چھوٹے محبت کے بکھیڑوں سے نہ چھوٹیں گے
جو دل خالی ہو رونے سے تو آہیں بھر نکلتے ہیں

....

جی میں ہے آج تو ایسی کوئی فریاد کریں
کچھ دنوں بھولنے والے بھی ذرا یاد کریں

....

☆

حسنؔ بریلوی نعت گوئی کے میدان میں

مولانا حسن رضا خان حسنؔ کی تعلیم و تربیت، گھر کا مذہبی ماحول، باعمل زندگی اور شعر گوئی کی فطری صلاحیت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ نعت لکھتے۔ چنانچہ انہوں نے نعت گوئی میں بھی وہ امتیاز پایا کہ باید و شاید۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ مسمیٰ ''ذوقِ نعت'' (۱۳۲۵ھ) متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ ان کے تحریر کردہ نعتیہ کلام اور نعتیہ غزلیں برصغیر ہند و پاک میں یکساں طور پر مقبول ہیں۔ حسنؔ کے نعتیہ کلام پر داؔغ کی اصلاح نہیں ہوئی۔ ان کے بڑے بھائی مولانا احمد رضا خان رضاؔ نے ضرور ان کی نعتوں کو کبھی کبھار بہ نظر اصلاح دیکھا ہے۔ وہ ان کی نعتوں کی مدّاح تھے۔ انہوں نے ''ملفوظات'' میں صرف دو نعت گویانِ اُردو یعنی کافیؔ مراد آبادی اور حسنؔ رضا خان بریلوی کی تعریف کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نعت لکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ تلوار پر چلنا۔ اگر مدح میں غلو کیا تو گمراہ ہوا، اور اگر مدح میں کمی کی تو گمراہ ہوا۔ انہوں نے حسنؔ بریلوی کے متعلق خاص طور پر کہا کہ ان کی نعت میں شرعی نقص نہیں ملتا یعنی مدح بمنزلہ مرتبہ ہے نہ زیادہ نہ کم۔ [۱]

ڈاکٹر لطیف حسین ادیبؔ نے یہاں ایک اہم سوال اُٹھایا ہے، لکھتے ہیں مولانا حسن رضا خان حسنؔ کی نعتیں پڑھنے کے بعد یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا نعت میں غزل کی مخصوص زبان یا پیرایۂ اظہار اختیار کیا جا سکتا ہے۔؟

پھر خود ہی اس کا جواب تحریر کرتے ہیں: ''میں نے کتنے ہی صاحب الرائے افراد کو یہ کہتے سنا ہے کہ غزل کی زبان میں نعت لکھنا گستاخی و بے ادبی سے عبارت ہے مگر میں ایسا نہیں سمجھتا۔ نعت جزوِ شاعری بننے کے بعد سرمایۂ ادب ہے۔ لہٰذا ادب کو ادبی تنقید کی روشنی میں ہی دیکھنا ہوگا۔

نعت اقسام نظم میں سے ہے جس کا تعلق توصیف رسول ﷺ سے ہے۔ غزل اقسام شعر

---

[۱] چند شعرائے بریلی، ص ۱۵۱

یں سے ہے جیسے مثنوی، قصیدہ، مستزاد، وغیرہ۔ بالفاظ دیگر نعت مضمون ہے اور غزل فارم، ہر فارم دوسرے فارم سے مختلف ہے۔ غزل کی اشاریت، مضمون، لب ولہجہ قصیدہ و مثنوی سے مختلف ہے۔ نعت کے لئے کوئی مخصوص فارم نہیں ہے۔ توصیفِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعر کی کسی بھی قسم میں کی جا سکتی۔ ہم ایسے کلام کو نعتیہ غزل، نعتیہ مثنوی اور نعتیہ قصیدہ کہتے ہیں۔ نعتیہ مثنوی و قصیدہ میں مثنوی و قصیدہ کا ماحول ملے گا۔ تبدیلی صرف مضمون کی ہوگی۔ یعنی اس کا تعلق بشر سے نہیں افضل البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوگا۔ نعت کی موجودگی میں غزل غزل رہے گی۔ مثنوی مثنوی اور قصیدہ قصیدہ۔ میرے خیال میں تو خود اپنی جگہ یہ اعلیٰ فنکاری ہے کہ غزل کی بنیادی خصوصیات اور تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نعت لکھی جائے۔ اس طرح کی باتیں کہ ''یہ لفظ غزل کا ہے، نعت میں کیوں استعمال ہوا؟'' تشدّدانہ بلکہ ناسمجھی کی باتیں ہیں۔''[1]

ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیب لکھتے ہیں: ''مولانا حسن رضا خان حسنؔ کے زمانے میں نعتیہ مشاعرے مروّج ہوئے۔ اُس وقت نعتیہ شاعری کو اِس درجہ فروغ ہوا کہ نعتیہ مشاعروں کی ضرورت محسوس کی گئی اور ان کا انعقاد بھی ہوا۔ میں جب بریلی کی تاریخ نعت گوئی کا تصور کرتا ہوں تو بے شمار سرمایہ نعت میں نظر آتا ہے۔ چوں کہ بریلی مدت مدید سے علماء وفقراء کا مرکز ہے لہٰذا بریلی میں نعتیہ شاعری بھی عام اُردو شاعری کی ہم سفر رہی ہے۔ یہ سرمایہ بہ اعتبار مقدار اتنا زیادہ ہے کہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کا دَورِ مابعد جس کا تعلق مولانا حسن رضا خان حسنؔ سے ہے، بریلی میں عظیم المرتبت نعت گویان پر مشتمل ہے۔ نواب حیدر حسین خان حیدرؔ، نواب محمد عبدالرزاق خان رزاقؔ، شاہ سید حسین سیدؔ، مولوی لطف علی خان لطفؔ، مولوی احمد رضا خان رضاؔ، سید شاہ فضل غوث ساقیؔ، حضور احمد خان آثمؔ، مولوی محمد حسن علمیؔ، سید محمد فدا علی وامقؔ، علی حسین شاہ طالبؔ اور محمد جمیل الرحمن خان جمیلؔ۔ وہ صاحب دیوان برگزیدہ شعرائے نعت ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ حسنؔ کی پیدائش سے فوراً پہلے کے زمانے میں دو باہر کے آئے ہوئے شاعر یعنی کرامت علی خاں شہیدیؔ اور کفایت اللہ کافیؔ مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی

[1] چند شعرائے بریلی، ص ۱۵۲

نعتیہ شاعری سے بریلی میں نعتیہ شاعری کے لئے غیر شعوری تحریک پیدا کی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۱۸۵۷ء کے دَورِ مابعد کے نعت گویان کے لئے بریلی میں شہیدیؔ اور کافیؔ نے عقبی زمین کا کام کیا ہے۔"[۱]

نعتیہ اشعار میں قرآن وحدیث کی ترجمانی

حضرت حسن رضا بریلوی نے فصیح الملک دَاغ دہلوی کی شاگردی میں رہ کر شعر گوئی کے میدان میں کمال حاصل کیا۔ عشقیہ شاعری میں "ثمر فصاحت" اور نعتیہ دیوان میں "ذوقِ نعت" یادگار ہے۔ آپ نے حمد ونعت، منقبت، غزل، مثنوی، رُباعی، تاریخ قصائد غرض ہر صنف شعر میں طبع آزمائی کر کے ان پر عبور حاصل کیا تھا۔ آپ کا کلام کیف آوری اور اثر انگیزی کا بہترین نمونہ ہے۔ حسنؔ بریلوی کے کلام کے محاسن پر اربابِ فکر و دانش کے تبصرہ کو ہم کتاب کے دوسرے حصہ میں لا رہے ہیں، یہاں صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ حسن بریلوی نے حمد و نعت میں قرآن وحدیث کے ترجمے اور مفہوم کو اتنی شائستگی اور عمدگی سے نظم کی شکل میں پرویا ہے کہ پڑھنے والوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بندوں کو مخاطب کرتا ہے: "ونحن اقرب الیہ من حبل الورید"

ترجمہ: اور ہم دل کی رَگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

مگر بندہ اُس کو دیکھنے سے عاجز وقاصر ہے۔ حضرت حسنؔ اس رمز کو یوں بیان کرتے ہیں۔

۱) شہ رَگ سے کیوں وصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اِس جگہ خردِ ہرزہ تاز کا

....

۲) دشت ایمن میں مجھے خاک نظر آئے گا
مجھ میں ہو کر نظر آتا نہیں جلوہ تیرا

....

---

[۱] چند شعرائے بریلی، ص ۱۵۰

۳) برق دیدار ہی نے تو یہ قیامت توڑی
سب سے ہے اور کسی سے نہیں پردہ تیرا

....

۴) سارے عالم کو تو مشتاقِ تجلی پایا
پوچھنے جائے اب کس سے ٹھکانہ تیرا

....

۵) نئے انداز کی خلوت ہے یہ اے پردہ نشیں
آنکھیں مشتاق رہیں دل میں ہو جلوہ تیرا

....

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف اپنی والدہ سے ملنے کے لئے آرہے تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ ساتھ تھیں۔ موسم سرما اپنے شباب پر تھا۔ آگ کی تلاش تھی۔ وادیٔ طویٰ میں ایک مقام پر آگ نظر آئی۔ اس تاریخی واقعہ کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ "اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا" (طٰہٰ:۱۰) ترجمہ: جب اس (موسیٰ علیہ السلام) نے ایک آگ دیکھی تو اپنی بی بی صاحبہ سے کہا ٹھہرو مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے۔ قریب گئے تو آواز آئی۔ "اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ" (طٰہٰ:۱۲) ترجمہ: بے شک میں تیرا رب ہوں تو تُو اپنے جوتے اُتار ڈال۔ یہ روشنی آگ نہیں بلکہ تمہارے ربّ کا جلوہ ہے۔ اس واقعہ کو حسنؔ بریلوی اپنے کلام میں اس طرح سجاتے ہیں۔ ؎

پھر نمایاں جو سر طور ہو جلوہ تیرا
آگ لینے کو چلے عاشق شیدا تیرا

اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کا سلسلہ جب شروع ہوگیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز اپنی تمنا ظاہر کی۔ "اے رب مجھے اپنا دیدار عطا کر کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا: تُو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔ یہ اگر اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ اس مفہوم کو حضرت حسن بریلوی بڑے اچھوتے انداز میں بیان کرتے ہیں: ؎

طور پر جلوہ دکھایا ہے تمنائی کو
کون کہتا ہے کہ اپنوں سے ہے پردہ تیرا

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ربّ کے نور کی تاب برداشت نہ کرسکے اور غش کھا کر گر پڑے۔اس واقعہ کے تعلق سے حضرت حسنؔ بریلوی یوں گویا ہوئے ہیں ؎

اَرِنِیْ گوئے سر طور سے پوچھے کوئی کس طرح غش میں گراتا ہے تجلّی تیرا
غش آ گیا کلیم سے مشتاقِ دید کو جلوہ بھی بے نیاز ہے اس بے نیاز کا
طور کا ڈھیر ہوا غش میں پڑے ہیں موسیٰ کیوں نہ ہو یار کہ جلوہ ہے یہ جلوہ تیرا

اس طرح کی تمثیلات جابجا آپ کے کلام میں پائی جاتی ہیں[1] جس کی قدرے تفصیل کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔

نعت اور غزل کی مشترک زمینیں

حضرت حسن رضا بریلوی کے متعلق متعدد مقالہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں ایسا تاثر دیا ہے کہ آپ ابتدائی عمر میں غزلیہ شاعری کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن پھر اعلیٰ حضرت بریلوی کی صحبتِ بابرکت کے سبب غزلیہ شاعری ترک کردی اور نعتیہ شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ ہمیں اس رائے سے بالکل بھی اتفاق نہیں۔اگر اعلیٰ حضرت کی صحبتِ بابرکت ہی کی بات ہے تو یہ بابرکت صحبت تو آپ کو بچپن سے ہی میسر تھی، نیز آپ نے جملہ عربی و دیگر اسلامی علوم میں اپنے والد ماجد رئیس الاتقیاء و امام المتکلمین مولانا نقی علی خان بریلوی سے استفادہ کیا تھا تو ایسی دو بابرکت صحبتوں کے ہوتے ہوئے حسنؔ بریلوی کا غزلیہ شاعری کی طرف بھی میلان رکھنا کیا خاندانی رِوایات سے انحراف تھا؟ بالکل بھی نہیں۔بلکہ رِوایتوں میں آیا ہے کہ حسنؔ بریلوی کے دادا صوفیٔ باصفا مولانا شاہ رضا علی خان خود بھی شاعر تھے اور فن شاعری میں مفتی صدرالدین آزردہؔ کے شاگردوں میں سے تھے۔آپ کا ذوقِ ادب انتہائی عروج پر تھا، کافی اشعار کہے ہیں۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط پر ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] حسن رضا نمبر، ص ۱۹۴،۱۹۵

آہ ہم پر ہوا مسلّط وبالِ فرنگیاں
ہمیں ہیں مالک اور ہمیں آنکھیں دکھائی جاتی ہیں[1]

حسنؔ بریلوی پر لکھنے والے بعض لوگ عجیب مخمصے میں نظر آتے ہیں ایک جانب اُن کی غزلیہ شاعری کو لے کر اُردو ادب کے مؤرخین سے نالاں ہیں کہ اُنہوں نے تاریخ اُردو ادب میں مولانا کو جائز رُتبہ و مقام سے محروم رکھا اور دوسری جانب حسنؔ بریلوی کی غزلیہ شاعری کو قبول کرنے اور اُن کے دیوان کو شائع کرنے سے اِس بنا پر منع کرتے نظر آتے ہیں کہ حسنؔ بریلوی نے غزلیہ شاعری کو ترک کر دیا تھا۔ یہ حضرات یا تو اُردو ادب کے مؤرخین کا گلہ شکوہ چھوڑ دیں یا حضرت حسن رضا بریلوی کی غزلیہ شاعری کو قبول کریں۔ حسنؔ بریلوی نے اُردو ادب اور فنّ شاعری کی لازوال خدمت انجام دی ہے بلکہ اس کی ترویج و اشاعت کے لیے نہ صرف خود عمدہ کتب تحریر فرمائیں بلکہ تلامذہ کی ایک جماعت بھی تیار کی۔ نیز ایک ہفتہ وار اخبار ''روز افزوں'' اور ایک ماہنامہ ''گلدستہ بہارِ بے خزاں'' کے نام سے بھی شائع کرتے رہے، مشاعروں کے انعقاد کے ساتھ ساتھ دیگر اہل سخن سے مربوط بھی رہے اور اُن کے کام کو سراہتے ہوئے متعدد شعری مجموعوں کی اشاعت پر قطعات تواریخ بھی رقم فرماتے رہے۔

حسنؔ بریلوی کی شاعری کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے نعتیہ اور غزلیہ دونوں قسم کی شاعری کو ابتدائی زمانہ سے ہی جاری رکھا، البتہ عمر فانی کے آخری برس حج بیت اللہ اور حاضریٔ مدینہ منورہ سے مشرف ہو کر لوٹے تو آپ نعتیہ شاعری کی طرف زیادہ مائل ہوئے اور اپنے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' کی جلد از جلد ترتیب و اشاعت میں مصروف ہو گئے، لیکن ابھی آپ کا دیوان زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہوا تھا کہ آپ داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو گئے۔

''ذوق نعت'' سے قبل حسنؔ بریلوی نے اپنا دیوان ''ثمر فصاحت'' ترتیب دیا تھا لیکن

---

[1] مولانا نقی علی خان، ص ۲۹ مؤلفہ شہاب الدین رضوی مطبوعہ عالمی دعوت اسلامیہ، لاہور

زندگی نے وفا نہ کی اور اُن کے دونوں دیوان بعد از وصال ان کے بڑے صاحبزادے حکیم حسین رضا خان بریلوی نے اپنے اہتمام سے شائع کیے۔

حسنؔ بریلوی کے دونوں دیوان سامنے رکھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ متعدد غزلیں اور نعتیں ایک ہی زمین پر کہی ہیں، جس کی کچھ مثالیں حاضر خدمت ہیں:

مولانا کے کلام مجاز ''ثمر فصاحت'' میں تین غزلیں ایک ہی زمین پر موجود ہیں جن کے پہلے شعر یوں ہیں:

پہلی غزل

حسن جب مقتل کی جانب تیغ بُرّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پا بہ جولاں لے چلا

دوسری غزل

بزم سے گلشن کو یاد روئے جاناں لے چلا
میں گلستاں سے گلستاں کو گلستاں لے چلا

تیسری غزل

دل نشیں ہو کر میرا دل تیر جاناں لے چلا
آشیانے کو اُڑا کر مرغِ پراں لے چلا

اب اسی زمین میں مولانا کی نعتیہ غزل کا مطلع ہے:

مجرم ہیبت زدہ جب فردِ عصیاں لے چلا
لطف شہ تسکین دیتا پیشِ یزداں لے چلا

اسی طرح ''ثمرِ فصاحت'' میں مولانا کی غزل ہے:

اَجل نزدیک ہے بیمار کے منہ پر بحالی ہے
خدا کا شکر فرقت کی مصیبت کٹنے والی ہے

اسی زمین پر مولانا کی نعتیہ غزل تحریر فرماتے ہیں:

مرادیں مل رہی ہیں شاد شاد اُن کا سوالی ہے
لبوں پر اِلتجا ہے ہاتھ میں روضے کی جالی ہے

مزید مثالیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱)

ہمیں کر گئی قتل فرقت کسی کی　　　پھری شکل خنجر طبیعت کسی کی
(ثمر فصاحت)

کرے چارہ سازی زیارت کسی کی　　　بھرے زخم دل کے ملاحت کسی کی
(ذوقِ نعت)

(۲)

آفت ہوش و خرد حسن خود آرائی ہے　　　بزم محشر بھی انہیں گوشۂ تنہائی ہے
(ثمر فصاحت)

باغ جنت میں نرالی چمن آرائی ہے　　　کیا مدینہ پہ فدا ہو کے بہار آئی ہے
(ذوقِ نعت)

(۳)

فدائے مے کدہ کو بھی عنایت اک پیالا ہو
مرے ساقی ترا دونوں جہاں میں بول بالا ہو
(ثمر فصاحت)

اے راحت جاں جو تیرے قدموں سے لگا ہو
کیوں خاک بسر صورتِ نقشِ کفِ پَا ہو
(ذوقِ نعت)

(۴)

لوگ کہتے ہیں عدو سے دوستی اچھی نہیں
کیا یہ عادت آپ کے نزدیک بھی اچھی نہیں
(ثمر فصاحت)

کون کہتا ہے کہ زینت خلد کی اچھی نہیں
لیکن اے دل فرقت کوئے نبی اچھی نہیں
(ذوق نعت)

(۵)

پہلی غزل

بہاریں سی بہاریں ہیں گل چاک گریباں میں
گلستاں کے مزے ہم کو میسر ہیں بیاباں میں
(ثمر فصاحت)

دوسری غزل

چلو سودائیو کیا کر رہے ہو دشت ویراں میں
مبارکباد جنت لٹ رہی ہے کوئے جاناں میں
(ثمر فصاحت)

تیسری غزل

نہ سبزی ہے نہ سبزہ، خاک اُڑتی ہے گلستاں میں
رِہائی ڈھونڈنے آئی ہمیں کس وقت زِنداں میں
(ثمر فصاحت)

اب نعت کا مطلع ملاحظہ فرمائیں:

نہ کیوں آرائشیں کرتا خدا دنیا کے ساماں میں
تمھیں دُولھا بنا کر بھیجنا تھا بزمِ امکاں میں
(ذوق نعت)

(۶)

ہاتھ دھو بیٹھے جب اپنے سر سے ہم   پھر نہیں ڈرتے کسی خنجر سے ہم
(ثمر فصاحت)

جاتے ہیں سوئے مدینہ گھر سے ہم　　　باز آئے ہندِ بد اختر سے ہم
(ذوقِ نعت)

(۷)

غم اُلفت تجھے رکھے خدا خوش　　　خفا ہوں دل سے میں، دل مجھ سے ناخوش
(ثمرفصاحت)

جنابِ مصطفیٰ ہوں جس سے ناخوش　　　نہیں ممکن کہ ہو اُس سے خدا خوش
(ذوقِ نعت)

(۸)

تیز کرتا ہے چھری آج نگہبانِ قفس　　　ہائے کس نیند پڑے سوتے ہیں مرغانِ قفس
(ثمرفصاحت)

ہوں جو یادِ رُخ پُر نور میں مرغانِ قفس　　　چمک اُٹھے چہِ یوسف کی طرح شانِ قفس
(ذوقِ نعت)

(۹)

یوں شیفتہء جنبش ابرو نظر آیا　　　گردن پہ چھری سر تہ زانو نظر آیا
(ثمرفصاحت)

قبلہ کا بھی کعبہ رُخ نیکو نظر آیا　　　کعبہ کا بھی قبلہ خمِ اَبرو نظر آیا
(ذوقِ نعت)

☆

حسنؔ بریلوی بحیثیت عاشق رسول

اگر یوں کہاں جائے کہ اُستاذِ زمن حضرت حسن بریلوی کو عشق رسول ﷺ کی دولت وراثت میں ملی تھی۔ وہ اپنے والد مولانا نقی علی خان اور بھائی امام احمد رضا خان کی طرح عشق رسول میں سرشار تھے۔ انھیں محبوب کی جدائی مرغ بسمل کی طرح تڑپاتی رہتی تھی۔ جب گنبد خضریٰ کا تصور دل میں سما جاتا تو بے خود ہو جاتے، اسی عالم وَارفتگی میں کہی ہوئی نعت کے چند بند ملاحظہ کیجئے:

آہ کیا خوب تھا گر حاضر دَر ہوتا میں	اُن کے سایہ کے تلے چین سے سویا کرتا
شوق و آداب بہم گرم کشاکش رہتے	عشق گم کردہ تواں عقل سے اُلجھا کرتا
آنکھ اُٹھتی تو میں جھنجھلا کے پلک سی لیتا	دل بگڑتا تو میں گھبرا کے سنبھالا کرتا
بام تک دل کو کبھی بالِ کبوتر دیتا	خاک پر گر کے کبھی 'ہائے خدایا' کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا بزم ہے کیسی ہے بہار	کبھی اندازِ تجاہل سے میں توبہ کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا جوشِ جنوں ہے ظالم	کبھی پھر گر کے تڑپنے کی تمنا کرتا
اے حسنؔ قصدِ مدینہ نہیں رونا ہے یہی	اور میں آپ سے کس بات کا شکوہ کرتا

ہجر کی بے تابی میں آہ وزاری کے ساتھ شکوے کا رنگ بھی نمایاں ہو گیا ہے۔ مگر مقطع کا وزن واضح کرتا ہے کہ ان کی شوخی کا مقصد اپنے سوئے ہوئے بخت کو بیدار کرنا اور محبوب کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔[1]

مولانا حسن رضا خان حسنؔ بریلوی عالم دین تھے۔ نیک اور پرہیزگار مسلمان بھی تھے۔ اُن کے

---

[1] حسن رضا نمبر، ص ۱۹۵

سینہ میں ایک گداز قلب تھا۔ ان کے صاحبزادے مولانا حسنین رضا خان کی رِوایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ کے ذکر گرامی پر اُن کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ فریضۂ حج کی اَدائیگی کے بعد جو انہوں نے وفات سے سات ماہ قبل اَدا کیا تھا اور جس مدت میں انہوں نے ''ذوقِ نعت'' مرتب کیا اُن کی حالت غیر سی رہی اور خاص کیفیت طاری رہی جس کا اظہار اُن کی نعتوں میں بار بار ہوا۔ یہ حالت عشق نبی ﷺ کی وجہ سے تھی جس میں فنائیت پیدا ہوگئی تھی۔ یہ وہ قلبی کیفیت تھی جس کے اظہار کے لئے غزل سب سے زیادہ موزوں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نعتوں میں اُن کے جذبات غزل کی زبان اور غزل کی اِشاریت کے سہارے اس قدر زود اَثر ہو گئے ہیں کہ وہ اُردو کی نعتیہ شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ اس روِش نعت گوئی سے وہ متقدمین سے بھی ممتاز ہو گئے کیونکہ انہوں نے نہ تو بداعت کے پروں پر پرواز کی اور نہ مضامین نعت کو اہم رِوایات و واقعات تک محدود رکھا۔ انہوں نے اپنی نعتیہ غزلوں میں جذبات، تجربات اور مشاہدات کو نظم کیا۔ اس طرح وہ محض نعت کے نہیں رُوحِ نعت کے شاعر تھے۔ [1]

نگاہِ لطف کے اُمیدوار ہم بھی ہیں ۔۔۔ لیے ہوئے تو دل بے قرار ہم بھی ہیں
ہمارے دست تمنا کی لاج بھی رکھنا ۔۔۔ ترے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں
اِدھر بھی توسن اَقدس کے دو قدم جلوے ۔۔۔ تمہاری راہ میں مشت غبار ہم بھی ہیں
کھلا دو غنچۂ دل صدقہ بادِ دامن کا ۔۔۔ اُمیدوارِ نسیم بہار ہم بھی ہیں
تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے ۔۔۔ پڑے ہوئے تو سر رہ گذار ہم بھی ہیں
جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور ۔۔۔ تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں
حسنؔ ہے جن کی سخاوت کی دُھوم عالم میں ۔۔۔ اُنہیں کے تم بھی ہو اِک ریزہ خوار، ہم بھی ہیں

....

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو ۔۔۔ پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو
آستانے پہ ترے سر ہو اَجل آئی ہو ۔۔۔ اور اے جانِ جہاں تُو بھی تماشائی ہو

....

[1] چند شعرائے بریلی ص ۱۵۲

بزم آرا ہوں اُجالے تری زیبائی کے کب سے مشتاق ہیں آئینے خود آرائی کے
خاک ہو جائے اگر تیری تمناؤں میں کیوں ملیں خاک میں ارمان تمنائی کے

....

اُس دل کے فدا جو ہے تری دید کا طالب اُن آنکھوں کے قربان جنہیں تُو نظر آیا

....

ایسا تجھے خالق نے طرح دار بنایا یوسف کو ترا طالبِ دیدار بنایا
اے نظم رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع تُو نے ہی اِسے مطلع اَنوار بنایا
یہ لذت پا بوس کہ پتھر نے جگر میں نقش قدم سیّد اَبرار بنایا

....

اگر قسمت سے میں اُن کی گلی میں خاک ہو جاتا غم کونین کا سارا بکھیڑا پاک ہو جاتا

....

واہ کیا مرتبہ ہوا تیرا تُو خدا کا، خدا ہوا تیرا
اے چمن بھیک ہے تبسم کی غنچہ غنچہ کھلا ہوا تیرا
سُوکھے گھاٹوں مرا اُتار ہو کیوں کہ ہے دریا چڑھا ہوا تیرا

....

اگر چمکا مقدر خاک پائے رہرواں ہو کر
چلیں گے بیٹھے اُٹھتے غبارِ کارواں ہو کر
تصور اُس لب جاں بخش کا کس شان سے آیا
دلوں کا چین ہو کر جان کا آرام جاں ہو کر

....

☆

حسنؔ اور رضاؔ

مولانا حسن رضا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا باہمی تعلق نہایت مضبوط تھا۔ برادرِ حقیقی کے مضبوط رشتہ کے ساتھ اُستاد و شاگرد کا تعلق بھی تھا۔ حسنؔ نے اس تعلق کو مزید مضبوط کرنے کے لیے اپنے دو بیٹوں کی شادی بھی اعلیٰ حضرت کی دو صاجزادیوں سے کی۔ مولانا حسن رضا کی اپنے برادر اکبر سے عقیدت کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ مولانا نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ہر طرح کی معاشی و انتظامی فکر سے آزاد کر دیا تھا، اور ان کی جملہ ذمہ داریاں اپنے سر لے کر ان کو خدمت دین کے لیے وقف کر دیا۔

آپ نے اِقامت دین، تائید مسلک حقّہ، ترویج عقائد سنت اور ردّ مذاہب باطلہ کے لیے ہر ہر کام میں اعلیٰ حضرت کا ہاتھ بٹایا۔ اعلیٰ حضرت کی گھریلو ذمہ داریاں ہوں یا مدرسۂ اہل سنت منظر اسلام کا انتظام و انصرام، کتب اعلیٰ حضرت کی اشاعت و ترسیل ہو یا مطبع اہل سنت و جماعت کی دیکھ بھال، غرضیکہ ہر کام میں آپ اپنے برادرِ اکبر کے دست راست بنے رہے۔ یقینی طور پر یہ آپ کا دنیائے سنیت پر احسان عظیم ہے کہ اگر وہ فاضل بریلوی کو ان ذمہ داریوں سے آزاد نہ کرتے تو آج یہ علمی ذخیرہ جو فاضل بریلوی کی تصانیف کی صورت میں ہمیں میسر ہے، وہ شاید نہ ہوتا۔

مولانا حسنین رضا خان لکھتے ہیں:

> ’’مولانا حسن رضا خان مرحوم نے علاقہ کے کام کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ایسی خدمات انجام دیں کہ آج جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔ وہ علاقے کی تحصیل کرتے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کے گھر کی تمام ضروریات فراہم کرتے۔ اب اعلیٰ حضرت قبلہ

صرف فتاویٰ کے جوابات اور تصانیف میں منہمک رہنے لگے اور یہ انہماک مدت العمر تک جاری رہا، کسی علالت میں یہ کام بند نہ ہوا۔"[1]

باہمی تعلق ومحبت کی شاندار روایت:

مولانا حسن رضا کے حسن انتظام کا کیا عالم تھا اس کے لیے ذیل کے واقعات ملاحظہ کیجیے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کی دو بیٹیوں کی شادی ہونے والی تھی۔ دونوں کے نکاح حسب دستور خاندان میں پہلے ہی ہو چکے تھے۔ رخصتی کا جب تقاضا ہوا تو مولانا حسن رضا خان اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بھائی جان حاجی احمد اللہ خان صاحب (سمدھی) کا رخصتی کے لئے تقاضا آیا ہے وہ آپ سے بیاہ کی تاریخ مانگتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کیوں نہ کر دیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بیٹی کی شادی میں لوگ بڑے ساز و سامان کرتے ہیں۔ تم نے کچھ ضروری سامان بھی کر لیا ہے یا مجھ سے تاریخ مقرر کرانے آگئے؟ مولانا حسن رضا خان نے عرض کیا کہ سامان کی تیاری کے متعلق آپ بھابھی جان سے دریافت فرما لیجئے۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے فرمایا کہ بیٹیوں کی شادی کے لئے کیا سامان تیار ہو گیا اور کیا کمی رہ گئی ہے۔ بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو مسالے بھی پسے تیار رکھے ہیں۔ دونوں کے جہیز مکمل ہو گئے ہیں۔ برات میں کھانے دانے کا کل سامان مہیا ہو چکا ہے صرف تاریخ کی دیر ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے بی بی صاحبہ سے الفاظ سنے تو وفورِ مسرت سے آبدیدہ ہو گئے۔ فرمایا کہ حسن میاں! تم نے مجھے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا ہے۔ میری بیٹیوں کی شادیاں ہیں میں ان کا باپ ہوتے ہوئے بالکل بے خبر اور آزاد بیٹھا ہوں۔ تم نے مجھے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہ دی کہ جہیز میں کیا کیا دیا جائے گا اور کہاں کہاں سے فراہم ہو گا یا یہ کہ برات میں کیا کیا کھانے دیئے جائیں گے۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ حسنؔ میاں! جو کچھ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اُس کے اجر میں باذن اللہ حصہ دار تم بھی ہو، اس واسطے کہ تمہیں نے مجھے دینی

---

[1] سیرت اعلیٰ حضرت، ص ۴۶، ۴۷ مطبوعہ ادارہ فیضان امام احمد رضا، لاہور

خدمات کے لئے دنیا سے آزاد کر دیا ہے۔اس پر مولانا حسن رضا خان رو پڑے۔[1]

حضرت حسن رضا بریلوی نے اپنے اشعار میں بھی اپنے والدین، بھائیوں، بہنوں، بیٹوں بھتیجوں اور بھانجوں و دیگر اقرباء کو یاد رکھا ہے بلکہ اُن کے حق میں امن وسلامتی کے لئے دعائیں کرتے ہوئے ربّ کی بارگاہ میں التجائیں پیش کرتے ہیں:

مجھ پر اور میرے دونوں بھائیوں پر — سایہ ہو تیرے فضل کا یا ربّ
عیش تینوں گھروں کے تینوں کو — اپنی رحمت سے کر عطا یا ربّ
میرے فاروق و حامد و حسنین — درد و غم سے رہیں جدا یا ربّ
لختِ دل مصطفیٰ، حسین رضا — ہر جگہ پائیں مرتبہ یا ربّ
دونوں عالم کی نعمتیں پائے — مرتضیٰ بہر مصطفیٰ یا ربّ
علم و عمر و عمل فراخ معاش — مجتبیٰ کو بھی کر عطا یا ربّ
کر دے فضل و نعم سے مالا مال — غم الم سے انہیں بچا یا ربّ
میری ماں، میری بہنیں، بھانجے سب — پائیں آرام دوسرا یا ربّ
اور جتنے بھی میرے پیارے ہیں — حاجتیں سب کی ہوں رَوا یا ربّ
میرے احباب پر بھی فضل رہے — تیرا تیرے حبیب کا یا ربّ

مولانا حسنین رضا خان لکھتے ہیں:

''مولانا حسن رضا خان مرحوم کا یہ عمل بھی مدتوں جاری رہا کہ ہفتہ عشرہ میں اپنے یہاں سے دو قلم بنا کے لے جاتے اور اعلیٰ حضرت کے قلم دان میں رکھ آتے اور ان کے گھسے ہوئے قلم خود لے آتے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو قلم بنانے کی بھی زحمت نہ دیتے کہ مضمون کی آمد میں خلل واقع نہ ہو۔''[2]

مولانا نقی علی خان کی زمین جائیداد موضع کرتولی ضلع بدایوں میں کئی سو کے حساب سے تھی۔

---

[1] سیرت اعلیٰ حضرت ص ۴۷،۴۸

[2] سیرت اعلیٰ حضرت، ص ۴۸

اس کے علاوہ رام پور میں بھی کچھ زمین تھی۔ رام پور والی زمین کے کاغذات جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گئے، اس وجہ سے کوئی دعوی نہ کر سکے اور آخر کار حکومت نے زمین پر اپنا قبضہ جمالیا اور مولانا کو دستبردار ہونا پڑا۔ بدایوں کی قابل کاشت زمین تقریباً ایک ہزار بیگھ تھی اور گاؤں کئی کئی میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ پوری زمین کی دیکھ بھال ملا زمین رکھ کر خود کیا کرتے تھے۔مولانا سال میں دو بار گاؤں تشریف لے جاتے۔آپ کے انتقال کے بعد امام احمد رضا بریلوی نے صرف ایک سال زمین کی نگرانی کا کام انجام دیا، چونکہ آپ کا فطری رجحان تصنیف وتالیف اور فتوی نویسی کی طرف تھا، اس لیے گاؤں کی ذمہ داری اپنے منجھلے بھائی مولانا حسن رضا بریلوی کے سپرد کر دی جنہوں نے تاحیات امام احمد رضا کو زمین داری اور گھریلو معاملات سے بے نیاز رکھا۔[۱]

مولانا حسنین رضا خان لکھتے ہیں: مولانا حسن رضا خان جب تحصیل وصول کے لیے گاؤں جاتے تو پہلے اپنی بڑی بھاوج کے ہاں آتے جہاں گھی، تیل، ایندھن اور غلوں کے وزن وغیرہ معلوم کرتے، وہیں چار پائیاں، تخت، چوکی وغیرہ کے متعلق دریافت کرتے کہ گھر میں اگر ان چیزوں کی کمی ہو تو یہ سامان بھی گاؤں سے بنوا کر غلہ ایندھن کی گاڑیوں میں آجائے۔ایک بزاز مقرر کر رکھا تھا جو ہر فل پر فصلی ضرورت کے کپڑوں کے تھان لاتا، وہ کپڑا اپنی بھاوج صاحبہ سے پسند کراتے اور سارے گھر کا کپڑا خرید کر دیتے۔صرف روزانہ ترکاری، گوشت ایسا تھا جو اعلیٰ حضرت قبلہ کا دیوڑھی بان لایا کرتا تھا۔غرضیکہ انہوں نے جس دن سے علاقہ کا کام کیا، اعلیٰ حضرت قبلہ کی اُسی انہماک کے ساتھ دیگر خدمات بھی انجام دیں۔''[۲]

مولانا حسن رضا اور دارالعلوم منظر اسلام:

'منظر اسلام' کے بنا و قیام سے انتظام و انصرام تک تمام معاملات میں مولانا حسن رضا کا کردار بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔'منظر اسلام' کے اصل محرک تو ملک العلماء مولانا ظفر الدین

---

[۱] مولانا نقی علی خان از شہاب الدین رضوی، ص:۴۱ مطبوعہ عالمی دعوت اسلامیہ، لاہور

[۲] سیرت اعلیٰ حضرت، ص ۴۹

بہاری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے مولانا حسن رضا، مولانا حامد رضا خان اور پھر ان کی وساطت سے ایک سید زادہ بزرگ جناب سید امیر احمد صاحب کو ہم نوا بنایا اور سید صاحب کے ذریعہ قیام مدرسہ کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو قائل کرنے کی سعی کی: چنانچہ منقول ہے کہ گرامی جناب سید امیر احمد صاحب نے اعلیٰ حضرت سے فرمایا:

> اگر قیامت کے دن خداوند عالم مجھ سے پوچھے گا کہ لوگ گمراہ کیوں ہوئے تو میں یہی کہوں گا کہ مولانا احمد رضا خان نے کوئی مدرسہ اہل سنت قائم نہیں کیا، اسی وجہ سے طلبہ بدمذہبوں کے مدرسوں میں پڑھنے گئے اور بدمذہب ہو گئے۔

اس جملہ کا حاضرین سمیت اعلیٰ حضرت پر گہرا اثر پڑا۔ پھر مولانا حسن رضا نے قصد مصمم فرما لیا کہ بہت جلد ایک مدرسہ قائم کرنا چاہیے۔ [1]

چنانچہ جناب رحیم یار خان صاحب رئیس اعظم وتحصیل دار بریلی کے عالی شان مکان پر واقع گلاب محلہ نگر میں مدرسہ اہل سنت و جماعت قائم ہوا۔ مولانا حسن رضا نے اس کا تاریخی نام 'منظر اسلام' (۱۳۲۲ھ) تجویز فرمایا اور آپ ہی اس مدرسہ کے پہلے منتظم ہوئے، اور مولانا حامد رضا خان پہلے مہتمم قرار پائے۔ جب کہ مولانا ظفر الدین بہاری کو اس مدرسہ کے پہلے طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

> 'اعلیٰ حضرت نے ۱۹۰۴ء میں منظر اسلام کو قائم فرمایا، اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں اُن کے منجھلے بھائی اُستاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین سال تک منظر اسلام کی دیکھ بھال کی، پھر تاحیات یعنی ۱۹۲۱ء تک اعلیٰ حضرت خود ہی اس کا انتظام وانصرام فرماتے رہے۔' [2]

مولانا حسن رضا کے حسن انتظام سے قلیل عرصہ میں اس مدرسہ نے ریکارڈ ترقی کی منازل طے کیں۔ صرف تین سال کے عرصہ میں اس مدرسہ کے درس و تدریس، تربیت اخلاق و

---

[1] جہان ملک العلما: ۱۲۱، تذکرۂ جمیل: ۱۷۷ ملخصاً

[2] ماہنامہ اعلیٰ حضرت، جشن زریں نمبر: ص ۴۲

تہذیب اور حسن اہتمام وانصرام کی دُھوم ملک بھر کے علماء وعوام میں پڑگئی۔

مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری الملقب بہ ُسراج الملۃ والدین ٗجوکہ مدرسہ کے ممتحن بھی تھے،مولانا حسن رضا کے حسن انتظام کو داد وتحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے رقم طراز ہیں :

ُہمت عالی اور توجہ خاص منتظم دفتر جناب مولانا حسن رضا خان صاحب دام مجدہم سے امید کامل ہے کہ اس مدرسہ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں ہے ایسے برکات فائض ہوں جو تمام اطراف وجوانب کی ظلمات اور کدورات کو مٹائیں اور ترویج عقائد حقّہ منیفہ اور ملت بیضاء شریفہ حنیفہ کے لئے ایسی مشعلیں روشن ہوں جن سے عالم منور ہو۔ٗ [۱]

مولانا حسن رضا نے مدرسہ کے سال اوّل و دوم کی کارکردگی و آمد وصرف کی رپورٹ مرتب کی جو کہ ُاظہار رُوداد ٗ(۱۳۲۲ھ) اور ُکوائف اخراجات ٗ(۱۳۲۳ھ) کے تاریخی نام سے مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی سے طبع ہوئیں۔

مطبع اہل سنت وجماعت کا انتظام:

بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اہل سنت کا یہ اِشاعتی ادارہ ۱۳۱۴ھ میں قائم ہوا۔اس ادارہ کو اکابرین اہل سنت کی سرپرستی حاصل تھی۔اس ادارہ کے قیام کے لیے اِبتدائی زرتعاون حضرت علامہ مطیع الرسول عبدالمقتدر بدایونی نے عطا فرمایا۔اس ادارہ نے فروغِ سُنّیت اور ردّ بدمذہباں میں بھرپور کردار اَدا کیا۔

مطبع اہل سنت کے پہلے مہتمم مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔آپ دو برس تک مطبع کے مہتمم رہے۔آپ کے بعد مولانا حسن رضا خان مطبع اہل سنت کے مہتمم بنے اور آپ کا دَور ۱۳۱۷ھ سے شروع ہوا، اور آپ تاحیات یعنی ۱۳۲۶ھ تک مطبع کے مہتمم کے فرائض نبھاتے رہے۔مولانا حسن کے بعد اس کا اہتمام ملک العلماء مفتی محمد ظفرالدین قادری عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے سنبھالا۔ملک العلماء کے ۱۳۲۹ھ میں شملہ چلے جانے کے بعد صدر الشریعہ مفتی امجد

---

[۱] کوائف اخراجات مرتبہ مولانا حسن رضا،ص:۵۱

علی رضوی گھوسوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔حضرت حسنؔ بریلوی کے صاجزادے مولانا حسنین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کے نام سے 'حسنی پریس' قائم کیا۔مختصر یہ کہ اس باب میں بھی تمام ہندوستان میں علمائے بریلی کو یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ وقت اور حالات کے جبری تقاضے کے پیش نظر بروقت اقدامات کرتے رہے ہیں۔مولانا حسنین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ''الرضا'' بھی جاری کیا۔

☆

مولانا حسن رضا بہ حیثیت تنقید نگار

مولانا حسن رضا شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ عالم دین بھی تھے، اس حیثیت سے احقاقِ حق و ابطالِ باطل کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا، آپ نے اپنے قلم سے اس فریضہ کو بھی خوب نبھایا ہے۔ حسنؔ بریلوی نے نظم و نثر میں ایسے گروہوں پر مدلل تنقید کی ہے جو اُن کے زمانہ میں ظاہر ہوئے چنانچہ ایسے چند گروہوں کا مختصر تعارف یہاں درج کیا جاتا ہے:

ندوۃ العلماء:

ندوۃ العلماء کا قیام ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ہوا۔ ندوہ کے ابتدائی اجلاسوں میں مختلف مکاتب فکر کے مذہبی پیشواؤں کو مدعو کیا گیا، نیز ندوہ کے اجلاس کی رُوددادوں میں بھی ایسے مضامین شائع کیے گئے جن میں شدید و کثیر شرعی و اعتقادی نقائص پائے جاتے تھے۔ مولانا حسن رضا نے اپنے مختلف رسائل و اشتہارات میں ان نقائص کو قرآن و سنت کی رُو سے واضح کیا ہے اور ندوہ کی اصلاح کا لائحہ عمل تجویز کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے تین اشتہار (مشمولۂ اشتہارات خمسہ مرتبہ حکیم سجاد احمد کانپوری) شائع کرنے کے علاوہ درج ذیل کتب تحریر فرمائیں:

۱۔ ندوہ کا تیجہ رُوداد سوم کا نتیجہ (ندوہ کی تیسری رُوداد کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

۲۔ فتاوی القدوہ لکشف الدفین الندوہ۔

۳۔ سوالات حقائق نما بررؤس ندوۃ العلما۔

۴۔ پرچۂ سوالات (صدر ندوہ محمد شاہ سے)

۵۔ پٹنہ میں ہونے والے ۱۳۱۸ھ کے جلسۂ علمائے اہل سنت میں ندوہ کی تنقید میں مثنوی

''صمصام حسن''، پیش کی جو کہ دراصل پٹنہ کے جلسہ ندوہ میں پیش کی گئی مثنوی کا جواب تھی۔

۶۔ ندوۃ العلماء کا پانچواں جلسہ شاہ جہان پور میں منعقد ہوا، اس موقع پر حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ایک وفد شاہ جہان پور جارہا تھا تا کہ عوام المسلمین کو مفاسد ندوہ سے آگاہ کیا جاسکے۔ اس وفد میں مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، نواب سلطان احمد خان بریلوی، مولانا حکیم عبدالقیوم بدایونی، مولانا جمیل الدین، مولانا حافظ بخش متوطن آنولہ، حکیم مولانا محمد سجاد کانپوری اور مولانا حسن رضا خان شامل تھے۔

اس وفد نے اجلاس ندوہ سے قبل اراکین ندوہ سے مختلف مسائل پر بات چیت کی اور دعوت اصلاح دی، اجلاس ندوہ کے وقت علمائے اہل سنت کی موجودگی سے شاہ جہان پور میں بیشتر علماء و اراکین ندوہ نے جلسۂ ندوہ میں شرکت سے اجتناب کیا۔

یہ وفد تقریباً ایک ہفتہ تک شاہ جہان پور میں مقیم رہا، مفاسد ندوہ کو بلاخوف عام کیا، متعدد تقاریر کیں، اصلاح ندوہ کے لیے رسائل تقسیم کیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ندوہ کو شاہ جہان پور سے خاطر خواہ تائید و حمایت حاصل نہ ہوسکی۔ [۱]

مسئلہ تفضیل:

مولانا حسن کے ایام شباب میں مسئلہ تفضیل پورے جوبن پر تھا۔ فرقۂ تفضیلیہ کے سرخیل مولوی محمد حسن سنبھلی تھے۔ اہل سنت کی طرف سے امام اہل سنت امام احمد رضا، شاہ ابوالحسین نوری مارہروی، اور محبِ رسول علامہ عبدالقادر بدایونی ان کی اصلاح و تردید میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ ایسے نازک اور ناگفتہ بہ وقت میں آپ نے قلم سنبھالا، اور 'تزکِ مرتضوی' کی شکل میں ایک جاندار رسالہ تحریر فرما کر اس فتنے کو فرو کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس رسالہ کے مشمولات نہایت اہم ہیں جس کا کچھ حصہ ہم نے 'تزک مرتضوی' کے ضمن میں دیا ہے۔

---

[۱] تذکرہ محدث سورتی از خواجہ رضی حیدر مطبوعہ سورتی اکیڈمی، کراچی، صفحہ ۱۱۹۔ ۱۱۸۔

مسئلہ گاؤ کشی:

گاؤ کشی کا مسئلہ ہندوستان میں ہندوؤں کی من مانی کے باعث برسوں سے مابہ النزاع چلا آ رہا ہے۔ مولانا کے دَور میں بھی گاؤ کشی کے سدّ باب کی بہت سی تحریکیں اُٹھیں اور اس کو بند کرنے کی قلماً اور لساناً ہر طرح جی توڑ کوششیں ہوئیں: لیکن اہل حق نے اس کا ترکی بترکی مقابلہ کیا، اور گاؤ کشی کے جواز و نفاذ پر ہر ممکنہ قوت صرف فرمائی۔ اس دَور میں مولانا حسن رضا نے 'بے موقع فریاد کے مہذب جواب' کے نام سے کتاب لکھ کر اس مسئلے کو مہر نیم روز کی طرح واشگاف فرما دیا۔ اس کتاب کا مکمل تعارف آگے آئے گا۔

قادیانی جماعت:

فتنوں کی تاریخ میں قادیانیت کا فتنہ سب سے سنگین اور گھناؤ نا فتنہ ہے۔ چنانچہ مولانا نے خاص ردّ قادیانیت میں ایک ماہوار رسالہ 'قہر الدیان علی مرتد بقادیان' کا اجرا کیا جس کے اجرا میں مولانا کو تقریباً ۸۵/ احباب کی معاونت حاصل تھی۔ نیز آپ نے 'ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری' کتاب تصنیف فرمائی جو کہ مذکورہ بالا رسالہ میں قسط وار شائع ہوئی۔

فرقۂ نیچیریہ:

نیچریت کے ردّ و ابطال میں مولانا حسن کا کردار بھی کافی اہم ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ''ذوق نعت'' میں سر سید اور اُس کے مقلد مولوی نذیر احمد دہلوی کی تردید میں طویل قصیدہ ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلدیت:

مولانا نے اپنی کتابوں میں غیر مقلدیت اور وہابیت پر اُصولی تنقید کی ہے، اور اُن کے فکر و اِعتقاد کے مفاسد کو مضبوط اور ٹھوس دلائل سے واضح کیا ہے، اس سلسلے میں 'ذوق نعت' میں ایک نظم ''کشف رازِ نجدیت'' بھی لائق مطالعہ ہے۔

تقابل ادیان:

مولانا حسن رضا نے اپنی تصنیف ''دین حسن'' میں ضرورت مذہب کو عقلی دلائل سے واضح کیا ہے، نیز غیر مسلموں کے اقوال سے اسلام کی حقّانیت کو بھی ثابت کیا ہے۔ اسی دوران عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث اور ہندوؤں کے مذہبی نظریات پر نہایت عمدہ اُسلوب میں تنقید کرتے ہوئے ان کو دعوت فکر بھی دی ہے۔

مذکورہ بالا موضوعات کی تفصیل تصانیف کے تعارف والے حصہ میں آئے گی۔

☆

حضرت حسنؔ میدانِ صحافت میں

مولانا حسن رضا نے صحافت کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ آپ نے اپنی مختصر سی زندگی میں متعدد رسائل و اخبارات کی سرپرستی کی جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

گلدستہ بہارِ بےخزاں:

یہ ایک ماہنامہ تھا جو خالص علمی و ادبی تحریروں سے مزین ہوا کرتا تھا۔ اس میں دیگر مضامین کے علاوہ اساتذہ کا منظوم کلام شائع ہوتا تھا۔ بانی و مالک و نگران خود حضرت حسنؔ بریلوی تھے جو اس کی علمی، ادبی، فنّی باریکیوں، نزاکتوں اور نوک پلک اور ساتھ ہی انتظامی و طباعتی اُمور پر کڑی نظر اور گہری نگاہ رکھتے تھے جب کہ ادارت کی ذمہ داری اُن کے شاگرد عاشقؔ بریلوی کے سپرد تھی۔

ماہنامہ ''گلدستہ بہارِ بے خزاں'' فروری ۱۹۰۳ء میں جاری ہوا۔ بریلی کے معروف ادیب و نعت گو شاعر حضور احمد خان آثمؔ بریلوی نے تاریخ لکھی تھی

لکھی تاریخ آثمؔ نے یہ اس کی　　　بہت زیبا ''بہارِ بے خزاں'' ہے

''گلدستہ'' کا نام نواب مرزا داغؔ نے عطا فرمایا تھا، اور وہ اس کے سرپرست بھی تھے۔ اس کے سرِورق پر یہ تحریر موجود ہے:

''ہم بہت فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمیں ''گلدستہ'' کے لئے یہ مبارک نام اُستاد ناظم یار جنگ بلبل ہندوستان عالی جناب حضرت نواب مرزا خان صاحب داغؔ مدظلہ نے عطا فرمایا تھا۔''

اس زمانے کے رواج کے مطابق اس گلدستہ میں بھی مصرع طرح پر کہی ہوئی غزلیات طبع ہوتی تھیں مثلاً فروری ۱۹۰۳ء کی اشاعت میں یہ مصرع طرح تھا۔

جلوۂ یار کا آنکھوں نے تماشہ دیکھا

جس پر ۲۶ رغزلیات لکھی گئیں اور گلدستہ میں طبع ہوئیں۔ بیشتر غزلیات کا تعلق شعرائے بریلی سے تھا۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ گلدستہ کس سن میں بند ہوا۔

اخبار روز افزوں، بریلی:

اخبار ''روز افزوں'' ہفتہ وار کا اجراء ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ اس کے مدیر بھی میر محمود علی عاشقؔ بریلوی تلمیذ حسن رضا خان حسنؔ تھے۔ یہ ہفتہ وار اخبار اپنے زمانے میں بہت مشہور تھا۔ اس کا اشتہار'' گلدستہ بہار بے خزاں'' میں چھپا تھا۔ جس کی عبارت یہ ہے:

''اخبار ''روز افزوں'' نے ملک میں اپنی روز افزوں ترقی ۱۹۰۲ء سے نہایت مستعدی کے ساتھ حمایت مذہب اور پولیٹکل معاملات پر اپنی آزادانہ رائے ظاہر کر کے پائی۔ ہم اس کی نسبت ناظرین والاتمکین کی خدمت میں صرف اس قدر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کو ایسا اخبار دیکھنے کا شوق ہے جو سچوں کا دوست، جھوٹوں کا دشمن، قوم کا خیر خواہ، گورنمنٹ کا مشیر، رعایا کے حقوق کا دستگیر ہو تو شہر بریلی کا مشہور اخبار ''روز افزوں'' ہفتہ وار دیکھئے جس میں ہر شخص کی طبیعت کا عمدہ سامان موجود ہے۔ اگر آپ کو فاضلانہ مضامین پڑھنے سے شوق ہے، تو اڈیٹوریل مضامین ملاحظہ فرمائیں۔ اور اگر آپ کو علم دین اور مسائل شرعیہ سے دلچسپی ہے تو ''مذاکرۂ علمیہ'' سے آپ کی پوری تسکین ہو سکتی ہے۔ اگر آپ خبروں کے شائق ہیں تو ''عطر مجموعہ'' اور'' جام جہاں نما'' کی سیر کیجئے۔ اگر آپ کو شعر وسخن سے دل بستگی ہے تو نامی گرامی شعرائے زمانہ کا کلام جو نہایت حسن انتظام سے شائع کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے۔''[1]

ڈاکٹر لطیف حسین ادیبؔ لکھتے ہیں: ''اس زمانہ میں یہ اخبار بہت ہی دل چسپ تھا۔ کیوں کہ اس میں ہر شخص کی طبیعت کا عمدہ سامان موجود تھا۔ اس اشتہار سے مولانا حسن رضا خان حسنؔ اور ان کے شاگرد، مہتمم اور ایڈیٹر محمود علی عاشقؔ کی ذہانت ووسیع النظری کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

[1] گلدستہ بہار بے خزاں'' از لطف اللہ بدوی، ماہنامہ قومی زبان، کراچی، ص ۴۶-۴۷، بابت مئی ۱۹۶۸ء

گویا وہ صرف شاعر و عالم دین ہی نہ تھے، دنیا کا پختہ تجربہ رکھنے والے ایک صحافی بھی تھے۔"

ماہنامہ "قہر الدیان"، بریلی:

قادیانی فتنہ پنجاب سے نکل کر بریلی تک پہنچا تو حسنؔ بریلوی نے اس کی تردید کے لیے میدانِ عمل میں آئے اور ایک ماہوار رسالہ 'قہر الدیان علی مرتد بقادیان' جاری کیا، چنانچہ اس رسالے کے قواعد وضوابط کے ضمن میں درج ذیل تحریر شائع کی گئیں:

"اس رسالہ کا مقصد صرف مرزا اور مرزائیان کا رد اور اُن کے اُن ناجائز حملوں کا دفاع ہوگا، جو انہوں نے عقائد اسلام و انبیائے کرام، خصوصاً سیدنا عیسیٰ و حضرت مریم و خود حضور سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حتی ربّ العزت ذوالجلال والاکرام پر کیے ہیں۔ دوسرے فرقوں کا رد اس کا موضوع نہیں۔ اس کے لیے بعونہٖ تعالٰی رسالہ مبارکہ 'تحفہ حنفیہ' عظیم آباد و نیز اہل سنت کی اور کتب کافی و وافی ہیں۔"[1]

ابھی تک ہم کو اس کا پہلا شمارہ ہی دستیاب ہو سکا ہے جس میں مولانا نے اپنی ایک کتاب 'ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری' کی قسط وار طباعت کا آغاز کیا۔

اخبار 'اہل فقہ'، امرتسر کے ایڈیٹر مولانا غلام محمد اخگر نے فروغ نعت کے لیے ایک رسالہ کا اجرا کرنا چاہا تو مولانا کے پاس حاضر ہوئے مولانا نے ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک نعت فوراً قلم بند کر دی جس کا ذکر پیچھے گزرا ہے۔ اس رسالہ کا نام 'گلستانِ رحمت' تھا، مولانا نے اس رسالے کے لیے تاریخی قطعہ بھی رقم فرمایا جو کہ درج ذیل ہیں۔

اخگر نے کیا نعت میں گلدستہ وہ جاری ۔۔۔ بلبل کی طرح غنچۂ و گل جس پہ ہوں شیدا
اللہ یہ گلزار پھلے پھولے جہاں میں ۔۔۔ ہر پھول سے ہو رنگ ترقی کا ہویدا
نکلے گل تاریخ حسنؔ شاخ قلم سے ۔۔۔ انداز گلستاں کے ہیں گلدستہ سے پیدا

☆

---

[1] قہر الدیان علی مرتد بقادیان، جلد ا، ص: ۱۸

مولانا حسن رضا خان اور اکابر بدایوں

بریلی اور بدایوں کے درمیان ہمیشہ سے علمی وفکری رابطہ اُستوار رہا ہے۔ اور مختلف مذہبی وسماجی معاملات میں علمائے بریلی بدایوں، اور علمائے بدایوں بریلی آتے جاتے رہے ہیں۔ سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس منعقدہ ۱۳۰۰ھ میں مولانا حسن رضا نے شرکت کی اور صاحب عرس کی مدح میں ایک طویل قصیدہ (مشتملہ ۱۶۴ اشعار) پیش کیا جو کہ پہلی بار ُماہِ تاباں اَوج معرفت' (۱۳۰۰ھ) میں طبع ہوا۔ بعد اَزاں یہ ''ذوق نعت''، مطبوعہ لکھنؤ وحزب الاحناف لاہور میں شائع ہوا۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تاج الفحول محبّ الرسول علامہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں ایک قصیدہ بنام ُچراغ اُنس' تحریر فرمایا۔ یہ قصیدہ بھی مولانا حسن رضا کی سعی وکوشش سے مطبع اہل سنت، بریلی سے طبع ہوا۔

حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (والد محترم حضرت مجاہد ملت علامہ عبدالحامد بدایونی) کے وصال پُر ملال پر مولانا حسن رضا نے ایک تعزیتی مکتوب تحریر فرمایا اور تاریخ وصال میں کچھ قطعات تحریر فرمائے جو کہ کتب خانۂ خانقاہ قادریہ، بدایوں میں آج بھی محفوظ ہیں اور ہم نے ان کو ُرسائل حسن' میں شامل کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا کی تصانیف مثلاً تزکِ مرتضوی، صمصام حسن بر دابر فتن اور ندوہ کا تیجہ وغیرہا میں بھی خانوادۂ قادریہ، بدایوں کے سجادگان کا ذکر خیر ملتا ہے۔

''چراغِ اُنس'' حضرت تاج الفحول محبّ رسول علامہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں قصیدہ ہے جو کہ سیّدی اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا۔ اعلیٰ حضرت کا یہ قصیدہ مولانا حسن رضا خان

کی سعی وتقدیم کے ساتھ ۱۹رشوال ۱۳۱۸ ہجری میں مطبع اہل سنت بریلی سے شائع ہوا۔ ہم مولانا حسن کی تقدیم ذیل میں نقل کر رہے ہیں:

''مصنف علام دام بالفضل والاکرام نے ۱۳۱۵ھ میں ایک قصیدہ مسمّٰی بہ ''مشرقستان قدس''[۱۳۱۵ھ] اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ حضرت سیّد شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ وکعبہ دام ظلہم کی مدحت اور دوسرا موسوم بہ ''چراغ اُنس'' والاحضرت عظیم البرکۃ حضرت مولانا تاج الفحول قبلہ وکعبہ کی منقبت میں تحریر فرمایا تھا۔ ''مشرقستانِ قدس'' اسی زمانے میں حسب حکم حضرت ممدوح دام بالفتوح شائع ہوگیا۔ ''چراغ اُنس'' از انجا کہ حضرت تاج الفحول دام ظلہم کو (بکمال تواضع کہ شان علمائے ربانی ہے) اپنی مدح کی اشاعت پسند نہ آئی نہ جناب مصنفہ نے کبھی اپنے منظومات عربی و فارسی کے (کہ کمترین پایۂ علما ہے) طبع کی جانب توجہ فرمائی، ہنوز شمع بزم اُنس نہ ہو۔ اب پرچۂ مبارکہ ''تحفۂ حنفیہ'' ماہ شوال ۱۳۱۸ھ میں یہ قصیدہ مطبوعہ نظر آیا مگر افسوس کہ جناب منتظم ''تحفہ'' کے پاس اس کا نسخہ نہایت غلط وسقیم پہنچا جس میں پندرہ (۱۵) اشعار اصل سے کم ہیں خصوصًا بعض وہ جن کے متروک ہو جانے سے بعض اشعار موجودہ کا مطلب فوت اور اغلاط وتصحیفات کی کثرت علاوہ۔ خصوصًا بعض وہ جنھوں نے طرز ادا بلکہ اصل معنی ہی کو بدل دیا۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ قصیدہ اصل مسودۂ حضرت مصنف علام دام ظلہم سے منقول ہو کر شائع اور باذن اللہ تعالیٰ ناظرین اہل عقل ودین کو مفید و نافع ہو۔

وباللہ التوفیق والحمدللہ ربّ العلمین

الراقم محمد حسن رضا خان حسن قادری برکاتی غفرلہ

۱۵رشوال المکرم ۱۳۱۸ھ

مولانا حکیم عبد القیوم شہید قادری بدایونی (والد مجاہد ملت مولانا عبد الحامد بدایونی) ریل کے حادثہ میں شہید ہو گئے تو مولانا حسن رضا نے ایک تعزیتی مکتوب مولانا شاہ مطیع الرسول عبد المقتدر قادری بدایونی کے نام تحریر کیا۔

جناب مولانا المکرم مخدومنا المعظم زاد مجدکم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

پیارے بھائی مولانا حکیم عبد القیوم صاحب مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات نے میرے دل کو جس قدر صدمہ دیا میں کیا عرض کروں آپ حضرات کی کیا حالت ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ جمال با کمال بدرِ برج اصطفیٰ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں مقام بخشے ۔آمین آمین آمین

اور آپ کے دلوں کو صبر عطا فرمائے، خدا گواہ ہے میرے نزدیک اس مرحوم کی وفات حمایت سنت کے حق میں بہت افسوسناک ثابت ہوئی ،۔۔۔۔۔۔ ہے ،اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے پس ماندوں کو توفیق صبر عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں کو ان سے بہتر بنائے، آمین آمین

حضور پُر نور قبلہ وکعبہ مد ظلہم العالی (حضرت تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی) کا تعلق خاطر مرحوم کے ساتھ جب یاد آتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک صبر کرنے والے خاموش اور مقدس دل پر ایسے خادم بلکہ ایسے نورِ نظر کے اُٹھ جانے سے کیا گزرتی ہوگی تو علیحدہ صدمہ ہوتا ہے ،اللہ تعالیٰ سب کو صبر واجر عطا فرمائے اور اس مرحوم کی یادگاروں سے ان کا نام روشن فرمائے ۔والسّلام

آپ کا نیاز مند حسن رضا بریلوی

اس کے علاوہ مولانا نے کچھ قطعات تاریخ وصال بھی تحریر فرمائے جو کہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں :

عالم کامل طبیب نامدار　　عبد قیوم آں وحید روزگار

از شہادت منصب اعلیٰ گرفت روح پاکش رفت در دارالقرار
ماتمی از فوت او اہل جہاں نوحہ خواں اندر فراقش روزگار
تابہ کہ ایں گریہ نالہ تابہ کہ تابہ کہ باشی حسنؔ تو اشکبار

صبر کن تاریخ رحلت خوش نویس
شد بجنّت عالم عالی وقار[1]
۱۳۱۸ ھ

☆

[1] ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ: جلد ۴ شمارہ ۹، ۱۰ بابت رمضان وشوال ۱۳۱۸ھ ص ۱۵

حسنؔ بریلوی اصحاب فکر و دانش کی نظر میں

۱۔مولانا حسرت موہانی:

شعر وسخن کا شوق حضرت حسنؔ کو ابتدا ہی سے تھا۔ کچھ روز تک بہ طور خود مشق کرتے رہے اس کے بعد مرزا داؔغ دہلوی (۱۸۳۱ء/ ۱۹۰۵ء) کو اپنا کلام دکھانا شروع کر دیا۔ ایک مدت تک رام پور میں رہ کر اُستاذ کے گلشن سخن سے گل چینی فرماتے رہے یہاں تک کہ بجائے خود اُستاذِ مستند قرار پائے۔ شاگردانِ مرزا داؔغ میں حسنؔ مرحوم بریلوی کا پایۂ شاعری بہت بلند تھا۔ انہوں نے اپنے اندازِ سخن کو اُستاذ کے رنگ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اکثر قطعوں میں داؔغ و حسنؔ کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔[۱]

نواب مرزا داؔغ دہلوی:

حسنؔ بریلوی کی تعریف کرتے ہوئے ''پیارے شاگرد'' کے لقب سے یاد کرتے تھے اور یہاں تک کہا ہے کہ ''اگر میں نعتیہ شاعری کرتا تو حسنؔ کو اپنا اُستاد بناتا'' وہ ان کی غزلیہ شاعری کے بھی مداح تھے۔[۲]

۲۔ماہر القادری:

''مولانا احمد رضا خان کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے۔''[۳]

معروف محقق و مؤرخ مرید احمد چشتی نے راقم کو ماہر القادری کے ایک مکتوب کی نقل

---

[۱] ماہنامہ اُردوئے معلی، علی گڑھ بابت نومبر ۱۹۱۱ء

[۲] (ماہنامہ فاران کراچی، شمارہ ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴ / ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شمارہ دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۵-۸۴)

[۳] ماہنامہ فاران کراچی شمارہ ستمبر ۱۹۷۰ء ص ۵-۴۴

دی جس میں حسنؔ بریلوی کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا تھا۔ یہاں اس مکتوب کو نقل کیا جاتا ہے:

''راقم الحروف بچپن اور آغازِ جوانی میں میلاد شریف کی محفلوں میں نعت خوانی کیا کرتا تھا۔ ''میلاد اکبر'' دیہات اور قصبات میں سب سے زیادہ مقبول کتاب تھی۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی چند نعتیں بھی مقبول تھیں مگر اتنی نہیں، جتنی پاکستان بننے کے بعد ہوئی ہیں۔ مولانا فاضل بریلوی کی نعتیہ غزل کے اس شعر پر حاضرین محفل وجد کرنے لگتے تھے:

اللہ! کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفی ﷺ نے دریا بہا دیے ہیں

بلند شہر، علی گڑھ، بدایوں وغیرہ اضلاع میں مولانا فاضل بریلوی کی یہ غزل خاصی مشہور تھی، اس کے ایک دو شعر موضوعِ بحث بھی بنے ہوئے تھے:

واہ کیا جُود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مولانا حسن رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان کی متعدد غزلیں ہمارے نواح میں مشہور تھیں۔ کوئی شک نہیں جناب حسنؔ بریلوی کے کلام میں خاصی دلکشی اور جاذبیت پائی جاتی ہے اور صنف نعت و منقبت میں اُن کا منفرد رنگ ہے اور اُن میں تغزل کی بھی فراوانی ہے۔ حسنؔ بریلوی کی عاشقانہ غزلوں میں یہ غزل بہت مشہور تھی:

حسن جب مقتل کی جانب تیغ بُرّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کا پا بہ جُولاں لے چلا

اس غزل کا یہ شعر تعریف سے بالاتر ہے:

آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے
بزم سے میں آرزوئے دیدِ جاناں لے چلا

اُردو شاعری کے ''بڑے شعروں'' میں اس شعر کا شمار ہونا چاہیے۔

حضرت حسن رضا خان بریلوی کی اس غزل کا بہت زیادہ چرچا تھا:

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو
سینہ پہ تسلی کو ترا ہاتھ دَھرا ہو

کیوں اپنی گلی میں وہ رواداِر صدا ہو
جو بھیک لیے راہِ گدا دیکھ رہا ہو

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا
خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

دے ڈالیے اپنے لب جاں بخش کا صدقہ
اے چارۂ دل! دردِ حسنؔ کی بھی دوا ہو

نعت خوان محفل میلاد میں اسے پڑھا کرتے تھے، اس نعتیہ غزل کا خاص آہنگ ہے۔ افسوس ہے حافظہ میں حسنؔ بریلوی کے اشعار محفوظ نہیں رہ سکے۔ اب کے ساٹھ برس پہلے کے جو اشعار یاد ہیں، وہ درج کر رہا ہوں۔

حضرت حسن بریلوی خوش گو اور خوش نکو شاعر ہیں، ان کی نعتیہ شاعری اُن کے اخلاص و عقیدت کی مظہر ہے۔ حضور نبی کریم ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے حسنؔ کو بے پناہ عقیدت تھی۔ اس عقیدت میں کہیں تفریط پیدا نہیں ہوئی، ہاں افراط پیدا ہوگئی ہے۔

حضرت حسن بریلوی کی نعتیہ شاعری میں آمد اور تکلف کہیں کہیں ملتا ہے، زیادہ تر ''آمد'' کا لطف ہے۔ ''آمد'' کی حالت میں جو شعر کہے جاتے ہیں اُن میں رَوانی ہوتی ہے اور ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

حسنؔ بریلوی کو اُستاد داؔغ دہلوی سے تلمذ تھا، اس لیے حسنؔ کی نعتیہ شاعری میں زبان و بیان کا چٹخارہ بھی ملتا ہے اور لفظوں کے استعمال کا سلیقہ انہیں آتا ہے۔

اِدھر بھی توسنِ اَقدس کے دو قدم جلوے
کھڑے ہوئے تو سر رہ گزار ہم بھی ہیں

یہ کس شہنشہِ والا کا صدقہ بٹتا ہے
کہ خسروؤں میں پڑی ہے پکار ''ہم بھی ہیں''

دونوں شعروں میں شکوہ (Grandeur) کے ساتھ شدید تاثر بھی پایا جاتا ہے۔ دوسرے شعر میں ''ردیف''، کس قدر لطف دے رہی ہے۔ ''ہم بھی ہیں'' کہہ کر شاعر نے جس مقدر و مخذوف کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کی وسعت کا اندازہ اہلِ ذوق اپنے ظرف و اِستعداد کے مطابق ہی لگا سکتے ہیں۔

گل خلد لے کے زاہد تمہیں خارِ طیبہ دے دوں
مرے پھول مجھ کو دیجئے بڑے ہوشیار آئے

اس شعر میں حضرت حسن رضا بریلوی نے ''خارِ طیبہ'' کو جنت الفردوس کے پھولوں پر جس انداز میں ترجیح دی ہے، وہ حضرت حسنؔ کے کمال مشّاقی کی دلیل ہے۔

اُردو نعت گوئی کی تاریخ اور تذکروں میں حضرت حسن رضا بریلوی کا ذکر ضرور آنا چاہیے، اُن کا نعتیہ کلام شاعری کا حسین و دل کش نمونہ ہے۔

۳۔ راجا رشید محمود، ایڈیٹر ماہنامہ ''نعت'' لاہور:

''حضرت حسن رضا بریلوی مشہور عالم دین اور بہت بڑے شاعر تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے چھوٹے بھائی اور داؔغ دہلوی کے چہیتے شاگرد تھے۔ حسن رضا خان بریلوی مالک و مختارِ دو عالم ﷺ کے ایک جلیل القدر مدحت نگار ہیں۔ وہ ڈوب کر نعت کہتے ہیں۔ ان کے قلب و ذہن پر صاحب اختیار سیّد والا تبار ﷺ کی عظمت نقش ہے۔ حسن رضا بریلوی بڑے پکے اور سچے مومن ہیں اور اُلفتِ رسول ﷺ کے گیت دل کے ساز پر گاتے رہتے ہیں۔[1]''

موت آجائے مگر آئے نہ دل کو آرام | دم نکل جائے مگر نکلے نہ اُلفت تیری

مزید لکھتے ہیں:

---

[1] ماہنامہ نعت لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۰ء ص ۱-۳۹-۳۸

''نامور اہل علم وتحقیق اور نقادانِ فن قرار دے چکے ہیں کہ مولانا حسن رضا خان بریلوی کا کلام نُدرتِ خیال، سلاستِ زبان، لطافتِ مضمون، رعنائی فکر کے باعث فصاحت و بلاغت کا خزینہ بن گیا ہے۔ بندش کی چُستی، زبان کی صفائی، صنعتِ تلمیح کے علاوہ دیگر صنائع بدائع کا بے ساختہ استعمال، محاورات کا کثیر استعمال اور قریباً ہر شعر میں رِعایت لفظی کا حسن، پڑھنے والوں کو مسحور کر دیتا ہے۔ کلام حشو وزوائد سے پاک ہے اور تنافر جلی وخفی کا شائبہ تک نہیں۔''[1]

۴۔حزیں کاشمیری:

''موصوف (حسنؔ بریلوی) زبان و بیان کی ان تمام باریکیوں سے کماحقہٗ واقف ہیں جو کسی بھی بڑے فنکار کے لئے ضروری ہیں۔آپ کی نعت حشو وزوائد سے پاک ہے۔تنافر جلی وخفی نام کو بھی نہیں۔قافیہ وردیف کے جملہ رُموز سے آگاہ ہیں۔الفاظ کا در وبست مصرعوں کی سادگی اور چستی کے ساتھ اُن کے کمالِ فن کا پتہ دیتا ہے۔نہ کہیں جھول نہ ضعف کا شمہ، سلاست زبان وندرت اَدا کے عناصر کہیں دُور گہرائیوں میں چھپے ہوئے جذبات میں گھل مل کر عجب سماں باندھ رہے ہیں۔جیسے ایک نعت کا یہ مطلع[2]

سر صبح سعادت نے گریباں سے نکالا ظلمت کو ملا عالم امکاں سے نکالا

۵۔پروفیسر ڈاکٹر سیّد اختر جعفری:

آپ نے نعت گوئی میں علم بیان اور صنائع بدائع کے استعمال کا التزام کیا ہے۔آپ کی نعت میں صنعت تجنیس، صنعت اشتقاق، صنعت تلمیح، صنعت تضاد اور صنعت مراعاۃ النظیر کا خوب صورت استعمال ملتا ہے جس نے آپ کے کلام کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔صنعت تجنیس جام کی مثال ملاحظہ ہو[3]۔

---

[1] تقدیم بروسائل بخشش مرتبہ ثاقب رضا قادری، ص ۷

[2] ماہنامہ نعت لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۰ء ص ۷-۶

[3] ماہنامہ نعت لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۲۸

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو
دے ڈالیے اپنے لب جاں بخش کا صدقہ اے چارۂ دل دردِ حسنؔ کی بھی دوا ہو

۶۔علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی:

(سابقہ صدر، شعبہ فارسی، دارالعلوم منظر اسلام بریلی)

حسنؔ مرحوم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں کی فضاء میں عشق رسول اور محبت نبی ﷺ کے ایمان پرور نغمات رَچے بسے تھے۔جس برادرِ گرامی کی صحبت اُن کو نصیب ہوئی وہ رسول مکرم ﷺ کے ایسے گدائے غاشیہ بردوش تھے کہ کیا مجال ہے کہ سوئے ادب تو معاذ اللہ بڑی بات ہے، شانِ رسالت کے غیر شایان کلمات کی اَدائیگی کس کی مجال تھی کہ اُن کے حضور میں کرسکے۔وہ عظیم ہستی جس کے وِردِ زبان ہمیشہ یہ رہا۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

اس عظیم ہستی نے آدابِ نعت سے جناب حسنؔ کو واقف کیا اور محبت رسول ﷺ میں شائستگی گفتار کے انداز سکھائے۔ظاہر ہے اس اُستاد کی صحبت میں جس کی زبان کی دُھوم تمام ہندوستان میں تھی جناب حسنؔ کبھی اُن آداب کو نہ بھولے۔زبان کی لذت کے ساتھ شائستگی گفتار اور اندازِ بیان ملاحظہ فرمایئے۔

جلوۂ یار اِدھر بھی کوئی پھیرا تیرا حسرتیں آٹھ پہر تکتی ہیں رَستہ تیرا

وہ جس کی نظر میں صحرائے مدینہ کا یہ احترام ہو کہ

خارِ صحرائے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے آمری جان مرے دل میں ہے رَستہ تیرا

وہ عالم دیوانگی میں بھی ان حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔[1]

۷۔پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

(چیف ایڈیٹر: اُردو ڈکشنری بورڈ، کراچی پاکستان)

---

[1] ذوقِ نعت پر ناقدانہ نظر، مطبوعہ کراچی، ص ۱۱-۱۰

مولانا احمد رضا کے چھوٹے بھائی حسنؔ رضا بھی صاحب دیوان شاعر ہیں۔ حسنؔ رضا کا رنگ سخن بھی قریباً وہی ہے جو اُن کے بڑے بھائی کا ہے۔ دونوں بھائیوں کی نعتوں میں جو چیز خاص طور پر متاثر کرتی ہے، وہ سادگی وصفائی بیان کے ساتھ ساتھ اُن کے جذبات عشقیہ کی وہ شدت ہے جو سیّد عالم ﷺ سے اُن کے والہانہ لگاؤ کا ثبوت ہر قدم پر مہیا کرتی ہے۔ [۱]

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر نفیس سندیلوی:

حسنؔ رضا خان کو شعر وسخن کا طبعی اور فطری ذوق تھا۔ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے مالک تھے۔ مزاج میں شوخی شگفتگی اور زندہ دلی تھی۔ حضرت داؔغ کے ارشد تلامذہ میں شمار تھا۔ نعتیہ کلام میں ان کا دیوان ''ذوقِ نعت'' یادگار ہے۔ [۲]

۹۔ حکیم محمّد موسیٰ امرتسری (بانی مرکزی مجلس رضا، لاہور):

مولانا حسنؔ رضا نے اپنی اُستادانہ صلاحیتوں کو اپنے کلام میں خوب اُجاگر کیا۔ امام احمد رضا کے کلام بلاغت مقام میں وہ سب کچھ موجود ہے جو نعتیہ کلام میں ہونا چاہیے۔ لیکن حسنؔ رضا کا اندازِ بیان نعت گو حضرات میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو داؔغ کا غزل گو شعراء میں۔ [۳]

۱۰۔ اصغر حسین خان نظیرؔ لدھیانوی:

آپ کے کلام کی بڑی خوبی مضمون آفرینی ہے۔ حسنؔ رضا کی نعتوں میں ندرتِ خیال بھی ہے اور حقیقت آرائی بھی۔ حسنؔ رضا ہر شعر میں موقع کی اہمیت اور نزاکت کے مطابق نہایت مناسب وموزوں الفاظ اور برمحل محاورات استعمال کرتے ہیں۔ تشبیہات نہایت لطیف اور عام فہم ہیں اس لئے ان کا کلام فصاحت اور بلاغت کا خزینہ بن گیا ہے۔ [۴]

---

[۱] اُردو کی نعتیہ شاعری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء

[۲] ماہنامہ نعت لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۰ء ص ۳۲-۳

[۳] ماہنامہ نعت لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۰ء ص ۳۳

[۴] نظیر لدھیانوی، شعر حسن، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۱۱۔ڈاکٹر محمد اسلم بھٹی:

حسنؔ رضا خان بنیادی طور پر غزل اور نعت دونوں اصناف کے شاعر ہونے میں کمال (حیثیت) رکھتے ہیں۔ بچپن سے شعروشاعری کا شوق انہیں مرزا داؔغ دہلوی کی شاگردی میں لے آیا۔ یہ ذوق پروان چڑھا تو روزمرّہ ومحاورہ پر ایسی قدرت ہوئی کہ داؔغ کیا بڑے بڑے اساتذہ غالبؔ، امیرؔ مینائی، ناؔسخ، مصحفیؔ، عیشؔ فیروز پوری، مومنؔ، رساؔ رام پوری وغیرہ سے کم شعر نہیں، بلکہ بعض اشعار تو ان سے بھی ندرت لیے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔[1]

حسن رضا خان کی غزل میں ندرتِ اَدا اور جدّت طرازی بدرجۂ اَتم موجود ہے۔اس جدّت طرازی میں جدّت تخیل، جدّت طرزِ اَدا، جدّت استعارات وتشبیہات، جدّت محاکمات اور جدّت الفاظ سب آجاتے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ فطرتاً انفرادیت پسند تھے۔اپنی خاندانی عظمت اور داؔغ کی شاگردی کی برتری کا شدّت سے احساس تھا۔ یہ غالبؔ، مومنؔ، ناؔسخ، اور داؔغ سے ہٹ کر تو روشِ عام پر نہ چل سکے مگر ان اساتذہ شعرا سے کسی طرح کم بھی نہیں ہیں۔ ان تمام شعرا کا رنگ شاعری حسن رضا کی غزل گوئی میں موجود ہے۔ان کی شاعری میں زیادہ تر اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں اور معمولی مضامین بھی ایسے طریقے میں اَدا کرتے ہیں جو سب سے نرالا انداز بن جاتا ہے۔"(ایضاً)

عبدالغفار انصاری (انڈیا)

داؔغ دہلوی کے تلامذہ میں حضرت حسنؔ بریلوی نے اپنے اُستاد کے رنگ میں اپنے کلام کو اِتنا سنوارا تھا کہ کبھی کبھی اُستاد اور شاگرد کے کلام میں فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔مثلاً

داؔغ جلوے میری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

---

[1] محمد اسلم بھٹی، ڈاکٹر،مٹی کے چراغ،ص ۲۵ مطبوعہ ورلڈ ویو پبلشرز،۲۰۲۱ء۔لاہور

حسنؔ اُن کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا
دیکھ دیکھا نہیں دیکھا جاتا

داغؔ قتل کرتے ہیں وہ طلب مغفرت کے بعد
جو تھے دعا کے ہاتھ وہی امتحاں کے ہیں

حسنؔ قتل کرنے کی وہ جلدی تھی تمہیں
اب تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

حسنؔ ساقیا اور بھی اک ساغر پُر جوش مجھے
دیکھ ایسا نہ ہو آ جائے کہیں ہوش مجھے

حسنؔ وہ بھی ہیں ساغر شراب بھی ہے
چاند کے پاس آفتاب بھی ہے

جس زمانے میں حسنؔ رضا بریلوی نے شاعری کی دنیا میں قدم رکھا اس وقت چاروں جانب مجازی اور رُومانوی شاعری کا ہی چرچا تھا لہٰذا آپ پر بھی اس کا اَثر پڑا اور آپ نے اپنی شاعری میں پختگی اور بالیدگی حاصل کرنے کے لئے داغؔ کو اُستاد بنایا۔ آپ نے اپنی غزلیات کا ایک باقاعدہ دیوان مرتب کیا جس کا نام ''ثمر فصاحت'' ہے۔ یہ ایک عاشقانہ دیوان ہے اور آپ کی ایک بہترین یادگار ہے۔ اس دیوان میں حسن رضا بریلوی نے ایسے فکری وفنی جوہر دکھائے ہیں کہ دراصل ادب کی دنیا میں یہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور آپ کو ایک مسلم الثبوت اور ایک مستند شاعر کا درجہ عنایت کرتا ہے۔

حضرت حسنؔ بریلوی کا پایۂ شاعری بہ اعتبارِ نعت گوئی ہر لحاظ سے بلند و بالا ہے۔ اوّل بات تو یہ کہ آپ غزل کے بنیادی شاعر تھے جس میں آپ کی زبان کافی منجھی ہوئی تھی۔ آپ نے نعت گوئی میں جدید رجحان اور فنی قدروں کو شریعت کے دائرے میں آزمایا اور بہت کامیاب رہے۔ اُردو ادب کو نئی طرزِ فکر بھی آپ نے عنایت کی۔ آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ نعت جیسی مشکل صنف سخن کو بھی غزل نما بنایا جاسکتا ہے۔ یہ بات بغیر کسی رکاوٹ کے کہی جاسکتی ہے کہ چودھویں

صدی ہجری کے اوائل میں حضرت رضا بریلوی اور حسن رضا بریلوی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنھوں نے نعتیہ شاعری کو بہت بلندی عطا کی اور اس میں بڑے وسیع امکانات پیدا کئے۔حضرت حسن بریلوی کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' میں حمد، نعت، سلام، قصیدہ، مثنوی، رُباعی، قطعہ اور نعتیہ غزل وغیرہ سبھی کچھ موجود ہے۔عشق رسول اللہ ﷺ سے بھرپور یہ نعتیہ دیوان ہر لحاظ سے فنی تہہ داری، فصاحت و بلاغت اور بہت شیریں اُسلوب نزاکت ونفاست اور احتیاط شرع سے لبریز ہے۔ یہ دیوان اصحابِ فکر وفن کے لئے مشعل راہ ہے۔''ذوقِ نعت'' پڑھنے سے ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کا لطف زبان و بیان سے باہر ہے۔عشق نبی میں ڈوبا ہوا ایک ایک شعر بوئے رسول سے دل و دماغ کو معطر کر دیتا ہے۔احساسِ ندامت اور التجائے مغفرت اور اظہارِ معصیت کے اشعار پڑھتے ہوئے آنکھوں سے اَشک رَواں ہو جاتے ہیں۔ایسا احساس ہوتا ہے کہ ان اشعار میں اپنی ہی حقیقت بیان ہو رہی ہے۔حضرت حسن بریلوی نے اپنے اشعار میں عظمت رسول کا پاس رکھتے ہوئے ایسے فنّی جوہر دکھائے ہیں اور اپنے جذبہ عقیدت کا اتنا والہانہ اظہار کیا ہے کہ اصحابِ علم حیرت وتعجب سے دانتوں تلے اُنگلی دباتے ہیں۔گنبد خضریٰ میں آرام فرمانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کی شانِ اقدس میں اُستاذِ زمن کا بےلوث عشق شعر کے ایک ایک مصرع سے پھوٹا پڑتا ہے۔آپ نے کس والہانہ انداز میں اشعار کہے ہیں یہ جاننے کے لئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

(الف)

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاکِ حضور — تو پھر کہیں گے ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

یہ کس شہنشہ والا کا صدقہ بٹتا ہے — کہ خسروؤں میں پڑی ہے پکار ہم بھی ہیں

ہمارے دستِ تمنا کی لاج بھی رکھنا — ترے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں

(ب)

زمیں تھوڑی سی دے دے بہر مدفن اپنے کوچے میں

لگا دے میرے پیارے میری مٹی بھی ٹھکانے سے

پلٹتا ہے جو زائر اُس سے کہتا ہے نصیب اُس کا
ارے غافل! قضا بہتر ہے یاں سے پھر کے جانے سے

(ت)

یہاں کے ڈوبتے دَم میں اُدھر جا کر اُبھرتے ہیں
کنارا ایک ہے نہر ندامت بحر رحمت کا
الٰہی بعدِ مُردن پردہ ہائے حائل اُٹھ جائیں
اُجالا میرے مرقد میں ہو اُن کی شمع قربت کا

(ٹ)

الٰہی دل کو دے وہ سوزِ اُلفت　　پھنکے سینہ جلن پہنچے جگر تک
خدا یوں اُن کی اُلفت میں گما دے　　نہ پاؤں پھر کبھی اپنی خبر تک

(ث)

دکھائی جائے گی محشر میں شانِ محبوبی　　کہ آپ ہی کی خوشی آپ کا کہا ہو گا
عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے　　خدا گواہ یہی حال آپ کا ہو گا

حضرت حسنؔ بریلوی کے اشعار میں بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ زبان و بیان بہت سادہ اور سلیس ہے۔ آپ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے جذبات بہت سادہ لفظوں میں پرو دیتے ہیں جو دل سے نکلتے ہیں اور دل میں اُتر جاتے ہیں۔ مشکل سے مشکل زمین میں بھی آپ نے طبع آزمائی کی ہے جس میں آپ کے افکار و خیالات نے اسے آسان بنا دیا ہے۔ محاورات کا جا بجا استعمال اور اس کے ساتھ جدّت طرازی اور معنی آفرینی آپ کی سب سے بڑی خصوصیات ہیں۔ آپ کے جذبات جو شعر میں ڈھلتے ہیں اس میں آمد ہی آمد کی بہار ہے۔ لفظوں کے انتخاب اور شوکت الفاظ کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کی آمیزش بھی شعر کے حسن کو دو بالا کر دیتی ہے۔ تشبیہات، تمثیلات، استعارہ و کنایہ کی جلوہ گری بھی آپ کے نعتیہ دیوان میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔

ڈاکٹر اسعد بدایونی

حسن رضا خان کی شاعری بنیادی طور پر غزل کی شاعری ہے اور ان کی غزل گوئی قدیم دبستان سخن کی تمام خوبیاں یعنی صحت زبان، محاورہ، شوخی، معاملہ بندی اور عاشقانہ مضامین کی حامل ہے جو اپنی جگہ جڑے ہوئے نگینوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ داؔغ کے شاگردوں نے تراش خراش اور اسے ملک کے طول وعرض میں پھیلانے کی جو خدمت انجام دی، اُس سے انکار ناممکن ہے۔ حسنؔ رضا نے بھی زبانِ داؔغ کی توسیع وترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اُستاد کے رنگ سخن کو اپنے کلام میں سمونے میں دوسرے شاگردوں سے پیچھے نہیں رہے۔ اسی لئے اُن کا شمار داؔغ کے ممتاز شاگردوں میں کیا جاتا ہے۔ جب بھی داؔغ کے رنگ سخن کی بہتر پیروی کرنے والوں کی فہرست بنائی جائے گی۔ حسنؔ بریلوی کا نام شامل کرنا ناگزیر ہوگا۔

ان کی غزلیہ شاعری مرزا داؔغ کی کامیاب تقلید ہے۔ حسنؔ بریلوی کے مجموعہ کلام کے نام یعنی ''ثمر فصاحت'' سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اُن کے نزدیک شعر کا معیار کیا رہا ہوگا۔ داؔغ کے اثر سے اور ان کے تلامذہ کی کثیر تعداد کے سبب سارے ملک میں جس قسم کی شاعری کو فروغ حاصل ہوا، وہ خالصتاً فصاحت وبلاغت اور زبان ومحاورے پر مبنی تھی۔ اس عہد کی شاعری میں زبان کی نزاکت اور ٹھیٹ اُردو کا ٹھاٹ ہے۔ یعنی داؔغ کے تلامذہ کے کلام میں عربی وفارسی کی غیر مانوس تراکیب بہت کم نظر آتی ہیں۔ داؔغ کے بیشتر تلامذہ آخر عمر تک اسی رنگ میں رنگے رہے اور زبان ومحاورے کے کھیل دکھانا ہی اُن کا کارنامہ قرار پایا۔ حسنؔ بریلوی کی شاعری بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ان کے کلام میں وہ تمام عناصر بدرجۂ اَتم موجود ہیں جو اُس زمانے میں سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتے تھے۔ [1]

☆

---

[1] داؔغ کے اہم تلامذہ، ص ۶۴ و ۶۶

حسنؔ بریلوی کے تلامذہ

بعض ارباب تحقیق نے لکھا ہے کہ حسنؔ بریلوی کے تلامذہ کی تعداد شمار نہیں کی جا سکتی۔ یعنی حسنؔ بریلوی سے کثیر شعراء نے بغرض اصلاح رُجوع کیا۔ یہ موضوع یقیناً تشنۂ تحقیق ہے۔ حسنؔ شناسی میں دلچسپی رکھنے والے اہل قلم کو اس جانب توجہ کرنی چاہیے۔ حضرت حسنؔ بریلوی کے عہد میں منعقد ہونے والے مشاعروں کی رُودادیں دستیاب ہو جائیں تو اس کام میں خاصی سہولت ہو جائے گی۔ ایسا ہی ایک مشاعرہ ۵ رنومبر ۱۹۱۱ء کو بریلی میں منعقد ہوا تھا جس کی رُوداد ''گلدستہ مشاعرۂ بریلی'' کے عنوان سے مطبع منشی نول کشور (لکھنؤ) سے ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی۔ اس مشاعرے میں بھی حسنؔ بریلوی کے تلامذہ نے بڑھ چڑھ کر شرکت کی اور مذکورہ گلدستہ میں ان کا نمونۂ کلام بھی شائع ہوا۔ یونہی دیگر مشاعروں کی رُودادوں سے حضرت حسنؔ بریلوی کے فیض یافتگان کی ایک فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔ پیش نظر مقالہ میں حضرت حسنؔ بریلوی کے چند تلامذہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

شررؔ رام پوری:

صاحبزادہ مصطفیٰ رضا خان شررؔ رام پوری (۱۹۱۷ء) خلف صاحبزادہ محمود علی خان۔ آپ عرصہ تک نواب حامد علی خان والی رام پور (۱۹۳۰ء) کے ذاتی معتمد خاص رہے۔ نینی تال میں انتقال ہوا۔ شرر رام پوری نے رام پور میں ایک عام مشاعرہ ۱۹۰۸ء میں کیا تھا جس میں تمام نمایاں شعراء نے شرکت کی تھی۔ اس مشاعرہ کا گلدستہ ''تصویر مشاعرہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

عاشقؔ بریلوی:

میر محمود علی عاشقؔ و حمدؔ بریلوی کو مولانا حسن بریلوی سے تلمذ تھا، اور ان کے بہت چہیتے

شاگرد تھے۔اُستاذِ زمن کاان کے ساتھ حسن سلوک اپنے بیٹوں جیسا تھا۔پیشہ تجارت تھا۔ان کے والد ٹوپیوں کی دکان رکھتے تھے۔بہ حیثیت مجموعی مال دار آدمی تھے۔حسن بریلوی کے مطبع اہل سنت''روز افزوں''اور''بہارِ بےخزاں'' سے متعلق جملہ اُموران سے متعلق تھے،آپ خوش گو شاعر تھے۔عاشق بریلوی کی ادارت میں ماہنامہ''بہار بےخزاں''اور ہفتہ وار''روز افزوں''جاری ہوئے۔جو اس عہد کے مذاق کے مطابق پاکیزہ ادب پیش کرتے تھے۔فروری ۱۹۰۳ء میں ''بہارِ بےخزاں''کا رسم اجرا ہوا۔اخبار روز افزوں کا اجراء ۱۹۰۳ء میں ہوا۔یہ ہفتہ روزہ اخبار اپنے زمانہ میں بہت مشہور تھا۔

نامیؔ بریلوی:

حکیم سیّد برکت علی نامیؔ بریلوی مولانا کے تلامذہ میں سے ہیں۔محلہ ذخیرہ بریلی شریف کے رہنے والے تھے۔گزر اوقات کا ذریعہ زمینداری تھی۔حکیم برائے بیت تھے،شہر کے معززین میں شمار کیے جاتے تھے۔ابتدا میں مولانا حسن رضا بریلوی کے شاگرد ہوئے۔ان کی وفات کے بعد مفتی عماد الحسن محوؔ بریلوی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے تھے۔بریلی کی ادبی انجمنوں اور مشاعروں میں خوب حصہ لیتے تھے۔نامی بریلوی کی تصنیف''تاریخ واسوخت''پر مولانا حسنؔ نے تاریخی قطعہ کہا:

میر نامیؔ نے لکھا واسوخت خوب | رُوح بخش و دل کشا ہے بند بند
فکر ہے تجھ کو اگر تاریخ کی | لکھ حسنؔ'واسوخت نامی دل پسند'

۱۳۲۴ھ

ان کا کلام ہم عصر گلدستوں میں چھپتا تھا۔افسوس کہ ان کا نعتیہ کلام فراہم نہیں ہو سکا۔گلدستوں میں صرف غزلیات طبع ہوئیں جن سے معلوم ہوا کہ وہ دبستانِ داؔغ دہلوی کے اتباع کرنے والے تھے اور ساتھ ہی ساتھ فصیح البیان اور مضمون کی بلندی کے دل دادہ بھی۔کہیں کہیں اشعار میں تصوف کی چاشنی بھی ہے۔

محشؔر بریلوی:

قاضی حافظ وہاج احمد خلف رشید قاضی برہان علی تحصیل دار ضلع بریلی مرزا داغ دہلوی اور مولانا حسنؔ کے شاگرد تھے۔محشؔر تخلص تھا،ان کا شمار مال دار شعراء میں ہوتا تھا۔عربی اور فارسی سے بہت دلچسپی تھی۔

مظہؔر بریلوی:

منشی مظہر حسین نام اور مظہر بریلوی تخلص تھا۔آپ چار بھائی تھے اور سبھی کو شعر و سخن سے لگاؤ تھا،چاروں برادران دبستانِ حسنؔ بریلوی کے خوشہ چینوں میں تھے۔

اخترؔ بریلوی:

منشی اختر حسین اخترؔ بریلوی محلہ جسولی بریلی کے ساکن تھے۔مولانا حسنؔ سے شرف تلمذ تھا۔اخترؔ کچہری بریلی میں ملازم تھے،طویل عمر پا کر انتقال ہوا۔

قیسؔ بریلوی[1]:

منشی ہدایت یار خان خلف ہادی یار خان،محلہ باز داران بریلی کے ساکن اور قیسؔ بریلوی تخلص تھا۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی سے بیعت اور امام رضا بریلویؔ کی قائم کردہ کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے تاحیات صدر رہے۔نہایت درجہ متحرک و فعال آدمی تھے۔ جماعت رضائے مصطفی بریلی کو کامیابی سے چلاتے رہے۔ اس کی پورے متحدہ ہندوستان میں ذیلی تنظیمیں اور شاخیں قائم کر دیں۔مذہبی خدمات کے علاوہ قیس بریلوی کی سیاسی سطح پر بھی خدمات قابل تحسین ہیں۔جماعت رضائے مصطفیٰ کے ہندوستان پر سیاسی و مذہبی مثبت اثرات تھے۔ اہل سنت و جماعت میں اس تنظیم کے بعد جماعتی صلاحیتیں اور تنظیمی ڈھانچہ کا معیار ختم سا ہو گیا جبکہ سینکڑوں جماعتیں گھر گھر میں قائم ہیں۔صرف اور صرف کاغذ ہی پر وجود باقی رہ گیا ہے۔

---

[1] قیسؔ بریلوی کے تفصیلی حالات اور خدمات کے لئے دیکھئے شہاب الدین رضوی کی کتاب ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ''

حلمؔ بریلوی:

منشی دوارکا پرشاد حلمؔ بریلوی خلف سنگلی لال از اولا د رائے سمن لال رئیس بریلی۔ آپ کا خاندان اخبار نویسوں کا خاندان کہلاتا ہے۔ حلمؔ بریلوی مولانا حسنؔ کے شاگرد تھے۔ قلمی دیوان منشی بھگوان داس کے پاس محفوظ ہے۔ حلمؔ بریلوی کے شاگردوں میں پنڈت لال بہادر انجم، بابو ٹشیا ماچرج بزمؔ کافی مشہور ہیں۔

فیروزؔ بریلوی:

مولانا حسنؔ بریلوی کے دبستان شعر وسخن میں ہندوستانی شعراء کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ انھیں میں برج موہن لال کشور فیروزؔ بریلوی بھی تھے۔

مولانا جمیل الرحمن جمیلؔ قادری رضوی

مولانا جمیل الرحمن قندھاری پٹھان تھے۔ والد کا نام محمد عبدالرحمٰن تھا۔ بریلی کے رہائشی تھے اس لیے کم عمری میں ہی مولانا حسن رضا بریلوی کی شاگردی میں آگئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے کی اور انہی کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ آپ کی چند تصانیف کے نام یوں ہیں: چراغ مجلس، حیات ذاکر، کفیل بخشش، علم بخشش، قبالۂ بخشش، تحقیقات قادریہ، مخزن البرکات۔ محض ۳۹ر برس کی عمر پا کر ۱۹۲۵ء میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

وامقؔ بریلوی

سیّد محمد فدا علی وامقؔ بریلوی نہایت برگزیدہ شخصیت کے حامل تھے۔ شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں سے بیعت تھے۔ شاعری کا ذوق وشوق حسنؔ بریلوی کے حلقۂ تلامذہ میں لے آیا۔ آپ نے غزلیں، نعتیں اور مناقب اولیاء رقم کی ہیں جو ان کے قلمی دیوان (مملوکہ صاحبزادہ سیّد ظل علی نشاط) میں محفوظ ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں فوت ہوئے۔

حمیدؔ بریلوی

حمید اللہ خان حمیدؔ بریلی کے رہائشی تھے۔ مولانا حسن رضا خان بریلوی سے نسبت شاگردی کے علاوہ شرف دامادی بھی حاصل تھا۔ ان کے صاحبزادے اُمید رضوی کے بقول ان کے دو دیوان قلمی تھے جو کہ ضائع ہو گئے۔ ۱۹۴۳ء میں وصال ہوا۔

ارشادؔ امروہی

حافظ سید ارشاد علی ارشادؔ امروہی بن سید احسان علی خوش نویس تھے۔ قرآن کریم و مذہبی کتب کی کتابت کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دارالافتاء میں ''امین الفتویٰ'' مقرر ہوئے۔ تقریباً چھیاسٹھ برس کی عمر پا کر ۱۹۲۲ء میں فوت ہوئے۔

قیصرؔ مراد آبادی:

حکیم مولانا اعجاز احمد قیصرؔ مراد آبادی ثم بریلوی پیشہ کے اعتبار سے خوش نویس تھے۔ حسنؔ بریلوی کے نعتیہ و غزلیہ دیوانوں کی کتابت انہوں نے ہی کی۔ شاعری کا اچھا ذوق تھا۔ حسنؔ بریلوی سے تلمذ اختیار کر کے اس میں مہارت حاصل کی۔ حسنؔ بریلوی کے غزلیہ و نعتیہ دیوان پر ان کے قطعات تواریخ ملتے ہیں۔ ان کا غزلیہ دیوان ''ذوق فصاحت'' معروف بہ ''کلام قیصر'' مطبع نادری بریلی سے شائع ہوا۔ راقم کے پاس اس کا حصۂ اوّل (عکسی) موجود ہے، جسے جدید انداز میں کمپوز کروا کر جلد آن لائن شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

☆

حسنؔ بریلوی کی تصانیف

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں ۔۔۔ مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

''حسن رضا بریلوی''، جہانِ شعر وسخن کا ایک مشہور اور دنیائے علم واَدب کا ایک مظلوم نام ہے۔ یہ نام میلاد کی محفلوں میں کثرت سے کانوں میں رَس گھولتا ہے، لیکن علم واَدب کے عصری دبستان اس نام سے بہت کم مانوس ہیں۔ حالانکہ اس نام کی گونج علم وفکر کے ایوانوں میں زیادہ سنی سنائی جانی چاہیے تھی کیونکہ یہ نام شعر وسخن کے میدان سے زیادہ فکر وتحقیق اور عقائد و نظریات کے میدانوں میں معرکہ آراء رہا ہے۔ اس مظلوم مجاہد نے نظم ونثر دونوں میدانوں میں بے تکان لکھا، اور اتنا لکھا کہ عقائد ومعمولات اسلام کو نکھار نکھار کے رکھ دیا، اور منکرین ومخالفین کو رجھار جھا کے پچھاڑا۔ پروردگار کو ایسے بیش قیمت شہ پاروں کا ضیاع منظور نہ تھا کیونکہ اُن میں توحید باری کی تابانیاں اور عشق رسول مقبول علیہ السلام کی جلوہ سامانیاں مستور تھیں، سو اُس نے ان کے تحفظ و بچاؤ کا غیبی سامان کیا، اور محض اُسی کی توفیق بے پایاں اور نوازشِ بے کراں کے طفیل مولانا حسن رضا خان بریلوی کا جملہ منظوم ومنثور علمی و ادبی سرمایہ دو جلدوں (رسائل حسن، کلیات حسن) میں مدوّن و مرتب ہو کر بیک وقت پاک وہند میں شائع ہو چکا ہے۔ فللّٰہ الحمد علی منّہٖ و کرمہٖ

اس مضمون کے ذریعہ دراصل حضرت حسن رضا بریلوی کے انھیں نایاب و پایاب لعل وگہر کی تب وتاب کا کچھ اجمالی و تفصیلی بیان مقصود ہے۔

☆

ذوقِ نعت

مولانا حسن رضا کا نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' معروف بہ ''صلۂ آخرت'' کے تاریخی نام سے ۱۹۰۹ء میں آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حکیم حسین رضا خان کی سعی و اہتمام سے طبع ہوا۔ حمد، نعت، مناقب صحابہ و اولیاء، ذکر شہادت، بیان معراج، نغمۂ رُوح، کشفِ رازِ نجدیت، رُباعیات اور چند تاریخی قطعات پر مشتمل ہے۔ تقریباً تمام حروف تہجی کے ردیف میں مولانا نے کلام فرمایا ہے۔ پہلی اشاعت پر اخبار ''اہلِ فقہ''، امرتسر کے ایڈیٹر مولانا غلام احمد اخگرؔ نے ۲۰ر جولائی، ۱۹۰۹ء کے شمارہ میں ''ذوقِ نعت'' کا اشتہار دیا، جس کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

''یہ نعتیہ دیوان جناب حضرت مولانا الحاج حسن رضا خان مرحوم و مغفور بریلوی کی تصنیف ہے۔ حضرت مولانا موصوف اعلیٰ درجہ کے ادیب اور شاعر تھے اور آپ کے کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ دل اِس کے سننے سے بے اختیار ہو جاتا ہے۔ آپ کی قادرُ الکلامی کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ مجھے بریلی جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نعتیہ رسالہ جاری کرنے والا ہوں، پہلی طرح ہو گی ''محو دیدار محمد دل ہمارا ہو گیا''، اس پر ایک نعتیہ غزل تحریر فرما دیجیے۔ آپ نے فوراً قلم برداشتہ غزل لکھ دی جس کے چند اشعار درج ہیں:

ڈوبتوں کا ''یا نبی'' کہتے ہی بیڑا پار تھا
غم کنارے ہو گئے پیدا کنارا ہو گیا

تیری طلعت سے زمیں کے ذرّے مہ پارے بنے
تیری ہیبت سے فلک کا مہ دو پارا ہو گیا

نام تیرا ذکر تیرا تُو ترا پیارا خیال
ناتوانوں بے سہاروں کا سہارا ہو گیا

آپ نے ایام رحلت سے پہلے اپنا نعتیہ دیوان مرتب کرنا شروع کیا مگر افسوس کہ چھپنے سے پہلے آپ رہ گزارِ عالم جاودانی ہوئے اور اب یہ دیوان آپ کے فرزند رشید جناب مولوی حکیم حسین رضا خان صاحب نے نہایت عمدہ کاغذ پر بکمالِ آب وتاب چھپوایا ہے۔ علاوہ نعت شریفوں کے حضراتِ بزرگانِ دین کی شان میں مناقب وقصائد لکھے ہیں۔ بعض مبتدعین کے ردّ میں بھی چند نظمیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کو عموماً اور نعت خوانوں کو خصوصاً اس قابل قدر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔"[1]

ہمارے پیش نظر قدیم نسخہ کے سرِ ورق پر یہ شعر اور عبارت تحریر ہے:

پھیلا ہوا ہے ہاتھ گدائے رسول کا — یا ربّ ملے کلام کو صدقہ قبول کا

الحمدللہ والمنۃ کہ دیوان فصاحت بنیان مظہر شرع مطہر منظر شعر منور روشن کن چشم عرفان قابل وظیفۂ اہل ایمان مسمّٰی بنام تاریخی "ذوق نعت" (۱۳۲۶ھ) معروف بہ "صلۂ آخرت" (۱۳۲۶ھ) رشحہ کلک متانت سلک فاضل خاندانی محبّ محبوب ربّانی والا جناب مولانا مولوی حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسنؔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جناب مولانا مولوی حکیم ابو العلا امجد علی اعظمی رضوی نے اپنے اہتمام سے چھاپ کر شائع کیا۔"

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے "ذوقِ نعت" کی تاریخ میں ایک شاہکار قطعہ لکھا، قطعہ کیا ہے اعلیٰ حضرت کی شاعری شکوہِ انداز، حسنؔ کی یادیں، شاعری اور شخصیت کا حسین مرقع، ملی اور مذہبی خدمات، اپنے روابط اور حسنؔ سے جذباتی لگاؤ کا واضح اظہار جو اعماقِ قلب سے زبانِ قلم پر اُترا اور صفحہ قرطاس پر بکھر گیا۔ آخری چار شعر ہر مصرع تاریخ، مصرع نصف کی تکرار، صنائع بدائع سے مملو، حسن وجمال کی تصویر دیکھئے ؎

---

[1] اخبار اہل فقہ (امرتسر)، مورخہ ۲۰ر جولائی ۱۹۰۹ء

قوت بازوے من سُنّی نجدی فگن حاجی و زائر حسنؔ سلّمہٗ ذوالمنن
نعت چہ رنگیں نوشت، شعر خوش آئیں نوشت شعر مگو دیں نوشت، دور ز ہر ریب وظن
شرع زشعرش عیاں، عش بہ بتیش نہاں سُنّیہ را حرزِ جاں، نجدیہ را سر شکن
قلقل ایں تازہ جوش، بادہ بہنگام نوش نور فشاند بگوش، شہد چکاں در دہن
کلک رضاؔ سالِ طبع، گفت بہ افضالِ طبع زانکہ از اقوالِ طبع، کلک بود نغمہ زن
اوج بہیں محمدت، جلوہ گہ مرحمت عاقبت باد نوائے حسنؔ
بادِ نوائے حسنؔ، باب رضائے حسنؔ باب رضائے حسنؔ، باز بہ جلبِ منن
باز بہ جلبِ منن، بازوئے بخت قوی بازوِ بخت قوی، نیک حجابِ محن
نیک حجابِ محن، فضل عفو و نبی فضل عفو و نبی، جبل وی و جبل من

مزید فرماتے ہیں:

نعت حسنؔ آمدہ نعتِ حسن حُسنِ رضا باد بزیں سلام
اِنَّ مِنَ الذَّوْقِ لَسِحْرٌ ہمہ اِنَّ مِنَ الشِعْرِ لَحِکْمَۃٌ تمام
کلک رضاؔ داد چناں سال آں یافت قول از شد رأس الانام

دیگر شعرانے بھی ''ذوقِ نعت'' کی طباعت پر تاریخی قطعات رقم کیے جو کہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

صاحبزادہ محمد مصطفیٰ علی خان بہادر شررؔ

یہ مضمون ہائے دلکش وہ حسینانِ پری وش ہیں ادائیں جن کی جاں پرور ہیں جن کا بانکپن اچھا
مشامِ جاں معطر ہے عجب گلہائے معنی ہیں صفاتِ مصطفیٰ میں کھل رہا ہے چمن اچھا
نہ کیوں اربابِ معنی دم بھریں حسن مضامیں کا مصنف شاعر شیریں بیاں لطفِ سخن اچھا
شررؔ میں نے بھی لکھا خوب سالِ طبع کا مصرع **چھپا ہے نعت سرور میں یہ دیوانِ حسن اچھا**

۱۳۲۶ھ

سیّد محمود علی عاشق وحمدؔ بریلوی

رنگیں ہے کلام پاک اُستاد گلزار لکھوں چمن کہوں میں
جب ہو سن طبع کی مجھے فکر "**افکارِ خوش حسنؔ**" کہوں میں
۱۳۲۶ھ

ایضاً

کیا ہی پیارا نام "ذوقِ نعت" ہے ہے کلام اس میں سراسر انتخاب
نعت پاک اور اس طرح کی آبدار جس کے آگے آب گوہر آب آب
یا خدا اس کے مصنف پر مدام بے شمار اِکرام رحمت بے حساب
طبع دیوان کے لکھے سَن حمدؔ نے "**ہر غزل ہے بے بہا و لاجواب**"
۱۳۲۶ھ

ایضاً

ختم کرد اُستادِ من دیوان نعت حمد شکر خالق اکبر بگو
آفرین صد آفرین دائم بخوان مرحبا صد مرحبا اکثر بگو
چون سن طبعش ز ہاتف خواستم گفت "زیبا مدح پیغمبر بگو"

حکیم سیّد برکت علی ناحیؔ تلمیذ حضرت حسنؔ بریلوی

کلام حضرت اُستاذِ اکرم کمال شعر و شرع آورد باہم
کمال لمع محبوب خدا چید بشعرش شرع محبوب خدادید
باین معنی اشارت کرد ناحیؔ بدو مصرع سہ تاریخ گرامی
"**نگہ زین شمع نور مجلسے چین**" "**مکرر لمع محبوب خدا چین**"
۱۳۲۶ھ ۱۳۲۶ھ

ولہ

حسنؔ نے اپنا دیوان طبع کر کے　　سخن سنجوں پر اک احسان کیا ہے
یہ دیوان ہے کہ ہے رُوحِ فصاحت　　بلاغت جان سے اس پر فدا ہے
ہیں گویا دامن یوسف میں کلیاں　　زمین شعر میں مضمون کیا ہے
کہا ہاتف نے سال طبع نامیؔ　　**"یہ دیوان ہے کہ عرض مدعا ہے"**

۱۳۲۶ھ

ولہ

اُستاد نے وہ رنگیں دیوانِ نعت لکھا　　ہر ایک کی زباں سے نکلی صدائے تحسیں
ہر شعر میں مہک ہے خوشبوئے احمدی کی　　اس باغِ پُر فضا میں کیا کیا بہاریں دیکھیں
کی فکر سال دیوان جب نامیؔ حزیں نے　　آئی ندائے ہاتف خوش گئے شہ دیں

قاضی حافظ وہاج احمد محشرؔ خلف رشید قاضی مہربان علی تحصیلدار ضلع بریلی تلمیذ حضرت داؔغ دہلوی و حضرت حسنؔ بریلوی

دیوان حسنؔ کا آج وہ پیش نظر ہوا　　مرقوم جس میں نعت رسول قدیر ہے
مقبول خاص و عام ہو کیونکر نہ یہ کلام　　دلکش ہے دلفریب ہے اور دل پذیر ہے
طرزِ سخن نئی ہے پُرانے بیان ہے　　رشکِ کلام حضرت داؔغ و میرؔ ہے
تاریخ طبع کی مجھے محشرؔ ہوئی جو فکر　　**آئی ندا "چھپا سخن بے نظیر ہے"**

۱۹۰۸ء

دیگر

آج وہ نعت کا چھپا دیوان　　جس کا ہر شعر بابِ رحمت ہے
دل سے محشرؔ لکھا قلم نے یہ سال　　**مطلع آفتابِ رحمت ہے**

سید محمد قاسم علی خواہاںؔ بریلوی

کیا پُر صفا کلام ہے کیا دل رُبا کلام — نعت شریف کا ہے عجب واہ وا کلام
کارِ حسنؔ رضائے خدا و رسول ہے — مقبول دہر کیوں نہ ہو یہ خوشنما کلام
صل علیٰ جو نعت کہے تیری سی کہے — قابل درود کے ہے سخن تیرا لاکلام
جو کچھ لکھا ہے تُو نے سراپا درست ہے — ہرگز نہیں خلاف شریعت ہے لاکلام
جو کچھ کہا خدا نے ثنائے حبیب میں — ویسا ہی نعت میں ہے ترا مرحبا کلام
میرا کہاں یہ موںھ کہ کروں تیرا وصف میں — ہرگز کسی سے ایسا نہ دیکھا سنا کلام
میں کیا ثنائے بندش و مضموں رقم کروں — ہے حسن طبع پر ترے واصف ترا کلام
محنت تری وصول ہو تجھ کو صلہ ملے — ہے حسنِ طبع پر ترے واصف ترا کلام
تاریخ سال طبع کی خواہاںؔ نے یہ کہی — **"ہے عاشق نبی خدا کا بنا کلام"**

۱۳۲۶ھ

ایضاً

مضامین نعت آنچنان دلکش ست — پئے جذب دل میکند کارشست
ندا داد ہاتف چو کردم خیال — ضونعت تاریخ خواہاںؔ خوش ست

۱۳۲۶ھ

حکیم منشی اعجاز احمد قیصرؔ مرادآبادی شاگرد حضرت حسنؔ بریلوی

قربان کلام پاک اُستاد — قیصر ہے یہ نعمت بہشتی
دل نے پایا جو اس سے آرام — تاریخ ہے "راحت بہشتی"

۱۳۲۶ھ

منشی مظہر حسین مظہرؔ شاگرد حضرت حسنؔ بریلوی

وہ دیوان لکھا میرے اُستاد نے — کہ رنگینوں پر فدا ہیں چمن

سن طبع مظہرؔ ہیں اس نعت کی خیابانِ جنت کلام حسنؔ

۱۳۲۶ھ

منشی اختر حسین اخترؔ تلمیذ حضرت حسنؔ بریلوی

حضرتِ اُستاد کا دیوان چھپا کم ہے جو تعریف اس کی میں کہوں
مجھ سے گر پوچھے کوئی تاریخ طبع گلشن شاداب خوبی میں کہوں

۱۳۲۶ھ

منشی ہدایت یار خان قیسؔ شاگرد حضرت حسنؔ بریلوی

اُستاد کا چھپ رہا ہے دیوان ہر وصف میں خوش اَدا خوش اُسلوب
محبوبِ خدا کی شان میں ہے ہو قیسؔ کو دل سے کیوں نہ محبوب
مرغوب ہے یہ کلام سارا تاریخ بھی کہیے **"جملہ مرغوب"**

۱۳۲۶ھ

منشی دوارکا پرشاد حلمؔ بریلوی شاگرد حضرت حسنؔ بریلوی

واہ کیا نعت میں دیوان کہا جس کی شہرت کا ہے چرچا گھر گھر
بے بہا ہے یہ حسنؔ کی تصنیف اس کا ہر مصرع ہے سلک گوہر
کیا کہے گا کوئی اس سے اچھا کیا لکھے گا کوئی اس سے بہتر
حلمؔ تاریخ بھی ہے پاکیزہ **خوب لکھی ہے یہ نظم اطہر**

۱۹۰۸ء

منشی برجموہن کشور فیروزؔ بریلوی شاگرد حضرت حسنؔ بریلوی

گفتہ در نعت طرفہ دیوان عالم بجمال او شدہ شاد
ہاتف پیٔ سال گفت فیروزؔ **دیوان بنوشتہ خوب اُستاد**

۱۹۰۸ء

تاریخ طبع ذوق نعت از حضرت حسنؔ بریلوی

چھپا آج دیوانِ نعت شریف — مرے دل کو حاصل ہے لطف سُرور
دعائیہ تاریخ ہے اے حسنؔ — **یہ مدح حسن ہو پسند حضور**

۱۳۲۶ھ

حافظ حضور احمد خان آثمؔ بریلوی

تلمیذ منشی امیر احمد امیرؔ مینائی لکھنوی وہوشؔ مغفور بریلوی

بحمد اللہ کیا دیوان لکھا ہے نعت احمد میں
کیا ہے کس طرح اظہار اپنے شوقِ بے حد کا
صدا صل علیٰ کی ہے ترانے مرحبا کے ہیں
قلم بلبل بنا ہے گلشن نعت محمد کا
الٰہی فیض اُٹھائیں عاشقانِ مصطفیٰ اس سے
ہو شہرہ شرق سے تا غرب دیوانِ مجدد کا
صلے میں نعتِ اَقدس کی جناں دے تُو مصنف کو
بنے ہر گوشہ جنّت یا الٰہی اُس کے مرقد کا
لکھو یہ مصرع برجستہ سال طبع کا آثمؔ
بہت زیبا لکھا دیواں حسنؔ نے نعت احمد کا

دیگر

کیجیے تعریف کیا دیوان کی — سر سے پا تک واقعی پاکیزہ ہے
طبع کی تاریخ آثمؔ نے لکھی — دفتر نعت نبی پاکیزہ ہے

۱۳۲۶ھ

مفتی حکیم عماد الحسن محوؔ (تلمیذ حضرت بسملؔ بریلوی شاگرد مرزا غالبؔ)

جناب حسنؔ شاعر خوش بیاں — کہ بودہ رضا جوئی مطلوب حق
نوشت ست دیوان کہ تاریخ اوست — حدیث حسن نعت محبوب حق

۱۳۲۶ھ

مولوی قاضی حاجی محمد خلیل الدین حسن حافظؔ رئیس پیلی بھیت:

بحمد اللہ حسنؔ کا چھپ گیا دیوان نعتیہ — ہے عقبیٰ کے لیے رُوحوں کو لاثانی سفر توشہ
یہ رُوحانی سفر توشہ نظر آیا جو حافظؔ کو — کہا چھپنے کی ہے تاریخ رُوحانی سفر توشہ

۱۳۲۶ھ

دیگر

حسنؔ پہنچے جو لے کر دفتر نعت — حضورِ کبریا ہشاش بشاش
سرا پردے ہے حافظؔ بہر تاریخ — **ندا آئی حسنؔ شاباش شاباش**

۱۳۲۶ھ

محمود حسین خان ارشدؔ شاگرد حافظ حضور احمد آثمؔ بریلوی

دیوان لکھا جناب حسنؔ نے وہ نعت میں — ہر شعر جس کا ایک دُرِّ لاجواب ہے
تاریخ اس کے طبع کی ارشدؔ نے یہ لکھی — **عمدہ یہ اک صفاتِ نبی میں کتاب ہے**

۱۳۲۶ھ

پاک و ہند میں ’’ذوقِ نعت‘‘ کے کئی ایڈیشنز چھپ کر قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں۔ ہمارے پیش نظر ’’ذوق نعت‘‘ کا وہ قدیم نسخہ ہے جسے مفتی امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت نے اپنے اہتمام سے مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی سے شائع کیا تھا۔ اس کا سال اشاعت درج نہیں ہے۔ (یہ نسخہ ریختہ ڈاٹ کام پر موجود ہے)

نیز ''ذوقِ نعت'' کا ایک قدیم نسخہ حزب الاحناف، لاہور سے شائع شدہ بھی دستیاب ہوا، اسے علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری نے اپنے اہتمام سے شائع کیا۔ یہ بریلی کے نسخہ کا عکس معلوم ہوتا ہے، اس پر بھی سالِ اشاعت درج نہیں۔ (یہ نسخہ ڈیجیٹل لائبریری آف انڈیا کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔)

پاکستان میں ''ذوقِ نعت'' کا ایک خوبصورت ایڈیشن مدینہ پبلشنگ کمپنی (کراچی) سے غالباً ۱۹۷۰ء کی دہائی میں شائع ہوا تھا (اس پر بھی سال اشاعت درج نہیں) اس ایڈیشن کی خوبی یہ تھی کہ علامہ شمسؔ بریلوی نے اس پر ایک مبسوط مقدمہ تحریر کیا، اسی لیے بعض اہلِ قلم ''ذوقِ نعت'' کی اس اشاعت کو ''نسخۂ شمس بریلوی'' بھی کہہ دیتے ہیں۔

جن دنوں ہم حسنؔ بریلوی کی مثنوی ''وسائلِ بخشش'' کی تلاش میں تھے، بزرگ مصنف و مؤرخ محترم مرید احمد چشتی مرحوم نے ہمیں اپنے ہاتھ کا کتابت کیا ہوا کچھ کلام دیا اور کہا کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کے شائع کردہ ایڈیشن یعنی ''نسخۂ شمس بریلوی'' اور یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ کے ایک قدیم ایڈیشن (بہ اہتمام سید فدا حسین ہاشمی) کو باہم تقابل کرنے پر جو کلام قدیم اشاعت میں زائد معلوم ہوا، اُسے میں نے ہاتھ سے کتابت کر لیا ہے۔[1] بعد اَزاں ہمیں مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کا شائع کردہ ''ذوقِ نعت'' کا نسخہ بھی مل گیا، تقابل پر معلوم ہوا کہ مطبع اہلِ سنت و جماعت (بریلی)، یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ اور حزب الاحناف کا ایڈیشن ایک جیسے ہیں البتہ نسخۂ شمس بریلوی میں حسنؔ بریلوی کا متعدد کلام خارج کر دیا گیا ہے۔ تقابلی جائزہ لینے پر خارج کردہ کلام کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ اس ایڈیشن میں حسنؔ بریلوی کی مثنویوں کو خارج کر دیا گیا ہے، جن میں مثنوی ''وسائل

---

[1] مرید احمد چشتی مرحوم کے نقل کردہ نسخہ کے پہلے صفحہ پر عنوان لکھا ہے ''مروّجہ ذوقِ نعت کا بقیہ کلام''، جبکہ آخری صفحہ پر یہ نوٹ لکھا ہے: ''شعرِ حسن'' کی تالیف کے وقت حضرت نظیرؔ لدھیانوی کے زیرِ مطالعہ رہی۔ ''ذوقِ نعت'' کا پہلا ایڈیشن ماسٹر محمد نذیر صاحب آف پنڈی بھکھ نواحی قصبہ تھانہ جلال پور شریف ضلع جہلم کے پاس موجود و محفوظ ہے۔ خاکسار نے اسی سے نقل کی ہے۔ الحمد للہ علی ذلک۔ مرید احمد چشتی ۸؍نومبر ۱۹۷۷ء۔'' ث ر قادری

بخشش''اور کچھ دیگر مثنویاں میلاد شریف کے بیان پر شامل ہیں۔

۲۔ قصیدہ در مدح شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کو خارج کیا گیا ہے

۳۔ نذیر احمد دہلوی نے سر سیّد احمد خان کی مدح میں قصیدہ لکھا تھا جس کا ردیف ''باقی''، تھا، مولانا نے اس قصیدہ کا ایک ایک شعر نقل کر کے پھر اسی ردیف میں نذیر احمد کے قصیدہ کا رد کیا ہے۔ تقریباً سو (۱۰۰) سے زائد اشعار ہیں۔ یہ کلام بھی نسخۂ شمس بریلوی میں نہیں ہے۔

پاکستان میں شائع شدہ ''ذوقِ نعت'' کے موجودہ نسخوں میں یہ کلام نہیں ملے گا، جس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ بعد کے ناشرین نے نسخۂ شمس بریلوی کو ہی معیار بنالیا۔ اور اس وجہ سے حسنؔ بریلوی کے کلام کا معتد بہ حصہ نایاب ہوگیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ متعدد تبصرہ نگاروں نے ''ذوقِ نعت''، پر لکھتے ہوئے مذکورہ بالا کلام کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ ہند سے ڈاکٹر صابر سنبھلی کے پیش نظر ''ذوقِ نعت''، کی قدیم اشاعت تھی اور ان کے مضمون میں حسنؔ بریلوی کی مذکورہ مثنویوں کا تعارف بھی پایا جاتا ہے۔ ''شعرِ حسن''، کے مؤلف نظیرؔ لدھیانوی مرحوم کے پیش نظر اگرچہ ''ذوقِ نعت''، کا قدیم اور کامل نسخہ تھا لیکن انہوں نے حسنؔ بریلوی کے مذکورہ بالا کلام پر تبصرہ تحریر نہیں کیا۔

''ذوقِ نعت''، کا تفصیلی تعارف اور حضرت حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کے فنّی محاسن بارے اربابِ علم وفضل کے تحقیقی مقالات کتاب کے دوسرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆

وسائلِ بخشش[1]

مثنوی ''وسائلِ بخشش'' (۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء) اُستاذِ زمن، شہنشاہِ سُخن مولانا حسن رضا خان حسنؔ برکاتی بُوالحسینی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز تصنیف ہے۔ نادری پریس بریلی سے ۱۳۰۹ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ بعد میں اسے ''ذوقِ نعت'' کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیبؔ، حسنؔ رضا کی مثنویوں کے متعلق رقم طراز ہیں:

''ان میں قابلِ ذکر مثنوی ''وسائلِ بخشش'' ہے جس میں ۶۰۲/ اشعار ہیں اور نعت کے علاوہ مناقب بھی ہیں۔ اس مثنوی کا انداز مثنوی کی فضا کے مطابق غزل سے اور خاص طور پر داؔغ اسکول کی غزل سے بالکل مختلف ہے، بہ حیثیت مجموعی یہ اعلیٰ درجہ کی مثنوی ہے۔ ''ذوقِ نعت'' میں اس کی شمولیت ناروا تھی، اس کو علیحدہ کتابی شکل میں طبع ہونا چاہیے تھا۔''[2]

وسائلِ بخشش کا آغاز توحید باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، مولانا نے نہایت اَحسن انداز میں اللہ وحدہٗ لاشریك کی وحدانیت حقیقی کو بصورتِ نظم بیان کیا کچھ دیگر صفاتِ اُلوہیت کا بیان کرنے کے بعد حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں مدحت کے گلدستے پیش کیے اور آخر میں سرکارِ غوثیت

---

[1] استدراک: ''کلیاتِ حسن'' کی ترتیب و تدوین کے دوران امام احمد رضا کی ''نظمِ معطر'' بھی کلیات میں اس لیے شامل ہوگئی کہ وہ حسنؔ بریلوی کی مرتبہ و شائع کردہ کتاب ''وسائلِ بخشش'' کا حصہ تھی۔ ہماری مرتبہ ''وسائلِ بخشش'' کے جدید ایڈیشن میں اس کی وضاحت کر دی گئی تھی، نیز ہمارے مضمون ''حسن رضا بریلوی کی تصنیفی خدمات'' میں بھی اس کا واضح اظہار تھا لیکن ''کلیاتِ حسن'' میں اس کا ذکر نہ ہو سکا، جس پر بعض اہلِ علم نے رہنمائی فرمائی۔ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔ ثاقب قادری

[2] (ماہنامہ سُنّی دنیا، مولانا حسن رضا نمبر 1994ء، صفحہ 16)

مآب میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ پھر سرکار غوث پاک کی گیارہ عدد کرامات کا منظوم ذکر کیا ہے اور دو عدد مناقب بھی تحریر کی ہیں۔

آخر میں مولانا حسن رضا کا تحریر کردہ ''نغمۂ رُوح'' (۱۳۰۹ھ) اور اعلیٰ حضرت کی ''نظم معطر'' (۱۳۰۹ھ) بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی (مراد آباد، ہند) لکھتے ہیں:

> ''(وسائل بخشش کی) پہلی تین مثنویات حمدیہ ونعتیہ ہیں جن میں عشق ومحبت کے جذبات کی تیز آنچ کے ساتھ اَشہبِ فکر کی وہ جُولانیاں بھی نظر آتی ہیں جو مولانا کو 'عاشق سے زیادہ شاعر' اور 'شاعر سے زیادہ عاشق' ثابت کرتی ہیں۔''[1]

''وسائل بخشش'' میں ذکر کردہ کرامات غوثیہ میں سے نو رِوایات لاہور کے معروف صوفی بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف ''تحفۃ القادریہ'' (فارسی) سے لی گئی ہیں، ایک رِوایت شاہ عبدالحق محدث دہلوی[2] رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اخبارالاخیار'' سے لی گئی ہے۔ سہولت کے لیے ہم نے ان گیارہ کرامات کے عنوان جدید ترتیب میں لگا دیے تھے جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) ولادت حضرت غوث الاعظم شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی، (۲) سیّدی غوث اعظم کا ایام شیرگی میں روزہ رکھنا، (۳) حضور غوث پاک کا ایام طفلی میں کھیل کی طرف رغبت کرنا اور ہاتف کی ندا، (۴) حضور غوث پاک کو اپنی ولایت کا علم کب ہوا؟ (۵) حضور غوث پاک سے دایہ کا سوال، (۶) حضور غوث پاک سے بیل کا کلام کرنا، (۷) حضور غوث پاک کا مرید کون؟ (۸) مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا، (۹)

---

[1] (نعت رنگ، جلد 18، امام احمد رضا نمبر، ص 627)

[2] تبصرہ نگار کے زیر مطالعہ یونائیٹڈ پریس لکھنؤ کی مطبوعہ ذوق نعت کا پانچواں ایڈیشن تھا جس میں ناشر نے مولانا حسن رضا علیہ الرحمۃ کی یہ مثنوی بنام ''وسائل بخشش'' شامل کر دی تھی۔ شیخ اُسید الحق محمد عاصم قادری (خانقاہ قادریہ، بدایوں، ہند) کی خصوصی شفقت وعنایت سے مطبع نادری بریلی کا قدیم نسخہ مجھے حاصل ہوا۔ ثاقب قادری

حسین بن منصور حلاّج کی امداد بابت فرمان غوثیہ، (۱۰) مجلس وعظ میں بارش ہونا اور حضور غوث پاک کی نگاہ سے بادل کا چھٹ جانا، (۱۱) حضور غوث پاک کے دیدار کی برکت سے عذابِ قبر جاتا رہا۔

حضرت حسنؔ بریلوی کی اُردو مثنویات بارے ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری اور فارسی مثنویات بارے ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازھری کے تعارفی مقالات کتاب کے دوسرے حصہ میں شامل ہیں۔

☆

صمصام حسن بردابرِ فتن

یہ فارسی مثنوی ہے جو کہ قاضی عبدالوحید فردوسی کے عربی قصیدہ ''آمال الابرار وآلام الاشرار'' کے ہمراہ ۱۳۱۸ہجری (۱۹۰۰) میں مطبع حنفیہ، عظیم آباد سے شائع ہوئی۔ سرِوَرق پر یہ عبارت تحریر ہے:

''الحمدللہ یہ قصیدہ ومثنوی کا مجموعہ لاجواب ہے قصیدہ ومثنوی ندوہ کا جواب ہے مقاصد قصیدہ مذمت دنیا، ترغیب ِعقبیٰ، قدح ندوۂ بدعت، مدح جلسۂ علمائے اہل سنت، دافعۂ فساد منعقدہ عظیم آباد عربی فصیح بے اِرتکاب ضرورات قبیح مع ترجمہ اُردو با محاورہ سلیس بے تکرار قافیہ 170 اشعارِ آبدار نفیس نام تاریخی ''آمال الابرار وآلام الاشرار'' معروضہ خادم سنت و اہل سنت محمد عبدالوحید حنفی فردوسی عظیم آبادی مع مثنوی فارسی بنام تاریخی ''صمصام حسن بردابرِ فتن''، تصنیف لطیف فصیح بے مثال بلیغ نازک خیال محبِ سنت عدو بدعت جناب مولانا مولوی محمد حسن رضا خان حسنؔ قادری برکاتی بریلوی صین عن المحن اس میں بطرزِ جدید و بیان مفید نیچریہ وندویہ وروافض ووہابیہ کا ردِّ جلیل اور علمائے اہلِ سنت حضارِ جلسۂ عظیم آباد کی مدح جمیل باہتمام بندہ منتظم تحفۂ مبارکہ حنفیہ (شائع ہوئی۔)''

اس مثنوی میں یہ عنوانات شامل ہیں:

تبری از آلہہ مخترعہ بدعیان بحضرت الہ حق سُنّیاں، نعت شریف، کشف استار ندوۂ نابکار، باحکیم پریشان مداح ندوہ خطاب دوستانہ نمودن باربحال ندوہ رجوع فرمودن، بزم آرائی خامۂ مشکین سواد درمدح طرازی مجلس علمائے اہل سنت واقع عظیم آباد شامل ہیں۔ آخری عنوان

کے تحت جن علمائے اہل سنت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے، اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

''تاج الفحول محبِّ رسول علامہ عبدالقادر بدایونی، عین الحق شاہ محمد عبدالمجید بدایونی، معین الحق سیف اللہ المسلول شاہ محمد فضل رسول بدایونی، شاہ امین احمد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، مطیع الرسول مولانا عبدالمقتدر بدایونی، حکیم عبدالقیوم بدایونی شہید مرحوم، سیّد عبدالصمد سہسوانی، مولانا حکیم محمد سراج الحق صاحب مقیم علی گڑھ، محدث سُورتی وصی احمد، ابوالذکاء مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری، مولوی عنایت اللہ رام پوری، مولوی ہدایت اللہ خان جون پوری، مولانا عبدالغفار خان رام پوری، مولوی ظہور الحسین رام پوری، شاہ محمد حسین، شاہ احمد علی صاحب نقشبندی، مولوی عبدالسلام قادری برکاتی جبل پوری، شاہ محی الدین، سیّد محسن کان پوری، مولوی رمضان، مولوی عبدالکافی مولوی عبدالطیف، محمد عبدالعزیز مظفر پوری، مولوی عبدالمجید، مولوی بشارت کریم، حافظ محمد بخش، مولوی نبی بخش، شاہ عزیز الدین قمری، شاہ محمد امیر، مولوی سید اعظم شاہ جہانپوری، ، شاہ نصیر الحق، شاہ وحید الحق، مولوی فضل المجید بدایونی، حکیم خلیل الرحمن پیلی بھیتی، حکیم مومن سجاد کان پوری، اعجاز حسین رام پوری، مفتی حامد رضا خان بریلوی، مولوی عبیداللہ الہ آبادی، مولوی عبدالرحیم اور مولوی محمد علی ارشد صاحب۔

مفتی عبدالمنان اعظمی قصیدہ ''آمال الابرار'' (عربی) اور مثنوی ''صمصام حسن'' (فارسی) کو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تصنیف قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''عربی اور فارسی پر آپ (یعنی مولانا احمد رضا) کی دست گاہ ان قصائد سے ظاہر ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ بہت سے قصائد جو اپنے احباب و اصحاب کے نام سے کبھی تحریر فرمائے ہیں مثلاً ''آمال الابرار''، ''صمصام حسن'' وغیرہا ان کے دیکھنے سے اعلیٰ حضرت کی ادبیت اور فصاحت و بلاغت کا قدرے علم ہو سکتا ہے۔''[1]

---

[1] (حیات صدر الشریعہ: ۳۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور)

قصیدہ ''آمال الابرار'' سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے ہم یہاں مثنوی ''صمصام حسن'' کی بابت کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ''صمصام حسن'' کو اس سے قبل کسی محقق رضویات نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں شمار نہیں کیا۔ دوم یہ کہ اس مثنوی میں جہاں دیگر علماء کی مدح میں اشعار ہیں وہیں اعلیٰ حضرت کی شان میں بھی اشعار موجود ہیں۔ اگر مفتی صاحب کے قول کو تسلیم کیا جائے تو پھر ذیل کے اشعار کس کے تحریر کردہ ہیں؟:

کعبۂ دیں حضرتِ احمد رضا　　عالم سنت ہمہ نورِ ضیا
ماہِ دل افروز عروج جمال　　مہر عدو سوز بروج جلال
رِفعت او بیں کہ بملک حجاز　　دست بزرگان بدعایش دراز
از عمل و علم سر افراز گشت　　معجزۂ صاحب اعجاز گشت
آیۂ رحمت ز کتاب کرم　　مایۂ نعمت پئے خیر الامم ﷺ
حامی و دمساز طریق حسن　　خانہ بر انداز شرور و فتن
ابتری نجدیہ از نامہ اش　　رفض کش و ندوہ شکن خامہ اش
وقف ثنایش ز عرب تا عجم　　گمرہ اگر مدح نگوید چہ غم
گوبد و بدگوئے بشو طعنہ زن　　مرد خدا را چہ غم از طعنہ زن
خاک سوئے ماہِ جہاں تاب ریز　　ہم سرو روئے تو شود خاک بیز
بدر کہ تابید بہ انوارِ خوش　　کار ندارد بہ سگ و عوعوش
شیر نہ ترسد ز ہیا ہوئے خوک　　بحر نہ رنجد ز لکد کوب غوک

یہ مثنوی اور قصیدہ ندوۃ العلما کے جلسہ منعقدہ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء کی تردید میں مجلس علمائے اہل سنت کے جلسہ منعقدہ عظیم آباد (پٹنہ) میں پیش کیے گئے۔ اور ندوہ کے جلسہ میں پیش کردہ قصیدہ اور مثنوی کا جواب دیا گیا نیز علمائے اہل سنت وحُضّار جلسۂ عظیم آباد کی مدح سرائی کی گئی۔

☆

ثمرِ فصاحت

حضرت حسنؔ بریلوی کو فصیح الملک مرزا داغ دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔ یہ غزلیہ مجموعہ داغ دہلوی کی اقتدا میں ہی لکھا گیا۔ دیوان تو مولانا کی حیات میں ہی ترتیب پا گیا تھا مگر اشاعت آپ کے وصال کے بعد ہوئی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ ثمرِ فصاحت کا مادہ تاریخ ۱۳۱۹ھ ہے اور مولانا کا وصال ۱۳۲۶ھ میں ہوا۔ ''ثمرِ فصاحت'' کی طباعت پر جو تاریخی قطعات رقم کیے گئے ان سے ۱۳۲۶ھ، ۱۳۲۷ھ اور ۱۳۲۸ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ چنانچہ منشی شریف خان صاحب، علی احسن میاں احسنؔ مارہروی، نور محمد انورؔ، سید تجمل حسین شاہ تجملؔ، حافظ خلیل الدین حافظؔ، منشی دوارکا پرشاد حلمؔ بریلوی، سید محمد طاہر علی طاہرؔ، سید مسعود غوث فیضؔ، منشی برج موہن کشور فیروزؔ بریلوی، اور نواب ناظم علی خان ہجرؔ شاہ جہان پوری نے ۱۳۲۷ ہجری جبکہ منشی محمد حسن اثرؔ بدایونی نے ۱۳۲۸ھ اور منشی سید تہور علی تہورؔ، سید محمود علی عاشقؔ بریلوی، منشی ہدایت یار خان قیسؔ بریلوی اور اعجاز احمد مراد آبادی (کاتب دیوان) نے ۱۳۲۶ ہجری پر قطعات رقم کیے ہیں۔

ثمرِ فصاحت میں کل ایک سو نوے (۱۹۰) غزلیں شامل ہیں، آخر میں ایک سہرا ہے جو کہ مولانا نے اپنے برادرِ اصغر مولانا رضا علی خان عرف 'ننھے میاں' کی شادی پر رقم کیا اور پھر کچھ متفرق اشعار کے بعد تاریخی قطعات ہیں۔ ''قند پارسی'' جو کہ مولانا کا فارسی کلام ہے وہ بھی ''ثمرِ فصاحت'' کے آخر میں ہے۔

لالہ سری رام لکھتے ہیں:

''آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی، سادگی، بندش اور شوکتِ الفاظ کے علاوہ پُر درد اور مؤثر بھی، طرزِ بیان میں سادگی کے ساتھ تیکھا

پن غضب کا ہے۔ تعقید اور آورد کا شروع سے آخر تک نام ونشان بھی نہیں ہے۔ اکثر مصرع ثانی کی نسبت مصرع اُولیٰ کے الفاظ کو اُلٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرع ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں کی جا سکتی، بول چال اور محاورات میں بھی صَرف گیری کی کم گنجائش ہے۔ الغرض آپ کا مذاق شعر پاکیزہ اور اُسلوب بیان قابل تعریف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داؔغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔‘‘[1]

’’ثمرِ فصاحت‘‘ کی کم یابی کی وجہ سے بعض حلقوں میں شکوک وشبہات نے راہ پائی اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں جنم لیتی رہیں چنانچہ پروفیسر منیر الحق کعبیؔ اپنے مقالہ میں لالہ سری رام کے اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ ’’آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا‘‘ تو یہ حقیقت نہیں‘‘

مزید کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

’’یہ درست ہے کہ بہت سے شعرا کا کلام محفوظ نہیں رہا ان کے مسودات گم ہو گئے، حسنؔ بریلوی کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا۔‘‘

مولوی عبد العزیز خان بریلوی لکھتے ہیں:

’’آپ کے کلامِ مجاز سے فضا رنگین اور نعت شریف سے ہوئی معنبر۔ تین دیوان تو گم ہو گئے ’’ثمرۂ فصاحت‘‘ اور ’’ذوقِ نعت‘‘ شائع ہوئے۔‘‘[2]

اس کے بعد پروفیسر صاحب اپنا تبصرہ رقم کرتے ہیں:

’’ہمارے خیال میں مولانا حسنؔ بریلوی کے ساتھ کچھ معاملہ اور بھی ہو سکتا ہے، اس میں ممکن ہے اس پاکیزہ مسلک کا بھی ہاتھ ہو جو مولانا کو ایک غزل گو اُستاد کے بجائے ایک عالم دین اور نعت گو کے رُوپ میں دیکھنا چاہتا ہو۔ عبد العزیز بریلوی نے ان کے دیوان غزلیات کا نام ’’ثمرۂ فصاحت‘‘ لکھا ہے، راجا رشید محمود نے ’’ثمرِ فصاحت‘‘۔ ہمارا

---

[1] روایت کی اہمیت، از ڈاکٹر عبادت بریلوی، ص ۲۶۵

[2] تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی، ص ۲۸۷ مطبوعہ مہران اکیڈمی، کراچی

اِدراک کہتا ہے کہ یہ نام ان کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' کی طرح تاریخی ہیں۔ ''ثمرۂ فصاحت'' [۱۳۲۴ھ] اور ''ثمرِ فصاحت'' [۱۳۱۹ھ] بنتے ہیں اور یہ دونوں سنین اُن کے وصال ۱۳۲۶ھ سے قبل کے ہیں۔ دوبارہ کلامِ حسن کا نہ چھپنا بھی ہمارے مؤقف کی تائید کرتا ہے۔''[1]

قارئین کرام! مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات روشن ہے کہ پروفیسر صاحب کے پاس ''ثمرِ فصاحت'' کا کوئی نسخہ موجود نہ تھا، اسی لیے وہ تبصرہ کرتے ہوئے بہت دُور نکل گئے۔ جبکہ حقیقت وہی ہے جو لالہ سری رام نے بیان کی یعنی'' آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا'' اگرچہ ''ثمرِ فصاحت'' سے ۱۳۱۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ دیوان ۱۳۱۹ھ میں ترتیب دیا گیا: مگر اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی۔ پروفیسر صاحب نے مولانا کی شخصیت کی دینی جہتوں اور مسلک کے حوالے سے غزلیہ دیوان کی اشاعت کی بابت مزید جو کچھ رقم کیا ہے، اُس کا بھی حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس ضمن میں ہم کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ ''ثمرِ فصاحت'' کی اشاعت مولانا حسن رضا کے وصال کے تقریباً ایک سال بعد ہوئی۔

۲۔ یہ اشاعت مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا حکیم حسین رضا خان کی فرمائش پر ہوئی چنانچہ ''ثمرِ فصاحت'' کے سرِوَرق پر یہ عبارت تحریر ہے: ''بفرمائش ابن اکبر حضرت مصنف مرحوم مولوی حاجی حکیم محمد حسین رضا خان قادری بوالحسینی بریلوی سلمہ المولیٰ القوی عن شر کل غوی''

۳۔ اہل سنت کے معروف تبلیغی و اشاعتی ادارہ ''مطبع اہل سنت و جماعت'' بریلی سے یہ دیوان شائع ہوا، چنانچہ سرِوَرق پر تحریر ہے: ''مطبع اہل سنت و جماعت بریلی میں طبع اہل عشق ہوا۔''

۴۔ ''ثمرِ فصاحت'' میں شامل قطعات (جو کہ آگے نقل کیے جارہے ہیں) سے ۱۳۲۶ھ، ۱۳۲۷ھ اور ۱۳۲۸ھ کے سنین ملتے ہیں۔

---

[1] نگارستان لطافت، ص ۱۳ مطبوعہ مسلم کتابوی، لاہور

۵۔ حضرت امام احمد رضا خان اس دیوان کی اشاعت کے بعد تقریباً بارہ تیرہ سال یعنی ۱۳۴۰ھ تک حیات رہے، آپ سے اس دیوان کے متعلق کوئی مثبت یا منفی رائے منقول نہیں ہے۔

۶۔ حضرت صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے مطبع اہل سنت و جماعت سے شائع شدہ کتاب ''ذوقِ نعت'' کے آخر میں ''ثمر فصاحت'' کا اشتہار ان الفاظ میں شائع کیا:

''حضرت حسن رضا خان صاحب حسن مرحوم کا دیوانِ عاشقانہ''

مذکورہ بالا نکات کو پیش نظر رکھیں تو ''ثمرِ فصاحت'' کے متعلق ایسی قیاس آرائیاں اپنا وجود کھو دیتی ہیں، نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مولانا حسن رضا نے غزلیہ شاعری کو کبھی بھی ترک نہ کیا ،البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حج کی ادائیگی اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری کے بعد طبیعت کا زیادہ میلان نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب ہوگیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسن نے ابتدا سے ہی نعتیہ اور غزلیہ دونوں قسم کی شاعری پر بھر پور توجہ رکھی بلکہ مولانا کی بعض نعتیں اور غزلیں ایک ہی زمین میں ہیں جس کی مثالیں ہم نے اپنے الگ مقالہ میں ذکر کی ہیں۔

پس ''ثمر فصاحت'' کی اشاعت بفرمائش مولانا حسین رضا خان ہونا، پھر اہل سنت کے ممتاز ادارے مطبع اہل سنت و جماعت سے ہونا (جوکہ اس وقت بدمذہبیت کے تعاقب میں پیش پیش تھا) اور پھر اعلیٰ حضرت کی حیات میں ہونا، سے واضح ہوتا ہے کہ ان جلیل القدر علمی شخصیات کے نزدیک اس دیوان میں ایسی کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی ورنہ یہ حضرات اس کو شائع نہ کرتے یا پھر اشاعت کے وقت حذف کر دیتے، یا کم از کم بعد میں ہی کوئی توضیحی یا تردیدی نوٹ شائع کر دیتے۔

مولانا حسن رضا کے اَحوال کی بابت تحقیق کرنے والے جانتے ہیں کہ مولانا اپنی دینی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ادبی خدمات بھی سر انجام دیتے رہے، ادبی مشاعروں میں شریک ہوتے اور باقاعدہ فروغ ادب کے لئے کوشاں رسائل وجرائد کی سرپرستی کرتے رہے۔

چنانچہ ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیبؔ اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

''ان کی (یعنی مولانا کی) نگرانی اور سید محمود علی عاشقؔ کی ادارت میں ماہنامہ ''بہار بے خزاں'' اور ہفتہ وار ''روز افزوں'' بھی جاری ہوا، جو اس عہد کے مطابق پاکیزہ ادب پیش کرتے تھے۔''[1]

لٰہذا مولانا کی دینی اور مسلکی خدمات کے ساتھ ساتھ ادبی خدمات کو بھی بنظرِ تحسین دیکھنا چاہیے نہ کہ ان کو مسلک کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

ثمر فصاحت کی اشاعت پر متعدد اہل علم و فضل نے تاریخی قطعات رقم کیے جنہیں یہاں نقل کیا جاتا ہے:

منشی شریف خان صاحب آزادؔ (مہتمم جلوۂ یار، میرٹھ)

سنائے کلکِ مقطوع اللّسان کیا ... حسنؔ سے شاعر خوش گو کی مدحت
رہا راضی رضائے حق میں تا زیست ... رضا ہی کے لقب سے پائی شہرت
اب اس مرحوم کا چھپتا ہے دیوان ... زمانے میں ہو خوب اس کی اشاعت
ہے یہ جلوہ گاہ حسنِ خوباں ... کہ ہے ہر ماہ رُو کی اس میں صورت
فصاحت میں جو ہے ہم رنگ مومنؔ ... نظر آتی ہے غالبؔ کی بلاغت
کہاں کی فکر سالِ طبعِ آزاد ... **''چلو دیکھو خیابان فصاحت''**

۱۳۲۷ھ

دیگر فارسی

زہے فکر حسن صد آفرینش ... کہ ہر شعر ورا جان حزیں است
کنوں دیوان او آن طبع گردید ... چو رونق بخش بزم شائقین است
سر بیتش ادا ابرو کمان را ... کہ ہر مصرع خدنگ دل نشیں است

---

[1] ماہنامہ سُنّی دنیا، حضرت حسن رضا نمبر، ص: ۱۰

بیان ہر دو مصرع فرق دل جو سطورش کاکلانِ نازنیں است
بہر نقطیکہ یابد حسن خوباں دوائر چشم جان ناظرین است
کلام اے دل چنیں شیریں ترش زد نمایاں صاف کیف انگبیں است
چہ اوصاف حسنؔ آزاد گویم ہمیں خاقانی و بے دل ہمیں است
قلم را بر زبان ایں سال طبعش **"ہمیں دیوان مرات عاشقیں است"**

۱۰۰ + ۱۸۰۹ــــ۱۹۰۹ء

جناب علی احسن میاں صاحب المتخلص احسنؔ سجادہ نشیں مارہرہ شریف

الٰہی حیّ و قائم ایک تیری ذات ہے ورنہ
یہ کیا موہوم ہستی ہے یہ کیا دنیائے فانی ہے
یہ دنیا جس کی ہستی پر ہمیں غرّہ ہے کیا کیا کچھ
یہ عالم جس میں حاصل ہم کو فخر زندگانی ہے
حقیقت اس کو گویا سیمیا کی سی نمائش ہے
یہاں جو شکل پیدا ہوتی ہے وہ آنی جانی ہے
ابھی یہ بات ہے کل کی کہ تھے زندہ حسنؔ ہم میں
مگر دیکھو تو کیا آج انقلاب آسمانی ہے
کہ وہ شہر خموشاں میں ہیں باتیں رہ گئیں ان کی
انہیں باتوں کو حاصل اب حیات جاودانی ہے
وہ باتیں سر بسر گویا سخن سنجوں کی باتیں ہیں
کہ جن میں عاشقانہ رنگ کی شیریں زبانی ہے
انہیں باتوں سے باتوں باتوں میں اک بن گیا دیواں
کہ جس کی ہر غزل سرمایہ دار خوش بیانی ہے

یہ غزلیں ہیں کہ باتیں ہیں بہم معشوق و عاشق کی
یہ نظمیں ہیں کہ دریائے مضامیں کی رَوانی ہے
اسی دیوان کے چھپنے کی یہ تاریخ ہے احسنؔ
حسنؔ سے پاک شاعر کی یہ دیواں اب نشانی ہے

۱۳۲۷ھ

منشی محمد حسن صاحب اثرؔ بدایونی تلمیذ حضرت حسنؔ بریلوی

گلستانِ عالم میں آئی بہار — شگفتہ ہوئے پھول چہکے ہزار
بڑھا جوش تازہ ہوئے داغِ غم — عنادِل کے دل بن گئے لالہ زار
چمن میں وہ پھولوں کا جوشِ نمو — پیادہ بھی سب آج کل ہیں سوار
بڑھی وحشتِ دل گھٹی تابِ ضبط — بنے شہر بن، گھر بنے کوہسار
گھٹا آئی بڑھ کر چمن کی طرف — ہوئے خرام مستی میں سب بادہ خوار
جہاں سے یہاں تک کدورت مٹی — کہ صیقل بنا آئینے کو غبار
حسینوں کے عالم کا کیا ہو بیاں — قیامت کا جوبن غضب کا نکھار
خدا ساز رنگ جوانی و حسن — پھر اس پر بناوٹ سجاوٹ سنگھار
جلائیں گے عالم کو یہ شعلہ رو — ہوا کھانے جاتے ہیں ہو کر سوار
جو گھبرا اُٹھے گرمی حسن سے — ٹہلنے چلے ہیں لب جوئبار
یہ موسم یہ رنگ زمانہ یہ جوش — نکلتا ہے پردے سے اک گلعذار
عجب دل رُبا عشوہ گر شوخ و شنگ — پری وش حسین نوجوان طرح دار
اَدا اُس کی غارت گر عقل و ہوش — نگہ اُس کی مستی میں بھی ہوشیار
اَدا دل رُبا، دل اَدا پر فدا — سخن جانفزا، جان سخن پر نثار
وہ محبوبِ عالم وہ مقبولِ خلق — نہیں جس کے عشاق کا کچھ شمار
بتاؤں وہ ہے کون کس کا ہے ذکر — کروں میں اب اس بھید کو آشکار

وہ دیوان ہے میرے اُستاد کا　　بہت جس کے چھپنے کا تھا انتظار
وہ چھپ کر نکلتا ہے مطبع سے آج　　خبردار ہشیار جادو نگار
پڑھیں اس کو دیکھیں اُٹھائیں مزے　　اگر جان صدقے تو ہو دل نثار
اثرؔ میرے دل نے کہا بہر سال　　**دل افزا کلام حسنؔ**، چار بار
۲ ۳ ۳ ۱ + ۴۔۔۔۱۳۲۸ھ

دیگر

چھپا اے اثرؔ جو کلام حسنؔ ۹۴۱
کھلا ہے زمانہ میں زیبا چمن۳۸۷
۱۳۲۸ھ

دیگر

وہ بے عیب باپایہ دیوان ہے ۲۱۲
کسی کو نہیں اس میں جائے سخن ۱۱۱۶
۱۳۲۸ھ

مصنف جناب حسنؔ سا ادیب ۵۱۲
فصیحِ جہاں اُستادِ زمن ۸۱۶
۱۳۲۸ھ

وہی ہے بجا جو کہ فرما دیا ۴۰۷
سند کی ہے یہ شاعری اہل فن ۹۲۱
۱۳۲۸ھ

زباں صاف و شیریں ہے اچھا بیاں ۸۹۵
کلام حسنؔ ہے کلام حسن ۴۳۳
۱۳۲۸ھ

دیگر

کس طرف سے آج نکلا مجلس آرا ماہتاب
۱۳۲۸ھ
واہ رے روئے شاہد معنی کی اُٹھی ہے نقاب
۱۳۲۸ھ
شاہد طناز دل بر بے عدیل و بے مثال
۱۳۲۸ھ
ہاں ہے لاثانی اَدا ہاں اس کی باتیں لاجواب
۱۳۲۸ھ
خوش اَدا بھی کون کہیے جس کو دیوان حسنؔ
۱۳۲۸ھ
واہ جی اچھا لکھا جو ہے جہاں میں انتخاب
۱۳۲۸ھ
اس کے کچھ اَوصاف روشن گن سکیں ممکن نہیں
۱۳۲۸ھ
ہیں نوادِر اس میں بے حد خوبیاں ہیں بے حساب
۱۳۲۸ھ
او اثرؔ اُستاد کا دیوان چھپا کہہ ”یا وھّاب“
زندگی دنیا میں ہو دائم زمانہ فیضیاب
۱۳۲۸ھ

نور محمد صاحب انورؔ مدرس مدرسہ ہاشمیہ بمبئی

واہ کیا اچھا چھپا دیوانِ مولانا حسنؔ
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ لطافت دیکھنا

پردۂ الفاظ میں ہے شاہد معنی نہاں
ہے مجازی میں عیاں رنگ حقیقت دیکھنا
ہاتف غیبی نے یہ تاریخ اے انورؔ کہی
حُسن ابیات حسنؔ ہے اک قیامت دیکھنا

۱۳۲۷ھ

دیگر

چست بندش صاف معنی شوخ مضموں نیک فکر
کیوں نہ ہو پھر خوبیوں میں ایک دیوان حسنؔ
مصرعۂ تاریخ انورؔ طبع دیوان کا لکھو
چھپ کے دیوانِ حسنؔ کیا کیا بڑھا حسن سخن

۱۳۲۷ھ

حاجی سید تجمل حسین صاحب تجملؔ چشتی نظامی فخری جلال پوری

بھرا ہے حسن دیوانِ حسنؔ میں — غضب کی ہر غزل میں سادگی ہے
متانت میں قیامت کی ہے شوخی — زباں پاکیزہ بندش چلبلی ہے
ہے دوہرا لطف انداز بیاں میں — بلاغت میں فصاحت وہ بھری ہے
مجازی رنگ میں رمز حقیقت — کمال ظاہری و باطنی ہے
وہ دیکھیں شاہد معنی کا جلوہ — جنہیں چشم بصیرت حق نے دی ہے
ہیں ظاہر میں تو شعر عاشقانہ — مگر باطن میں مطلب اَور ہی ہے
تجملؔ ایک ناجیؔ مہرباں کی — پیٔ تاریخ فرمائش ہوئی ہے
سکوت اچھا نہیں ہے بے تامل — مناسب مجھ کو کہہ دینا یہی ہے
مضامیں ہیں امیرؔ نامور کے — **زباں اس میں جنابِ داغؔ کی ہے**

۱۳۲۷ھ

منشی سید تہور علی صاحب تہورؔ تلمیذ حسنؔ بریلوی

بولے سب دیوان حسنؔ کا دیکھ کر بے بہا ہے یہ حسنؔ کی یادگار
یہ تہورؔ نے کہے ہیں سال طبع **خوش اَدا ہے یہ حسنؔ کی یادگار**

۱۳۲۶ھ

مولانا قاضی حافظ محمد خلیل الدین صاحب حافظؔ رئیس پیلی بھیت

کلام مجاز جناب حسنؔ وحید زمانہ فرید زمن
چھپا جب تو حافظؔ نے مصرع کہا **"چھپا عاشقانہ ترانہ حسنؔ"**

۱۳۲۷ھ

جناب سید محمود علی صاحب عاشقؔ و حمدؔ بریلوی تلمیذ حسنؔ بریلوی

چلبلے شعر پھڑکتی تقریر جیسے معشوق کوئی شوخ و شریر
طبع دیوان حسنؔ کے ہیں یہ سال **کھنچ گئی حُسن کی دل کش تصویر**

۱۳۲۶ھ

دیگر

واہ تصنیف حسنؔ کیا بات ہے تُو نے صورت شاعری کی کھینچ دی
حسن بندش کی صفا وہ دل کشا بند ہو جس طرح شیشے میں پری
اس کی ہر ہر بیت میں اک بات ہے اس کی ہر ہر بات ہے شوخی بھری
جان دیں کیوں کر نہ اس پر اہل عشق ہے اَدا اس کی نکیلی چلبلی
حرف حرف اس کا ہے اک تلوار تیز لفظ لفظ اس کا ہے اک چلتی چُھری
شاعروں کا دل نہ ہو کیوں کر فدا شاعروں کی ہے اسی سے زندگی
ہر مسلسل شعر زلف حور ہے ہر غزل میں حسن مضمون ہے پری
فقرے فقرے سے فصاحت ہے عیاں جملے جملے میں بلاغت ہے بھری

نقطہ نقطہ گوہر شہوار ہے
کلمہ کلمہ ہے جواہر کی لڑی
کہنے کو یہ فیض سب ہیں داغ کے
پر طبیعت ہی غضب کی پائی تھی
خود نما ہونے کو ہے حسن سخن
اور تم نے حمدؔ اتنی دیر کی
پردۂ تاریخ اُٹھا کر کہہ بھی دو
طبع کے دو سال ہیں سن لیں سبھی
''دیکھیں واقف کار چشم شوق سے''
''ہے یہ مرآت جمال شاعری''

۱۳۲۶ھ

دیگر

میرے اُستاد کا وہ دیوان ہے
ہے ہر اک شعر جس کا برجستہ
دونوں مصرع ہر ایک شعر میں ہیں
شکل ابروئے یار پیوستہ
بندشیں ہیں کہ دامن گل سے
آرزوئے ہزار وابستہ
ہیں مضامین شگفتہ و تازہ
ہر غزل حسن کا ہے گلدستہ
طبع دیوان کے سال کہہ دو حمدؔ
شمع بزم کلام شائستہ

۱۳۲۶ھ

دیگر

واہ دیوان حسنؔ ہے کہ صنم خانہ ہے
چرچے اُلفت ہی کے ہیں حسن ہی کی باتیں ہیں
ناز و انداز و تکبر کے کرشمے ہیں کہیں
منتیں ہیں کسی جانب سے مداراتیں ہیں
دل مشتاق کو حاصل ہے کہیں روزِ وصال
جانِ عشاق پہ فرقت کی کہیں راتیں ہیں
جتنے اشعار ہیں دیوانِ حسنؔ میں اے حمدؔ
حسن کو عشق کی سب نذریں ہیں سوغاتیں ہیں

ہے سن طبع ہر اک بیت کے اوصاف میں یہ
چاہنے والوں کی معشوقوں سے دو باتیں ہیں

۱۳۲۶ھ

دیگر

سنا ہے چھپتا ہے اب وہ دیواں، زمانہ جس کا تھا دل سے خواہاں
جو حسن و اُلفت کی ہے دل و جاں، یہی وہ تصنیف ہے حسنؔ کی
یہی وہ دلکش سخن ہے اے دل کہ جس کو سنتے ہی اہل محفل
تڑپ رہے ہیں مثال بسمل خبر نہیں کچھ بھی تن بدن کی
کلام ہے یہ کہ سحر و افسوں غضب کے جادو بھرے ہیں مضموں
کہ ساری محفل ہے مست و مفتوں عجیب حالت ہے انجمن کی
کہیں ہیں سیدھی نظر کے نقشے، کہیں ہیں ترچھی نظر کے شکوے
کہیں مرقع ہے سادگی کا کہیں ہے تصویر بانکپن کی
کہیں نزاکت کے ماجرے ہیں کہیں تبسم کے تذکرے ہیں
چمکتی توصیف ہے کمر کی مہکتی تعریف ہے دہن کی
کرے گا مدحت کوئی کہاں تک کہ اَوج مضموں ہے لامکاں تک
بلندیٔ شعر عرش پر ہے، زمیں فلک پر ہے اس سخن کی
ہزار دل سے فدا ہے بلبل نثار ہے لاکھ جان سے گل
ثمر فصاحت کا حمدؔ کیا ہے کلی ہے گویا دل چمن کی
کریں نہ کیوں کر نثار اس پر شمیمیں عطر بہار لا کر
بہاریں لاکھوں ہیں ایک گل میں بسی ہیں رُوحیں چمن چمن کی
گل مضامیں کی رُوح کھینچ کر نثار ہونے نہ آئے کیوں کر
وہ پیاری پیاری وہ بھینی بھینی سہانی دل کش ہے بو دلہن کی

ہوں ایسے تاریخ کے گل تر کہ جس کی نکہت ہو رُوح پرور
نئی نویلی بنی سجیلی ہے نوجواں یہ دلہن سخن کی

۱۳۲۶ھ

دیگر

کلام حسنؔ چھپ رہا ہے یہ سن کر — خدا کی قسم حمدؔ میں ہو گیا خوش
حسینؔ اور حسنینؔ و فاروقؔ الٰہی — رہیں دونوں عالم میں تینوں سدا خوش
انہیں نے کیا طبع مطبوع دیواں — انہیں نے دل اہلِ سخن کا کیا خوش
اَدا باپ کا حق کیا ہے انہیں نے — مرادیں ملیں سب رہیں دائما خوش
کہے طبع دیوان کے یہ سال میں نے — **چھپی یادگارِ حسنؔ دل ہوا خوش**

۱۳۲۶ھ

منشی دوارکا پرشاد صاحب حلمؔ بریلوی تلمیذ حضرت حسنؔ بریلوی

چھپ گیا دیوان میرے اُستاد کا — آج دنیا میں ہے لاثانی یہ نظم
ایک عالم کو مسخر کر لیا — دل کش و دل چسپ ہے کیسی یہ نظم
ہر جگہ ہر سمت شہرہ ہو گیا — ہو گئی آفاق میں نامی یہ نظم
بندشیں اچھی ہیں اچھی ہے زباں — الغرض ہر طرح ہے اچھی یہ نظم
خوب نظارہ کریں اہل سخن — ہے جمال شاہد معنی یہ نظم
دیتا ہے آنکھوں کو فرحت یہ کلام — بخشتی ہے دل کو بشاشی یہ نظم
عیسوی میں حلمؔ کہہ دو سال طبع — نادر و بے مثل ہے کیا ہی یہ نظم

۱۹۰۹ء

دیگر

واقعی اَنمول یہ دیوان ہے — اس کے آگے لعل و گوہر چیز کیا

کوئی ہجری میں جو پوچھے سالِ طبع — حلمؔ کہہ دو "ارمغاں ہے بے بہا"

۱۳۲۷ھ

دیگر

پھیلی ہر ایک سمت ضیا اس کلام کی — خورشید کی طرح یہ سخن ہے جہاں فروز

سمبت میں طبع ہونے کی تاریخ دل پسند — کہہ دو یہ حلمؔ خوب چھپی نظم جاں فروز

۱۹۶۵ بکرمی

سیّد محمد طاہر علی صاحب طاہرؔ از کمپ فتح گڑھ ضلع فرخ آباد

چھپا فضل الٰہی سے وہ دیوان حسنؔ طاہرؔ

کہ جس کی ہند میں کیا گلشن عالم میں شہرت ہے

ہوئی جب فکر تاریخ مسیحی کی تو برجستہ

عنادِل نے کہا کہہ دیجئے "باغِ متانت" ہے

دیگر

جب مدوّن ہوا کلام حسنؔ — کہہ دیا سب نے انتخاب ہے یہ

حرف منقوط میں ہیں ہجری سنہ — روکش باغ و لاجواب ہے یہ

۱۳۲۷ھ

حکیم سیّد مسعود غوث صاحب فیضؔ تلمیذ مصنف مرحوم

للہ الحمد آج وہ دیوان چھپا ہے بے مثال

طرز ہے جس کی جدا مضموں نئے بندش عجب

فکر تھی اے فیضؔ ہم کو اس کے سال طبع کی

دی ندا ہاتف نے کہہ دے ایک دُرِّ منتخب

۱۳۲۷ھ

منشی برج موہن کشور فیروزؔ بریلوی تلمیذ حضرت حسنؔ بریلوی

سخن سنجوں کو مژدۂ جاں فزا ہو	جناب حسنؔ کا چھپا آج دیواں
یہ وہ نظم ہے جس کا چرچا ہے گھر گھر	یہ وہ ہے بیاں جس کے سب ہیں ثنا خواں
غزلیات سب پُر ضیا پُر صفا ہیں	ہے مطلع ہر اک مطلع مہر تاباں
ڈھلا ہے ہر اک شعر سانچے میں اس کا	ہے مقطعوں سے شانِ بلاغت نمایاں
اگر صاد ہے غیرت روئے دل بر	تو عین اس کا ہے رشکِ چشم حسیناں
حروف و نقاط اس قدر خوش نما ہیں	رہے دیکھ کر عقل انسان حیراں
ہے اس بے بہا نظم کا نقطہ نقطہ	عوض حاصل ہفت اقلیم ارزاں
صفت ہو جو اس کی وہ ہے اس کے لائق	جو ہو قدر اس کی وہ ہے اس کے شایاں
رہے طبع کا سال فیروزؔ اس کی	**حسنؔ نے کیا نظم کیا خوب دیواں**

۱۹۰۹ء

دیگر

چھپا جناب حسنؔ کا جو لاجواب کلام	ہر ایک کہہ اُٹھا بے ساختہ سبحان اللہ
گر ہے سال اشاعت کی فکر لکھ فیروزؔ	**کہی ہے خوب جناب حسنؔ نے نظم یہ واہ**

۱۹۰۹ء

منشی ہدایت یار خان صاحب قیسؔ بریلوی تلمیذ حضرت حسنؔ

جوہر فکر حسنؔ واہ تیرا کیا کہنا
دُر مضمون ہیں کہ ہیں لعل جڑے مینے میں
شعر ہیں یا یہ کوئی درد بھرے نالے ہیں
دل پھڑک جاتے ہیں سن سن کے انہیں سینے میں
طبع دیوان حسنؔ کے یہ لکھو سال اے قیسؔ
عشق عشاق کھلا حسن کے آئینے میں

۱۳۲۶ھ

ابوالخیال نواب ناظم علی خان ہجرؔ شاہ جہانپوری شاگرد حضرت داغؔ

واہ کیا دلکش ہے دیوانِ حسنؔ
کون سا دیوان ہے اس کا جواب
ہجرؔ تم لکھ دو برائے سال طبع
ہے کلام بے نظیر و لاجواب
۱۳۲۷ھ

دیگر

کیا شان ہے کیا آن ہے دیوان حسنؔ کی
کیوں ایک زمانے کی نہ ہو آنکھ کا تارا
اشعار وہ اشعار کہ دل لوٹ ہے جن پر
بندش بھی قیامت کی ہے پھر رنگ بھی پیارا
تاریخ اگر آپ سے پوچھے کوئی اے ہجرؔ
کہہ دیجیے ''گلدستۂ اشعارِ دل آرا''
۱۳۲۷ھ

دیگر

سنتے ہیں آج طبع کلام حسنؔ ہوا
یہ وہ خبر ہے جس سے ہے خوش ہر جوان و پیر
تاریخ طبع کی جو ہوئی فکر مجھ کو ہجرؔ
دل نے کہا ''کلام دل آویز و بے نظیر''
۱۳۲۷ھ

در صنعت صوری و معنوی

مطبوع چو شد دیوانِ حسنؔ گفت اہل سخن اہل سخن
دل خوش کن دلبر فرحت آگیں نسخہ زیب طبع شدہ
تاریخ برائے سال مسیحی گفت دل من حضرت ہجرؔ
در سال ہزارو نہ صدو نہ ایں نسخہ زیب طبع شدہ
۱۹۰۹ء

منشی اعجاز احمد مراد آبادی کاتب دیوان، شاگرد حضرت حسنؔ بریلوی

ایسی شہرت ہے طبع دیواں کی ... جیسے ماہِ سخن کی رویت ہے
اوجِ فکر حسنؔ کا کیا کہنا ... عرش سے بھی بلند ہمت ہے
جس کا ہر شعر دل پکڑتا ہے ... کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے
بندشیں ایسی صاف ہیں جیسے ... دُور آئینہ سے کدورت ہے
خوبیِ حسنِ شعر کہتی ہے ... کوئی معشوق خوبصورت ہے
ایک عالم ہے عاشق و شیدا ... اک زمانے کو اس کی چاہت ہے
اس کی تاریخ حضرتِ قیصرؔ ... **"تابش جلوۂ فصاحت ہے"**
۱۳۲۶ھ

حضرت حسنؔ بریلوی کی غزلیہ شاعری بارے اہل علم و فضل کے مقالات کتاب کے دوسرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆

قند پارسی

حضرت حسنؔ بریلوی نے اُردو کے علاوہ فارسی میں بھی کلام موزون فرمایا ہے چونکہ یہ نہایت مختصر ہے اسی وجہ سے اسے ''ثمر فصاحت'' کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ثمر فصاحت (قدیم ایڈیشن) کے صفحہ نمبر ۲۰۱ سے ۲۱۸ اور ''کلیات حسن'' (پاکستانی ایڈیشن) کے صفحہ ۳۵۰ تا ۳۷۷ پر موجود ہے۔اس کلام کے مشمولات میں حضرت شاہ بدیع الدین مدار کی منقبت، مولانا امیر خسرو کی کتاب ''ہشت بہشت'' پر منظوم تقریظ، مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات، زمزمہ پیرائی عندلیب خامہ در لغت گلعذاری کہ بہار باغ فردوس جلوہء از عارض رنگین اوست، بیان شب معراج وعروج صاحب تاج، مدح مثنوی شریف اور کچھ تاریخی قطعات ہیں۔ان قطعات میں مولانا حضرت شاہ آل رسول مارہروی، مولانا حسن رضا کے مرشد مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں کے قطعات تاریخ وصال ہیں، سید برکت علی نامی تلمیذ مولانا حسن رضا کی کتاب ''واسوخت''، میر کاظم حسین لکھنوی کی کتاب ''غنچۂ جاوید''، قاضی خلیل الدین حافظؔ کے نعتیہ دیوان، نواب عبدالعزیز خان مرحوم کی کتاب ''ترقی وتنزل کے اسباب'' محمد احسان اللہ احسانؔ اور محمد الیاس برقؔ کے دیوان کے قطعات تاریخ طباعت ہیں اور آخر میں سید حبیب اللہ دمشقی کا شجرۂ نسب بھی موجود ہے، جوکہ مولانا حسن رضا نے سید صاحب کے حسب ارشاد تحریر فرمایا تھا۔

☆

ساغرِ پُر کیف

مولانا حسن رضا کا ایک مختصر غزلیہ مجموعہ بنام ''ساغرِ پُر کیف'' کا ذکر ڈاکٹر حسن رضا خان کی تصنیف ''فقیہ اسلام'' میں ملتا ہے: تاہم راقم کو اب تک یہ دستیاب نہ ہو سکا۔

ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی مرحوم (مراد آباد، ہند) اپنے مقالہ ''مولانا حسن رضا کی نعتیہ شاعری'' میں لکھتے ہیں:

''غزلوں کا ایک مختصر مجموعہ ''ساغرِ پُر کیف'' دستیاب ہے، ثمرِ فصاحت کم یاب ہے۔''

ڈاکٹر صاحب سے اس ضمن میں رابطہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کلام انہوں نے کسی لائبریری میں دیکھا تھا اور یہ کلام ''ثمر فصاحت'' میں شامل ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی شہادت سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مولانا حسن رضا کی غزلیات کا ایک مجموعہ بنام ''ساغرِ پُر کیف'' طبع ہوا تھا، گو کہ اب نایاب ہے۔

☆

نگارستانِ لطافت

یہ کتاب مولانا حسن رضا بریلوی کا نثری شاہ کار ہے جو کہ میلاد و معراج نبوی ﷺ کے عمدہ اور مستند بیان پر مشتمل ہے۔ ماہنامہ تحفہ حنفیہ، پٹنہ (محرم الحرام جلد ۳، شمارہ ۲) میں اس کتاب کی اشاعت ثانی پر مفتی حامد رضا خان بریلوی کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا، جس کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

''چمن مدحت سرائے مصطفوی کا عندلیب، نغمہ سرا گلشن نعت احمدی کا بلبل خوش نوا، محبّ ومحبوب جل جلالہ و ﷺ کے راز و نیاز کی بولتی چالتی تصویر، صحت روایات، صدقِ حکایات، حلاوتِ بیان، سلاست زِبان میں آپ ہی اپنا نظیر جس کو عم مکرم مفخم ومحترم شیریں بیان جناب مولانا مولوی حسن رضا خان حسنؔ نے تصنیف فرمایا اور نظر فیض اَثر شمع بزم ہدایت آئینہ ماہِ رسالت حکیم اُمت حضرت عالم اہل سنت اُستاذنا والد ماجدنا ومقتدانا وہادینا جناب مولانا مولوی احمد رضا خان سے نور پا کر ۱۳۰۲ھ میں ایک ہزار جلد چھپ کر شائع ہوا اور بفضلہٖ تعالیٰ 'قبول قبول' کے سرد جھونکوں کے ساتھ خوشبو کی طرح پھیل کر دماغوں میں بسا، دلوں میں سُرور، آنکھوں میں نور ہو کر اُترا، عزت کے ہاتھوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ حتیٰ کہ ایک سال میں ایک نسخہ بھی باقی نہ بچا۔ مسودہ تک بعض احباب نے چھین لیا اور مشتاق نگاہوں کا انتظار آرزومند دلوں کا اضطرار، فرمائشوں پر فرمائشوں کا تار روز افزوں ترقی پر ترقی کرتا رہا۔

میرے معزز کرم فرما حافظ محمد ارشاد علی صاحب مہتمم مطبع اہل سنت نے مجھے اس خدمت عجاب ہم خرما وہم ثواب کے پورا کرنے پر اُبھارا۔ حضرت عم مکرم نے تھوڑی

ترمیم کے بعد کچھ اپنا کلام اور زائد فرمایا۔ میں نے بہ نیت معاونت مطبع اہل سنت و جماعت بریلی بقلم جلی دبیز کاغذ پر گل کاری وغیرہ اہتمام کے ساتھ بحسن انتظام چھپوانا شروع کیا۔ اب کہ یہ مبارک رسالہ قریب اختتام ہے، مدح خوانی کے عاشقوں نعت سرائی کے شیدائیوں کو صلائے عام ہے کہ سہل نگاری کو کام میں نہ لائیں، فرمائشیں حتی الامکان جلد آئیں، پہلے کی طرح کہیں اس دفعہ محروم نہ رہ جائیں۔''

''نگارستانِ لطافت'' میلاد و معراج شریف کے بیان پر مشتمل نہایت ہی ایمان افروز رسالہ ہے۔ مولانا حسن رضا نے پہلی اشاعت کے بعد کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع کروایا۔ راقم کے پیش نظر رضوی پریس، بریلی کا شائع کردہ نسخہ ہے جو کہ مولانا ابراہیم رضا خان کے اہتمام سے شائع ہوا۔ اس کے کل ۵۰ صفحات ہیں۔ اور یہ ترمیم و اضافہ سے قبل کا ہے۔ پاکستان میں یہی نسخہ مسلم کتابوی، لاہور نے پروفیسر منیر الحق کعبیؔ کے مضمون ''قوت بازوئے امام احمد رضا'' کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا۔

راقم کے پاس دوسرا نسخہ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی کا شائع کردہ ہے جو کہ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے اہتمام سے ۱۳۳۱ھ میں (یعنی حسنؔ رضا بریلوی کے وصال کے بعد) اس ادارہ سے چوتھی بار طبع ہوا۔ یہ ترمیم و اضافہ والا ایڈیشن ہے، اس کے کل صفحات اندازاً ۷۲ ہیں چونکہ یہ ناقص الآخر ہے۔

نئے ایڈیشن میں جس کلام کو خارج کیا گیا، اُس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

نعتیہ غزل ''عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ''، ''کیا مژدۂ جاں بخش سنائے گا قلم آج'' اور اعلیٰ حضرت کی نعتیہ غزل ''سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی''۔

جس کلام کا اضافہ کیا، اُس کی تفصیل یہ ہے:

نعتیہ غزل ''مجرم ہیبت زدہ جب فردِ عصیاں لے چلا''، ''کہوں کیا حال زاہد گلشن طیبہ کی نزہت کا''، ''سرِ صبح سعادت نے گریباں سے نکالا''، پُرنور ہے زمانہ صبح شب ولادت' اور کتاب

کے آخر میں اعلیٰ حضرت کا تحریر کردہ مشہور زمانہ سلام "مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"۔ اس سلام کو نقل کرتے ہوئے مولانا نے شعر (کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی......آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام) کے بعد ۱۶۵ اشعار حذف کر دیے ہیں۔

پروفیسر منیر الحق کعبیؔ "نگارستانِ لطافت" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نگارستان لطافت" میں حسنؔ بریلوی کا اُسلوب متنوع پیکر اختیار کرتا ہے، ہر پیکر میں زندگی کا نورانی احساس، اپنے مرکز سے شدید وابستگی نے لفظوں میں ایک جان ڈال دی ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور لفظوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں لکھنے والے کی جذباتی کیفیت کی ترجمانی ہے۔ حسنؔ نے "نگارستانِ لطافت" میں اپنے شعری وسائل کو خوب استعمال کیا ہے، صنائع بدائع کا التزام جا بجا نظر آتا ہے۔ بعض اوقات مسجع اور مقفی ٹکڑے عبارت میں آتے ہیں تو شکوہِ لفظی اور جلالِ معنوی دیکھنے کے قابل ہوتا ہے لیکن اگر یہی مسلسل در آتے ہیں تو وہ جوشِ خطابت تو پیدا کرتے ہیں مگر تاثر میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور یہ قدیم اُسلوب کا خاص رنگ ہے۔ اکثر سادہ اور نثر عاری ہے۔ مولانا حسن نے اپنے اُسلوب کی انفرادیت میں اندرونی آہنگ کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ نثری اقتباسات کے درمیان شعر و غزل و مثنوی کے پاروں سے کام لیا ہے۔ نثری اقتباس کا آخری جملہ گریز کا کام دیتا ہے اور پھر شعری اقتباس لطف و اہتزاز کا باعث بنتا ہے۔

معراج شریف کا بیان ایک مسدّس سے شروع ہوتا ہے۔ مسدّس کی زبان پر انیسؔ کی زبان کا گمان ہوتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کی جمال افروزی، الفاظ کی بندش نگینے جڑے ہوئے، سادگی، سلاست اپنے عروج پر۔ غرض حسنؔ کی شاعری اپنے حسنِ کمال پر ہے۔" (نگارستان لطافت: ۷ ۲ مطبوعہ مسلم کتابوی، لاہور)

اس کتاب کی اشاعت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، مولانا حسن رضا اور محسن کاکوروی نے قطعات تاریخ طباعت رقم فرمائے جن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی:

(۱)

یافت حسنؔ حُسنِ تحسیں از حسان در ذکرِ حسیں
گفت رضاؔ تاریخ چنیں ''نعت اشرف قبلہؔ دیں''
[۱۳۰۲ھ]

(۲)

دل و جانم حسنؔ گفت و درسفت بہ سلکِ مدحت میلاد اقدس
شنیدم نغمہ می زد بلبل خلد ''مبارک شادی نعت مقدس''
[۱۳۰۲ھ]

مولانا حسن رضا:

(۱)

ہو گیا ختم یہ رسالہ آج شکر خالق کریں نہ کیوں کر ہم
سن تالیف اے حسنؔ سن لے ''منبع وصف شہریارِ ارم''
[۱۳۰۲ھ]

(۲)

یہ چند وَرق نعت کے لایا ہے غلام آج انعام کچھ اس کا مجھے اے بحرِ سخا دو
میں کیا کہوں میری ہے یہ حسرت یہ تمنا میں کیا کہوں مجھ کو یہ صلا دو یہ صلا دو
تم آپ مرے دل کی مرادوں سے ہو واقف خیرات کچھ اپنی مجھے اے بحرِ عطا دو
ہیں یہ سن تالیف فقیرانہ صدا میں ''والی مَیں تصدق مجھے مدحت کی جزا دو''
[۱۳۰۲ھ]

محسن کاکوروی:

حسنؔ کز حُسن طرزش طبع اُستاد بعنوانِ تخلص یوسفے گفت
زمین شعراء را عرش اعلیٰ سر برآرائے چرخ چارمی گفت
کلام پاک او را حضرت خضر مصفا تر ز آب زندگی گفت
بہ فیض فکر جانے در سخن ریخت سخن در ذکر میلاد نبی گفت
نبی ہاشمی کاندر صفاتش خدائے پاک سبحان الذی گفت
برائے یادگار سال محسنؔ "بہارستان نعت احمدی گفت"
[۱۳۰۲ھ]

علامہ مفتی عبدالمبین نعمانی (انڈیا) لکھتے ہیں: یہ تذکرہ میلاد شریف میں نہایت ہی ایمان افروز رسالہ ہے جو پرانے طرز کے میلاد شریف کے بیان پر مشتمل ہے۔ پہلے ایک منظوم حمد ہے پھر حمد یہ نثر اور پھر سرکارِ ابدقرار ﷺ کے ذکر میلاد کے ساتھ متعدد نعتیں جگہ بہ جگہ درج ہیں، تمام نعتیں حضرتِ حسن بریلوی ہی کی ہیں صرف آخر میں سرکار اعلیٰ حضرت کا "قصیدہ معراجیہ" درج ہے جس کا مطلع ہے ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

عام کتابی سائز کے ۵۶ رصفحات کا یہ میلاد نامہ اپنی نظیر آپ ہے۔ مسلمانوں میں عرصۂ دراز سے مختلف مواقع پر چاہے خوشی کا موقع ہو یا غمی کا سرکار اقدس نور مجسم ﷺ کے تذکرہ جمیل کا پاکیزہ رواج چلا آرہا ہے۔ مگر چونکہ یہ رواج زیادہ تر عام خواندہ لوگوں میں مروّج ہے جو تحقیقی علم نہیں رکھتے اس لئے بہت سی میلاد شریف کی وہ کتابیں جو غیر مستند روایات پر مشتمل ہیں عوام میں رواج پا گئی ہیں۔ ایسے ماحول میں اس کی سخت ضرورت تھی کہ ایک صحیح و مستند روایات پر مشتمل میلاد نامہ پیش کیا جائے، جسے آنکھ بند کر کے عام مسلمان میلاد کی محافل میں

پڑھ سکیں۔حضرت حسن رضا نے ''نگارستان لطافت'' لکھ کر اس اہم ضرورت کی تکمیل فرمائی ہے۔اس میلاد نامے کی زبان اس قدر پاکیزہ اور ستھری ہے کہ بلا شبہ اس کو کوثر و تسنیم کی دُھلی ہوئی زبان کہا جا سکتا ہے۔اور پورے میلاد نامے میں جو والہانہ پن اور عاشقانہ انداز اختیار کیا گیا ہے وہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ایک ایک سطر سے عشق رسالت پھوٹا پڑتا ہے چند سطریں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

''حمد کی جان اُس نخل بند چمنستان کونین پر قربان جس نے گلشن عالم کو گلہائے رنگارنگ عنایت فرما کر چمن چمن سیراب و شاداب کیا۔سرِو آزاد اُسی کی محبت میں گرفتار، گل کا اُسی کی جدائی میں گریبان تار تار۔بلبل اُسی کی جستجو میں شاخ شاخ ڈالی ڈالی متوالی پھرتی ہے،قمری نے اُسی کی محبت کا طوق اپنے گلے میں ڈالا،فاختہ اُسی کی یاد میں کُوبکُو کُوکُو کرتی ہے۔جہاں دیکھو جلوۂ ظہور کا نیا رنگ نرالا ڈھنگ ہے۔تدَرو[1] ماہ کے عشق کی کہاں دُھوم نہیں، پروانہ و شمع کا معاملہ کسے معلوم نہیں، بیماروں کی شفقت، اسیروں کی رِہائی، ہماری لاج اُسی کے ہاتھ ہے۔مالک ہے مختار ہے جسے جو چاہے دے،جس سے جو چاہے چھین لے،کسی کو اُس کی سرکار میں مجال دَم زدن نہیں،جس نے جو پایا یہیں سے پایا،جسے جو ملا یہیں سے ملا،گوہر کو آب، آب کو تاب، شاخ کو گل،گل کو رنگ و بُو، آسمان کو مہر و ماہ، مہر و ماہ کو ضو اور انسان ضعیف البنیان کو خلعت ''لقد کرّمنا بنی ادم''(بنی اسرائیل ۷۰:۱۷)اور تشریف''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم''(التین ۹۵:۴) اُسی سرکار کا عطیہ ہے۔

خضر و الیاس علیہما السلام کو عمر جاوید بخشی۔نارِ نمرود اپنے خلیل پر گلزار کی۔کلیم کو ید بیضا دیا۔مسیح کو لبِ جاں بخش عنایت ہوا، یوسف کو وہ حُسنِ جاں فزا ملا کہ جس کا بیان تاب تحریر

---

[1] تدَرو: ایک خوش آواز وخوش رفتار پرندہ، چکور قرقاول، اس کی آنکھ بڑی خوبصورت ہوتی ہے ایران میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔اُردو لغت بورڈ (پاکستان)

و یارائے تقریر سے باہر ہے۔ اور ہم بے کسوں، گنہگاروں، معصیت کوشوں، خطا کاروں، عصیاں پناہوں، پریشان روزگاروں کو وہ نبی رحمۃ للعالمین، خاتم النبیّن، باعث ایجادِ عالم، شافع روزِ محشر، ساقی کوثر، رہبر رہبراں، ہادی گمرہاں، جان کی جان، ایمان کا ایمان، ٹوٹے دلوں کا سہارا، اُمیدوں کی کرن، بے یاروں کا یار، بے مددگاروں کا مددگار، بے مونسوں کا مونس، یتیموں کا وارث، غریبوں کا جائے پناہ، کونین کا بادشاہ، اسیروں کا آسرا، بے ٹھکانوں کا ٹھکانہ، ہر درد کا درماں، ہر دُکھ کا علاج، زندانیوں کا عقدہ کشا، محتاجوں کا حاجت رَوا، بےکلوں کی کل، بے قراروں کا چین، بے چینوں کا قرار، مظلوم کا فریاد رَس، بے بس کا بس، گمراہوں کا راہنما، راہنماؤں کا پیشوا، داد کا دینے والا، فریاد کا سننے والا عطا کیا۔"[1]

غرض پوری کتاب اسی سجیلی البیلی الفاظ و معانی سے مرصع و مزین زبان میں تحریر ہے جسے پڑھئے تو پڑھتے چلے جایئے!!! سنئے تو سنتے چلے جایئے، نہ کہیں اُکتاہٹ کا نام نہ گھبراہٹ کا نشان۔ فی الحقیقت یہ مختصر سی کتاب ایک عظیم دینی خدمت ہے کیونکہ عامۃ المسلمین میں قرآن کے بعد سب سے زیادہ میلاد نامے اور نعتیہ کلام ہی پڑھے پڑھائے جاتے ہیں۔

☆

---

[1] نگارستان لطافت، ص ۴۰۳ رضوی کتب خانہ بریلی، رسائل حسن، ص ۸۸، ۸۹

دینِ حسن

اسلام کی حقانیت پر کتب ہنود و نصاریٰ سے روشن دلائل پر مشتمل یہ رسالہ مولانا حسن رضا کی تصانیف میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ راقم کے پیش نظر مطبع اہل سنت و جماعت ، بریلی کا نسخہ ہے جس کو مولانا کے صاحبزادے حسنین رضا خان مدیر رسالہ ''الرضا'' نے اپنے اہتمام سے طبع کروایا، اس کے کل صفحات ۳۲ ہیں۔ یہ اشاعت مولانا حسن کے وصال کے بعد کی ہے مگر اس پر تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ تاہم ڈاکٹر سیّد عبداللہ طارق صاحب نے اپنے مقالہ میں اس رسالہ کا اندازاً سال اشاعت ۱۸۸۰ء تحریر کیا ہے۔

اس رسالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حسنؔ رضا خان کو تقابل ادیان کے موضوع میں خاص دلچسپی تھی اور اسی وجہ سے سطحی معلومات تک اکتفا کرنے کی بجائے آپ نے غیر مسلموں کی کتب کا بغور مطالعہ کیا اور اُن کے نظریات کو گہرائی سے سمجھا اور حاصل تحقیق کو اس رسالہ کی صورت میں ترتیب دیا۔

اس رسالہ میں ہنود و نصاریٰ کی تحریرات سے اسلام کی حقانیت کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ گویا یہ کتب ''الفضل ما شھدت بہ الاعداء'' کی منہ بولتی تصویر اور اسلام کے دین حسن و مذہب حق ہونے پر روشن دلیل، دریا کو کوزے میں بند کر دینے کے مصداق ہے۔

مولانا حسن رضا ''مذہب'' کو انسان کی بُنیادی ضرورت قرار دیتے ہیں اور یہ کہ ہر انسان اپنی عقل بلکہ ہر گراں بہا سے گراں بہا شے پر مذہب ہی کو ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ مذہب سب سے عمدہ ہو، لیکن چونکہ ہر مذہب والے کی پکار یہی ہے کہ ہمارا مذہب سب سے افضل ہے تو ضرورت اس کی بھی ہے کہ کسوٹی پر دیکھا جائے کہ کون واقعی افضل اور قابل اِعتنا ہے

اور کون لائق ترک وقابل نظرانداز۔بس یہی بنیادی ضرورت ہے جس کے لئے یہ کتاب تحریر کی گئی ہے۔

اس رسالہ میں غیر مسلموں کی تحریروں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام ہی سب سے افضل ہے، اسلام ہی حق ہے، اسلام ہی باعث نجات ہے حتیٰ کہ اسلام ہی دُنیوی زندگی میں بھی سب سے زیادہ مفید اور سکون بخش ہے۔اسلام سے دُور ہو کر قرار اور چین کہیں نہیں نصیب ہو سکتا۔

مولانا حسن رضا کے دیگر نثری شاہ کاروں کی طرح یہ بھی نثر نگاری کا عمدہ شاہ کار ہے۔تمہید کی ایک تلخیص ملاحظہ ہو:

''خدائے پاک نے انسان کو اشرف المخلوقات و بہترین کائنات میں خلق کیا اور جوہرِ عقل سے معزز وممتاز فرمایا کہ وہ اپنی دینی و دُنیوی ضرورتوں میں اس پاک جوہر سے کام لے۔ یہ وہ کسوٹی ہے جو کھوٹے کھرے میں تمیز بتاتی اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دکھاتی ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو خرچ کرنے سے بڑھتی ہے یہ وہ آفتاب ہے جس کی روشنی دن رات یکساں رہتی ہے۔نہ وہ آفتاب ہے جو صبح کو مشرقی کناروں سے نمودار ہو کر شام کو مغربی گوشوں میں جا چھپے اور اپنی تابش کے خریداروں کو چار پہر انتظار کرنے کے لئے شب دیجور کی بھیانک تیرگی میں چھوڑ دے۔سفر میں حضر میں، رفتار وگفتار میں، بازار میں اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، تکلیف وآرام میں غرض ہر بات ہر کام میں انسان کو اس کی طرف احتیاج ہے، جو جتنا خوش نصیب ہے اُسی قدر اس کا محتاج ہے۔جب ہم اس چمکیلے جوہر یعنی عقل کی دُوربین نگاہوں کو اپنی ضرورتوں کے وسیع بازاروں میں آزادی کے ساتھ سیر کرنے کی اجازت دے کر دیکھتے ہیں کہ یہ مبصر گراں بہا متاعوں، بیش قیمت چیزوں سے کس شے کی عزت کرتا اور کسے وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر دین کو ہم نے دنیا کے سر صدقے نہیں کیا ہے اور دنیا طلبی کے بدنما زنگ سے ہمارے آئینے کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی خالی بچ رہا ہے تو اُس میں اُسی معشوق دل رُبا، محبوب مہ لقا کی چمکتی اور دلکش تجلیوں کا عکس پڑتا ہے جسے زمانہ

''مذہب'' کے مقدس لفظ سے یاد کرتا ہے اور فی الحقیقت دنیا کی وسیع آبادی میں اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی ایک چیز ہے جو تمام نعمتوں اور سب دولتوں سے زیادہ وقعت کرنے کے قابل ہے۔''[1]

''مذہب'' کو انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیتے ہوئے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حسن رضا رقم طراز ہیں:

''ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کی جان پر بنتی ہے مال خرچ کر ڈالتا ہے آبرو پر بات آتی ہے تو جان و مال اس کے صدقے دے دیتا ہے مگر جب پیارے مذہب پر وار ہوتا ہے تو جان و مال، عزت، آبرو سب کو سپر بنالیتا ہے ان حالتوں پر خیال کرنے سے بھی دوسری زندگی کا بہت زور کے ساتھ یقین ہوتا ہے۔ جب مذہب ایسی کار آمد اور ضروری چیز ہے جس کی خوبیوں کا بڑا حصہ دوسری زندگی میں ہم کو نفع پہنچانے کے لئے اُٹھا رکھا گیا ہو تو ہم کو واجب ہے کہ اپنے مقدور بھر اس میں غور کرنے کی کوشش کریں اور جانچ پڑتال میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں کہ مذہبی بازار سے اس طریقہ کی خریداری کریں جس میں ناموزوں پیچیدگیاں یا کھوٹے پن کی آمیزش نہ ہو۔ افسوس مٹی کے برتن کا خریدار اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھے، ٹھونک بجا کر لے اور ہم مذہب جیسی ضروری چیز کو بے سوچے سمجھے اختیار کر بیٹھیں اگر یہ پرلے درجہ کی نادانی اور انتہا درجے کی حماقت نہیں تو کیا ہے۔''[2]

اسلام کے علاوہ سب مذاہب کیوں باطل محض ہیں، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں اور سب کے اُصول میں باہمی اختلاف مگر ہر مذہب والا اُسی کو حق اور درست سمجھے ہوئے ہے جس سے اُسے دلچسپی حاصل ہے۔

---

[1] دین حسن، ص ۳۲ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی۔ رسائل حسن، ص ۴۴، ۴۵

[2] دین حسن، ص ۴۔ رسائل حسن، ص ۴۶

کس نگوید کہ دوغ من ترش است

(کوئی نہیں کہتا کہ ہمارا دہی کھٹا ہے)

مگر خوب سمجھ لینا چاہئے کہ عقل سلیم اسے ہرگز گوارہ نہ کرے گی کہ زیادہ تو زیادہ دو مختلف الاصول مذہب بھی حق ہوں لہٰذا ضروری ہوا کہ ایک ہی مذہب حق ہو اور اُس کی مخالفت کرنے والے مذاہب باطل۔

اب طرف داری اور ہٹ دھرمی کے خیال سے بچ کر غصے اور عداوت کو بالائے طاق رکھ کر آزادانہ روِش سے اگر نظر کیجئے تو ایسا مذہب جس نے پاکیزگی کی گود میں نشوونما حاصل کی ہو، تہذیب کے دودھ سے پرورش پائی ہو، جس نے نفسانی خواہشات، لہو ولعب اور خرافات سے باز رکھا ہو، جس نے عبادت پر طہارت کو مقدم مانا ہو، جس کے پیرو کا پہلا قدم پاکی کے دل کشا راستے میں پڑے، جس کے متبع کا پچھلا دم خدا کی یاد میں اُکھڑے، اسلام ہی دکھائی دے گا۔ جس خوش نصیب کے دل میں اس کی دل چھین لینے والی اَدائیں گھر کر گئیں اُس سے پوچھنا چاہئے کہ تُو نے ایسا کیا مزہ پایا جو زَن و فرزند و یار چھوڑ بیٹھا۔ ایسا کیا لطف اُٹھایا کہ دفعۃً سب سے منہ موڑ بیٹھا۔ ایسے واقعات سے تاریخ دنیا کا ایک بڑا حصہ آباد ہے اور اب بھی رات دن یہ دلچسپ معاملات نگاہوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔

اس مذہب میں نہ خوبصورت پتلی کمر والی عورتوں کا لالچ دیا جاتا ہے نہ ناپاک شراب پیش کی جاتی ہے، نہ مشاہرہ مقرر ہوتا ہے بلکہ یہاں تو پکار پکار کر کہہ دیتے ہیں کہ آزادی چھوڑ کر پابندی اختیار کرنی ہو، دُنیوی آسائش سے منہ موڑ کر تکلیف اُٹھانی ہو تو ہماری طرف قدم اُٹھانا۔ جھوٹے دوستوں کو دشمن، اجنبی، یگانوں کو بیگانہ بنانا ہو تو ہماری جانب آنا۔

اگر ابتدائے اسلام کی حالتوں کو مشاہدہ کیا جائے گا تو میرے بیان کی تصدیق وتائید بہت اچھی طرح سے ہو جائے گی اور ایک ایسا عبرت ناک منظر نظر آئے گا جس کا

دردناک نظارہ ہمدردی کی آنکھوں کو بے خون رُلائے نہ چھوڑے گا۔

کفار نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس گردن میں رسّی باندھ کر لڑکوں کے حوالے کیا ہے وہ انھیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے ہیں، پھندا یہاں تک سخت ہوگیا کہ گردن میں زخم پڑ گیا ہے۔ ایک کو لوہے کی زِرّہ پہنا کر گرم دھوپ میں بٹھایا گیا ہے۔ دوسرے کو گرم ریت پر لٹا کر جلتا جلتا پتھر سینے پر رکھ دیا گیا ہے۔

حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اپنی زوجہ کے اسی وجہ سے شہید کئے جارہے ہیں کہ اسلام لے آئے۔

جناب عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سبب سے آگ میں ڈالے گئے ہیں کہ مسلمان ہوگئے۔

نمازیوں پر نجاست پھینکی جارہی ہے راستہ میں گالیوں کی بوچھاڑ اور پتھروں کی بھرمار ہے۔ غرض غربائے اسلام ہیں اور یہ اَندوہ ناک تکلیفیں اور ناقابل برداشت مصیبتیں۔

زور و اغیار از دیوار سنگ یار می آید　　بلائے دردمنداں از در و دیوار می آید

(دشمنوں کا تو زور رہے ہی پس دیوار سے دوست بھی سنگ باری کر رہے ہیں گویا درد کے ماروں کے لئے ہر طرف سے بَلا ئیں ٹُوٹی پڑ رہی ہیں۔)

انصاف پسند طبیعتیں اور حق جُو نگاہیں اگر ان حالات کو دیکھیں اور خیال کریں تو اسلام کی حقّانیت روزِ روشن کی طرح انھیں نظر آجائے گی کہ اگر ان مقدس حضرات نے اسلام کا حق ہونا آنکھوں سے ملاحظہ نہ فرمالیا ہوتا تو زَن وفرزند سے منہ موڑنا، وطن جیسی محبوب چیز چھوڑنی، تکلیفیں جھیلنی، مصیبتیں برداشت کرنا، عیش و آرام سے درگذرنا، سخت سخت بَلا ئیں خوشی سے اختیار کرنا، یہاں تک کہ جانیں دے دینا کیوں کر گوارہ کیا!

اگر کسی دوسرے مذہب کی ابتدائی اشاعت میں ایسی جاں گزا آفتیں، یہ حوصلہ فرسا زحمتیں (جو مشتے نمونہ بیان کی گئیں) سدِّ راہ ہوتیں اور اُس کے مقلدوں کے اِستقلالِ مذہبی کا لفافہ نہ کھل جاتا اور ایسی پُر جوش روک ٹوک پر ایسی کامل ترقی پاتا تو ہم سمجھتے کہ

''فدائیان بطلان ہم استقلالے دارند''۔ ایسی نظیر اگر کوئی مذہب اپنی تاریخ میں رکھتا ہو تو پیش کرے۔[1]

''اسلام کی اشاعت اور اس پر جوشیلی مخالفت'' کے عنوان سے عرب کے تاریک ترین دَور کا نقشہ کھینچتے ہوئے بے سرو سامانی اور غربت کے عالم میں سرکار کی تشریف آوری اور مذہب اسلام کی اشاعت اور کفار کی شدید مخالفت پھر بھی اسلام کی ترقی اور اس کے ماننے والوں کی کثرت کو پیش کرتے ہوئے اسلام وپیغمبر اسلام علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ یہاں بھی زبان کا وہی انداز اور بیان کا وہی زور جو آپ کی تحریروں کا نمایاں وصف ہے پورے طمطراق کے ساتھ باقی ہے۔ اس کے بعد اسلام کی کتاب قرآن حکیم کے کلام الٰہی اور کتابِ حق ہونے پر دلائل دیے ہیں اور اسلام کے بتائے طریقۂ عبادت کی انفرادیت وخصوصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور دوسرے مذاہب میں عریانیت وفحاشی کی جو کھلی چھوٹ دی گئی یا ان کے پیشواؤں کی طرف سے مکمل سکوت بلکہ حوصلہ افزائی برتی جارہی ہے اُس پر بھی تنقید کی گئی ہے جس سے اسلام کا سونا نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی کوئی مسلمان پیشوا یا عالم کسی ایسے طریقۂ عبادت کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ اس میں کسی قسم کی بے پردگی یا فحاشی کی نوبت آئے، ہاں عوام الناس باوجود علماء کی سخت ممانعت ومخالفت کے اپنے طور پر جو کریں اُس کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ اسلام اور پیشوایانِ اسلام کے دامن الحمدللہ اس سے داغ دار نہیں اور یہ بھی اسلام کی حقانیت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں کرسکتا۔

اسلام کی حقانیت پر ایک روشن ومضبوط دلیل:

اس عنوان کے تحت مصنف نے رِفعت ذکر مصطفیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ وہ گل بوٹے کھلائے ہیں اور اسلام کی حقانیت وعظمت کا ایسا پاکیزہ وروشن بیان رقم فرمایا ہے کہ ذوق اَش اَش کرنے لگتا ہے اور وَجدان جھوم جھوم جاتا ہے اور عظمت مصطفیٰ کا چراغ دلوں کو منور ومجلّٰی کرتا

---

[1] دین حسن، ص ۴ تا ۶۔ رسائل حسن، ص ۴۶، ۴۸

چلا جاتا ہے۔ لیجیئے حضرت حسنؔ ہی کے الفاظ میں اس کا حسن بیان ملاحظہ کیجئے:

''قرآن مجید وفرقان حمید میں ہمارا خدا اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے ''ورفعنالك ذكرك'' (انشراح: ۴) ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

اب دیکھنے والے ٹوپیاں تھام کر رِفعت ذکر کے علو جاہ کو دیکھیں، تمام ملاءاعلیٰ میں انھیں کا ذکر ہے، عالم بالا میں انھیں کی فکر ہے، حوروں کی انجمن میں انہیں کی یاد ہے، ملائکہ کی محفل اسی یاد سے آباد ہے، معظم اَماکن، مقدس مقامات میں ان کے اوصاف کی دُھوم ہے، کل کائنات سب مخلوقات کو ان کی وجاہت معلوم ہے۔

یہ اَمر کچھ بھی تعجب خیز نہیں کہ مسلمان اُن کے ثناخواں ہیں، یہ بات ذرا بھی حیرت انگیز نہیں کہ ملائکہ اُن کی صفت میں رطب اللسان ہیں، سدرہ کی شاخوں پر بسنے والے اُن کی تعریف کیا ہی چاہیں، طوبیٰ کی ڈالیوں پر بیٹھنے والے اُن کا دَم بھرا ہی چاہیں، گلشن والے اگر اُن کی یاد میں چہچہائے یا جنگل والوں نے اُن کے گیت گائے تو اس کا کچھ بھی اچنبھا نہیں کہ یہ مقدس ذکر اُن کی جاں ہے اور یہ مبارک فکر اُن کی رُوحِ رَواں ہے۔

مقام تعجب اور حیرت کی جگہ تو یہ ہے کہ ''ورفعنالك ذكرك'' کے زبردست اَثر نے یہاں تک ترقی کی کہ مخالفین سے بھی اَنْ کہی کہلوا چھوڑی، جھوٹ بولنے والی زبانوں اور بداندیش دلوں سے اپنی مدحت کے بول بلوا لیے۔ اے میرے سچے خدا کے سچے رسول ﷺ کے ظاہر کئے ہوئے سچے اسلام!!!

بول بالا رہے عالم میں ہمیشہ تیرا

قاعدے کی بات ہے کہ زمانے میں سرگرداں آدمی مذہب تو مذہب اپنی ہر چیز کو اچھا سمجھتا ہے اور اس کی تعریف کرتا ہے۔ مگر حقیقت میں چیز وہ اچھی ہے جسے دشمن بھی اچھا کہیں۔ والفضل ما شهدت به الاعداء۔

میں بڑے دُھوم دَھامی دعوے سے، ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ دنیا بھر کے مذہبوں میں یہ دولت صرف میرے پیارے مذہب اسلام ہی کے ساتھ خصوصیت رکھتی

ہے۔اس کی آفتاب سے زیادہ روشن حقانیت نے دوسرے مذاہب کی طرح اپنے منہ میاں مٹھو بننا پسند نہ کر کے اپنے بدگویوں سے بھی اپنی مدح وثنا کہلوالی پھر وہ بہت کھلے کھلے الفاظ میں ایسی تفصیل کے ساتھ کہ باید وشاید۔

اسلام کی تعریفیں، اس کی عبادات، اس کے معاملات، اس کے پیشواؤں، اس کے پیروؤں وغیرہ کی مدح سرائیاں۔غرض اللہ تعالیٰ کی قدرت آتی اور حقانیت اسلام کی زبردست شوکت اپنی دل کش تجلیاں دکھاتی ہے۔[1]

اس کے بعد مولانا حسن رضا بریلوی نے غیر مسلم مفکرین کے وہ اقوال نقل کیے ہیں جن میں دین اسلام کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں، چند تاثرات اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہیں:

(۱) پادری ایزک ٹیلر:[2]

''جو شخص مذہب اسلام کو قبول کرتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے اسی مذہب کا ہو رہتا ہے اور اس کی گرفت بڑی مستحکم ہوتی ہے۔عیسائی مذہب کی گرفت ایسی مستحکم نہیں ہے۔(چند سطر بعد) عیسائی مذہب کا نمبر حد سے چڑھا اور بہت بڑھا ہوا ہے لیکن اسلام نے دنیا کو مہذب بنانے میں عیسائی مذہب سے زیادہ کام کیا ہے۔''

مسلمانوں کے پاکیزہ اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے پادری ایزک ٹیلر کہتا ہے:

''بے حجابی (بے پردگی) کے ساتھ ناچنے کودنے اور علانیہ زَن و مرد کے ہم صحبت ہونے کی عادتیں چھوٹ جاتی ہیں، عورتوں کی عفت کا ایک وصفِ خاص کے طور پر خیال رکھتے ہیں۔''

مزید کہا:

---

[1] دین حسن، ص ۱۰،۱۱۔ رسائل حسن، ص ۵۳، ۵۵

[2] ایزک ٹیلر Isaac Taylor (1829-1901) کے اس لیکچر کا کچھ حصہ انگریزی رسالہ Victorian Studies کے Autumn1989 میں بھی شائع ہوا۔ وکی پیڈیا کے مطابق ایزک ٹیلر نے یہ لیکچر 1887ء میں دیا تھا۔(ثاقب قادری)

''اسلام نے شراب خوری، قمار بازی، اور زنا کاری ان تینوں برائیوں کو جنھوں نے عیسائی ملکوں کو بالکل ذلیل وخوار کر رکھا ہے، یک قلم موقوف کر دیا۔''[1]

ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر:[2]

Dr. G.W Leitner (1840-1899)

''اپنے عیسوی اور موسوی مذاہب کی پوری واقفیت سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے مذہب کی بنیاد صرف دوسرے مذہبوں کی نقل کرنے یا اُن کے عمدہ مسائل چن لینے ہی پر نہیں قائم کی بلکہ اگر خداوند کریم کے پاس سے الہام آنا برحق ہے تو آپ کا مذہب الہامی بھی ضرور تھا۔''

''شراب، خنزیر، غیر ذبیحہ گوشت کی ممانعت اور ان اشیاء کے (جسم سے) جدا کر دینے کے احکام جن کا رہ جانا باعث نقصان ہے، مسلمانوں پر تکلیف دہی کی غرض سے نافذ نہیں کئے گئے ہیں بلکہ جسمانی وروحانی فائدہ رَسانی کے لئے جاری ہوئے ہیں۔''

''ہندو اور عیسائیوں کی شادیوں کا طریقہ اصطباغی ہونے کی وجہ سے نکاح کا تقدس اس قدر معلوم نہیں ہوتا جتنا کہ مسلمانوں کے یہاں معلوم ہوتا ہے۔''

''خوش قسمتی سے ہم کوئی قصہ کہانی نہیں لکھتے ہیں بلکہ تاریخ کی رُو سے ایسے شخص کے حالات قلم بند کر رہے ہیں جس کا ہر قول فعل حدیث میں موجود ہے جو قرآن کے بعد مسلمانوں کا ہدایت نامہ ہے۔ ان احادیث کی صحت کی کامل تحقیقات کی جاتی ہے اور اگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فلاں حدیث آپ کے کسی خاص صحابی کی زبانی نہیں سنی تو وہ مجموعۂ احادیث سے خارج کر دی جاتی ہے اور پھر یہ بحث ہوتی ہے کہ محدثین نے اس کو کہاں سے پایا، ہمارے خداوند یسوع مسیح کے قول وفعل کی تحقیقات کے واسطے

---

[1] لیکچر پادری ایزک ٹیلر مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۱۔ رسائل حسن، ص ۵۶

[2] یہ لیکچر ''انگلش مین'' اخبار مؤرخہ ۲۶؍جولائی ۱۸۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔

اس طرح کا کوئی طریقہ مقرر نہیں۔‘‘[1]

مسٹر ڈیون پورٹ: John Daven Port(1877-1789)

اپنی کتاب ’’مؤید الاسلام‘‘ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

’’اس کتاب کی تصنیف سے میری غرض یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقائع عمری پر جو جھوٹے الزامات اور بے انصافانہ بہتان ہوئے ہیں، اُن کو میں رَفع کروں اور یہ ثابت کروں کہ آپ فی الحقیقت خلق اللہ کے بڑے مربی اور نفع رَساں تھے۔

مزید لکھتے ہیں:

’’آنحضرت ﷺ کو ایک شارع مذہب اور مقنن ملت خیال کرنا چاہیے۔‘‘[2]

’’اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقنن اور فتح کرنے والوں میں ایک بھی نام اس طرح نہیں لیا جاسکتا جس کے وقائع عمری آنحضرت (ﷺ) کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور صداقت سے لکھے گئے ہوں۔‘‘

’’اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے، بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدے کی تلقین کی گئی ہے اُس کی اشاعت صرف بزورِ شمشیر ہوئی تھی، کیونکہ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرّا ہیں وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کریں گے کہ حضرت محمد (ﷺ) کا دین مشرقی دنیا کے لئے ایک حقیقی برکت تھا۔‘‘[3]

(دو سطر بعد) پس ایسے اعلیٰ وسیلے کی نسبت جس کو قدرت نے بنی نوع انسان کے خیالات اور مسائل پر مدت دراز تک اثر ڈالنے کو پیدا کیا ہے گستاخانہ پیش آنا اور جاہلانہ مذمت کرنا کیسی لغو اور بیہودہ بات ہے۔

---

[1] لیکچر ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر مطبوعہ رحمانی پریس لاہور، بحوالہ انگلش مین اخبار ۲۶ر جولائی ۱۸۷۹ء

[2] مؤید الاسلام، ص ۱۷ مصنفہ جون ڈیون پورٹ مطبوعہ مطبع بدر الدجیٰ، دہلی

[3] ’’اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے‘‘ اسلامیہ پریس لاہور، بحوالہ ص ۷ محمد اینڈ قرآن مصنفہ جان ڈیون پورٹ

مسٹر ولیم میور(۱۷۹۹ء/ ۱۸۶۰ء):William Moir

اُس "احکم الحاکمین" یعنی ذاتِ باری کا وجود ثابت کرنے کے لئے اور انسان کو مطیع اور شکر گزار بنانے کو اُس کی بادشاہت کا دعویٰ قائم کرنے کی غرض سے قرآن میں دلائل بھرے پڑے ہیں، جن کو اُس کی شانِ رزّاقی اور قدرت سے متخرج کیا ہے آنے والی دنیا میں برائی اور بھلائی کا عوض ملے گا اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی ضرورت اور مخلوق کی خوشی اور فرض یہی ہے کہ خالق کی اطاعت اور پرستش کرے اور اس قسم کے اور مضامین قرآن میں خوبصورتی اور زور و شور سے بیان ہوئے ہیں۔"[۱]

گبن مؤرخ (۱۷۳۷ء/ ۱۷۹۴ء):Edward Gibbon

"بحر اٹلانٹک[۲] (Atlantic Ocean) سے دریائے گنگا[۳] تک قرآن قانون کی اصل مانا گیا ہے صرف مذہب کے ہی نہیں بلکہ دیوانی اور فوجداری مقدمات بھی اسی سے فیصل ہوتے ہیں اور انسان کے افعال اور مال کے معاملات خدا کی غیر مبدّل منظوری سے انتظام پاتے ہیں۔"[۴]

تھامس کارلائل (۱۷۹۵ء/ ۱۸۸۱ء):Thomas Carlyle

"جب تم ایک دفعہ اچھی طرح سے قرآن کو پڑھ لو گے تو اصلی صورت اس کی خود بخود تم کو نظر آنے لگے گی، اور یہ خوبی اس میں ایسی ہے کہ عالمانہ تصانیف میں نہیں

---

[۱] رسائل حسن، ص ۴۷

[۲] بحر اٹلانٹک دنیا کے بڑے پانچ سمندروں میں دوسرے نمبر پر آتا ہے یہ تقریباً 1065 ملین کلومیٹر رقبہ پر پھیلا ہوا ہے جو کہ دنیا کے کل رقبہ کا 20% اور کل بحری رقبہ کا 29% بنتا ہے۔ یہ شمال میں Arctic Ocean، جنوب مغرب میں Pacific Ocean، جنوب مشرق میں بحیرۂ ہند سے ملا ہوا ہے۔ وکی پیڈیا

[۳] انڈیا میں اس دریا کو دریائے گنگا اور بنگلہ دیش میں "پدمہ" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک سرحدی دریا ہے جو کہ انڈیا سے بنگلہ دیش کی طرف بہتا ہے۔ یہ دریا 2525 کلومیٹر رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ وکی پیڈیا

[۴] رسائل حسن، ص ۶۲

آسکتی۔ جو کتاب دل سے نکلی ہوگی وہی دلوں میں سرایت کرے گی۔ اس کے آگے مصنفین کے تمام صنائع بدائع ہیچ ہیں۔ اصلی خوبی قرآن کی اُس کا جوں کا توں ہونا ہے جیسی یہ کتاب صاحب کتاب کے منہ سے نکلی تھی وہی ہے۔ قرآن کے مطالب بلاتصنع ہیں اس کو میں کتاب کی خوبی جانتا ہوں۔ اور صرف یہی خوبی کتاب کے لئے کافی ہے اور اس ایک خوبی سے سب قسم کی خوبیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔''[۱]

مسٹر ٹامس کارلائل کے مزید اعترافات ملاحظہ ہوں۔ خاص طور سے قرآن مجید کے بارے میں ان کا قول ہے:

''قرآن شریف مسلمانوں کا مجموعۂ قوانین عامہ ہے اس میں قوانین مذہبی اور سلوک باہمی اور فوجداری اور دیوانی اور تجارتی اور فوجی اور ملکی اور سزا دہی سب موجود ہیں، اور مذہبی رسموں سے لے کر معاملات دُنیوی تک ہر ایک چیز کا مفصل بیان ہے۔ اور قرآن نجاتِ رُوح ہے اور صحتِ جسمانی اور حقوقِ عامہ اور حقوق شخصی اور نفع رَسانی خلائق اور نیکی اور بدی اور سزائے دینی و دُنیوی سب چیز پر حاوی ہے۔ لہٰذا قرآن شریف اصل میں انجیل سے بالکل مختلف ہے جس میں سے کہ ''کون صاحب'' کی رائے کے موافق مسائل مذہبی نہیں ہیں بلکہ عمدہ عمدہ حکایات اور تذکرے اور ایسی باتیں کہ جس سے خدا کی یاد اور تہذیب نفسی ہو موجود ہیں۔ قرآن شریف اور کتب آسمانی کی مانند صرف اُمورِ مذہبی اور عبادت ہی پر حاوی نہیں بلکہ اس میں نظم و نسق ملکی کا بھی بیان ہے۔ اسی بنیاد پر سلطنتیں قائم ہیں، اسی میں سے ہر ایک قانونِ ملکی اَخذ کیا جاتا ہے اور اس کے موافق ہر ایک تکرار مالی و ملکی فیصل ہوتی ہے۔''[۲]

''قتل اطفال (بچوں کو قتل کرنا) جو اُس زمانے میں قرب و جوار کے ملکوں میں

---

[۱] ریوائز ڈفیتھ آف اسلام مصنفہ ڈبلیو، ایچ، مسٹر عبداللہ کوئیلیم مطبوعہ مطبع اسلام، آگرہ ص ۴۶، رسائل حسن، ص ۶۲

[۲] کتاب مؤید الاسلام مصنفہ جون ڈیون پورٹ (John Daven Port) ص ۷۳، ۷۴ مطبع بدر الدجیٰ دہلی

رائج تھا، اسلام کے سبب سے بالکل معدوم ہوگیا۔" (ص ۴۷ کتاب مذکور، رسائل حسن، ص ۳۷)

"آنحضرت (ﷺ) کے مذہب کی صداقت اس بات سے اور بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ اس مذہب کو نکلے ہوئے ایک عرصۂ دراز منقضی ہو (یعنی گزرا) مگر اس میں اور مذہبوں کی مانند خالق کے بجائے مخلوق کی پرستش وغیرہ نہ ہوئی اور اہل اسلام نے اپنے وہم اور قیاس کی متابعت نہیں کی اور خدائے تعالیٰ کی پرستش پر قائم رہے اور اس کی بجائے بتوں کو نہ پوجنے لگے۔" (۹۰-۹۱ کتاب مذکور)

یہاں تک پادریوں اور عیسائیوں کے اقوال کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، فاضل مصنف نے ہندو پنڈتوں کے اقوال اور نظمیں بھی نقل کی ہیں جو کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعریف وثنا پر مشتمل ہیں، چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

☆ منشی مول چند منشیؔ دہلوی، حضور اقدس ﷺ کی نعت اور دین اسلام کی تعریف وتوصیف رقم کرتے ہیں۔

پُر از مشک و عنبر نہ کیوں ہو دہاں — ثنائے محمد (ﷺ) ہے وِردِ زباں
وہ ختم رُسل سرورِ نامور — فلک جس کے آگے جھکا تا ہے سر
سر سروراں ہے وہ عالی جناب — سپہر نبوت کا ہے آفتاب
جہاں جس کے دیں سے ہے روشن تمام — مہ انور اُس کا ہے داغی غلام
سر سروراں احمد مجتبیٰ — رسولِ خدا سیّد انبیاء
وہ مہر جہاں تاب اَوجِ جلال — وہ سرو سر افرازِ باغِ کمال
شفیع گناہاں بروزِ جزا — کشایندۂ عقدۂ مدعا
فرازندۂ رایت سروری — درخشندۂ خورشید پیغمبری
وہ ہے خاص خاصانِ پروردگار — کہ جس نے کیا دین کو اُستوار
قدم اُس نے معراج پر جب رکھا — تو پایہ بڑھا اور معراج کا
سپہر بریں کے زہے خوش نصیب — ہوا جلوہ گر واں خدا کا حبیب

میسر ہوا جبکہ قرب حضور	نظر اُس کو آیا وہ تابندہ نور
تجلی کہیں جس کو اہل یقیں	منور ہے جس سے زمان و زمیں
یہ بخشا اُسے پایہ گاہِ رفیع	ہوئے جس کے شاہانِ عالم مطیع
گرامی و اشرف ہے انسان میں	غرض اُس کی لولاک ہے شان میں
گنہگار ہوں میں بروزِ حساب	مری کیجیو تم شفاعت شتاب
یہ منشیؔ تمہارا ہے کمتر غلام	کرم اس پہ اپنا رکھو صبح و شام

(شاہنامہ اُردو مصنفہ منشی مول چند دہلوی)

مولانا حسن رضا بریلوی نے ہندوؤں کی عملی کارگزاریوں اور مسلمانوں کے متعلق ان کے طرزِ عمل بارے لکھتے ہیں:

''ان مشتے نمونہ اقوال کے بعد اب مخالفین کی عملی کارروائیوں پر بھی نظر کر لینی چاہئے جو بہت زور کے ساتھ ثابت کر دیں گی کہ اسلام اور اس کے پیروؤں اور اس کے مقدس معابد (عبادت گاہوں) کو وہ لوگ محض اسلامی نسبت کے سبب سے متبرک جانتے اور برگزیدہ مانتے ہیں اگرچہ مسلمانوں سے ہنود سخت پرہیز و اجتناب رکھتے ہیں اور چھوت چھات کے عجیب وغریب مسئلے پر بہت شدت کے ساتھ کار بند ہیں، مگر یہ پابندی اسی وقت تک محدود ہے جب تک وہ کسی بَلا میں مبتلا نہ ہوں۔ آفتاب سے زیادہ روشن اَمر ہے کہ ہنود جب اُن کے یہاں کسی بھوت پلید وغیرہ کا (جن کی خوشامد بلکہ پوجا میں وہ رات دن سرگرم ہیں) خلل ہو جاتا ہے تو تعویذ مسلمانوں ہی سے لے جاتے ہیں اور مسلمانوں ہی سے اپنے گھر میں اَذانیں کہلواتے ہیں، اپنے معابد شوالوں کو چھوڑ کر بچوں کو مساجد کے دروازوں پر نمازیوں سے دم ڈلوانے لاتے ہیں۔

رنجیت سنگھ (۱۷۸۰ء/ ۱۸۳۹ء) جو لاہور کا بااختیار راجہ تھا ایسے سخت تعصب پر

کہ مسلمانوں کو اذان دینے سے روکتا، گائے کا گوشت نہ کھانے دیتا، سیّدنا ومولانا حضرت غوث اعظم (۱۰۷۸ء/ ۱۱۶۶ء) کی گیارہویں شریف بڑی دُھوم دھام سے کرتا۔ گوالیار کے راج میں بھی یہ نیاز مبارک اور عشرۂ محرم شریف میں شربت وغیرہ کی سبیل ہوتی ہے۔

بڑودے کا گزشتہ راجہ جس سچی عقیدت کے ساتھ گیارہویں شریف کرتا، ظاہر ومشہور ہے۔ یہ نیاز ہندوستان میں بھی اکثر ہنود کرتے ہیں مگر اس کی کیفیت دکن والوں سے کوئی پوچھے کہ ہمارے حضور پُرنور (غوث اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکار میں وہاں ہنود کیسا اعتقاد رکھتے اور کس دُھوم سے یہ پاک نیاز کرتے ہیں اور کیسی کیسی کرامتیں اُن پر ظاہر ہوتی اور کس کس قسم کی دُنیوی حاجتیں (جو دنیا میں کسی سے پوری نہ ہوں) عطا فرمائی جاتی ہیں۔ دُور کیوں جائیے، ذرا اجمیر شریف میں حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پُر اَنوار کی زیارت کیجئے جہاں سینکڑوں ہندو ہاتھ جوڑتے، گڑگڑاتے، حاضر ہوتے ہیں اور اپنی منہ مانگی مرادیں بارگاہِ سلطانی سے پاتے ہیں۔

میں نے جو کچھ لکھا یہ اجمیر شریف ہی کے ہنود کی حالت نہیں بلکہ دُور دراز مقامات کے رہنے والے ہندو صرف اسی سرکار میں حاضری کی عزت حاصل کرنے کو مال صرف کرتے اور سفر کی تکلیفیں اُٹھاتے ہیں۔ اس کہنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہنود اپنے تیرتھوں کو نہیں جاتے۔ جاتے ہیں مگر وہاں سوا منڈنے کے اور کچھ نہیں پاتے، غرض اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے محض بوجہ طوالت قطع نظر کی جاتی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس دین متین کی خوبیاں بے حد و بے پایاں ایسی روشن ونمایاں ہیں کہ مخالفین تک (جنھیں ذرا بھی عقل وانصاف سے تعلق ہے) اس کے مدّاح وثناء خواں ہیں۔[1]

---

[1] دین حسن، ص ۳۲۔ رسائل حسن، ص ۸۲ تا ۸۴

عیسائی مصنفین کے اقوال نقل کرنے اور اسلام و پیغمبر اسلام کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں و بیاں کرنے کے بعد اہل انصاف غیر مسلم (ہندو) محققین و مفکرین کے اقوال و تحریرات درج کتاب کی ہیں۔ ان محققین و شعرا کے اسماء اور اُن کی کتب یہ ہیں:

☆ تقریظ ’گلستان مسرت‘ ملقب بہ ’حدائق المعانی‘ از منشی رام سہائے، مطبع مصطفائی، ☆ کتاب ’دستور الصبیان‘ مصنفہ: نوندھ رائے، ☆ از ’شاہنامہ اُردو‘ مصنفہ: منشی مول چند منشی دہلوی، ☆ از منشی گوہر پال رائے تفتہؔ، ردیف نون، ☆ از ’حدائق النجوم‘ مصنفہ: رتن سنگھ زخمیؔ لکھنوی بریلوی، ☆ تاریخ کتاب ’احیاء العلوم شریف‘ مصنفہ: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، از منشی کالکا پرشاد موجدؔ، ☆ تقریظ ’تاریخ فرشتہ‘ مطبوعہ نول کشور، از لالہ موجدؔ مذکوی، ☆ از کتاب ’خزانۃ العلم‘ مصنفہ: لالہ کانجھی کائستھ، ☆ از مجربات الحکمت، مصنفہ ہیرالال مطبوعہ مطبع گلزار ابراہیم، دہلی، ☆ از ’جواہر الترکیب‘ مصنفہ: لالہ سیو رام جوہرؔ، مطبوعہ مطبع مصطفائی، ☆ از ’گلزار نسیم‘ مصنفہ: دیبی شنکر نسیمؔ لکھنوی، ☆ از ’تمہید‘ مثنوی مولانا روم، منشی نول کشور آنجہانی مالک مطبع، از ’کلیات‘ بنواری لال شعلہؔ، مطبوعہ مطبع کائستھ علی گڑھ، ☆ از ’سراپا سخن‘ مصنفہ: موجی رام موجیؔ لکھنوی، مطبوعہ نول کشور، ☆ تقریظ ’انشائے صنعت‘ معروف بہ ’ارمغان ہند‘ مصنفہ: بانکے لال نیازؔ بدایونی، مطبوعہ انوار محمدی، بریلی۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ طارق نے ’’دین حسن‘‘ کے تعارف اور چند عبارات کی تشریح پر ایک مقالہ رقم کیا ہے۔ اس کی افادیت کے پیش نظر چند اہم اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

’’۴۸ رکتابی صفحات پر مشتمل رسالہ ’’دین حسن‘‘ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں غیر مسلم مصنفین کے اعترافات حقیقت کی ایک بیش قیمت تلخیص ہے۔ مولانا نے اس میں عیسائی اور ہندو حضرات کے اعترافات کا ایک ایسا انتخاب یک جا کر دیا ہے جو ایک طرف مومنین کے لیے باعث تقویت ایمان ہے تو وہیں دوسری جانب ان شاء اللہ تعالیٰ مخالفانِ اسلام کے لیے ایک زبردست حجت ثابت ہوگا۔

''دینِ حسن'' کے ۴۸ صفحات میں سے ابتدائی ۱۵/ اور آخری ۲/ صفحات میں مولانا مرحوم نے اپنے الفاظ میں غیر مسلمین کے طرزِ عمل اور دین اسلام کے محاسن پر ایک سیر حاصل تعارف وتبصرہ تحریر فرمایا ہے۔ تو باقی ۳۱/ صفحات غیر مسلمین کی تحریروں کے حوالوں پر مشتمل ہیں۔ یہ ۱۷/ صفحات مولانا کے دل کش طرزِ بیان اور جامعیت کا حسین مرقع ہیں۔ اِستدلال کی بے ساختگی دیکھئے:

''اَفسوس مٹی کے برتن کا خریدار اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھے۔ ٹھونک بجا کر لے اور ہم مذہب جیسی ضروری چیز کو بے سوچے سمجھے اختیار کر بیٹھیں۔'' [1]

سر باز ارفحاشیوں اور بے حیائیوں کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''(یہ صورت حال) دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ مذہبی احکام ہیں جو عبادت سمجھ کر بے مزاحمت احدے و مداخلت دیگرے بے دھڑک اَدا کئے جاتے ہیں یا مذہب تو روکتا ہے مگر بدمذہب پیشوا سونٹھ کی ناس لئے بیٹھے ہیں۔ اگر مذہب ہی نے اجازت دی ہے تو ایسے مہذب اور حیادار مذہب کا کیا کہنا اور اگر پیشواؤں نے نظارہ بازی کی طمع یا اس سے بھی بڑھ کر کسی دوسرے شرم ناک لالچ سے سکوت اختیار کرلیا ہے تو ہم اسی قدر کہنا کافی سمجھیں گے کہ مذہبی اَحکام کی اشاعت مذہبی پیشواؤں سے ہوتی ہے جب ان کا یہ حال ہے تو ہدایت کہاں کی۔'' [2]

کتنی خوبصورتی سے ہندو دیوی دیوتاؤں کے شرم ناک قصوں، جنوبی ہند کے مناری دیوداسیوں اور عیسائی پادریوں کی عیاشیوں پر چوٹ کی ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس مختصر سی تقریر کو بار بار پڑھنے اور دَورِ حاضر کے بیشتر واعظین کی طویل و نام نہاد مرصع تقاریر سے موازنہ کیجئے بے اختیار یہی منہ سے نکلے گا۔

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی — برقِ طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی

---

[1] حسن رضا خاں، مولانا، ذوقِ نعت، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س ن، ص ۴۴

[2] دینِ حسن، ص ۱۳، ۱۴

رہ گئی رسم اَذاں، رُوحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

مولانا کے اندازِ بیان کی ندرت بھی منفرد ہے۔ عیسائیوں کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے لئے کیا الفاظ اَدا کئے، ان میں تازیانہ بھی ہے اور سلیقہ بھی۔

''جس مذہب میں ایسے شیوے، یہ وتیرے ذلت کی نظر سے دیکھے جائیں، قابل نفرت ٹھہریں، وہ سچائی کی جان اور راستی کی کان ہو سکتا ہے؟؟

ہمارے مہذب مذہب نے ہم کو بے غیرتی اور بے حیائی سے بھی باز رکھا۔ نہ مسلمان کھڑے ہو کر دھار لگائیں......''[1]

یہ ہمارے لئے بھی مقام عبرت ہے کہ آج اس عیب کو ہم غیر مسلموں کے لئے مخصوص قرار نہیں دے سکتے۔ اسی قسم کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

''دُور کیوں جایئے۔ ذرا اجمیر شریف میں حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ پُر انوار کی زیارت کیجئے جہاں سینکڑوں ہندو ہاتھ جوڑے گڑ گڑاتے سجدے کرتے حاضر ہوتے ہیں......

اس کہنے سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہنود اپنے تیرتھوں کو نہیں جاتے۔ جاتے ہیں مگر وہاں ہوا منڈنے کے اور کچھ نہیں پاتے۔''[2]

لیکن آج یہی الفاظ ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ بزرگانِ دین کی زیارت گاہوں پر کہیں یہ منظر تو نہیں دہرایا جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں درگاہ خواجہ شریف کے خدّام کے خاندان کے کچھ بے راہرو لفنگے لڑکوں کا جنسی اسکینڈل میں ملوث ہونا تمام ملکی اخباروں نے چٹخارے لے لے کر اُچھالا۔ ملک کی عدالتوں میں سجادہ نشین اور خدام کے ایک دوسرے کے خلاف پچاس سے زائد مقدمات اور زائرین کا اسٹیشن پر اُترتے ہی دلالوں کے ہاتھ نیلام وہ خبریں ہیں جن سے ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ علاوہ اَزیں قبروں پر سجدہ چاہے وہ سجدۂ عبودیت ہو یا

---

[1] دین حسن، ص ۱۳

[2] دین حسن، ص ۴۷

سجدۂ تعظیمی اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔ ہمارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتوی بھی اسی پر ہے۔ ہم اگر ان ہندو حضرات اور ان کے ساتھ ہی کچھ گمراہ مسلمانوں کو اس سے منع نہیں کریں گے تو کیا بزرگانِ دین کی آرام گاہوں کا تقدّس پامال نہ ہوگا؟

مرے نالے تو ایسے تھے کہ پتھر بھی پگھل جاتے
الٰہی تیری دنیا میں کوئی درد آشنا بھی ہے؟

مولانا نے جا بجا عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں کے اَحوال اس پیرائے میں بیان کیئے ہیں کہ علماءِ سُو اور دین سے بے بہرہ مسلمانوں کے لئے لمحات فکریہ کی دردمند دعوت دیتے محسوس ہوتے ہیں۔ مثلاً

''پادری اور برہمن جو اپنے اپنے مذہب کے پیشوا تسلیم کیئے جاتے ہیں، باوجود مالدار ہونے کے مذہبی طور پر بالعموم شدت سے لامع اور لالچی ہوتے ہیں کہ ان کے مقلدوں کی آمدنی کا ایک معقول حصہ ان کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ جیتے جی تو جیتے جی مرنے پر بھی ان غریبوں کا پیچھا نہیں چھوٹتا، نو چا ناچی چلی جاتی ہے۔ ہر خوشی، ہر غمی میں بے ان کے شریک کیئے کام نہیں چلتا۔ گویا مذہبی پیشوائی مال مفت ڈکارنے کی مشین اور یہ ممتاز عہدہ بالجبر بھیک حاصل کرنے کا ایک پاس ہے کہ جیو یا مرو یاروں کا ٹکا اِدھر دھرو۔ اسلام اپنے علماء کو باوصف افلاس طامع ہونے سے منع کرتا ہے نہ ان کے مقلد مذہبی طریقے سے مجبور کیئے گئے ہیں کہ بے ان کی شرکت کے یا بغیر کچھ نذر پکڑے کوئی کام انجام نہ پائے بلکہ اسلام نے مال اور لالچ کے دروازے بہت زور سے بند کر دیئے۔''[1]

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت، اپنے مال و اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر محبت کرنا ایمان کا جز ہے۔ احترام و ادب اس محبت کا لازمی تقاضا ہے۔ مولانا نے غیر مسلموں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

[1] حسن رضا خان، مولانا، ذوقِ نعت، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س ن، ص ۳۰

کے لئے توصیفی الفاظ نقل کرتے وقت نہ صرف پاسِ ادب کو بدرجۂ اَتم ملحوظ رکھا ہے بلکہ ان مقامات پر بھی حد درجہ احتیاط کا دامن تھامے رہے ہیں جہاں بظاہر بے ادبی کا احتمال نظر نہیں آتا...... مؤرخ گبن کے الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں:

''یہ بات آپ کی صاف باطنی پر خوب دال ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ آپ کے دوست اور اہل خاندان تھے جو آپ کی عادات سے خوب واقف تھے۔ (معاذ اللہ) آپ...... ہوتے تو یہ لوگ آپ پر ہرگز ایمان نہ لاتے اور ان پر بھی یہ...... ضرور ظاہر ہوتا۔''[1]

احتیاط کی انتہا دیکھئے کہ قوسین میں ''معاذ اللہ'' کا اضافہ کرنے کے بعد بھی ترجمے سے ''جھوٹے'' اور ''جھوٹ'' یہ دو الفاظ حذف کر کے خالی جگہ چھوڑ دی۔ عیسائی نے بھی آنحضور ﷺ کے صدق کی گواہی میں بطورِ تردید ان لفظوں کو لکھا تھا لیکن احترام رسول کا یہ پاکیزہ نمونہ یقیناً بارگاہِ ربّ العزت میں گواہی دے گا کہ اس عاشق رسول کو بطورِ تردید بھی ذکر اقدس کے ساتھ منفی صفات کا نقل کرنا گوارا نہ ہوا کیونکہ یہ وہ بارگاہ ہے جہاں سے:

خورشید بھی گیا تو وہاں سر کے بل گیا

مولانا مرحوم کے تحریر کردہ ۱۷ صفحات میں اتنی جامعیت ہے کہ ان صفحات کی ایک باقاعدہ شرح لکھی جانے کی ضرورت ہے چند نمونے نذر قارئین ہیں:

''جس مذہب میں عابدوں سے معبود زیادہ ہوں یا جس میں تین زاویوں والے مثلث کی پرستش ہو جس کا ایک زاویہ مذہبی طور پر خارج ہو کر مثلث کو ناقص و ناتمام چھوڑ جائے، ان کی جو حالت ہے انصاف پسند حق جو طبیعت پر بخوبی روشن ہے۔'' (ص ۱۲)

''عابدوں سے معبود زیادہ ہونے'' کا اشارہ ہندو مذہب کی طرف ہے جن کے ۴۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں کی تعداد خود ہندو مصنفین کی تحریروں میں بکثرت منقول ہے:

---

[1] دین حسن، ص ۳۵

''تین زاویوں والے مثلث کی پرستش'' ان الفاظ کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ عیسائیوں کی عظیم اکثریت تین خداؤں کی قائل ہے۔ یہ تین عیسائی عقیدے کے مطابق اس طرح ہیں۔(نعوذ باللہ) باپ یعنی خدا، بیٹا یعنی عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور رُوح القدس۔

''ایک زاویہ مذہبی طور پر خارج ہو کر مثلث کو ناقص و ناتمام چھوڑ جائے۔''

یہ جملہ انتہائی ذومعنی اور مشرکانہ عقیدے پر سہ طرفہ چوٹ ہے۔

اوّل تو یہ کہ ''رُوح القدس'' کیا ہے اور کون ہے، اسے عیسائی پادری آج تک واضح نہیں کر سکے۔ ان کی خدائی تثلیث کا یہ وہ زاویہ ہے جو خود اُن کے لئے معمہ بنا ہوا ہے اور اس لئے الفاظ کی حد تک تو رُوح القدس کا نام آتا ہے لیکن عملاً عیسائیوں کی پرستش (نعوذ باللہ) باپ اور بیٹے تک محدود ہے۔

دوم یہ کہ عیسائی عقیدے کے مطابق (نعوذ باللہ) خدا کے اکلوتے بیٹے مسیح کو سُولی پر چڑھا دیا گیا۔

''ایک زاویے کا مذہبی طور پر خارج ہو کر مثلث کو ناقص و ناتمام چھوڑ جانا۔''

اس عقیدے پر بھی ایک لطیف طنز ہے۔

سوم یہ کہ عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ ''یہ تینوں خدا تین ہو کر ایک ہیں اور ایک ہو کر تین'' اس ناقابل فہم عقیدے کو سمجھانے کے لئے جو طرح طرح کے ناکام جتن وہ کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''جیسے ایک مثلث کی تین لکیریں اور تین زاویے ہوتے ہوئے بھی مثلث ایک رہتا ہے۔ ایسے ہی تین خدا ہوتے ہوئے بھی ایک ہی خدا رہتا ہے۔

مولانا کا اشارہ اس طرف ہے کہ چاہے عملاً رُوح القدس کے بے کار رہنے سے یا بیٹے کے سُولی چڑھ جانے سے، ہر دو شکلوں میں ایک لکیر یا ایک زاویہ خارج ہو گیا اور اس طرح مثلث والی توجیہہ باطل ہوئی۔

کتنے جامع الفاظ میں ایک ہی جملے کے ذریعہ مولانا کتنی لمبی تفصیلات بیان کر گئے ہیں

اور سہ آتشہ چوٹ کے ذریعہ عیسائی عقائد کا بطلان بھی کر گئے ہیں۔

ایک اور مثال دیکھیں:

''مگر عجیب ہے آج کل کے بعض نئی روشنی والوں سے کہ بائبل کو بھی جیوں کا تیوں مان رہے ہیں۔اس مجموعہ کو کلام خدا کہتے ہیں۔'' (ص ۳۴ برحاشیہ)

اس جملے کے بعد مولانا نے بائبل کے محرّف ہونے کی خود بائبل کی سینکڑوں اندرونی شہادتوں میں سے چند کا تذکرہ کیا ہے۔لیکن قارئین کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج خود عیسائی پادری و محقق موجودہ بائبل کے محرّف ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

مولانا کی تحریر کی ایک عجیب وغریب خوبی یہ ہے کہ وہ ایسے پُرمعنی الفاظ استعمال کر جاتے ہیں جن میں پوری پوری حکایات پوشیدہ ہیں لیکن پھر بھی ایک ایسے قاری کو جو ان جامع الفاظ کی حقیقت سے ناواقف ہو اور ان الفاظ کو ان کے عام لغوی معنوں سے تعبیر کرتا ہو، ربط کلام ذرا بھی ٹوٹتا محسوس نہیں ہوتا، وہ اس جملے سے اپنا عام فہم مطلب نکال لیتا ہے۔اس نکتہ کو میں مولانا کی تحریر سے مثال کے ذریعہ واضح کروں گا۔

''تعجب کا مقام اور حیرت انگیز جگہ تو یہ ہے کہ "ورفعنا لك ذكرك" کے زبردست اثر نے یہاں تک ترقی کی کہ مخالفین سے بھی اَن کہی کہلوا چھوڑی، جھوٹ بولنے والی زبانوں اور بداندیش سے اپنی مدح کے بول بلوالیے''۔(دین حسن، ص ۱۵)

جس قاری کو مندرجہ بالا جملے میں ''اَن کہی'' کا اصل مفہوم معلوم نہ ہو وہ اسے عام لغوی معنی میں مراد لے گا اور پورا جملہ سمجھنے میں اسے بھی کوئی دقت پیش نہیں آئے گی لیکن اس جملے میں ''ان کہی'' کے استعمال کی خوبی یہ ہے کہ اس کا اصل مفہوم کچھ اور ہی ہے صرف وہ سمجھ اور سراہ سکتے ہیں جنہیں اس کا علم ہے۔ہندوؤں میں بہت سے ایسے راز سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں جن کو مسلمانوں سے حتی الامکان پوشیدہ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔''اَن کہی'' اُن رازوں میں سے ایک راز ہے۔ہندوؤں میں جان کنی کے وقت نزع کی تکلیف سے بچانے کے لئے اسے پلنگ سے اُٹھا کر زمین پر لٹا دیا جاتا تھا اور اُس کے کان میں ''اَن کہی'' کی سرگوشی کی جاتی تھی۔''ان

کہی'' کے الفاظ یوں ہیں:

''لا الہ ہرنی پاپم الا اللہ پرم پدم''
''جنم بیکنٹھ پراب ہوتی تو جپے نام محمدم''

مفہوم اس کا یہ ہے کہ ''لا الہٰ'' کہنے سے پاپ مٹ جاتے ہیں ''لا الہٰ الا اللہ'' کہنے سے پرم پد (مقام امامت) حاصل ہوتا ہے۔ اگر بہشت میں زندگی چاہتے ہو تو ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام جپا کرو۔

ان الفاظ کی برکت سے جان کنی کے مریض کی رُوح آسانی سے جسم سے جدا ہو جاتی تھی۔ (یہ طریقہ اب بھی کہیں کہیں رائج ہے)۔

''اَن کہی'' کی اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب مولانا کے الفاظ دوبارہ ملاحظہ فرما کر لطف اندوز ہوں:

''...... حیرت انگیز جگہ تو یہ ہے کہ و رفعنا لك ذكرك کے زبردست اَثر نے یہاں تک ترقی کی کہ مخالفین اسلام سے بھی اَن کہی کہلوا چھوڑی......''

اساتذہ کے منظوم کلام کی اس خصوصیت سے تو سبھی واقف ہیں کہ ان کے ایک ایک شعر کی کئی کئی شرحیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن نثر کا یہ انداز اُستاذ الاساتذہ ہی کا حصہ ہے۔ قارئین کو اب تک کی مثالوں سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میرا یہ دعویٰ کہ ''مولانا کے ۱۷ صفحات کی شرح لکھی جانے کی ضرورت ہے'' بے بنیاد اور مبالغہ آمیز نہیں تھا۔

☆

الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية
المعروف بہ تُزکِ مرتضوی

ردِّ تفضیل پر مولانا حسن رضا کی ایک نادِر و نایاب تالیف ہے۔[1] اس کے دونوں نام تاریخی ہیں۔ ''الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية'' سے سن ۱۳۰۰ ہجری اور ''تزک مرتضوی'' سے عیسوی سن ۱۸۸۳ء برآمد ہوتا ہے۔ پہلی بار مطبع جماعت تجارت اسلامیہ، میرٹھ سے طبع ہوئی اور غالباً دوبارہ شائع نہ ہوئی۔[2]

اس کتاب میں مولانا نے افضلیت شیخین اور خصائص وفضائل سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر کلام فرمایا ہے اور آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ کے ساتھ اکابر علماء وصوفیہ کے اَقوال سے مسلکِ حقّہ اہل سنت کی تشریح فرمائی اور فرقۂ تفضیلیہ کو دعوتِ فکر پیش کی ہے۔

---

[1] حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۴۴ پر اس کتاب کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی تصنیف شمار کیا ہے۔ تصانیف اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۳۰۵ درج ہے۔ مزید اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۴۸ پر ردّ نواصب کے عنوان کے تحت اعلیٰ حضرت کی تصنیف کے طور پر اس کتاب کو بیان کیا گیا ہے۔ مزید صفحہ نمبر ۲۰۶ پر ''ردّ تفضیلیہ'' کے عنوان سے سات تصانیف کے نام لکھے، جن میں سے ایک ''الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية المعروف بہ تزک مرتضوی'' ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ ثاقب قادری

[2] یہ رسالہ سنہ ۲۰۱۱ء میں راقم کو مولانا رضاء الحسن قادری (مدیر دار الاسلام، لاہور) سے دستیاب ہوا، راقم نے اس کی جدید اشاعت کا ارادہ کرتے ہوئے تمام رسالہ از خود کمپوز کیا اور تخریج حوالہ جات کے لیے علامہ محمد افروز قادری چریاکوٹی سے رابطہ کیا۔ راقم کی تحریک وتشویق سے انہوں نے رسالہ کی جدید ترتیب وتخریج کا کام انجام دیا، اور برادرِ گرامی محمد عثمان نقشبندی (بانی ومہتمم نفس اسلام ڈاٹ کام) کے مالی تعاون سے پاکستان میں اسے نہایت خوبصورت انداز میں شائع کیا گیا۔ جدید اشاعت ۴۸ رصفحات پر مشتمل ہے جو کہ مکتبۂ اعلیٰ حضرت، لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ نیز یہ رسالہ کتاب ''رسائل حسن'' مطبوعہ اکبر بک سیلرز (پاکستان) اور رضا اکیڈمی (انڈیا) میں بھی شامل ہے۔ ثاقب قادری

کتاب کے آخر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصنیف "مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین" سے "تبصرۂ سابعہ" کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے جس میں مولائے کائنات علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اٹھارہ (۱۸) خصائص کو بیان کیا گیا ہے۔ اشاعت جدید میں راقم نے تبصرۂ سابعہ کی افادیت کے پیش نظر مکمل شامل کر دیا ہے۔ بعض مقامات سے نسخہ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے مکمل عبارت نقل نہ ہو سکی۔ سرِورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

"الحمد للہ کہ در فضائل علیہ جناب مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع بعض دلائل مختصر و عام فہم مسئلہ تفضیل حضرات شیخین رضی اللہ عنہما ایں رسالہ سیف قاطع و برق لامع مسمّٰی بنام تاریخی "الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية" [۱۳۰۰ھ] ملقب بلقب مشعر سال عیسوی اعنی "تزك مرتضوى" [۱۸۸۳ء] از تالیف لطیف جناب مولوی حسن رضا خان حسنؔ قادری برکاتی ابوالحسینی بریلوی بفرمائش جناب مولوی غلام شبّر قادری برکاتی ابوالحسینی بدایونی۔"

اس رسالہ کے مقصد تصنیف و تالیف بارے فاضل مصنف مولانا حسن رضا بریلوی لکھتے ہیں:

"اما بعد! فقیر حقیر سراپا تقصیر محمد حسن رضا حسنؔ قادری برکاتی بوالحسینی بریلوی۔ غَفَرَ اللّٰهُ الْقَوِيُّ ذَنْبَهُ الْخَفِيَّ وَ الْجَلِيَّ۔ اپنے ربِّ قدیر جل جلالہ کی اِعانت اور اُس کے حبیب ِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عنایت پر توکل کر کے ناظران حق بین اور برادرانِ دِین کی خدمت میں بہ محض ہمدردی و خیر خواہی سلسلہ جُنبانِ خبرت و آگاہی کہ اِس زمانۂ شور و فتن اور شر و محن میں مسئلہ تفضیل بھی اِک عجب مخمصہ خیز اور تعجب انگیز مسئلہ ہوتا جارہا ہے۔ راہِ قدیم اور صراطِ مستقیم اہل سنت۔ نَصَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى سے بہک کر ہر جاہل عامی پختہ کار خامی کا مسلک جدا ہے۔

حضراتِ تفضیلیہ کا تو ذکر ہی کیا ہے، وہ تو اپنے ذہن میں جو فرمائیں، اُن کو سزا ہے: مگر بعض صاحبوں نے تفریط کی ضد میں اِفراط کی ٹھہرائی، اور حضراتِ شیخین کی تفضیل ہر اِعتبار سے بتائی۔ اہل سنت کو تو اِفراط و تفریط اور خبط و تخلیط سب کا اُٹھانا: لہٰذا فقیر نے بعض خصائص جَلیّہ و فضائل علیّہ حضرت والا سیّد و مولیٰ شیر خدا بازوئے مصطفی علی مرتضیٰ

کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْاَسْنٰی۔ کا نہ جاننے والوں کو بتانا، بھولے ہوؤں کو یاد دِلانا اَنسب واَولیٰ جانا کہ اِس میں علاوہ اور فائدوں کے رحمت ِ اِلٰہی کا نزول کیسا ہے!۔

نبی ﷺ سے مروی: ''علی کا ذِکر عبادت ِخدا ہے''۔ [1]

اور وارد ہوا: 'اچھوں کی یاد کفارۂ ذنوب ہے'۔ [2]

اور فرمایا: ایک شخص کا ہدایت پانا ہفت اِقلیم ملنے سے خوب ہے۔''

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر قرآن کریم سے دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علی اَعلیٰ، ولی والا، مالک ومولیٰ، بلند و بالا، سب خوبیوں والا، سب سے نرالا، ذو الاسماءِ الحسنیٰ و الصفات الاسنیٰ اللہ جل وعلا وتبارک وتعالیٰ قرآنِ عظیم وفرقانِ حکیم میں اِرشاد فرماتا ہے :

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۝ (سورۂ حجرات: ۴۹/ ۱۳)

بے شک تم سب میں بزرگ تر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا ''اَتقٰی'' ہے۔ یعنی سب میں بڑا پرہیزگار۔

یہاں تو اَتقٰی کو سب پر تفضیل اور عند اللہ زیادتِ کرامت میں ترجیح دی جارہی ہے اور دوسری جگہ فرماتا ہے :

''وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی ۙ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰۤی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی ۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی'' (سورۃ اللیل: ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱)

اور نزدیک ہے کہ جہنم سے بچایا جائے گا وہ سب میں بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے ستھرا ہونے کو اور اُس پر کسی کا ایسا اِحسان نہیں جس کا بدلا دیا جائے سوا اپنے برتر پروردگار کی رضا چاہنے کے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

---

[1] ذِکْرُ عَلِیٍ عِبَادَۃٌ۔ کنز العمال: ۱۱/ ۶۰۱ حدیث: ۳۲۸۹۴...... جامع الاحادیث، سیوطی: ۱۳/ ۴۰ حدیث: ۱۲۵۰۴...... جمع الجوامع، سیوطی: ۱/ ۱۲۶۴۲ حدیث: ۱۲۶۸۶۔

[2] ذکر الصالحین کفارۃ الذنوب۔ کنز العمال: ۱۵/ ۹۱۸ حدیث: ۴۳۵۸۴...... جامع الاحادیث: ۱۳/ ۴۰ حدیث: ۱۲۵۰۳...... جمع الجوامع، سیوطی: ۱/ ۱۲۶۴۱ حدیث: ۱۲۶۸۵۔

ائمہ دِین فرماتے ہیں:

آیۂ کریمہ میں بالاجماع "اَتقٰی" سے جناب سیدنا اِمام المتقین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور یہ معنیٰ اَحادیثِ کثیرہ سے بھی ثابت ہے: حتیٰ کہ طبرسی نے اپنے رِفض کے باوجود "تفسیر مجمع البیان" میں اِسی کو مقبول رکھا اور اِنکار کا یارا اور اِقرار سے چارانہ پایا۔

اب یہاں تو یہ فرمایا کہ صدیق "اَتقٰی" ہیں اور پہلی آیت میں یہ اِرشاد ہو چکا کہ ہمارے نزدیک "اَکرم" وہ ہے جو "اتقی" ہو، تو گواہیٔ اِلٰہی سے صاف ثابت ہو لیا کہ صدیق، اللہ کے نزدیک تمام اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اَکرم و افضل اور اعظم و اَجل ہیں۔ وھُوَالمقصُودُ وَ الحمْدُ للّٰہِ ربِّ العٰلَمِینَ۔

یہاں پر مولانا حسن رضا "تدلّیِ جبروتِ اِلٰہی" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ہاں کدھر گئے اَفضلیتِ صدیق میں رخنے ڈالنے والے!

کیا ہوئے اِس منصبِ رفیع کو ہلکی باتوں پر ڈھالنے والے!!

ربِّ جبار و قہار سے شرمائیں اور ذرا اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ کے معنیٰ فرمائیں!!!

کیا یہاں سے محض سیاست و خلافت وغیرہما اُمورِ ظاہریہ کی خبر ملتی ہے، یا نسیمِ تحقیق سے اللہ کے نزدیک زیادتِ عزت، علوِ مرتبت اور بلندیِ منزلت کی کلی کھلتی ہے! واللہ الموفق

حضرات شیخین کریمین کی افضلیت بارے احادیث کریمہ اور اقوال صحابہ و ائمہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملک العٰلمین مالک الاوّلین و الآخرین بندۂ خالق و مولائے خلائق حضور پُر نور محمد رسول اللہ اَرۡوَاحُنَا فِدَاہُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ عَلَیۡہِ وَعَلٰی جَمِیۡعِ اَحۡبَابِہٖ اِرشاد فرماتے ہیں:

اَبُوۡ بَکۡرٍ وَ عُمَرُ خَیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ وَ خَیۡرُ اَہۡلِ السَّمٰوٰتِ وَ خَیۡرُ اَہۡلِ الۡاَرَضِیۡنَ اِلَّا الۡاَنۡبِیَاۗءَ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ۔ [1]

---

[1] الکامل ابن عدی: ۲/ ۱۸۰...... جمع الجوامع سیوطی: ۱/ ۵۰۶ حدیث: ۲۳۰...... کنز العمال: ۱۱/ ۵۶۰۔

ابوبکر وعمر بہتر ہیں سب اگلوں پچھلوں سے اور بہتر ہیں تمام فرشتوں سے اور بہتر ہیں تمام آدمیوں سے سوا انبیا و مرسلین کے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔

خلاصہ یہ کہ ہم یہاں مافیہ التفاضل کو (یعنی جس چیز میں فضیلت دی گئی ہے اس کی بابت) پوچھتے ہیں اور اُس کا مفضل اور مفضل علیہ میں اِشتراک لازم کمالا یخفی۔

امیر المومنین اِمام العادلین غیظ المنافقین حضرت سیدنا و مولانا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ بِاِیْمَانِ أَھْلِ الأَرْضِ لَرَجَحَ بِھِمْ۔[1]

اگر ابو بکر کا اِیمان سب آدمیوں کے اِیمان سے تولا جائے، تو بے شک ابو بکر کا اِیمان غالب آئے۔

بلکہ 'کامل' امام ابن عدی اور 'مسند الفردوس' میں بہ روایت حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مروی حضور اقدس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَوْ وُضِعَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ عَلٰی اِیْمَانِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ لَرَجَحَ بِھَا۔[2]

اگر ابو بکر کا اِیمان اِس تمام اُمت کے اِیمان پر رکھا جائے، تو یقیناً ابو بکر کا اِیمان ہی غالب آئے گا۔

امیر المومنین اِمام الواصلین قاتل الخوارج دامغ الروافض قامع المفضّلین حضرت سیدنا و مولانا علی اَسد اللہ الغالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

یرحمك الله یا ابا بکر کنت اوّل القوم اسلاما و اخلصهم ایمانا و اشدهم یقینا و اخوفهم لله و اکثرهم مناقب و ارفعهم درجة و اقربهم وسیلة و اشبههم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه واٰله وسلم هدیا و سمتا و رحمة و فضلا و اشرفهم منزلة و اکرمهم علیه فوالله لن یصاب

[1] مسند اسحٰق بن راہویہ: ۳/ ۱۷۲ حدیث: ۱۱۳۴...... شعب الایمان: ۱/ ۴۲ حدیث: ۳۵...... الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۳/ ۱۸۳ حدیث: ۱۱۵۵...... کنز العمال: ۱۲/ ۴۹۳ حدیث: ۳۵۶۱۴۔

[2] الکامل ابن عدی: ۵/ ۲۶۰...... اُصول اعتقاد اہل السنہ والجماعہ لالکائی: ۶/ ۱۸ حدیث: ۱۹۸۰۔

المسلمون بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اٰلہ و سلم بمثلك ابدا
۔رواہ الامام ابو عمر بن عبد البر فی ''الاستیعاب'' عن امیة بن صفوان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابن السمان فی ''الموافقة'' و المحبّ الطبری فی ''الریاض
النضرة'' فی حدیث طویل جامع لفرائد فوائد تقطع دابر التفضیل۔

یعنی اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔آپ کا اِسلام سب سے آگے تھا...... آپ کا اِیمان سب سے زیادہ خالص......آپ کا یقین سب سے مضبوط......خوفِ اِلٰہی آپ کو سب سے بڑھ کر......مناقب آپ کے سب سے اکثر...... درجہ آپ کا سب سے بلند تر......وسیلہ آپ کا سب سے قریب تر......اور جیسے آپ چال ڈھال، مہربانی، اور بزرگی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھے، ایسا کوئی نہ تھا......اور آپ کا رُتبہ سب سے شریف تر......اور آپ کی عزت بارگاہِ رسالت میں سب سے بڑھ کر۔سوٗخدا کی قسم !رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں پر کسی کا اِنتقال وہ مصیبت نہ ہوگا جیسا آپ کا انتقال!!۔

یہاں حاشیہ میں مولانا حسن رضا دارقطنی سے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سرورِ عالم ﷺ کے صحابی اور امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقرب تھے اور جناب امیر اُنھیں ''واجب الخیر'' فرمایا کرتے-روایت کرتے ہیں :

انه کان یری ان علیا افضل الامة فسمع اقواما یخالفونه فحزن شدیدا،
فسأله علی بعد ان اخذه بیده و ادخله بیته ما احزنك یا ابا جحیفة!
فذکر له الخبر۔ فقال له الا اخبرك بخیر الامة خیرها ابوبکر ثم عمر۔
قال ابو جحیفة فاعطیت اللہ تعالیٰ عهدا ان لا اکتم هذا الحدیث بعد
ان شافهنی به علی ما بقیت۔

یعنی اُن کے اِعتقاد میں تھا کہ جنابِ امیر افضل اُمت ہیں، پھر لوگوں کو اپنے زعم کے خلاف کہتے سنا، تو اُنھیں سخت رنج ہوا۔جنابِ مرتضوی اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے معرفت خانہ اسد اللٰہی میں لے گئے اور غم کی وجہ پوچھی۔اُنھوں نے کیفیت عرض کی۔تو آپ نے

فرمایا: الا اخبرك بخیر الامة خیرها ابو بکر ثمّ عمر۔ کیا تمھیں خبر نہ دوں کہ اُمت میں بہترین کون ہیں؟۔ ابو بکر ہیں، پھر عمر (رضی اللہ عنہما)۔

ابو جحیفہ فرماتے ہیں: فاعطیت اللہ تعالیٰ عهدا ان لا اکتم هذا الحدیث بعد ان شافهنی به علی ما بقیت۔ پھر میں نے خدا سے عہد کیا کہ جب تک زندہ رہوں گا، اِس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اِس کے کہ خود جناب امیر نے میرے رُو بہ رُو ایسا اِرشاد فرمایا۔

اس روایت کے ذیل میں مولانا حسن رضا اِفادہ کرتے ہیں:

''یہاں سے اُن نادانوں کا وہم خوب اچھی طرح دفع ہوگیا جو اِس قسم کے کلماتِ مرتضویہ کو تواضع پر محمول کرتے ہیں کہ اگر تفضیل مرتضوی حق تھی تو اپنے ایک سچے دوست کے سچے عقیدہ کو بدل دینا اور اِس اہتمام کے ساتھ الگ لے جا کر- معاذ اللہ- غلط بات تعلیم فرمانا کون سی تواضع ہے!۔ ۱۲ عبدہ حسن عفا اللہ تعالیٰ عنہ''

نیز لکھتے ہیں:

''ہاں! کہاں ہیں تحقیق پسند دِل اور اِنصاف پسند آنکھیں! ذرا خوابِ غفلت سے جاگیں اور اِس اِرشادِ ہدایت بنیاد حضرتِ اسد اللّٰہی - کرم اللہ تعالیٰ وجہہ- پر بہ نگاہِ اِیمانی غور کریں کہ یہاں جو حضرت مولیٰ علی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کو سب پر تفضیل دے رہے ہیں، انھیں اُمورِ ظاہری ملک داری اور ملک گیری وغیرہ بالائی باتوں میں کلام فرماتے ہیں یا خلوصِ اِیمان وقوت، شدتِ خوفِ اِلٰہی اور کثرتِ مشابہت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کہ روحِ ولایت اور مغزِ معرفت ہے، اور یہ لفظ بھی خیال سے نہ اُتریں کہ اُبو بکر کی خوبیاں سب سے زیادہ اور درجہ سب سے اُونچا اور مرتبہ سب سے بزرگ اور بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ میں عزت سب سے افزوں''۔

حضرات شیخین کی افضلیت کو قطعی قرار دیتے ہوئے فاضل مصنف مولانا حسن رضا بریلوی ایک اور فرمانِ علوی نقل کرتے ہیں:

لَا اَجِدُ اَحَدًا فَضَّلَنِیْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ اِلَّا جَلَّدْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیْ۔

ترجمہ: اگر میں نے کسی کو اس حال میں پالیا کہ وہ مجھ کو ابو بکر و عمر پر فضیلت و فوقیت دیتا ہے تو میں یقیناً اُس پر بہتان باندھنے والے کی طرح حد نافذ کروں گا۔

فائدہ: اِمام ذہبی نے اِس حدیث کی تصحیح فرمائی اور اِسی کے قریب اِمام ابو القاسم طلحہ نے کتاب ُالسنۃ ٔمیں جناب علقمہ سے روایت کیا۔

تنبیہ: اب تو پتہ لگا نا اُس وہم کاذِب کا کہ جناب اسد اللّٰہی حضرات شیخین کو بطور اِنکسار اپنے اُوپر تفضیل دیتے تھے!۔ اچھا انکسار ہے کہ مخلوقِ خدا پر سچی بات میں مفتری ٹھہرا کر اَسیّ (۸۰) کوڑوں کا حکم ہوا، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تفضیل شیخین حضرت مولیٰ کے نزدیک قطعی تھی جب تو اُس کے اِنکار پر حد جاری فرمائی: ورنہ حدود تو اَدنیٰ شبہ سے دفع ہو جاتی ہیں۔ خود مولیٰ علی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوِی: اِدْرَءُوْا الْحُدُوْدَ اور یہیں سے مرفوع ہوا وہ قول جو دربارۂ عدم تضعیف معمر سے منقول ہوا۔ ظاہر ہے کہ کہاں معمر اور کہاں اَسدِ حیدر!۔ ۱۲ منہ حسن

پھر مخالفین کا ایک اعتراض نقل کرتے ہوئے اس کا جواب دیتے ہیں:

''یہاں بھی بعض حضرات فرمانے لگتے ہیں کہ جب وہ اعلیٰ ہوئے، تو یہ اَدنیٰ ٹھہرے۔ اِس مغالطہ کا پورا حل تو وہی ہے جو ُصولت فِاروقی ٗمیں گزرا، اور مرتبہَ اِجمال میں آکر اُن حضرات سے اتنا پوچھ لیجیے کہ آخر حضرت مولیٰ کی ولایت و معرفت ٗحضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کی معرفت و ولایت سے تو ضرور اَرفع و اَعلیٰ ہے۔ اَب کیا- معاذ اللہ- دونوں شہزادوں کی ولایت اَدنیٰ درجہ میں رکھو گے! یا- عیاذاً باللہ- اُن کو ولی ناقص کہو گے!!۔ خدارا! ایسی تو نہ کہا کرو جو اُلٹی (خود اپنے ہی سر آ) پڑے!۔ واللہُ الھَادِی۔''

علما و اَولیا کے اَقوال درکار ہوں تو اِمام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اِحیاء العلوم ٗشریف میں فرماتے ہیں:

''ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شہرت تو خلافت و سیاست میں ہے اور اُن کی افضلیت

معرفت وولایت میں‘‘۔(احیاءعلوم الدین:۱/ ۲۳)

اور فرماتے ہیں:

’جس کی جس قدر معرفت زیادہ، اُسی قدر اُس پر تجلی اِلٰہی افزوں۔ اِسی لیے ابوبکر پر خاص تجلی ہوگی اور اَوروں پر عام‘۔

سیّدی محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ جنھیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے ’بحر الحقائق‘ لقب دیا، ’فتوحات‘ شریف میں فرماتے ہیں:

’مقاماتِ ولایت میں ابوبکر سے اعلیٰ کوئی نہیں۔ اُن کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہے۔ اُن کا مقام نبوت سے نیچے اور صدیقیت سے اوپر ہے۔ اُن کے اور رسول اللہ ﷺ کے بیچ میں کوئی نہیں۔ وہ اپنے وقت کے یکتا ہیں اور اُن کے ماسوا سب اُن کے زیرِ حکم‘۔

اور فرماتے ہیں:

’غوث ہر دَور میں ایک ہی ہوتا ہے اور وہ اپنے وقت کے تمام اولیا کا سردار ہے، اور چاروں خلیفہ اپنے اپنے وقت کے غوث تھے‘۔

قطب العالم اِمام شعرانی کتاب ’الیواقیت والجواہر‘ میں فرماتے ہیں:

’تمام اولیائے محمدین میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین‘۔

افندی محمد رومی برکلی ’طریقۂ محمدیہ‘ میں فرماتے ہیں:

’افضل ولی ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر فاروق، پھر عثمان ذوالنورین، پھر علی مرتضیٰ اور اُن کی خلافت بھی اِسی ترتیب پر ہے‘۔[1]

سیّدی عبدالغنی نابلسی ’حدیقہ ندیہ‘ میں فرماتے ہیں:

’صدیق اکبر جو تمام اُمتِ محمد ﷺ سے افضل ہیں، تو اُس راز کے سبب افضل ہیں جو اُن کے سینے میں متمکن ہے، جس کے سبب اُنھیں اُس قسم کا قربِ اِلٰہی ملا کہ قیامت

---

[1] بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ: ۲/ ۳

تک کسی صدیق کو نہ ملے گا، پھر اگر بعض اولیا مرتبۂ تکمیل میں اُن سے بڑھ جائیں اور طریقۂ ہدایت و اِرشاد اُن سے زیادہ جانیں، تو کچھ ہرج لازم نہیں آتا'۔

اقول: الحمدللہ کہ اس اِمامِ اجل ولی اکمل کے اِرشاد نے حق خوب واضح کر دیا اور مخالفین کے سارے شکوک مٹا دیے۔ یہی عقیدہ ہے ہمارا کہ حضرت جناب شیر خدا- کرم اللہ تعالیٰ وجہہ- کو مرتبۂ اِرشاد و تکمیل میں وہ رُجحانِ روشن حاصل کہ صدیق کو ہرگز نہیں۔ اِس لیے سلاسل اَولیا اُس جناب تک منتہی ہوتے ہیں اور وصول اِلی اللہ اُن کے دامن سے وابستہ: مگر اس سے صدیق کے قربِ ربّانی اور معرفتِ نفسانی میں پیشی وبیشی نہیں مٹتی۔

امام زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ 'شرح مواہبِ لدنیہ' میں فرماتے ہیں:

ابو بکر 'صدیق اکبر' ہیں اور علی 'صدیق اصغر'۔

اور فرماتے ہیں:

'قطب تمام مقاماتِ ولایت کا جامع و مدار اور اپنے زمانہ میں سب اولیا کا سردار ہوتا ہے اور جمہور اولیا کے نزدیک پہلے قطب نبی کے بعد صدیق ہیں، پھر فاروق، پھر عثمان، پھر علی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین'۔

شیخ الوقت سیدی علی الہجویری- قدس سرہ النوری- جن کی عظمت ِشان اور جلالت ِعرفان دریافت کرنی ہو، تو مولانا جامی کی 'نفحات الانس' دیکھیے، 'کشف المحجوب' شریف میں فرماتے ہیں:

''اگر سچا پکا صوفی درکار ہے، تو صفائے کامل تو صدیق پر نثار ہے کہ وہ تمام اولیا کے اِمام وسردار و پیشوا ہیں۔اُن کے بعد ہر باب میں عمر تمام جہان کے سیّد وسردار و مقتدا ہیں۔''

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

'اکابر اولیا کا اِجماع ہے کہ معرفت و ولایت میں صدیق کو کوئی نہیں پہنچتا'۔

مخدوم سیّد اشرف جہاں گیر چشتی سمنانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

'اگر پیر ہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ اور مرید ہیں تو ابو بکر صدیق'۔

مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری وغیرہ اکابر اولیا فرماتے ہیں:

'جب تک جہان ہے، نہ رسول اللہ ﷺ سا پیر ہوگا، نہ صدیق اکبر سا مرید'۔

اور 'شرح آداب المریدین' میں فرماتے ہیں:

'عظمت و جلالِ الٰہی جیسا ابو بکر کے دل میں تھا کسی کے دِل میں نہ تھا، عمر و عثمان و علی اور تمام صحابہ کے لیے مقاماتِ عالیہ ہیں: مگر جو کچھ اِن سب سے ورا اور مقامات سے برتر و بالا ہے، وہ خاص صدیق اکبر کا حصہ ہے'۔

قاضی القضاۃ مخدوم شیخ شہاب الدین دولت آبادی فرماتے ہیں:

'ابو بکر افضل الاولیا ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی۔ جو مولیٰ علی کو ابو بکر و عمر سے بہتر بتائے، وہ رافضی ہے'۔

ملک العلما بحر العلوم 'شرح مثنوی مولوی معنوی' میں فرماتے ہیں:

'ابو بکر و عمر ولایت و معرفت میں سب سے افضل ہیں، مولیٰ علی کو ولایت کی رُو سے افضل اُمت کہنا مذہبِ روافض پر درست ہو سکتا ہے'۔

بالجملہ مصطفیٰ ﷺ کا وہ فرمان، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اِذعان، خود جناب ولایت مآب کا وہ اِرشاد، علما و اولیا کا یہ اِعتقاد، پھر سُنّی ہو کر اِن سب کو پس پشت ڈالنا اور دِل سے گڑھ کر نئی راہ نکالنا کیوں کر بنا!۔

یہ دو حرف بطورِ نمونہ عرض کیے گئے کہ شاید کسی حق طلب کو اِسی قدر کفایت کرے: ورنہ تحقیق بالغ اور تنقیح کامل درکار ہو تو تصانیفِ شریفہ حضور پُر نور سیّدنا و مولانا و مرشدنا و ماوانا سیّد الواصلین سند الکاملین قبلۂ دینی کعبۂ یقینی حضرت **سیّدنا ابو الحسین احمد نوری میاں صاحب** قادری برکاتی احمدی رسولی مارہروی مسند آرائے سرکار مارہرہ دامت برکاتہم الباطنہ و الظاہرہ، اور تو الیفِ لطیفۂ حضرت اخی المعظم عالم اعلم نخل نو خیز گلشن تحقیق نفحۂ عطر بیز گلبن تدقیق حضرت **مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب** قادری برکاتی احمدی رسولی بریلوی دام ظلّہ العلیّ السمیّ کو مطالعہ کیجیے کہ خدا اِنصاف دے، تو - اِن شاء اللہ تعالیٰ - آنکھیں کھل جائیں اور غفلت و

ناواقفیت کے نشے نعرۂ شیرانہ کے حضور ہرن ہوتے نظر آئیں۔

حضرات سے کوئی اِتنا تو پوچھے کہ ہماری دلیلیں آپ کی سمجھ سے وراسہی: مگر آپ جو تفضیل حضراتِ عالیہ شیخین میں طرح طرح کی شاخیں نکالتے اور اِجماعی مسئلہ اہل سنت میں تاویل و تبدیل کے ہاتھوں رنگ رنگ کے رخنے ڈالتے ہیں، آپ کے پاس بھی کوئی حجت ہے یا محض اِیجادِ بندہ پر قناعت ہے!۔

زیادہ نہیں دو ہی ایک آیت قطعی الدلالت یا اَحادیث صحیح المتن والسند سے شیخین کا ولایت ذاتیہ میں کم ہونا ثابت کر دیجیے، یا سلف وخلف اکابرِ اُمت کا سوادِ اعظم آپ کی طرف ہو، تو اُنہیں کے اَقوال پیش کیجیے: ورنہ کیا ہم پر جبر کیا جاتا ہے کہ ہم تو اپنے دلائل قاہرہ سے درگزریں اور حضرات اپنے خیالی پلاؤ بکھیریں۔

خدارا! ذرا حمیت وہمت کو کام فرمائیے اور ولایت ومعرفت میں کمیِ شیخین پر دلائل سنائیے۔ آیت ہے تو کیوں نہیں بتاتے، حدیث ہے تو کیوں نہیں دکھاتے، صحابہ سے خبر پہنچی تو سکوت کیوں ہے، اہل بیت نے تصریح فرمائی تو اِدعائے بے ثبوت کیوں ہے؟۔

خود حضرت مولیٰ نے کچھ فرمایا تو دکھاؤ! کس کھو میں چھپایا، جماہیر ائمہ نے کچھ اَقوال دیے تو اُٹھو، رکھنا کس دِن کے لیے، اور جب ہر طرف سے پشیمانی تو کس برتے پر تتاپانی: مگر اِتنا یاد رہے کہ تحریف وتصرف کے کاوے، تاوِیل وتکلف کے چھلاوے، زورِ زبان کا جلوہ دکھانا، ناموافق کو موافق بتانا، اہل حق نے تو کاہے کو مانا، جو نص ہو صریح ہو، جو حدیث ہو صحیح ہو، اَقوال ہوں تو جمہور کے، دلائل ہوں تو شعور کے، طرقِ تمسک اور وجوہِ تعارُک محفوظ رہیں، علوم ثلاثۂ اصلین ومناظرہ ملحوظ رہیں: ورنہ تقصیر معاف!۔

ع: مغز ماخورد وحلق خود بہ درید، سے کیا حاصل فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَهۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ۔ (یعنی اگر تم اپنے دعوے پر دلیل نہ لاسکو اور تم ہرگز کبھی نہیں لاسکتے: تو اَب تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ خائنوں کو کبھی راہ یاب نہیں فرماتا)۔

جب ہمارے مہربان مخالف –بحمداللہ– عاجز آتے اور ہمارے اصل مذہب میں کوئی

ذریعۂ طعن نہیں پاتے تو ناچار ہو کر اِفترا و بہتان کی پناہ میں جاتے ہیں کہ فلاں بندۂ خدا تو -معاذ اللہ، معاذ اللہ- حضرت مولیٰ علی -کرم اللہ تعالیٰ وجہہ- کی تنقیص شان کرتا ہے۔ فلاں تو -استغفر اللہ، استغفر اللہ- حضرات شیخین کی تفضیل من جمیع الوجوہ کا دم بھرتا ہے: حالاں کہ علمائے اہل سنت کے رسائل و تحریرات میں اِس جہالت کا صاف و صریح ردّ مذکور رہے، بلکہ جو جز وِعقائد مہری دستخطی ان حضرات کے بعض اکابر نے حضرت اخی المعظم مولانا مدظلہ الاکرم سے بہ حیلۂ قبول مذہب و اختیار سنّیت منگوایا تھا، اُس میں بھی تفضیل من کل الوجوہ پر کھلی تشنیع مسطور ہے: مگر اِغوائے عوام کے لیے طومار بندیوں سے باز نہیں آتے اور مواخذۂ یَوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے مطلق ہراس نہیں لاتے۔

ہر چند کہا جاتا ہے کہ تعظیم شانِ رَفیع اور مکانِ مَنیع حضرت شیر خدا مشکل کشا -کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ- ہم سنیوں کا عین ایمان اور جو مردود اُس جنابِ گردوں قباب کو -معاذ اللہ- اَدنیٰ نگاہِ تحقیر و تنقیص سے دیکھے، جہنم کا کندہ، اِبلیس کا بندہ، پکا شیطان ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہم حضرات شیخین کو اُس جناب سے افضل جانتے ہیں: مگر یہ خاص ہمارا ہی عقیدہ نہیں، تمام ائمۂ اہل سنت ایسا ہی مانتے ہیں۔

اگر تفضیل افضل توہین مَفضُول ٹھہرے تو آدمی اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے کہ اگر حضور اقدس ﷺ کو تمام اَنبیاے سابقین سے افضل نہ کہے تو خدا کا غضب نازل ہو، کہے تو تمہارے طور پر توہین اَنبیا کا مرتکب ٹھہر کر جہنم اَبدی میں داخل ہو۔ بے چارہ کس بَلا میں پڑا، نہ راہے رفتن نہ روے ماندن۔

اِسی لیے ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ فضل شیخین، فضل ختنین سے زائد ہے، بغیر اِس کے کہ فضل ختنین میں -معاذ اللہ- کوئی قصور و فتور راہ پائے۔ لیکن کون سنتا ہے، وہاں وہی تہمت و اِفترا کی دُھن بندھی ہے۔

☆

بے موقع فریاد کے مہذب جواب

یہ کتاب پنڈت بشن نرائن کی کتاب ''انگریزوں سے ہندوستانیوں کی فریاد'' کے رد میں تحریر کی گئی اور ''بے موقع فریاد کے مہذب جواب'' (۱۳۱۲ھ) کے تاریخی نام سے مطبع نظامی، بریلی سے ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی۔ پنڈت بشن نرائن نے اپنی کتاب میں گاؤکشی کے متعلق اسلامی نظریہ پر اعتراضات کئے جس کا تفصیلی جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

سرورق پر مصنف کا نام یوں تحریر ہے ''جناب مولوی نصیر الدین حسن خان صاحب''

مولانا حسن رضا کے لئے ''نصیر الدین'' کا لقب کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ تاہم محققین نے اسے مولانا حسن رضا کی تصانیف میں شمار کیا ہے۔ مولانا کے دیوان ''ثمرِ فصاحت'' کے آخر میں تصانیف کی فہرست دی گئی ہے اُس میں اس کتاب کا نمبر شمار تین (۳) ہے۔ ثمر فصاحت کا مذکورہ ایڈیشن مولانا حسن رضا کے صاحبزادے حکیم حسین رضا خان اور آپ کے کثیر تلامذہ کے اہتمام سے شائع ہوا تھا، نیز اس کے کاتب بھی مولانا حسن رضا کے تلمیذ منشی اعجاز احمد قیصر مرادآبادی تھے، لہٰذا اس کتاب کو حسن رضا کی تصنیف قرار دینا درست ہے۔

مولانا حسرت موہانی نے بھی اس کتاب کو مولانا حسن کی تصانیف میں تیسرے نمبر پر درج کیا اور کچھ آگے جا کر لکھا ''ان میں ابتدائی چھ کتابیں آپ کے زمانۂ حیات میں چھپ کر مقبول خاص وعام ہو چکی تھیں۔'' (ماہنامہ سُنّی دنیا، حسن رضا نمبر، صفحہ:۸)

اس کتاب کا بالتفصیل تعارف مولانا حسن رضا بریلوی کی ادبی خدمات پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے والے ڈاکٹر حامد رضا (گلبرگہ، ہند) نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے، جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

ہندوستان میں گائے کی قربانی کا سوال، یہ کوئی نیا نہیں ہے۔ دورِ قدیم سے یہ آواز اُٹھتی

رہی ہے۔غالباً بادشاہ ہند جلال الدین اکبر (۱۵۴۲ء/ ۱۶۰۵ء) کی اِلحاد پسند طبیعت کی نرمی اور نرم پالیسی تھی جو یہ شوشہ پیدا ہوا۔مغلیہ دَورِحکومت میں اس پر پابندی بھی لگی۔لیکن مردِ جاں باز امام ربّانی مجدد الف ثانی (۱۵۶۴ء/ ۱۶۲۴ء) کی اجرائے احکام شریعت کی بے پناہ جدوجہد نے بالآخر رنگ دکھایا اور مغلیہ دَورِحکومت میں ہی اس کا اجرا و نفاذ عمل میں آ گیا۔اسے کیا کہا جائے کہ 'شرارِ بولہبی' سے 'چراغ مصطفوی' نبرد آزما رہا ہے اور رہے گا۔مگر یہ چراغ پھونکوں سے بجھایا نہ جائے گا۔وقت ہی بڑا نباض اور منصف ہے۔وہ دَور اور اُس دَور کے حالات ضرور سامنے رہے۔حکومت شاطر و عیار انگریزوں کی ہے۔برطانوی حکومت نے اپنے ایک اعلامیہ میں یہ ظاہر کر دیا تھا کہ:

''ما بدولت اپنے سب عہدہ داروں کو تاکیدی حکم کرتے ہیں۔ہماری رعایا میں سے کسی کے عقیدے یا مذہب یا عبادت میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں۔''

باوجود اس تاکیدی حکم کے خاص بریلی میں ۱۸۹۳ء میں یہ قضیہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پنڈت بشن نرائن کشمیری ثم لکھنوی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے 'انگریزوں سے ہندوستانیوں کی فریاد' رکھا۔ پنڈت موصوف کی یہی کتاب حضرت حسنؔ بریلوی کے پاس اس غرض سے بھیجی گئی کہ اس پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔ چنانچہ حضرت حسنؔ بریلوی لکھتے ہیں:

''آج میرے سامنے ایک کتاب جس کا نام 'انگریزوں سے ہندوستانیوں کی فریاد' ہے۔ اس لیے پیش کی گئی ہے کہ میں اس کی غلطیوں کو جو دربارۂ قربانی بریلی قصداً عمل میں لائی گئی ہیں، پوست کندہ کہہ کر طشت از بام کر دکھاؤں۔اس کے مصنف پنڈت بشن نرائن بیرسٹر مقیم لکھنؤ اور ان کا وطن اصلی وہ مقام ہے،جس کے وصف میں کسی نے کہا ہے:

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید — گر مرغ کباب ست کہ بابال و پر آید

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ قضیہ اور مسئلہ بریلی کا تھا۔لیکن کشمیری پنڈت نرائن نے لکھنؤ میں بیٹھ کر کتاب لکھی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بات یہیں تک رہتی،تو شاید حضرت حسنؔ بریلوی قلم نہ اُٹھاتے لیکن جب بطورِ خاص نقد و تبصرے کے لیے یہ کتاب اُن کو بھیجی گئی،تو اب

اُن کا فرض منصبی بن گیا کہ وہ اس کتاب پر اپنا ریمارک اور احتجاج درج کریں۔ یہ ہے اس کتاب کی اصل وجہ تصنیف۔

حضرت حسنؔ بریلوی ہر فن مولیٰ تھے جب جس انداز میں چاہتے، اپنی بات شروع کر دیتے۔ ہر انداز جداگانہ، دل چسپ، معنی خیز، من موہن اور فکر انگیز۔ اُن کی سادہ سی بات میں بھی عجب لطف اور مضمون آفرینی ہے۔ اسی کتاب کی تمہید کو ہی لیں، کتنی سادگی اور پُرکاری سے اُٹھائی گئی ہے۔ حمد الٰہی، صلوٰۃ علی الرسول، شکر گزاری اور التجا، ایک مختصر سادہ سی عبارت میں سب کچھ ایک ساتھ، یہ بھی ایک نیا، نرالا اور انوکھا انداز ہے۔ لکھا ہے:

"پاکی ہے اُس خدا کے واسطے، جس نے ہم کو پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی اُمت میں پیدا کیا اور بڑائی ہے اُس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے لیے، جس نے ہمیں ہزاروں جھوٹے خداؤں سے بچا کر ایک سچے خدا کا بندہ بنایا۔ اے میرے سچے خدا! میں تیرے پاک دین کی مدد کرتا ہوں۔ اے بڑی قدرت والے! میری مدد کر!!"[1]

اس چھوٹی سی تمہید کے بعد ایک ایک ذیلی و ضمنی عنوان قائم کرتے گئے ہیں اور مدلل بحث اور نہایت معقول گفتگو کرتے گئے ہیں۔ پہلے عنوانات ملاحظہ کیے جائیں:

☆ قربانی کی اشاعت، ☆ قربانی میں گائے کی خصوصیت، ☆ گاؤ کشی سے دل آزاری، ☆ اشتہار، ☆ ہنود کی کتب مذہبی سے قربانی ثابت ہے، ☆ قربانی اور خصوصاً گاؤ کشی شریعتوں کا قدیم حکم ہے، ☆ تورات شریف، ☆ جیو تہیا، ☆ انقطاعِ نسل، ☆ اُمورِ ضروری قابل اظہار، ☆ پنڈت جی کی بہادرانہ کتھا اور سلطنت برطانیہ پر عتاب و جفا، ☆ پنڈت جی گورنر جنرل بہادر سے بھی خفا ہیں، ☆ پنڈت جی لیفٹننٹ گورنر بہادر سے بگڑ بیٹھے، ☆ پنڈت جی نے کمشنر بہادر گورکھ پور کو بھی نہ چھوڑا، ☆ پنڈت جی مجسٹریٹ ضلع اعظم گڑھ سے ناراض ہیں، ☆ پنڈت جی اینگلو انڈین یعنی عام حکام پر برس پڑے، ☆ اشتہارِ

---

[1] حسن رضا خاں، مولانا، ذوق نعت، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س ن، ص ۳۵

عام، ☆ آمدم بر سر مطلب، ☆ فیصلہ مجوزہ مسٹر کینبل مجسٹریٹ بہادر، ☆حکم نامہ، ☆ مقدمات سنین ماضیہ، ☆ روبکاری عدالت فوجداری ضلع بریلی بجلوس مسٹر فلیمٹ و دولیمس مجسٹریٹ بتاریخ ۱۷رستمبر ۱۸۵۳ء، بمقدمہ تکرار گاؤکشی واقع قلعہ مکان نیاز علی کمبوہ، ☆ مقدمات بریلی، ☆ نقشہ سزایابی ہنود ملزمان مقدمہ گلاب نگر ۱۸۹۳ء، ☆ ریزولوشن گورنمنٹ بابت فساد بریلی پر چندرائیں۔"

ان عنوانات پر، جو تفصیلی بحث وگفتگو کی گئی ہے، وہ قریب ۸۲رصفحات پر مشتمل ہے۔ ہر ایک عنوان کے تحت بڑی جزرسی اور جزئیات نگاری کے ساتھ، مدلل اور مفصل گفتگو کی گئی ہے جس عنوان پر بھی قلم اُٹھایا ہے، لگتا ہے کہ انہوں نے اسی عنوان پر خصوصی مطالعہ وتحقیق کر رکھی ہے۔ بحث وتمحیص اور اخذ نتائج کے بعد پنڈت جی کی خدمت میں جو دردمندانہ اپیل درج کی ہے، وہ بھی کم خاصے کی چیز نہیں ہے۔ اوّل تو پنڈت جی کی غلط بیانی وتضاد بیانی، پھر عاجزی، فروتنی اور بے جا ستائے جانے پر اظہارِ غم اور ساتھ ہی ذومعنی الفاظ واُسلوب سے اپنی غیر متزلزل قوت ویقین و اعتماد کا برملا اعلان۔ ذرا تحریر کا تیور ملاحظہ کیا جائے۔ غلط بیانی کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اربابِ عقل و انصاف میرے جواب کو دیکھ کر موازنہ کرلیں گے کہ پنڈت صاحب نے کس قدر راست بازی اور انصاف نوازی سے کام فرمایا ہے جیسا کہ بریلی کے مشہور ومعروف واقعات، بلکہ تحریری معاملات میں دن کو رات بنایا۔ صدق و دیانت کی کایا پلٹ کر دکھایا۔ ضرور حسب عادت واقعات دیگر مقامات میں یہی انداز برتا ہوگا۔ پلاؤ کی دیگ میں ایک ہی چاول دیکھا جاتا ہے۔

ع: قیاس کن ز گلستانِ او بہارش را

تب پھر نرمی وملاطفت کے بعد یقین واعتمادِ کامل کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب پنڈت جی کو بہ اُمید قبول میری ایک دوستانہ گزارش ہے:

گالیاں دے چکے اب نالہ و زاری تو سنو   اپنی سب کہہ چکے تھوڑی سی ہماری تو سنو

پنڈت جی! ملال کو جتنا طول دیجیے گا، بڑھتا جائے گا۔ اب نزاع و فساد سے باز آیئے۔ تکلیف دہی، ایذا رسانی سب جانے دیجیے۔ اپنے ہمسایوں کے دل نہ دُکھایئے۔ آپ کے ہمسائے غریب ہیں، پریشان ہیں، بے زر ہیں، بے سامان ہیں یعنی مسلمان ہیں۔ مگر پھر مسلمان ہیں۔ زمانہ رات دن رنگ بدلتا ہے۔ کبھی کے دن بڑے، کبھی کی راتیں، کبھی گاڑی ناؤ پر، کبھی ناؤ گاڑی پر، دیکھتے دیکھتے امیر غریب ہو گئے۔ غریب امیر بن گئے۔ شریف پاجی ٹھہرے۔ پاجی شریف کہلائے۔

بارہ برس بعد گھوڑے کے بھی دن پھرتے ہیں۔ انسان، تو پھر انسان ہے۔ کوئی کمال نہیں، جسے زوال نہ ہو۔ کوئی زوال نہیں، جسے کمال نہ ہو۔ آفتاب نکلتا ہے۔ کواکب چھپ جاتے ہیں۔ جب کواکب کا وقت آتا ہے، آفتاب غروب ہو جاتا ہے۔ کبھی خزاں ہے۔ کبھی بہار ہے۔ کبھی روزِ روشن ہے۔ کبھی شب تار ہے۔ ظالم ظلم کر کے اگر خوش ہو، تو اُس سے بڑھ کر کوئی ناسمجھ نہیں۔ جابر کا جبر سے دل شاد ہو، تو اُس سے زیادہ کوئی اَحمق نہیں۔ مظلوم و ستم رسیدہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتے۔

اے فلک چین سے دم بھر تو پڑا رہنے دے ہم بھی بستے ہیں جہاں خلق خدا بستی ہے

(رسائل حسن، ص ۳۳۳)

☆ قربانی اشاعت:

اس عنوان کے تحت صرف ایک صفحہ میں بہت ہی معقول اور منطقی اور تفہیم وفہمائش پر مشتمل گفتگو کی گئی ہے اور برطانوی گورنمنٹ کے اعلامیہ کا اقتباس بھی نقل کیا ہے۔

☆......قربانی میں گائے کی خصوصیت:

اس ضمن میں حضرت حسنؔ بریلوی نے اوّل تا ششم، چھ دلیلیں قائم کی ہیں۔ پانچ عقلی اور التزامی ہیں۔ جب کہ دلیل ششم میں قرآن کریم کی دو آیتیں نقل کی ہیں جن سے گائے کی قربانی کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

☆......گاؤکشی سے دل آزاری:

اس عنوان کے ذیل میں دو صفحے میں عقلی والتزامی اور قابل غور دلیلوں سے معترضین کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆......اشتہار:

اس اشتہار میں یہ اطلاع شائع کی گئی ہے کہ ۳؍مئی ۱۸۹۳ء کو مجسٹریٹ بہادر نے کچھ مخصوص مکان ومقام میں گائے کی قربانی کی اجازت دے دی ہے۔ یہ اشتہار قیصری پریس (بریلی) کا مطبوعہ ہے۔

☆......ہنود کی کتب مذہبی سے قربانی ثابت ہے:

یہی عنوان یا فصل کتاب کی جان ہے اور ہنود کی مذہبی کتابوں سے وہ عبارتیں اور دلیلیں باحوالہ نقل کی گئی ہیں، جن میں قربانی خصوصاً گائے کی قربانی کا ثبوت بصراحت موجود ومرقوم ومطبوع ہے۔ یہ کچھ پندرہ سے زیادہ دلیلیں ہیں۔ مثلاً: 'مہابھارت' کی تیسری فصل شانت پرب ۱۳؍اور آگے ایک جگہ سے ایک دلیل دی گئی ہے۔ 'پرب کھنڈ کھرویدٗ سے ایک طویل عبارت نقل کی گئی ہے۔ پھر اسی 'کھنڈ' سے ایک اور دلیل دی گئی ہے۔ 'مہابھارت آسمید پربٗ سے ایک اور اسی سے آگے پھر 'فصل سوم پرب ۱۲ٗ' سے ایک، پھر 'اشلوک: ۳۹؍واشلوک ۱۳ٗ' اور 'اشلوک: ۵ ۳ٗ' کل پانچ دلیلیں نقل کی ہیں۔ قدیم تاریخ ہنود میں 'اسومیدہ' یعنی گھوڑے کی قربانی جائز تھی۔ اسی طرح ہنود کی مذہبی رسومات میں 'گو میدہ' یعنی گائے کی قربانی کی جاتی تھی۔ جس کی تاکید ان کے مذہب کے حکمائے متقدمین نے کی تھی۔

ان قوی دلائل کو پیش کرنے کے بعد مصنف علام حضرت حسنؔ بریلوی کتاب ''بشارت احمدیہ'' سے مزید دلائل نقل کرتے ہیں۔ یہ کتاب رحمت حسن واعظ کی تصنیف ہے اور فخر المطابع میرٹھ سے چھپی تھی۔ اس کتاب کی منقولہ دلیلیں یہ ہیں: رگھ وید منڈل ۱۰؍، رگھ وید اشٹکا منڈل ۹۱؍منتر، اور اسی کے منتر ۱۳؍، منتر ۶۱؍، اسی کے 'اشٹکا ۲؍منڈل ۶؍سکت ۱۶؍ یہ کل بھی پانچ

دلیلیں ہیں۔

اخبار'پائنیر (Pioneer)' مطبوعہ ۱۰/اپریل ۱۸۹۴ء، ص:۷، کالم: ۴/سے بھی کئی دلیلیں نقل کی ہیں 'رگھ ۶: ۱۶/۱۷ر۔ ۷ ۴/اور رگھ وید ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۴' سے دلائل نقل کیے گئے ہیں۔

دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ - ۱۸۸۳ء)، جو گائے کی قربانی نہ کرنے کے اصل محرک تھے، کی کتاب 'ستیارتھ پرکاش' طبع اوّل سے بھی دلیل دی گئی ہے۔ 'باب ۸/، جلد ۲/کتاب' تاریتیہ برہمن' سے بھی ایک دلیل دی گئی ہے۔ پھر قدیم آریوں کے علاوہ مابعد کی 'منو کی سامر تھی' سے بھی دلیل نقل کی گئی ہے۔

اتنی ساری قوی ترین دلیلیں، جو ہنود کی دینی و مذہبی کتابوں میں درج ہیں اور جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ گائے کی قربانی اُن کے مذہب میں بھی جائز ہے اور اس کا حکم بھی ہے، نقل کی ہیں۔ اس بحث سے حضرت حسنؔ بریلوی کے وسعت علم، مطالعۂ کتب و تواریخ ہنود کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؔ بریلوی عالم دین اسلام تو تھے ہی، عالم و ماہر کتب و تاریخ ہنود بھی تھے۔ اس گفتگو کے آخر میں لکھتے ہیں:

> ''اب ہم کہتے ہیں 'وید' جس کو یہ لوگ کتاب آسمانی تصور کرتے ہیں، اُس نے ایسی قیامت کر رکھی ہے۔ بہتر ہو کہ صاحب اب کوئی کتاب زمینی اپنے مفید مطلب تصنیف کر کے مذہب کی بنیاد نئے سرے سے قائم کریں۔'' (رسائل حسن، ص ۱۷۲)

☆......تورات شریف:

چار آسمانی مشہور کتابوں میں سے ایک، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتری ہوئی، یہودیوں کے مذہب کی بنیادی ماخذ، اس کتاب آسمانی سے بیسیوں ورسز (Verses) سے دلائل و براہین کا انبار لگا دیا ہے۔ اس کا ایک مجمل بیان یہ ہے:

☆......کتاب الخروج، ۲۹: ۱۰، ۱۱، ۳۶۔ کتاب الاحبار، ۱: ۱، ۲، ۵، ۶،۔ ۳: ۱، ۴۔ اسی کتاب کے ۴: ۳، ۲۱،۔ کتاب العدد کا اکثر حصہ اسی بیان میں ہے۔ مثلاً: ورس ۱، ۲، ۳، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، پھر ۱۸ سے ۸۳ تک، ۸۴، ۸۷، ۸۸،۔ باب ۸: ۱۴، ۱۵۔ باب ۹:

۱۳۔ باب ۲۰: ۱، ۲، ۱۱۔ اس کتاب کا سارا باب ۱۲۹ سے اسی بیان میں ہے ورس ۱، ۲، ۷، ۸، ۱۲، ۱۳، ۱۷، ۲۰، ۲۳، ۲۶، ۲۹، ۳۲، ۳۵، ۳۶، ۳۹۔

☆......**کتاب الاستثناء:**

باب ۱۵: ۱۹، ۳۔ باب ۱۶، ورس ۲، باب ۲۱، ۳، ۴۔

☆......**سلاطین کی پہلی کتاب:**

باب ۱۲: ورس ۲۲، ۲۳۔ باب ۸: ورس ۵، ۶۳۔

توریت شریف کا یہ پورا بیان تین صفحات پر مشتمل ہے۔ ورسز یعنی آیات کثیرہ نقل کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ لگتا ہے کہ پوری توریت شریف کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے موجود ہے اور اس کا مکمل مطالعہ آپ نے پہلے سے کر رکھا ہے۔ توریت شریف کے مختلف ابواب اور پھر آیات، پھر کتاب الاستثناء اور سلاطین کی پہلی کتاب سے متعدد دلائل یکجا کر لینا کوئی آسان کام نہیں۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری کتابیں آپ کے ذخیرۂ کتب میں موجود تھیں اور آپ نے ان سب کا بھرپور علمی و تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کر رکھا تھا۔ کون صاحب انصاف ہوگا، جو اس ہمہ گیر مطالعہ و جائزہ اور تحقیق و تجزیہ کی تحسین نہیں کرے گا۔

☆......**جیو ہتیا:**

اس ضمنی عنوان کے ضمن میں دو صفحات تحریر کیے گئے ہیں۔ اس تحریر میں جیو ہتیا کا معنی و مفہوم، قربانی اور بھینٹ کی قسمیں، ان کا فرق، پھر عقلی اور سائنٹفک بحث، اس کی تفصیل اور قابل قبول الزامی جوابات درج ہیں۔

☆......**انقطاعِ نسل:**

اس عنوان کے تحت عقلی و معروضی دلائل سے تجزیہ، جو کل ۱۸ رصفحات تک پھیلا ہوا ہے، کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں جہاں ان صاحبوں کے بیہودہ خیالات پر توجہ کروں گا، سلسلہ کلام طویل ہوتا

جائے گا۔لہٰذا مناسب ہے کہ اپنے وعدہ کے ایفا میں کوشش کروں اور پنڈت بشن نرائن لال بیرسٹر کی کتاب پر، جس کے سرخ ٹائٹل پیج کا اگلا پچھلا وَرق فریاد کر رہا ہے کہ اوّل سے آخر تک اس کتاب نے صدق مقال کا خون کیا ہے، نظر ڈالوں۔"[1]

یہ تمہید ہی ظاہر کرتی ہے کہ کس طوفان کی تمہید ہے۔تب جا کر حضرت حسنؔ بریلوی نے پنڈت جی کی کتاب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے اور تحقیق وتنقید، عقل ونقل اور دیانت وانصاف کے خراد پر چڑھا کر اس کو منطقی انجام تک پہنچا دیا ہے۔پوری کتاب قابل دید اور لائق مطالعہ ہے جو انصاف پسندوں کو دعوت عام دے رہی ہے۔کتاب کی علمی و ادبی حیثیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔لیکن اس کتاب کا خاص کمال یہ ہے کہ اس دَورِ کشاکش میں یہ کتاب آوازۂ حق اور صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے۔یہ کارنامہ وہی شخص سر انجام دے سکتا ہے، جو مصلحت کوش نہ ہو۔ملک و ملت اور دین ومذہب کا سچا خادم اور ادیب خاص ہو۔

☆

---

[1] رسائل حسن، ص ۲۷۸

فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ

یہ فتوی ۱۳۱۳ ہجری میں نادری پریس، بریلی سے چھپا۔ سرورق پر ''بسعی وتالیف جناب مولانا مولوی محمد حسن رضا خان صاحب قادری برکاتی ابوالحسینی بریلوی سلمہ اللہ'' تحریر ہے۔[1]

مزید فتوی کا تعارف یوں پیش کیا گیا ہے:

''الحمدللہ فتوائے مسمی بنام تاریخی ''فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ'' [۱۳۱۳ھ] جس پر علمائے بمبئی، الہ آباد، دہلی ومراد آباد ورام پور وبدایوں وبریلی وپچھوند ومارہرہ شریف وغیرہم کے پچاس سے زائد مہر و دستخط ثبت ہیں۔ ان فتاوی کو مولوی لطف اللہ صاحب علی گڑھی (۱۲۴۴۔ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) نے بھی نہایت حق وصحیح بتایا۔ حواشی میں ندوہ کی کتب رُوداد سے ہر قول کا نشان صفحہ وسطر دے دیا گیا ہے۔ اپنے دینی بھائیوں حضراتِ اہل سنت سے اسلام وسنت کا واسطہ دے کر معروض کہ خدارا ایک ذرا نظر انصاف سے ملاحظہ ہو۔ ندوہ کے جو اقوال اس کی چھپی ہوئی کتابوں سے نقل کیے ہیں اگر ان میں شک ہو، صفحہ وسطر کا نشان موجود ہے مطابق فرمالیں اور جب وہ اَقوال اس میں موجود ہیں تو ان پر جو احکام علما نے ارشاد فرمائے، ملاحظہ ہو جائیں۔ جن سے آفتاب کی طرح روشن کہ کتب ندوہ میں مذہب اہل سنت سے کس قدر مخالفتیں واقع ہوئیں۔

للہ انصاف اگر ہم فقرا محض بنظر خیر خواہی ندوہ ان خرابیوں سے اسے پاک

---

[1] حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۲۲۳ اور ۲۰۲ پر اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا ہے۔ ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' میں اس کا نمبر شمار ۱۲۷ درج ہے۔ جس کی واحد وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس میں درج سوالات کے جواب امام احمد رضا نے تحریر کیے اور دیگر علماء نے اس پر تصدیقی وتائیدی ریمارکس تحریر کر کے مواہیر ثبت کی تھیں۔ مولانا حسن رضا نے ان سب کو جمع کر کے کتابی صورت میں مرتب کر کے شائع کر دیا۔ ثاقب قادری

کرنے اور سچا ندوہ علمائے اہل سنت بنانے کی درخواست کرتے ہیں کیا گناہ کرتے ہیں!!! ندوہ کو اگر یہ فتاوائے علما مقبول نہیں، پہلے انہیں سوالوں کا خود منصفانہ جواب مطابق مذہب اہل سنت عنایت کرے۔کتب ندوہ میں اس قسم کی خرابیاں بکثرت ہیں یہ سوالات صرف بطور نمونہ ہیں۔اگر ندوہ نے ان سے عہدہ برآئی کر لی اور سوال حاضر کیے جائیں گے یہاں تک کہ یا ہم سمجھ لیں یا ندوہ کو خدا پاک کر دے۔''

اب ہم کتاب کے مندرجات کا تعارف کرواتے ہیں، چنانچہ شروع میں درج ایک استفتاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ندوہ کے کسی سالانہ اجلاس کی روئیداد میں شائع ہونے والے مضامین زیر بحث ہیں۔ان مضامین کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد فاضل مصنف نے محسوس کیا کہ ان مضامین میں کہیں کہیں ایسی عبارات پائی جاتی ہیں جو کہ عقائد بالخصوص شفاعت انبیا کے متعلق اسلامی نظریات سے متصادم ہیں، چنانچہ فاضل مصنف نے اس روئیداد سے دس سوالات ترتیب دیے ہیں، جن کے جوابات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تحریر کیا ہے اور ہندوستان کے معروف علما نے تائیدی وتصدیقی نوٹ تحریر کر کے دستخط کیے ہیں۔ چند اہم علما کے نام یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

علمائے ممبئی:

مولانا محمد عمر الدین ہزاروی، قاضی اسمٰعیل الجلمائی، قاضی حسن بن نور محمد، مولانا سید مرتضیٰ بن سید محمد سلطان، مولانا مرید احمد، مولانا محمد یٰسین، مولانا میر عبد الرحمٰن، محمد عبید اللہ، قاضی شیخ محمد مرگھی، مولانا عبد الغفور، مولانا محب النبی، مولانا محمد اسحٰق، مولانا محمد عبد الهادی۔

علمائے دہلی:

مولانا محمد کرامت اللہ، مولانا محمد عبد الرشید، مولانا محمد محی الدین الجعفری، مولانا سید امیر الدین احمد قادری نقشبندی، مولانا محمد الکافی، مولانا محمد حسین محب اللٰہی الہ آبادی۔

علمائے رام پور:

مولانا فضل حق رام پوری، مولانا عبد الغفار خان، مولانا ارشد علی، مولانا حبیب اللہ خان، مولانا

ظہور حسین، مولانا منور علی، مولانا محمد جعفر خان، مولانا وزیر احمد، مولانا وزیر محمد خان، مولانا محمد نیاز علی۔

علمائے مرادآباد:

مولانا محمد اسمٰعیل بیگ، مولانا محمد ابوالفضل، مولانا محمد گل بے نظیر شگفتہ، مولانا محمد حاتم، مولانا محمد حبیب الرحمٰن۔

علمائے مارہرہ شریف:

مولانا سیّد ابوالحسین احمد نوری، مولانا محب احمد مارہروی۔

علمائے پھپھوند:

حافظ بخاری مولانا سیّد عبدالصمد سہسوانی۔

علمائے بدایوں:

تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عبدالمقتدر بدایونی، مولانا فضل المجید قادری، مولانا حافظ محمد بخش۔

علمائے بریلی:

مولانا شجاعت علی، مولانا محمد امیر اللہ، مولانا سیّد شاہ قطب حسین، مولانا محمد خلیل اللہ، مولانا محمد عبدالرشید۔

اخیر میں اُستاذ العلما مفتی لطف اللہ علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب بنام امام احمد رضا فاضل بریلوی ہے جس کا ضروری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

> ''جو اُمور اصلاح طلب ہوں بوجہ احسن اصلاح فرمائیے، آپ بفضلہٖ تعالیٰ اس زمانۂ پُرفتن میں اسلام کے رُکن اعظم ہیں۔ ندوہ آپ سے حضرات کی شرکت کا بہت محتاج ہے آئندہ سے جو کارروائی ہوگی وہ مشورہ وصوابدید آپ کے ہوگی۔ ناظم ندوہ حق بات کے قبول سے انکار نہ کریں گے آپ شریک ہو جائیں گے اور اُمورِ اصلاح طلب کی اصلاح بطرزِ مناسب فرمائیں گے تو مقصد حاصل ہو جائے گا۔''

☆

آئینۂ قیامت

یہ واقعاتِ کرب و بلا کے دل کش اور نہایت مؤثر بیان پر مشتمل، دلائل و براہین سے مزین تصنیف ہے۔ پاک و ہند میں اب تک اس کے کئی ایڈیشنز چھپ چکے اور قبولیت عامہ پا چکے ہیں۔ المدینۃ العلمیہ (دعوت اسلامی، کراچی) نے اس رسالہ کو جدید ترتیب و تخریج کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس سے قبل مکتبۂ رضویہ، لاہور کے مؤسس ظہور الدین امرتسری نے الیکٹرک پریس، بریلی کے مطبوعہ نسخہ کو مجاہد ملت مولانا عبد الستار نیازی (۱۹۱۵ء۔۲۰۰۱ء) کے تفصیلی مقدمہ ''پیغام حیات'' کے ساتھ شائع کیا تھا۔ راقم کے پیش نظر الیکٹرک پریس بریلی کا بارنہم (۵۶ صفحات) اور حسنی پریس، بریلی بار ششم (۴۸ صفحات) کے ایڈیشن ہیں۔ مؤخر الذکر رسالہ مولانا حسنین رضا خان کی تصحیح و اہتمام سے طبع ہوا۔ آئینہ قیامت کے علمی و تحقیقی معیار کی توثیق خود امام احمد رضا نے فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے عرض کیا کہ محرم کی مجالس میں جو مرثیہ خوانی ہوتی ہے سننا چاہیے یا نہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''مولانا شاہ عبد العزیز صاحب (۱۷۴۶ء۔۱۸۲۳ء) کی کتاب جو عربی میں ہے وہ یا حسن میاں مرحوم میرے بھائی کی کتاب ''آئینۂ قیامت'' میں صحیح روایات ہیں، انہیں سننا چاہیے۔''[۱]

مفتی اعظم ہند مصطفی رضا خان نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں ''آئینۂ قیامت تصنیف حضرت عمی جناب اُستاذِ زمن حسن رضا خان حسنؔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی دیکھی اور مجالس میں کتنی ہی بار سنی ہوئی ہے۔[۲]

اس کتاب میں امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب اور واقعات شہادت کو

---

[۱] الملفوظ، ص ۱۰۰

[۲] فتاوی مصطفویہ: ۴۶۳ مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور

مستند روایات سے ترتیب دیا گیا ہے جو کہ روافض کے پھیلائے غلو آمیز اور نوحہ خیز شہادت ناموں کا بہترین جواب ہے۔ زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہوتے ہوئے بھی ادب کی بھرپور چاشنی کی حامل ہے۔ محرم الحرام میں چونکہ اہل اسلام کے ہاں شہادت امام حسین کی محافل منعقد ہوا کرتی ہیں اور عوام وخواص اس میں دلچسپی لیتے ہیں اس لئے اس کی سخت ضرورت تھی کہ ایک صحیح ومستند شہادت نامہ منظر عام پر لایا جائے۔ یہ کتاب اسی کمی کو بجا طور پر پورا کرتی ہے۔

آئینۂ قیامت کے سرقہ کی پُر اسرار داستان:

ماہنامہ دین و دنیا، دہلی کے ایڈیٹر مفتی شوکت علی فہمی نے ''آئینۂ قیامت'' میں تحریف و ترمیم کی اور کچھ اپنی طرف سے مضامین کا اضافہ کر کے ''داستانِ کربلا'' کے نام سے شائع کیا۔ اس جدید اشاعت میں اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات پر کیچڑ اُچھالنے کی مذموم سعی کی جو کہ مسلک اہل سنت کے سراسر منافی ہے۔ ماہنامہ دین و دنیا، دہلی میں ''داستانِ کربلا'' کا اشتہار پا کر علامہ سبطین رضا خان نے اس کا مطالعہ کیا اور اس مذموم سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جو کہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ بعد اَزاں یہی مضمون مولانا جنید رضا خان کے توضیحی نوٹ کے ساتھ ماہنامہ سُنی دنیا، بریلی کے حسن رضا نمبر، ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقدس:

دنیائے اسلام کی ایک مقتدر شخصیت کاتب وحی صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک موقع پر جب کسی سائل نے حضرت امیر المومنین فی الحدیث عبداللہ ابن مبارک سے سوال کیا کہ امیر معاویہ اور عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما ان دونوں میں کون بہتر ہے تو عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک کا غبار جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقعہ پر واقع ہوا، وہ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہزار گنا اچھا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز متقی و پرہیزگار ہی نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری کا پیکر

تھے۔ تو جب حضرت امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک کا غبار اُن سے بہتر ہوا تو خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا رُتبہ ہو گا۔ حضور تو فرمائیں کہ "اصحابی کالنجوم الخ" کہ میرا ہر صحابی اپنی جگہ آسمان ہدایت کا ایک درخشندہ تارا ہے کہ جس کا دامن پکڑ لو گے ہدایت کی راہ پا لو گے۔

خود حضرت حسن بریلوی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے عقیدہ کا اظہار درج ذیل شعر میں فرمایا ہے

اصحابِ پاک میں ہے شمارِ معاویہ　　　کیوں کر بیاں ہو عزّ و وقارِ معاویہ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق قولِ فیصل ارشاد فرمایا ہے، اہل سنت عوام وخواص کو اسی پر پختہ یقین وایمان رکھنا چاہئے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"۔۔۔۔وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پُر نور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذ باللہ "اسد اللہ" کی سبقت واوّلیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت ونسبت بارگاہِ حضرت رسالت بُھلا دے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلِ توسط و اِعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، صفحہ ۳۵)

"آئینۂ قیامت" کے متعلق ایک ناشر کی بے احتیاطی

سنہ ۲۰۱۱ء کی بات ہے جب راقم "رسائل حسن" کی ترتیب وتحقیق میں مصروف عمل تھا تو مختلف ناشرین کے شائع کردہ نسخے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ایک نسخہ میں ناشر نے جو بے احتیاطیاں برتیں اُس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے، البتہ یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ ہماری بروقت تنبیہ پر ناشر صاحب نے آئندہ اشاعت میں درستی کی یقین دہانی کروائی اور بعد ازاں تصحیح کے ساتھ شائع بھی کر دیا۔ ہم نے جو تحریر ناشر صاحب کو ارسال کی تھی اُس کو بقدر

اختصار اور ناشر کا نام حذف کرتے ہوئے یہاں صرف اس غرض سے پیش کر رہے ہیں کہ نو آموز مرتبین و محققین کتب اسلاف کی ترتیب و تجدید کرتے ہوئے تحقیقی اُصول وضوابط کا خیال رکھیں۔
اب ہم مذکورہ اشاعت میں ناشر صاحب کی تحریفانہ کارروائی کو چند نکات اور تقابلی جائزہ سے واضح کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مولانا حسن رضا نے آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ خود کیا تھا جس کو کنزالایمان سے بدل دیا گیا، جس کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔

۲۔ ''آئینۂ قیامت'' محرم کی مجالس میں پڑھ کر سنائی جانے والی کتاب ہے، لہٰذا اصل عبارت میں جگہ جگہ الفاظ ''عزوجل، تعالیٰ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، علیہ السلام، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، رضی اللہ عنہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رضی اللہ عنہما، رضی اللہ عنہم'' کی بھرتی نے عبارت کی سلاست اور رَوانی کو شدید مجروح کیا ہے۔

شاید کچھ حضرات خیال فرمائیں کہ اس میں کیا قباحت ہے، یہ تو بہت اچھا کام ہوا کہ جگہ جگہ درود شریف اور کلماتِ رحمت و رضوان شامل فرما دیے۔ ہم ایسے حضرات کے لیے نمونہ کے طور پر چند عبارتیں نقل کرتے ہیں جس سے انہیں بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ان الفاظ کی تکرارِ بے جا سے عبارت کی رَوانی اور تاثیر پر کیسا اثر پڑا ہے۔ چنانچہ عبارات ملاحظہ فرمائیں:

اصل متن از مولانا حسن رضا	متن مع اضافی الفاظ
پھر جانے والے امام نے آنے والے امام کو یوں وصیت فرمائی۔ (ص ۷)	پھر جانے والے امام **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** نے آنے والے امام **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** کو یوں وصیت فرمائی۔
کوفے کا عزم نہ فرمایا جائے وہ بڑا بے ڈھنگا شہر ہے............ وہاں آپ کے والد ماجد شہید ہوئے آپ کے بھائی سے دغا کی گئی آپ مکے کے سوا کہیں کا ارادہ نہ فرمائیں اگر آپ شہید ہو جائیں گے............	وہاں آپ **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** کے والد ماجد **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** شہید ہوئے آپ **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** کے بھائی **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** سے دغا کی گئی آپ **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** مکے کے سوا کہیں کا ارادہ نہ فرمائیں اگر آپ **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** شہید ہو جائیں گے............

شیر خدا کا بھتیجا پھر تیغ بکف اُٹھا۔	شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھتیجا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر تیغ بکف اُٹھا۔
عبداللہ ابن عباس پھر آئے اور کہا بھائی صبر کرنا چاہتا ہوں مگر صبر نہیں آتا، مجھے اس رَوانگی میں آپ کے شہید ہونے کا اندیشہ ہے، عراقی بدعہد ہیں انہوں نے آپ کے باپ کو شہید کیا، آپ کے بھائی کا ساتھ نہ دیا، آپ اہل عرب کے سردار ہیں......	عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پھر آئے اور کہا بھائی صبر کرنا چاہتا ہوں مگر صبر نہیں آتا، مجھے اس رَوانگی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا اندیشہ ہے، عراقی بدعہد ہیں انہوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ نہ دیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل عرب کے سردار ہیں......
(حُر نے امام پاک کی بارگاہ میں عرض کی) اللہ مجھے حضور پر قربان کرے۔ میں حضور کا وہی ساتھی ہوں جس نے حضور کو واپس جانے سے روکا، جس نے حضور کو حراست میں لیا............	اللہ عزوجل مجھے حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قربان کرے۔ میں حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہی ساتھی ہوں جس نے حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس جانے سے روکا، جس نے حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حراست میں لیا............

یہ چند ایک عبارات بطور نمونہ پیش کی گئیں کہ قارئین کرام جان سکیں کہ کس طرح ان الفاظ کا بے دریغ استعمال کر کے بیان کی رَوانی کو مجروح کیا گیا ہے۔

یوں لگتا ہے کہ مولانا کی یہ معرکۃ الآرا کتاب کسی طفل مکتب کے حوالے کر دی گئی اور اس نے جو کارگزاریاں کیں کسی نے اُس پر نظر ثانی کرنا بھی مناسب خیال نہ کیا۔

۳۔ جگہ جگہ مضمون کے مطابق نئے عنوانات کا اضافہ کر دیا اور مولانا کے قائم کردہ عنوانات کو تبدیل کر دیا گیا۔

قارئین باتمکین! ہمارے اس مضمون کا مقصد صرف اِتنا ہے اسلافِ کرام کی کتابوں پر یوں طبع آزمائی اور ہاتھ کی صفائی نہ فرمائی جائے بلکہ اساتذۂ فن سے اس بارے رہنمائی لی جائے۔

☆

ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری

مولانا حسن رضا کی تصانیف میں اسے شمار نہیں کیا گیا، یہ راقم کی طرف سے اضافہ ہے۔ اصل میں یہ تحریر مولانا حسن رضا کے جاری کردہ رسالہ ''قہر الدیان'' میں شائع ہوئی تھی، اندازِ تحریر سے غالب گمان یہی ہے کہ یہ مولانا حسن رضا کی اپنی تحریر ہے۔

بعض محققین نے ''قھر الدّیان علی مرتد بقادیان'' کو مولانا حسن رضا کی تصنیف میں ذکر کیا ہے اور بعض محققین نے اسے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی تحریر شمار کیا ہے جیسا کہ حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۳۴ پر ہے۔ تصانیف اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۲۲۴ درج ہے۔ اس کے علاوہ ص ۱۴۲ پر رد قادیانیت میں تصانیف اعلیٰ حضرت کی فہرست میں بھی اس کا نام درج ہے۔ پھر فتاوی رضویہ (مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور) کی جلد ۱۵ میں یہ رسالہ شامل ہے۔ ادارہ تحفظ عقائد اسلامیہ، کراچی کی طرف سے شائع کردہ ''عقیدۂ ختم نبوت'' کی جلد ثانی میں بھی یہ رسالہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف کے طور پر شامل ہے۔

قھر الدّیان علی مرتدٍ بقادیان کس کی تصنیف ہے؟

اس ضمن میں عرض ہے کہ ''قھر الدّیان علی مرتدٍ بقادیان'' کو اعلیٰ حضرت یا مولانا حسن رضا کی تصنیف قرار دینا درست نہیں: کیونکہ یہ کسی تصنیف کا نام نہیں بلکہ ردّ قادیانیت میں مولانا حسن رضا خان کی طرف سے جاری کردہ ماہنامہ ہے۔ چونکہ رسالہ ۱۳۲۳ھ میں جاری ہوا، اس لئے مولانا حسن رضا نے اسی مناسبت سے ایک تاریخی نام کا انتخاب فرمایا۔ راقم کے پاس اس رسالہ کا عکس موجود ہے جو کہ خانوادۂ قادریہ، بدایوں سے علامہ اُسید الحق شہید بغداد نے عنایت کیا۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کا ایک نسخہ محکمہ آثار قدیمہ، کراچی کے

میوزیم میں بھی موجود ہے۔ اس کے آخری صفحہ پر مولانا حسن رضا کی طرف سے جاری کردہ دس (۱۰) نکات پر مشتمل اشتہار ہے جس میں اس ماہنامہ کے شرائط وضوابط تحریر ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے ''یہ رسالہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر قمری مہینہ میں ایک بار شائع ہوگا'' کچھ دیگر شرائط متعلقہ رکنیت سازی، زرمعاونت کی بابت تحریر ہیں اور نمبر ۵ پر مولانا حسن رضا اس رسالہ کے اجرا کا مقصد تحریر فرماتے ہیں:

''اس رسالہ کا مقصد صرف مرزا و مرزائیان کا رد اور اُن کے اُن ناجائز حملوں کا دفاع ہوگا جو انہوں نے عقائد اسلام وانبیائے کرام خصوصًا سیدنا عیسیٰ وحضرت مریم وخود حضور سیّد الانام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام حتی کہ ربّ العزت ذوالجلال والاکرام پر کیے ہیں، دوسرے فرقوں کا رد اس کا موضوع نہیں۔ اس کے لئے بعونہٖ تعالیٰ مبارک رسالہ تحفۂ حنفیہ عظیم آباد نیز اہل سنت کی اور کتب کافی ووافی ہیں۔''

مزید یہ کہ اس رسالہ کے سرورق پر رسالہ کے نام کے ساتھ دائیں بائیں دو (۲) بار ''ماہوار'' تحریر ہے۔ مزید سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

''الحمد للہ مبارک ماہواری رسالہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف پر قہر الٰہی ڈھانے والا، عیسیٰ مسیح کلمۃ اللہ کے دشمن پر تیغ عذاب چمکانے والا، جھوٹے مسیح مرزا قادیانی اور اس کے الہام و وحی شیطانی کی بنیاد گرانے والا، محمدی فتح کے پھریرے اُڑاتا، اسلامی شان کے نشان چمکاتا۔''

مزید تحریر ہے:

''زیر ادارت ماحی بدعت حامیٔ سنت مولانا مولوی محمد حسن رضا خاں سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی سلّمہٗ''

ردّ قادیانیت میں اوّلین ماہوار رسالہ

اُنیسویں صدی عیسوی کے اخیر میں ظاہر ہونے والے فتنۂ قادیانیت کے رد میں علمائے اہل سنت نے ہراوّل دستے کا کردار ادا کیا اور قریہ قریہ اس فتنے کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کی

پھیلائی گئی گم راہی کا تدارک اور سدِّ باب کیا۔تقریر کے ساتھ ساتھ تحریری میدان میں بھی علمائے اہل سنت ہی سر فہرست نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ سب سے اوّل امام اہل سنت مفتی غلام دستگیر قصوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کے خلاف جامع او رمبسوط فتوی مرتب کیا اور علمائے حرمین شریفین کے تصدیقی دستخطوں سے اس کو مزین کروا کر شائع کیا۔ یہی نہیں بلکہ صحافتی میدان میں بھی ردّ قادیانیت کے سلسلے میں پہلا باضابطہ ماہوار رسالہ جاری کرنے کا اعزاز اہل سنت ہی کے سر ہے۔گو کہ صحافتی میدان میں اہل سنت کے کئی ایک ہفت روزہ اور ماہ وار رسائل و اخبار مثلاً سراج الاخبار(جہلم)مجریہ ۱۸۸۵،دبدبۂ سکندری(رام پور)، تحفۂ حنفیہ(پٹنہ)وغیرہ جاری تھے اوران میں قادیانیت کا ردّ و ابطال بحسن وخوبی کیا جاتا تھا،تاہم ایک خاص رسالہ قادیانیت کے رد کے لیے جاری کرنے کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جارہی تھی ۔ چنانچہ برادرِ اعلیٰ حضرت شہنشاہِ سخن اُستاذِ زمن مولانا حسن رضا خان حسنؔ قادری رضوی برکاتی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رجب ۱۳۲۳ھ بمطابق یکم ستمبر ۱۹۰۵ء بروز جمعۃ المبارک بریلی شریف سے اس ماہ وار رسالہ کا اجرا کیا اور اس کی اشاعت کا اہتمام مطبع اہل سنت و جماعت سے کیا۔رسالہ کا تاریخی نام "قهر الديان على مرتد بقاديان"رکھا گیا۔اس رسالہ کا خاص مقصد ردّ قادیانیت تھا۔

اداریہ رسالہ قہرالدیان علی مرتد بقادیان (شمارہ اوّل)

مولانا حسن رضا خان اداریہ میں رسالہ کا سبب اجرا تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ عزوجل اپنے دین کا ناصر، اپنے بندوں کا کفیل، وحسبنا الله ونعم الوكيل، رسالہ ماہواری ردّ قادیانی کی ابتدا حکمت الٰہیہ نے اس وقت پر رکھی تھی کہ یہاں دو چار جاہلانِ محض اس کے مرید ہوآئے، مسلمانوں نے حسب حکم شرع شریف اُن

سے میل جول، ارتباط، سلام، کلام، اختلاط یک لخت ترک کر دیا۔[1]

دین میں فساد مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والوں نے یہ "**العذاب الادنی دون العذاب الکبر**" چکھا۔

مسلمانوں پر حملے میں اپنی چلتی کوئی گئی نہ کی۔ بس نہ چلا تو متواتر عرضیاں دیں کہ ہمارا پانی بند ہے، ہم پر زندگی تلخ ہے، بیدار مغز حکومت ایسی لغویات کو کب سنتی، ہر بار جواب ملا کہ مذہبی اُمور میں دست اندازی نہ ہوگی۔ سائلان آپ اپنا انتظام کریں۔ آخر بحکم آنکہ ع: "دست بگیر دسر شمشیر تیز" ایک بے قید پرچے 'روہیل کھنڈ گزٹ' میں اشتہار چھاپا کہ عمائد شہر علمائے طرفین سے مناظرہ کرائیں اور وہ بھی اس شرط پر کہ دونوں طرف سے وہ خود ہی منتظم رہیں تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بھی اپنے مرزائی ملانوں کو بلالیں اور

---

[1] فاضل بریلوی کی جانب سے مرزائیوں کی پُرزور تردید کا اعتراف قادیانی اخبار الحکم مورخہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۰۵ء میں بریلی کے رہائشی مرزائیوں اور خود مدیر الحکم نے بھی کیا ہے۔ قادیانی اخبار البدر نے ۱۶/اگست ۱۹۰۶ء میں ایک مراسلہ شائع کیا جس سے بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قادیانیوں کا رد کس بھرپور طریقہ سے کیا، قادیانی اخبار سے اقتباس ملاحظہ کیجئے: "بریلی میں ایک شہرت طلب انسان ہے جس کا نام ملا احمد رضا خان مشہور ہے، آپ نے کچھ عرصہ سے ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ سردار کاہن اور فربسیوں کی طرح مسیح کے شاگردوں کو ہر طرح کی اذیت اور ضرر پہنچایا جاوے چناں چہ معلوم ہوا کہ ایک قلمی فتوی سے تمام شہر کے مسلمان پیشہ وروں کو احمدیوں کی خدمت سے روک دیا ہے، سقے پانی نہیں دیتے، ایک ہندو کمہاری سے پانی لیا جاتا ہے یا خود بھرا جاتا ہے، دھوبی کپڑا چھونا گناہ سمجھتا ہے، قصاب گوشت دینا حکم عدولی تصور کرتا ہے، پیسہاری آٹا پیسنے کو گناہ کبیرہ خیال کرتی ہے، مزدور کام کرنے میں قانون کی کسی دفعہ کے نیچے آنے کا خوف رکھتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ ایک رسالہ (مرزا غلام) قادیانی کے رد میں لکھا ہے اور اس پر شیخ صالح کمال (مکہ مکرمہ) نے تقریظ لکھی اور اس کے بعد اور بعض علماء نے لکھی ۔۔۔۔۔۔ حج شریف سے آپ واپس تشریف لے آئے ہیں اور وعظ فرمانے شروع کر دیے ہیں، آپ کی عدم موجودگی میں مطالعہ مذکور میں کسی قدر کمی کا باعث ہوئی تھی مگر یقین غالب ہے کہ مولوی صاحب سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مخالفت سے اپنے نامۂ اعمال میں کچھ اور نیکیاں زیادہ کریں گے (جیسا کہ اُن کا اعتقاد معلوم ہوتا ہے) ۔۔۔ سنا گیا ہے کہ آپ کی تشریف آوری پر اسٹیشن سے لے کر شہر تک سڑک سجی ہوئی تھی، سبیلیں لگی ہوئی تھیں، آپ ہاتھی پر سوار بڑے کروفر سے چلے آتے تھے۔ یہ شان وشوکت کا استقبال کیوں تھا، محض اس لئے کہ آپ احمدیوں (مرزائیوں) کے خلاف فتوی لائے ہیں۔" (تحریک ختم نبوت اور نوائے وقت، ص ۳۸ بحوالہ اخبار البدر، قادیان مؤرخہ ۱۶/اگست ۱۹۰۶ء) ثاقب قادری

اس میں علمائے اہل سنت کی شان میں کوئی دقیقہ بدزبانی و اکاذیب بہتانی وکلمات شیطانی کا اُٹھا نہ رکھا۔ یہ حرکت نہ فقط ان بے علم، بے فہم مرزائیوں بلکہ بعونہٖ تعالیٰ خود مرزا کے حق میں کالباعث عن حتفہٖ بظلفہٖ سے کم نہ تھی۔

سست بازو بجہل میفگند

پنجہ با مرد آہنیں چنگال

مگر ازانجا کہ ''عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ''

ع: خدا شرے بر انگیزد کہ خیر ماوران باشد

یہ ایک غیبی تحریک خیر ہوگئی جس نے اس ارادہ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی۔ اشتہار کا جواب اشتہاروں میں دیا گیا۔مناظرہ کے لیے اَبکار اِنکار مرزا قادیانی کو پیغام دیا۔اس کے ہول ناک اَقوال اِدعائے رسالت ونبوت وافضلیت من الانبیا وغیرہا کفر و ضلال کا خاکہ اُڑایا۔گالیوں کے جواب میں گالی سے قطعی اِحتراز کیا۔صرف اِتنا دِکھایا کہ تمہاری گالی آج کی نرالی نہیں،قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ و رسول و انبیائے سابقین و ائمہ دین سب کو گالیاں سناتا رہا ہے۔ہر عبارت اس کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ مذکور ہوئی۔

مضمون کثیر تھا،متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی۔**ہدایت نوری بجواب اطلاعِ ضروری** نام رکھا گیا۔اس میں دعوتِ مناظرہ،شرائط مناظرہ،طریق مناظرہ،مبادیِ مناظرہ سب کچھ موجود ہے۔اس مختصر تحریر نے اپنی سلک منیر میں متعدد سلاسل کے لیے سلسلۂ دُشامہائے قادیانی برحضرت ربّانی ورسولانِ رحمانی ومحبوبانِ یزدانی،سلسلۂ کفریات وضلالاتِ قادیانی،سلسلۂ تناقضات وتہافتات قادیانی،سلسلۂ دجالی وتلبیساتِ قادیانی،سلسلۂ جہالات و بطالات قادیانی،سلسلۂ تاصیلاتِ سلسلۂ سوالات اور واقعی وقتی ضرورات مختلف مضامین پر کلام کی مقتضی ہوتی ہیں۔اور اس کے اکثر رسائل اُلٹ پھر کر انہیں ڈھاک کے تین پات کے حامل۔لہٰذا ہر رسالے کے جداگانہ رد سے انہیں سلاسل کا انتظام احسن واولیٰ،اب بعونہٖ تعالیٰ اسی ''ہدایت نوری'' سے ابتدائے رسالہ ہے اور مولیٰ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً رسائل و مضامین حسب حاجت اندراج گزیں مناسب کہ جو کلام جس سلسلے کے متعلق آتا جائے بہ شمار سلسلہ اسی کی سلک میں انسلاک پائے، جو نیا کلام ان سلائل سے جدا شروع ہو اس کے لیے تازہ سلسلہ موضوع ہو۔ اعتراضات کے تازیانے جن کا شمار خدا جانے اوّل تا آخر ایک سلسلے میں منضود اور ہر اعتراض حاشیہ پر تازیانہ یا اُس کی علامت، ت، لکھ کر جدا معدود مسلمانوں سے تو بفضلہ تعالیٰ یقینی اُمید مدد و موافقت ہے۔

مرزائی بھی اگر تعصب چھوڑ کر خوفِ خدا و روزِ جزا سامنے رکھ کر دیکھیں تو بعونہٖ تعالیٰ اُمید ہدایت ہے۔"

قواعد وضوابط رسالہ قہر الدیان:

صفحہ نمبر ۱۸ پر رسالہ کے قواعد وضوابط تحریر ہیں جو کہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) یہ رسالہ باذنہٖ تعالیٰ ہر قمری مہینے میں ایک بار شائع ہوگا۔

(۲) اس کی امداد کے لیے صرف ایک روپیہ سالانہ پیشگی عام اشخاص سے مطلوب ہے۔ محصول ڈاک بھی اپنے ہی پاس سے دیا جائے گا، اور دو روپے سال سے اعانت فرمانے والے "معاون رسالہ" پانچ روپے سالانہ عطا فرمانے والے "معاون کبیر" دس روپے سال سے کرم فرمانے والے حضرات "معاون اکبر" لکھے جائیں گے۔

(۳) جو صاحب دس حضرات سے سالانہ اِمداد کی رقم پیشگی بھجوائیں گے وہ خود بلا امداد مالی سال بھر تک رسالہ پائیں گے اور جتنی برس وہ زر امداد آتا رہے گا انہیں بلا شرط امداد ذاتی رسالہ پہنچا کرے گا۔

(۴) فی الحال حجم رسالہ اوراقِ حول کے علاوہ ۱۶ صفحہ رکھا گیا ہے۔ آئندہ اگر برادرانِ دینی دو چند حجم کر دینے کی خواہش فرمائیں گے ہر قسم امداد میں صرف ایک روپیہ سالانہ کا اضافہ ہوگا۔

(۵) اس رسالہ کا مقصد صرف مرزا و مرزائیان کا رد اور ان کے ان ناجائز حملوں کا دفاع ہوگا، جو انہوں نے عقائد اسلام و انبیائے کرام خصوصاً سیدنا عیسیٰ و حضرت مریم و خود حضور سید الانام علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام حتیٰ کہ ربّ العزۃ ذوالجلال والاکرام پر کیے ہیں۔ دوسرے

فرقوں کا رد اس کا موضوع نہیں۔ اس کے لیے بعونہٖ تعالیٰ مبارک رسالہ "تحفہ حنفیہ" عظیم آباد نیز اہل سنت کی اور کتب کافی ووافی ہیں۔

(۶) یہ رسالہ کہ بطور بیع وشرا شائع ہی نہ ہوا بلکہ اپنے بھائیوں سے محض بہ قصد نصرتِ دین، امدادِ رسالہ و اعانت طبع کے لیے وہ رقوم مطلوب ہیں، اور رسالہ بھی اسی نیت اور دین کی حمایت کے لیے انہیں نذر ہے۔ جن صاحبوں کے پاس بلاطلب جائے اوّل پرچہ پر انہیں اطلاع فرمادینی چاہیے کہ امداد منظور ہے یا نہیں، بحالت سکوت قبول امداد متصور ہوگا۔

(۷) اس کا آغاز سال رجب ۱۳۲۳ھ سے ہوا، جو حضرات وسط سال میں شرکائے امداد و اعانت ہوں گے۔ حتی الامکان شروع سال سے پرچے ان کی خدمت میں حاضر کیے جائیں گے کہ کلام اپنے سلسلے سے انہیں پہنچے۔

(۸) اہل علم جو مضمون عطا فرمائیں گے بحال معمولی اِمداد رسالہ ضروران کے نام سے درج ہو گا اور بلا امداد اندراج کا اختیار رہے گا۔ مگر بہر حال لازم ہو گا کہ مضمون حدود مقصود رسالہ کے اندر اور مخالفت مذہب وشرع سے باہر ہو، یا ہمیں اجازت دی جائے کہ جو لفظ یا مضمون ہم ایسا پائیں حذف یا تبدیل کر دیں مضمون صاف لکھا ہوا مع نام ونشان صاحب مضمون ہونا ضرور ہے۔

(۹) مضمونِ طویل متفرق پرچوں میں پورا ہوگا۔ اگر کوئی صاحب دفعۃً اس کی اشاعت چاہیں تو رسالے کے معمولی حجم سے جس قدر بڑھے گا اُس کی اُجرت بحساب فی جزعطا کرنی ہوگی اور جتنا بشرط گنجائش حجم معمولی کے ضمن میں آسکے گا اس کی کچھ اُجرت نہیں۔ جس مہینے میں کوئی مضمون آئے اگر اس کے پرچہ میں گنجائش نہ ہو پرچہ آئندہ سے اندراج پائے گا۔

(۱۰) خط کتابت بصیغۂ پیڈ اور جواب طلب اَمر کے لیے ٹکٹ یا کارڈ جوابی ہو۔

تمام مراسلات و اِرسالِ زَر اس نشان سے ہوں:

بریلی روہیل کھنڈ مطبع اہل سنت و جماعت بنام فقیر مشتہر

المشتہر

محمد حسن رضا خان قادری برکاتی - کان اللہ لہ فی الحاضر والآتی - آمین

اسمائے گرامی معاونین رسالہ

رسالہ کے اندرونی صفحہ پر معاونین کی فہرست دی گئی ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں تاکہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے ان مجاہدین کی یادوں کے نقوش اذہان میں تازہ ہو جائیں:

نمبر	اسمائے امداد کنندگان	نمبر	اسمائے امداد کنندگان
۱	جناب سیٹھ حاجی قاسم صاحب سورتی	۲	جناب منشی خادم حسین صاحب جرول
۳	جناب مولانا قاضی عبدالوحید صاحب، پٹنہ	۴	جناب صاحب زادہ مولانا بشیر الدین خان صاحب
۵	جناب قاضی معین الدین صاحب	۶	جناب شیخ علی احمد صاحب، مارہرہ مطہرہ
۷	جناب غلام محی الدین صاحب، شیر پور	۸	جناب منشی رشید احمد صاحب میرٹھ
۹	جناب مولوی عبدالرحمن صاحب، ضلع میمن سنگھ	۱۰	جناب غریب اللہ صاحب، برڈ ڈ
۱۱	جناب منشی خلیل الدین صاحب، رام پور	۱۲	جناب عاشق یار خان صاحب، آنولہ
۱۳	جناب مولوی کریم بخش صاحب گلاوٹی	۱۴	جناب شیخ جلال الدین صاحب، ضلع بجنور
۱۵	جناب حکیم خلیل الرحمن خان صاحب، پیلی بھیت	۱۶	جناب شاہد علی خان صاحب، ضلع بدایوں
۱۷	جناب قاضی زکی الدین صاحب، پیلی بھیت	۱۸	جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب، رام پور
۱۹	جناب منشی توصیف حسین صاحب، سوہارہ	۲۰	جناب منشی مختار احمد صاحب
۲۱	جناب منشی محمد عباس خان صاحب	۲۲	جناب منشی غضنفر حسین صاحب، سوہارہ
۲۳	جناب منشی عین الحق صاحب پوکھریرا	۲۴	جناب سید مہدی حسین میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ
۲۵	جناب سید ابراہیم میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ	۲۶	حضرت سید برکات حسن میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ
۲۷	حضرت خادم حسین میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ	۲۸	جناب مولوی الطاف علی صاحب
۲۹	جناب منشی محمد اکرام علی صاحب، پرانچی	۳۰	جناب نواب عبداللہ خان صاحب، رام پور
۳۱	جناب حکیم محمد حبیب علی صاحب، اٹاوہ	۳۲	جناب مولوی حبیب حیدر صاحب کاکوری
۳۳	جناب حافظ روح اللہ خان صاحب، اٹاوہ	۳۴	جناب میر مظہر حسین صاحب، اٹاوہ
۳۵	جناب سید موسیٰ رضا خان صاحب، اٹاوہ	۳۶	جناب مولوی محمد اسحق صاحب، اٹاوہ
۳۷	جناب مولوی ذاکر علی صاحب، اٹاوہ	۳۸	جناب منشی عنایت اللہ خان صاحب، اٹاوہ
۳۹	جناب منشی محمد خان صاحب، اٹاوہ	۴۰	جناب حکیم محمد احسن صاحب، اٹاوہ
۴۱	جناب حکیم محب علی صاحب مین پوری	۴۲	جناب فتح محمد خان صاحب، ضلع گوالیار

۴۳ جناب مولوی احمد میاں صاحب، بمبئی
۴۴ جناب شیخ ممتاز احمد صاحب، بمبئی
۴۵ جناب سیٹھ طیب صاحب، بمبئی
۴۶ جناب شیخ ـ ـ ـ خیر ـ ـ صاحب، بمبئی
۴۷ جناب سیٹھ عبدالقادر صاحب، بمبئی
۴۸ جناب سیٹھ دادا جی صاحب، بمبئی
۴۹ جناب سیٹھ منشی الہ بخش صاحب، بمبئی
۵۰ جناب حاجی محمد عثمان صاحب، بمبئی
۵۱ جناب منشی سید فقیر محمد صاحب، بمبئی
۵۲ جناب منشی محمد دین صاحب، میرٹھ
۵۳ جناب غلام محمد صاحب، موضع برکی
۵۴ جناب منشی جمال الدین صاحب، ضلع لاہور
۵۵ جناب منشی رستم علی صاحب، لاہور
۵۶ جناب منشی لال شاہ صاحب، لاہور
۵۷ جناب منشی فضل الٰہی صاحب، علاقہ چونیاں
۵۸ جناب حکیم محمد خان صاحب، علاقہ چونیاں
۵۹ جناب قاضی عبدالرزاق صاحب، علاقہ چونیاں
۶۰ جناب مولوی غلام چشتی صاحب، رام پور
۶۱ جناب مولوی عبداللطیف صاحب، پیلی بھیت
۶۲ جناب منشی عنایت علی خان صاحب، ملہر
۶۳ جناب شیخ فلاح الدین صاحب، ملہر
۶۴ جناب ہادی یار خان صاحب، ضلع مین پوری
۶۵ جناب وحید محمد صاحب، ضلع مین پوری
۶۶ جناب منشی ہدایت علی خان صاحب، ضلع مین پوری
۶۷ جناب منشی علاء الدین صاحب، ضلع مین پوری
۶۸ جناب منشی غلام رسول خان صاحب، ہوشیار پور
۶۹ جناب منشی چودھری رحمت خان صاحب
۷۰ جناب منشی چودھری مہدی خان صاحب
۷۱ جناب منشی چودھری غلام جیلانی صاحب
۷۲ جناب طاہر محمد عثمان صاحب
۷۳ جناب قاضی احمد اللہ خان صاحب، ضلع گوداوری
۷۴ جناب محمد قاسم صاحب، ضلع گوداوری
۷۵ جناب قاضی عبدالخالق صاحب، بلوچستان
۷۶ جناب الہ دیا صاحب، پیلی بھیت
۷۷ جناب منشی فضل احمد صاحب، امروہہ
۷۸ جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب
۷۹ جناب منشی لال خان صاحب، کلکتہ

نوٹ:

کل معاونین رسالہ کے اسماء ۸۵ تحریر ہیں نسخہ بعض مقامات سے شکستہ ہونے کے سبب چھ نام پڑھے نہ جا سکے۔ مذکورہ بالا فہرست پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ ''قہر الدیان'' کا حلقۂ قارئین و معاونین ہندوستان کے دُور دراز چھوٹے بڑے علاقوں تک وسیع تھا جیسا کہ کلکتہ، لاہور، چونیاں اور بلوچستان کے ناموں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

☆

ندوہ کا تیجہ رُوداد سوم کا نتیجہ

یہ کتاب مشتملہ ۶۱ صفحات مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی سے ۱۳۱۴ھ میں طبع ہوئی۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

''الحمدللہ یہ مبارک رسالہ جس میں بہت روشن و دل پسند و عام فہم و سودمند بیان سے ظاہر کیا ہے کہ ندوہ کا اصل مقصد کیا ہے اور اس دعوت اتحاد و اتفاق کی کس خیال پر بنا ہے، اس ''ندوۂ اخیرہ'' کو ''ندوۂ سابقہ'' دارالندوہ سے علاقہ کتنا ہے۔ آخر میں ندوہ کی مختصر رُوداد سوم کی نامہذب دُشناموں باطل اِتہاموں کے معقول جواب مظہر صواب (تحریر ہیں۔)''

سرورق پر مولانا حسن رضا[1] کا نام یوں تحریر ہے:

''مداحِ مصطفی خادم الاولیا صاحب طبع نقاد و ذہن وقاد جناب مولانا مولوی محمد حسن رضا خان حسنؔ قادری برکاتی ابوالحسینی سلّمھم اللّٰہ عن الافات والمحن''

مولانا حسن رضا نے تمہید میں حضور ختم المرسلین محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ بے مثال کا ذکر نہایت عمدہ پیرائے میں کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کو جس کام کا محال اور غیر ممکن ہونا معلوم ہو جاتا ہے اس میں سعی وکوشش کو بے کار سمجھ کر اس کے خیال سے بھی درگذر کرتا ہے مگر حمد ونعت کچھ ایسے پیارے اور دلچسپ کام ہیں جن کا انصرام بشری طاقت بلکہ ملکی قوت سے بھی باہر،

[1] حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۴۵ اور ص ۲۰۲ پر اس کتاب کو بھی اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا ہے۔ تصانیف اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۳۱۸ درج کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ ثاقب قادری

پھر بھی جسے دیکھیں وہ اپنی تحریروں اپنی تقریروں کے عنوان کو انہیں سے عزت دینے میں سعی کرتا ہے۔لہذا تبرکاً میں بھی اس مبارک دولت سے حصہ لینا اور سرنامہ کو اس نام سے عزت دینا چاہتا ہوں۔

خدا خدا ہے محمد مصطفیٰ ہے جل شانہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اوّل کے سجود کو سر نیاز موجود، خاتم پر بے شمار سلام بے نہایت درود۔

وہ ایسا خدا ہے جس نے اپنے محبوب کی نبوت کا جن و بشر کیا، شجر اور حجر سے اقرار کرا دیا۔ یہ ایسا محبوب ہے جس نے اپنے خدا کی وحدانیت کا ارض وسما میں ڈنکا بجا دیا۔

وہ ایسا خدا ہے جس کے ہاتھ میں ایسے کی جان ہے۔ یہ ایسا محبوب ہے جس کے اختیار میں سارا جہان ہے جس طرح اللہ محمد کے وصل میں فصل نہیں اسی طرح حمد و نعت میں فراق کو دخل نہیں۔ جو مسلمان حمد لکھے گا نعت نہ چھوڑے گا، کعبہ جائے گا مدینہ سے منہ نہ موڑے گا۔ مسجد کی فصیلوں خطبہ کے منبروں پر وحدانیت کی شہادات ادا کرنے والے ساتھ ہی ساتھ رسالت کا بھی اقرار سناتے ہیں۔ یہ دونوں مبارک ذکر کچھ ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ یہاں اللہ ہے وہاں محمد رسول اللہ ہے جہاں محمد رسول اللہ ہے وہاں اللہ ہے، اللہ ہی اللہ ہے۔

فرش سے عرش تک دُھوم ہے ذرّے ذرّے کو معلوم ہے کہ وہ خدائے برتر۔ یہ ہمارا پیغمبر۔ نہ اُس کا کوئی مثل نہ اس کا کوئی ہمسر۔

محبین محبوب کے نام کو درد و دل کا تعویذ بناتے ہیں اللہ تعالیٰ درد و دل سے پاک ہے اُس نے اپنے محبوب کے نام سے اپنے فرشتوں کی آنکھوں، حوروں کے سینوں، مسلمانوں کے دلوں، عرش و کرسی بلکہ تمام مقدس مقاموں کو زینت بخشی۔

ملائکہ کی محفل میں جائیے تو انھیں کا چرچا، حوروں کی انجمنیں دیکھیے تو یہی غلغلہ، پیارے محبوب کی دونوں جہان میں دُہائی پھر رہی ہے۔ ایک خدائی ہے کہ ان کے مبارک قدموں پر گر رہی ہے زمین والے، آسمان والے، جہان والے، انہیں کے

فدائی، انہیں کے شیدائی، دلِ شب میں جاگ کر اللہ اللہ کرنے والے انہیں کے آرزو مند، انہیں کے تمنائی۔

حل سے حرم تک، عرب سے عجم تک مختلف زبانوں پر ان کی یاد جاری، شرق سے غرب تک جنوب سے شمال تک ان کی یادگاری، زبان والے تو زبان والے ہیں بے زبانوں میں بھی انھیں کی پکار ہے۔ غرض خدا کی خدائی ہے کہ ان پر نثار ہے۔

حضرت سلمان نے شیر دیکھا ان کا نام لیا، کتے کی طرح دُم ہلاتا حفاظت کو ساتھ ہو لیا۔ اُونٹ محنت سے عاجز آیا ان کے آستانہ پر فریاد لایا۔ پانی کی مچھلیاں انہیں کی یاد میں موجیں کر رہی ہیں۔ ہوا کی چڑیاں انہیں کی محبت کا دم بھر رہی ہیں۔ شام کے بسیرا لینے والے انھیں کا کھاتے ہیں صبح کے چہچہانے والے انہیں کا گیت گاتے ہیں۔

جس کا کھاتے ہیں اُس کا گاتے ہیں

یہ تو ذی رُوح ہیں اپنے مالک کو جانتے آقائے نعمت کو پہچانتے ہیں۔ ستون حنانہ ایک خشک لکڑی تھی دل نہ زبان، عقل نہ جان۔ حضور نے منبر نو ساختہ پر خطبہ فرمایا۔ فراق محبوب نے اسے خون رُلایا، جس طرح دودھ پیتا بچہ ماں سے پھوٹ پھوٹ کر روتا جان کھوتا ہو یہی حالت اس چوبِ خشک پر طاری تھی، فریاد و بکا برابر جاری تھی۔ یہاں تک کہ اُس دلوں کے چین جان کے آرام نے اسے سینۂ مبارک سے لگایا۔ تسکین پائی قرار آیا، خدا جانے وہ تسلی بخش اَدا تھی یا کوئی تسکین دہ اقرار جس نے اُس رونے والے کو دفعۃً خاموش کر دیا، دل بے قرار میں صبر کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔

ابتدائے اسلام میں ستر کافروں نے حملہ کیا۔ کوہِ صفا اپنی جگہ سے اُکھڑ کر پروانہ وار دوڑا اور حائل ہوا۔ گویا وہ بے زبان زبانِ حال سے گویا تھا۔ اے غافلانِ خاسر! اگر یہی قصدِ خاطر تو یہ سینہ حاضر، زخم پر زخم کھائیں گے اور محبوب کو چشم زخم سے بچائیں گے۔

یہ کعبہ میں تھے اور ابو جہل خبیث ان کے قصد سے چلا۔ ساتوں پردے زمین کے شق ہو کر ایک غار پیدا ہوا، جس میں اُس ناری کو جہنم نظر آیا کچھ غیبی سپاہی دیکھے جو

آتشی حربے لیے ہوئے اُس ملعون پر حملہ کناں دوڑے کہ محبوب پر حملہ کرنے والے! آ تیرے قصد بد کا مزہ چکھائیں۔ دَم لے کہ دَم کے دَم میں تجھے نیچا دکھائیں، اَسفل السافلین پہنچائیں۔

اس محبوب کے واسطے آسمان سے رحمت برستی، زمین سے امداد اُگتی ہے، سنگریزے باتیں کرتے ہیں، پیڑ سجدے میں قدموں پر سر دھرتے ہیں، قربان جاؤں کیا پیارا محبوب ہے جس کی ہر اَدا ہر انداز خوب ہے۔

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے

غرض حمد کی طاقت نہ نعت کی لیاقت ؎

زلاف حمد و نعت ادنیٰ ست بر خاک ادب خفتن
سجودے میتواں کردن درودے میتواں گفتن[1]

حضور ختم المرسلین ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے دنیا کی تہذیبی، تعلیمی، معاشرتی و معاشی حالات کی عکاسی کرتے ہوئے نیز حضور ﷺ کی ولادت با سعادت سے حالات کا رُخ بدلنے کا نقشہ کھینچتے ہوئے فاضل بریلوی مولانا حسن رضا لکھتے ہیں:

''مبارک دین اسلام کے ظہور سراپا نور کے پہلے کفر کی تاریک گھٹا زمانہ پر چھائی تھی، سچے خدا کی مخلوق جھوٹے خداؤں کی فدائی تھی۔ جہالت کا زور، بے دینی کا شور، بات بات پر قتال، فضولیات پر جدال، غضب فساد، قیامت عناد، شب و روز جھگڑے، آئے دن بکھیڑے، دو میں لڑائی، ہزاروں کی صفائی، جنگ محبوب، صلح معیوب، انسان جاموں میں، نہ تلوار نیاموں میں، دو میں اَن بَن ہوئی خاندانوں پر بنی، زبانوں سے بگڑی جانوں پر بنی، صلح پر لڑائی، لڑائی سے صفائی، مذہب خراب، مشرب شراب، زنا سے میل، قمار بائیں ہاتھ کا کھیل، اَنانیت کا جوش، نفسانیت کا خروش، صراط مستقیم ویران، منزل حق سنسان، مخالف ہوا زور پر، جان گزا تلاطم شور پر، بیڑوں سے یاس، ناخدا آس نہ پاس،

[1] رسائل حسن، ص ۳۹۵

مریض جان بلب، چارہ فرما اب نہ تب، دنیا بھر کی آفتیں زمانہ کو گھیر چکی تھیں۔ زمانہ بھر کی مصیبتیں دنیا پر دستِ شفقت پھیر چکی تھیں، میٹھی نیند سونے والے لمبی تانے سو رہے تھے خفتہ بختوں کے نصیب اپنی تقدیر کو رو رہے تھے کہ دفعتہً ہوا کا رُخ پھرا، زمانہ نے پہلو بدلا، خزاں کا عمل اُٹھا، فصلِ بہار کا سکہ بیٹھا، رات تک پژمردگی کا دَور تھا، صبح ہوتے عالم ہی کچھ اَور تھا، نوری گھٹائیں چھائیں، ٹھنڈی ہوائیں آئیں، رحمت کے بادِل گھرے، افسردہ خاطروں کے دن پھرے، کلیاں چٹکنے لگیں، مہکنے لگیں، کیوں نہ ہو کہ تہامہ کے مطلع حرم کے اُفقِ فاراں کی چوٹیوں سے آفتابِ ہاشمی نے طلوع فرمایا۔

لا شرقیۃ و لا غربیۃ نافِ زمین کعبہ ربُّ العالمین سے یہ چمکتا نور، دلوں کا چین، جانوں کا سُرور برسرِ ظہور آیا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ و بارک و کرم

اس نورِ الٰہی نے اپنی جھلک سے کوچے کوچے کو 'وادیٔ ایمن'، کوہ کو 'طورِ روشن' بنایا۔ دولہا کی سواری آئی نچھاور لینے کی باری آئی۔

اب کیا تھا خدا دے اور بندہ لے۔ بھکاری دستِ طلب پھیلائے، دامن دل کی جھولیاں بنائے دوڑے، منگتے دَم قدم کی خیر مناتے بڑھے، جُودوعطا کا میلہ ہے، فقیروں کا رَیلے پر رَیلا ہے، جماوَ کا زور، لاوَ لاوَ کا شور، جنم کے بگڑے سنبھل گئے، قسمتوں کے بَل نکل گئے، بتوں سے خدائی پھری، اسلام کی دُہائی پھری، حسن و جمال کی جان بخش و دل ستاں اَدائیں، دل ہی دل میں گھر کرنے والی نگاہیں، جلے بُھنے سینہ کی بسنے والیاں ٹُوٹے دلوں زخمی گھائلوں کے ساتھ خدا جانے کیا احسان کر جاتی ہیں کہ انسان آزادی کی بضاعت، خود مختاری کی دولت شاد شاد نگاہِ اوّلیں کی نذر کر دیتا اور خوش خوش طوقِ بندگی اپنے ہاتھوں پہن لیتا ہے۔

ان جملوں کا تعلق معمولی حسینوں ظاہری جمیلوں سے تھا مجھے یہاں ذکر کرنا ہے جمالِ احمدی اور حسن محمدی کو (روحی فداہ علیہ صلاۃ اللہ) جسے خدا نے خاص اپنے لیے بنایا اپنی محبوبی خاص سے ممتاز فرمایا اس آئینہ رُو کے آئینہ رُو کو قدرت کے ہاتھوں نے وہ

ضیا بخشی جس کی تجلی کے ایک ایک بکے سے من رآنی فقد را الحق کی تنویر چمک اُٹھی، گلوئے پُرنور میں نحن اقرب الیہ کے ہار پڑے، گورے ہاتھوں میں ید اللہ فوق ایدیھم کے گجرے۔

غرض حسن بےصورت کی تجلی اگر برسم تدلی صورت پذیر ہو تو برنگ مثالی صورت جمالی محبوب ذی الجلالی ہی اُس کی تصویر ہو، ان خدا پسند تجلیوں نے تو فرش خاک سے لے کر عرش پاک تک دُھوم مچادی، دل چمکائے، آنکھوں کی تقدیر جگادی،

اُس محبوب کے جلوہ فرماتے ہی عشق کا برقی اَثر کل مخلوقات، سب موجودات میں دوڑ گیا، جنّ و بشر، شجر و حجر، آزاد و گرفتار بلکہ درو دیوار بھی اس مزہ سے خالی نہ رہا۔ یہ جس راہ نکلتے عشاق نقش پا پر آنکھیں مَلتے،

جس آبادی میں آتے مکین تو مکین مکان خوش ہو جاتے۔

در و دیوار چو محراب کشایند آغوش　　　　که تو ایں جا بصد آمین و دعا آمده

حضور پُرنور نے عید الضحی میں اُونٹوں کو نحر فرمایا۔ کیا کہوں کہ اُن بے زبانوں نے کیا مزے دار سماں دکھایا، ذبح میں سبقت لے جانے پر جلدی کرتے تھے، زندگی جاوید پر کٹے مرتے تھے۔

ذبح ہوں گے ترے ہاتھوں سے خوشی اسی کی ہے
آج اِترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

لکھا ہے شب معراج فرمایا گیا: انا و انت و ما سوی ذلك خلقت لاجلك اے پیارے میں ہوں اور تُو، باقی میں نے سب تیرے لیے پیدا کیا ہے۔

اللہ جمیل و یحبّ الجمال جب ہی تو شانِ جمال کی خوش نما تجلیوں نے محب کے خزانوں کی کنجیاں محبوب کے ہاتھوں میں دے کر مختارِ مطلق بنا دیا۔

حسینوں میں حسیں ایسے کہ محبوبِ خدا ٹھہرے

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے جب پیغام حق کی تبلیغ شروع کی تو باطل قوتوں نے آپ پر

ظلم وستم کے پہاڑ توڑے لیکن آپ ﷺ کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی، نہ حق کی خاطر اُٹھنے والے قدم پیچھے ہٹے۔ فاضل مصنف نے اس کا نقشہ کھینچا ہے، ذرا قلم کی جولانی اور بیان کی رَوانی کا انداز ملاحظہ کیجیے:

''جب حضور (ﷺ) نے ایسی محبوبی خاص و مقبولیت عام کا لباس فاخر زیب بدن فرما کر اظہارِ رسالت فرمایا، اسلام کو سچا اور باقی مذاہب کو جھوٹا بتالیا، اگرچہ اس مبارک مقصد نے بہت سی ناقابل برداشت تکلیفوں کا سامنا کیا مگر اُن کے بڑھے ہوئے ارادے، بندھی ہوئی کمر میں کچھ بھی تزلزل نہ ہوا۔ مشرکین تکلیفیں پہنچاتے، اذیتیں دیتے، یہاں جو ٹھہر چکی تھی ان باتوں کو خیال میں بھی نہ لاتے۔ بشری طاقت ہرگز ان مصائب کا تحمل نہ کرسکتی جو یہاں رات دن اُٹھائے جاتے اس کام میں کوئی روکنے والا ان کو نہ روک سکتا تھا نہ روک سکا۔ ایک زبردست عزیز مقتدر کی قوت نے اس مبارک مقصد کی تکمیل و اشاعت کے لئے انہیں کھڑا کیا تھا۔ کفار میں مشورہ ہوا کہ ان کارروائیوں کا شہادت کے ذریعہ سے اِنسداد کیا جائے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس ارادے سے درِ دولت عرش منزلت کی طرف چلے حاضر ہوئے تو انہیں کا کلمہ پڑھتے انہیں کا دَم بھرتے نظر آئے۔ شہید کرنے آئے تھے شہیدِ عشق ہو کر رہ گئے۔ اب کیا تھا ''الحقُّ یعلو و لا یعلیٰ'' کے آثار نظر آنے لگے۔ جاء الحق و زھق الباطل کے اَنوار چمکنے لگے تھوڑے ہی عرصہ میں عرب، روم، شام، مصر، عراق، دیارِ امصار اقطارِ آفاق سے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمّد رسول اللہ کی دل نواز آوازیں آنے لگیں۔

اسلامی بجلیاں عرب کے پہاڑوں سے نکل کر تمام دنیا میں چمک گئیں۔ اسلام کا بے ساز و سامان مگر ظفر پیکر لشکر جدھر جاتا فتح و نصرت و اقبال برسم استقبال حاضر آتا۔ اس خدا کے لشکر کو بہ حیثیت ظاہرا گر دیکھا جاتا تو مخالف کے مقابلہ میں ہمیشہ کم نظر آتا اور سامانِ حرب تو بس اللہ ہی کا نام تھا مگر ان گنتی کی تلواروں کا سامنا کرنا کچھ ہنسی کھیل نہ تھا، ان کے ہاتھ تو کسی اور ہی کے بل پر اُٹھتے تھے اور یہ کہ ایک سپر کہاں کہاں کام دیتی۔ اُن کی

تکبیروں کی دل کش اَدائیں ایسے وَار نہ تھے جن کی روک ہو سکتی کہیں تلوار سے قلعہ خالی کیا کہیں اَدا سے دل چھین لیا۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم

بالآخر ان مساعی جمیلہ کا یہ اَثر ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ بتوں سے بیزار ہو کر خدا کے سامنے سر جھکانے لگا، اللہ اکبر، اللہ اکبر کا جان فزا شور ہوا میں پھیل پھیل کر کانوں تک آنے لگا۔ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک اسلام کی کامل ترقی دنیا کی وسیع آبادی میں اپنی برکتیں پھیلا یا کی۔

اس وقت تک تنزیل قرآن پر قتال ہوتا، معاملہ اسلام و کفر کا انفصال ہوتا، ''مومنین'' اہل حق، ''کفار'' اہل باطل تھے۔ جب ''مومنین'' کہتے اہل حق ہی اس کے مصداق ہوتے۔ اسی محاورے پر قرآن اُترا، حدیثیں آئیں۔ اُس وقت تک کان اس ناگوار صدا سے آشنا ہی نہ تھے کہ مدعیانِ ایمان بھی مہتدی و ضال کی طرف منقسم ہیں مگر امیر المومنین خاتم الخلفاء علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الاسنی کی نسبت ارشاد ہو چکا تھا کہ تم جس طرح تنزیل قرآن پر قتال کرو گے یوں ہی تاویل قرآن پر مدعیان ایمان بالقرآن کو قتل و پامال کرو گے ان متفرق فرقوں کے نام بھی سنا دیے پتے بھی بتا دیے ان کے قتل و بد دینی کے اَحکام بھی فرما دیے۔ ان سے جدائی، دُوری، احتراز، نفوری کے اعلان بھی جتا دیئے چنانچہ حسب وعدۂ صادقہ وہ دن سامنے آیا۔ آخر خلافت خاتم الخلفا میں ظہورِ بدمذہباں نے منہ دکھایا۔ خارجی نکلے، رافضی نکلے، رافضیوں سے متعدد فرقے اُچھلے، یہ سب کلمہ خواں تھے، مدعی ایمان تھے، ہمارے کلمہ کا دَم بھرتے، ہمارے قبلہ کو سجدہ کرتے، مولیٰ علی بھی انہیں کافر نہ جانتے، گمراہ و بد دین و خاسر مانتے، مگر بایں ہمہ نہ ہمدردی سجھی، نہ اتفاق اتحاد کی ترنگ سُوجھی۔ ''انما المومنون اخوۃ'' کا مصداق جانا نہ ''کونوا عباد اللہ اخوانا'' کا یہ محل مانا بلکہ انہوں نے اور تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ان کے قتل و قتال و عذاب و نکال پر اجماع فرمایا۔

دست و زبان و سنان و لسان و بیان و بنان سے ان کا فتنہ مٹایا اور کیوں نہ ہوتا کہ

پہلے ہی محمد رسول اللہ ﷺ نے یہی احکام فرمادیے۔ سب راستے بتادیے تھے ان کے بعد جوں جوں آتش فتنہ بدمذہباں زیادہ بھڑکتی گئی ان کے ردّ میں ائمہ دین اولیائے معتمدین علماء و مجتہدین کی کوشش چمکتی گئی مجالس وعظ و محافل درس میں ان کے ردّ و تفضیح وطعن و تقبیح سے گونجتی رہیں۔ ہزاروں کتابیں ان کے توہین عقائد و تبیین مکائد میں تالیف ہوئیں۔ جب سیف دست سنت میں ہوتی جعد بن درہم کی طرح بدمذہب کلمہ گو ذبح ہوتے رہے۔ جب زمانے نے دوسری طرف کروٹ بدلی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اہل حق حمایت مذہب حق میں اہل باطل کے ہاتھوں قید ہوئے تازیانے سہے مگر کبھی بھائی چارانہ بھایا، اتفاق و اتحاد کا گیت نہ گایا، سلفاً خلفاً ہر قرن و طبقہ میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ دین سے لے کر حضرت مولانا بحر العلوم ملک العلما عبد العلی لکھنوی و شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اور ان کے بعد مولانا رشید الدین خان دہلوی، مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی، مولانا حیدر علی غرض ۱۳۰۰ھ تک کے علماء کا یہی داب رہا۔ ہمیشہ علماء سنت نے ردّ و تفضیح بدعت و اہل بدعت کو اہم مقاصد سمجھا اور واقعی اگر یہ مقدس گروہ ایسا نہ کرتا تو آج آزادی پسندوں کی طرح ہر شخص بجائے خود فرعون بے سامان ہو جاتا۔ ان کی انہیں مقبول کوششوں کی وجہ سے تو ان کی دواتوں کی روشنائی خونِ شہیدان پر غالب آئی۔ ان کی انہیں مقدس سعیوں نے تو ہمیں صراط مستقیم دکھائی۔ اب زمانہ رنگِ نو پکڑتا ہے، تیرہ سو برس کا بنا کام بگڑتا ہے۔ قاعدے کی بات ہے کہ دشمن کو دو وقت زیادہ کوفت ہوتی ہے ایک ابتدائے اَمر میں جب اُس کی ناگوار چیز خداداد جوش کے ساتھ ہونہار نونہال کی طرح نئی نئی کونپلوں سے لہلہاتی ہے، جان توڑ کر اس کے اِزالہ میں کوشش کرتا ہے کہ ابھی علاج آسان ہے، تازہ معاملہ ہے۔

درختے کما کھوں گرفت ست پائے　　　　به نیروی شخصے بر آید ز جائے

دوسرے اِمتدادِ اَمر پر، جب اُس کی اگلی پچھلی کوششیں مدتوں بے کار جائیں اور خاطر خواہ کام نہیں بنائیں، تدبیریں کرے اور فضول و ضائع قرار پاتی ہیں اُس وقت

پھر اُسے ایک جوشِ شدید اُبلتا اور برسوں کا جھنجھلایا ہوا پھر جان پر کھیل کر آخری حیلہ کے لئے سنبھلتا ہے کہ اوّل بآخر نسبتے دارد۔

ہمارے عدوّ مبین شیطان لعین کو بھی یہی دو منزلیں پیش آئیں دونوں بار اُس نے کمیٹیاں بنائیں۔ بارِ اوّل جب اسلامی ترقی کا جان فزا آسمان اُس ملعون کی آنکھوں میں کھٹکتا نظر آیا اور بالائی متفرق کوششوں نے کچھ کام نہ بنایا، کمیٹی کفار مسمی بہ ''دارالندوہ'' کا صدرِ انجمن بنا۔ وہ پرانا عیار شاہ مکار ''لاضلنهم و لا مینیهم'' کے مدرسہ کا مدرس پرکار ''لاغوینهم اجمعین الاعباد ك منهم المخلصین'' کی جمع تفریق حساب ہندسے سے ماہر ہوشیار ''لاقعدن لهم صراطك المستقیم'' کی نہانی کول میں بہ کمین شکار اُس کول سے نکل اسکول سے چل، پیر مرد کی صورت سنوار، سفید و دراز ریش پھٹکار شیخ نجدی بن کر آدھمکا، اس صدر ناپاک و دیگر اراکین سفاک نے جو مشورے گانٹھے اور جیسے جیسے ان کے ملعون مکر اپنی سزا کو پہنچے قرآن عظیم سے واضح و آشکار پھر اپنے سی خفیہ و پیدا ہر قسم کی تدبیریں بگھارتا رہا، بڑا فتنہ ایجاد بدمذہبی کا تراشا جس نے طرح طرح کی صورتوں مختلف ہیئتوں میں جلوہ دیا مگر تیرہ سو برس تک کوئی خاطر خواہ جوڑ نہ چل سکا نہ ریگ بدعت کا کوئی مضبوط دُھس بندھا۔ نہ دریائے سنت کا بڑھنا رُکا، اس گئے وقت میں بھی مجموع طوائف گمراہاں کو اہل سنت سے یک و ہزار کی نسبت بھی نہ ہوئی۔ آخر جان سے تنگ آ کر سخت جنجھلا کر بارِ دوم پھر ایک کنبہ جوڑا، کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، نگاہ دوڑائی تو اس تدبیر کے لیے ہندوستان ہی اوّلین نظر پڑا کہ بے قیدی آزادی فتنوں کی آبادی تقوی کی بربادی کا یہیں جھنڈا گڑا۔ پھر بکمالِ ہوشیاری یہ بھی سمجھا کہ وسط ہند کا کوئی شہر ہو جس کا اَثر سب طرف پھیلے اور سمت میں پورب سے قرب النسب کہ الفتنۃ بہنا ٹھہر چکا۔ پہلے یہ سمجھ سمجھا کر اعظم گڑھ و آرہ و دیگر بلاد سے اپنے ڈھب کے لوگ بلا صدارت و نظامت رُکنیت بدستور سب عہدے جما ایک کمیٹی سمیٹی، نام ''ندوۃ العلماء'' ندوہ تو وہی ہے علماء کا پھندنا، اس لیے بڑھایا کہ عیار سمجھتا تھا اسلامی جرگے میں بے حیلہ علما کے کام نہ

چلے گا۔"

ندوۃ العلما کے قیام اور پھر اس کے اجلاسوں کی صورت حال بارے گفتگو کرتے ہوئے مولانا حسن رضا بریلوی نے ندوہ کی مخالف مذہب کارروائیوں پر نہایت تشویش ظاہر کی ہے، اور اس ضمن میں علمائے اہل سنت کی اصلاحی کارروائیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان مخلصانہ کارروائیوں کے جواب میں ندوہ کے عہدیداران کے غیر سنجیدہ رویے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ ندوۃ العلما کے معاندانہ رویے اور تخریبی کارروائیوں پر علمائے اہل سنت کی جانب سے مختلف مراسلے ندوہ کے اہم اراکین تک پہنچائے گئے جن پر بعض نے یقین دہانی کروائی کہ آئندہ تصحیح کر دی جائے گی اور خلاف مذہب اہل سنت کوئی کارروائی نہ کی جائے گی لیکن یہ سب کارروائیاں بے سُود رہیں اور ندوہ اپنی ڈگر پر گامزن رہا۔ ان حالات کے پیش نظر علمائے اہل سنت نے عوام الناس کو اس سے دُور رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسی بارے ندوہ میں شامل علما کو بھی تنبیہ کی گئی اور بدمذہبوں سے خلط ملط نہ ہونے اور ان سے دُور رہنے بارے احکام اسلام یاد دلائے گئے لیکن انہوں نے اس کے جواب میں بہانہ تراشا کہ جب ہم مختلف الخیال بدمذہبوں سے مل بیٹھیں گے تو اُن کی اصلاح کریں گے۔ اس پر مولانا حسن رضا تنبیہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"اب یہ بھی دیکھ لیجئے کہ اس پہلو دار معاملے میں شریعت مطہرہ نے کس پہلو پر نظر فرمائی کسے نظر انداز کیا ہمارے ہی خواہ ہمارے رؤف و رحیم ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہمارے رسول کریم ﷺ نے یہی فرمایا کہ لاتجالسوھم ان کے پاس نہ بیٹھو۔ ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔ ان سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو، وہ تمہیں بہکا نہ دیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ معاذ اللہ حضور ﷺ کے مقدس خیال میں یہ بات نہ آئی تھی ہمارے میل جول سے بدمذہب ہدایت پائیں گے، راہِ راست پر آئیں گے، نہیں یہ منع فرمانا یقیناً اس قبیل سے تھا جس طرح شفیق باپ آوارہ مزاجوں، بدمعاشوں کی صحبت سے اپنی پیاری اولاد کو روکے پھر جس نے اپنے مہربان باپ کی نصیحت پر کاربندی کی، دو جہان میں نفع پایا اور زمانے نے بھی اُسے

سعادت مند خلف کہہ کر یاد کیا، جس نے خلاف کیا، دارَین میں نقصان پایا، ناخلف آوارہ واہی ناکارہ کہلایا۔

سب جانے دو فرض کیا کہ آپ کے دونوں عذر معمولی قابل قبول ہیں مگر ان عذروں نے کیا یہ بھی کہہ دیا تھا کہ بدمذہبوں کو مسند وعظ پر بٹھائیے، اُن سے لیکچر کہلوائیے اُن کی مدح وستائش دینی میں دفتر کے دفتر گائیے، اُن کی تعظیم عظیم سے ربّ عظیم کا عرش عظیم ہلائیے۔ وہ صریح ضلالت کے کلمات علانیہ بکیں انہیں شربت کے سے گھونٹ پی جائیے، نوش جان وشیر مادر ٹھہرائیے۔ سکوت کیسا، حسب دفعات دستور العمل ندوہ اس کی اجازتیں دیجئے تحسینیں کیجئے چھاپئے بیچئے اہل سنت معترض ہوں تو ان پر لام کاف چھانٹئے یہ کہاں کی حقانیت کیسی امانت ہے۔ کہتے ہیں اب للہ للہ ذرا خوف خدا وہول قیامت پیش نظر رکھ کر کہیے کوئی جواب ہے کوئی عذر ہے کوئی حیلہ ہے شرم شرم شرم

شرم بادت از خدا و از رسول

ہزار تف بریں لطف بدنظمی کہ ان نئے نئے بھتیوں سے میل جول فرض اتحاد ایمان۔ اتحاد نہ رکھیں تو سُنی کفار، نماز روزے بیکار، سب حق پر ہیں، سب اپنی سمجھ پر مکلف ہیں، خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر دیکھتا ہے، حنفی شافعی مالکی حنبلی سب ائمہ اہل سنت پر باہمی اَقوال سے حکم کفر آتا ہے۔ الا لعنۃ اللہ علی المظلمین

مسلمانی کا دعوی رکھتے ہو تو ذرا نا خدا اور رسول سے ڈر کر کہو کہ ایسی حالت میں علمائے اہل سنت پر اس طوفان بے تمیزی کی مخالفت فرض تھی یا نہیں؟ جب علمائے ندوہ شرکت ندوہ کی خاطر بریلی آئے اور ہمارے قبلہ وکعبہ عالم اہل سنت حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اور تاج الفحول حضرت مولانا مولوی عبدالقادر صاحب بدایونی دام ظلہم العالی اور دیگر علمائے اہل سنت سے ملاقاتیں کیں اُس وقت بھی یہی کہا گیا کہ ندوہ اپنی طرف سے یہ چھپوا کر شائع کر دے کہ ندوہ خاص اہل سنت کا ہے اہل سنت کے خلاف کوئی کارروائی اس میں نہ ہوگی اہل سنت مقلدین ائمہ اربعہ ہیں جن کا مذہب

مطابق مذہب علمائے حرمین شریفین ہے اہل سنت کے خلاف کوئی کارروائی ہمیں پسند نہیں، وعدے کر کے سب تشریف لے گئے۔عبداللہ صاحب انصاری تحریر لے گئے حقانی صاحب خود بھی مضمون لکھ کر لے گئے سلیمانِ صاحب پھلواری ضامن ہوئے کہ اسی پر کاربندی کریں گے ندوہ سے کرائیں گے یہ چھپی نہ رہے گی چھپی ہوئی دکھائیں گے مگر ان وعدوں کا ظہور نہ ہونا تھا نہ ہوا، ندوے کو منظور نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ بہت صاحبوں نے تو کروٹ ہی نہ لی اور سلیمان صاحب و مفتی عبدالسلام صاحب صاف آ کر کہہ گئے کہ ہم عاجز و مجبور ہیں یہ نوخیز انجمن نہیں مانتی اس کی ہٹ سے مجبور ہیں، واقعی ایک ہٹ سے آدمی مجبور ہوتا ہے اس نوخیز انجمن میں تو تینوں داخل ہیں انجمنی اعلان سے کہ ہمارا جلسہ سنیوں کا جلسہ ہے ہم نیچریوں رافضیوں وہابیوں غیر مقلدوں کی شرکت سے رضامند نہیں کس نے روکا ہے یہ کہ انجمن بیچاری تو لاکھوں میں مانتی مگر اصل صدر و اراکین دارالندوہ جن کی ماتحتی میں یہ حضرات ہیں کہیں وہ بھی ماننے دیں۔

اخیر میں ”التماس ہدایت اَساس“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”کاش صدر ندوہ دیگر معدودے چند جو ہنوز باوصف شرکت ندوہ و تائید مفاسد و تقریر باطل و ترویج۔۔۔ دعویٔ سنیت رکھتے اور مذہب اہل سنت کو عزیز و محبوب ہوتے ہیں تھوڑی دیر غصہ سے بے تعلقی فرما کر اس التماس کو چشم انصاف سے ملاحظہ فرمائیں کہ ابھی کئی دن کئی راتیں گزری ہیں تھوڑے عرصہ میں بہت سی خلاف شرع خلاف مذہب خلاف اسلام خلاف سنت کارروائیاں ظہور میں آئیں اگر ندوہ سے ایک ممتد زمانہ تک دل چھپی رہی تو اس کا انجام و مآل کیا اس وقت دیدہ وَرانِ باانصاف کی پیش نگام نہیں۔خدارا انصاف تھوڑے دنوں کی شرکت نے تو یہ رنگ دکھائے یہ گل کھلائے ایمان سے کہنا۔

جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

سُنّیوں سے بگاڑ، رافضیوں سے میل، وہابیوں سے لہو، نیچریوں سے کھیل، یک دلی کے پیام، سلام عنایت کے ٹیلی گرام، یہاں تک کہ پریسیڈنٹ کانفرنس نیچریاں جلسہ

نہم منعقدہ شاہ جہان پور نے صاف لکھ دیا کہ ندوۃ العلما کی کارروائیوں کے تفصیلی ذکر نے ہم کو یہ نتیجہ نکالنے کی جرات دی ہے کہ اُستادِ زمانہ کے زبردست ہاتھ نے آخر کار ہمارے عالی دماغ علماء کی گستاخی معاف کچھ گوشمالی کی ہے جس سے اُمید ہوسکتی کہ وہ مبارک گروہ ایک شاگردِ رشید کی طرح چند مفید سبق سیکھنے کی کوشش کرے گا کہیں ستر صفحے تائید ندوہ میں تیار ہوئے جسے ندوہ فخریہ طور پر خود ظاہر کر رہی۔ ندوہ سے پیشتر آپ صاحبوں میں خدا جانے کیا عیب تھا کہ یہ عیب دار طاغی پر نقص داغی آپ مقدس صورتوں سے پرہیز رکھتے اور دشمن جانتے تھے اور اب کیا وصف آ گیا کہ اَمصار و دَیار سے میل جول کی بے ہنگام صدائیں آنے لگیں گستاخی معاف ہو تو عرض کروں پہلے آپ پہلے آپ خالص سُنّی دین حق کے مددگار اور حامی تھے اور اب آپ نے بدمذہبوں کی ہم عنانی بلکہ ہم زبانی اختیار فرمائی اس کے سوا اگر کوئی اور وجہ ہے تو ارشاد ہو ذرا کان تو لگائیے دیکھیے وہ ان کے آپس میں آپ حضرات کی نسبت کہا جا رہا ہے کہ

راہ پر اُن کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں　　　اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ وہ زمانہ خیر سے جلد لائے کہ دین حق کے دوستوں کے آپ دوست ہوں اور اس کے دشمنوں کے دشمن۔ آمین آمین آمین۔

والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سیّد المرسلین و علی الہ الطاہرین و اصحابہ الطیبین و علینا معہم اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین آمین

☆

اظہارِ رُوداد

یہ رسالہ دارالعلوم ''منظر اسلام'' کی پہلے سال کی رُوداد پر مشتمل ہے جو کہ مولانا حسن رضا کی ترتیب سے ۱۳۲۲ھ میں مطبع اہلِ سنت، بریلی سے شائع ہوا۔ اس میں مدرسہ کے ساتھ تعاون کرنے والے مخیر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں نیز مدرسہ کے پہلے سال کی آمدن وخرچ کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس رسالہ میں مدرسہ سے جاری ہونے والے آٹھ عدد فتاوی بھی شامل اشاعت ہیں۔ یہ فتاوی مدرسہ کے ابتدائی طلبا کے تحریر کردہ ہیں جن کے نام یوں ہیں:

۱۔ مولانا ظفرالدین بہاری

۲۔ مولانا غلام محمد بہاری

۳۔ مولانا عبدالرشید

۴۔ مولانا محمد ابراہیم بہاری

۵۔ مولانا نواب مرزا بریلوی

۶۔ مولانا نذیر الحق رمضان پوری بہاری

مہتمم مدرسہ مولانا حسن رضا بریلوی کی جانب سے یہ اطلاع بھی درج ہے:

''اس دارالافتا میں دیگر مدارس کے منتہی طلبہ بھی بشرط صحت عقائد بعد امتحان داخل ہو سکتے اور بعد تکمیل انہیں بھی یہاں سے سند مل سکتی ہیں۔''

اس رسالہ کا مکمل عکس ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی کے ''صد سالہ فتاوی منظر الاسلام نمبر'' (تیسری قسط) میں موجود ہے۔ نیز ہماری مرتبہ کتاب ''رسائل حسن'' میں شامل ہے۔ مولانا حسن رضا نے ''صلائے عام بہ خادمان اسلام'' کے نام سے تقدیم لکھی جو کہ یہاں نقل کی جاتی ہے:

''اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ اسلامی ترقیاں آسمان سے برستی اور زمین سے اُگتی تھیں ہر مسلمان کے دل میں حمیت دینی وحمایت مذہبی کچھ ایسی دل کش اَداؤں سے جاگزیں تھی کہ اس کی ہر عملی کارروائی میں اس کی پیاری پیاری جھلکیاں نظر آجاتی تھیں۔ ان مقبول بندوں کا کھانا پینا سونا جاگنا حتی کہ مرنا جینا سب دینی بہبودی دینی بہتری کے واسطے تھا۔ جب تو ان کے پاک ارادوں مقدس کوششوں کے نتائج باوجود زہریلی پُرجوش مخالفتوں کے ایسے ایسے ظاہر ہوئے جن کی نظیر تاریخی دنیا میں اگر کوئی چراغ لے کر نہیں بلکہ آفتاب لے کر ڈھونڈھے تو ہرگز نہ مل سکے۔ ایک یہ وقت ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ترقی اپنی بہتری دنیائے دنی گزشتنی وگزاشتنی کے تنگ دائرہ میں محدود خیال کرلی ہے۔ افسوس وہ قوم جو دینی خدمت گزار ہوکر عقبیٰ کی خوبیوں کے علاوہ دُنیوی عزت کا چمکتا تاج اپنے سر پر رکھ چکی ہے، اُس کے خیالات میں ایسا انقلاب عظیم واقع ہو۔ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خیال کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں میں فیصدی کتنے ایسے حضرات ہوں گے جن کو رات کے آٹھ پہر میں تھوڑی دیر کے لئے بھی یہ خیال آتا ہو کہ لاؤ ایسے سامان بہم پہنچائیں ایسی تدابیر عمل میں لائیں کہ اسلامی ترقی تو درکنار موجودہ مفاسد سے قطع نظر آئندہ نسل ہی کی حفاظت ہو۔ صدہا قسم کی بدمذہبیاں طرح طرح کی خرابیاں جو پیدا ہو چکی ہیں اور آئے دن پیدا ہوتی رہتی ہیں اُن کا سبب اگر ہے تو ہم مسلمانوں کی بدنصیب غفلت ہی ہے جس نے ہم کو تنزل کی سب سے نیچی گھاٹیوں تک پہنچا دیا ہے۔ تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مسلمانوں کی ترقی دین کی ترقی کے ساتھ وابستہ ہے اور دینی ترقی علم دین کی ترقی کے ساتھ جس کا چراغ ہندوستان میں جھلملاتا نظر آتا ہے میں اس چراغ کو 'چراغ سحر' یا 'آفتابِ شام' کہوں تو بالکل بجا ہے۔

سُنی بھائیو! ہمارے علمائے کرام کثرھم اللہ تعالیٰ امثالھم فرقۂ اسلام میں آج جن کو بدمذہب فرمارہے ہیں وہ کل ہمارے ہی گُل کے جُز اور ہماری ہی شاخ کے گل تھے یہ ہماری غفلتوں کا کیا دھرا ہے جو وہ ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنا بیٹھے۔ بدمذہبوں کے کالج

مدارس تو اکثر مقامات پر ہیں آپ مہربانی فرما کر کوئی سُنّی مدرسہ بھی بتا دیجئے جو کارروائیوں کی ترقی میں ان کا مقابلہ کر سکے۔ انہیں وجوہ پر نظر کر کے اہل سنت بریلی نے ایک مدرسہ کھولا ہے، عملی کارروائی بھی خدا کا نام لے کر شروع کر دی ہے۔ اس مدرسہ میں اس کا پورا التزام کیا گیا ہے کہ خالص سُنّیوں کے سوا کسی بدمذہب کو مدرس نہ بنایا جائے۔ اس کا بھی نہایت اہتمام ہے کہ ناقص الاستعداد طلبہ کو مسند تدریس پر مدرس بنا کر نہ بٹھایا جائے کہ جو خود ناقص ہے دوسرے کو کیا کامل کر سکے گا۔ یہ مدرسہ مبارکہ خاص ترویج عقائد اہل سنت و تعلیم علوم دین و ردّ بدعت و ہدایت مبتدعین کے لئے قائم ہوا ہے۔ اس مدرسہ میں صرف عربی کے پانچ مدرسین ہیں تعلیم کے ساتھ تحریر وتقریر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ ہدایۃ النحو تک کے طلبہ کو کچھ جملے دیے جاتے ہیں جن کا وہ باقاعدہ ترجمہ عربی میں کرتے ہیں پنج شنبہ کو بعد ظہر طلبہ سے وعظ کہلایا جاتا ہے۔ درجۂ اوّل کے طلبہ کو تاکید ہے کہ حتی الامکان وعظ بزبان عربی کہا کریں علم تجوید چونکہ ہندوستان میں مفقود سا ہو گیا ہے لوگ فرقانِ عظیم کو خلاف ’ما انزل اللہ‘ پڑھتے ہیں اور اپنی اور مقتدیوں کی نمازیں خراب کرتے ہیں، مدرسہ نے اس طرف خاص توجہ کر کے حافظ احمد یار خان صاحب کو جو بریلی کے مشہور مجود ہیں اس کام پر مقرر کیا ہے اور غربائے مسلمین کے بچوں کے واسطے بلا تنخواہ اُردو فارسی اور بقدرِ ضرورت حساب کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ یہ مدرسہ طلبہ کو چند حرف درس معمولی پڑھا کر عام مدارس کی طرح کاغذی سند فراغ دینے کو تکمیل نہ سمجھے گا بلکہ ہونہار طلبہ کو حسب استعداد و مناسبت طبع ہمیشہ انتخاب کر کے کچھ واعظ کچھ مدرس کچھ مفتی کچھ مصنف بنائے گا کہ وہ باذنہٖ تعالیٰ مدرسہ سے سچے کامل ہو کر ملک میں پھیلیں اور اس گھنگھور چھائی ہوئی اندھیری میں نورانی مذہب کی مشعلیں روشن کریں اسی خیال کی بنیاد پر ”منظر اسلام“ نے ایک دارالافتاء بھی قائم کیا ہے جس میں منتہی طلبہ سے کارِ افتاء لیا جاتا ہے اور اس عملی کارروائی سے ان کے علم کے آئینہ کو روز تازہ جلا دی جاتی ہے یہاں کے طلبہ کو بعونہٖ تعالیٰ بیت اللہ شریف کی وہ اعلیٰ درجہ کی سندیں دی جائیں گی جن کی نظیر نظر نہ آئے گی حسب وسعت اس مدرسہ کے

اغراض میں یہ اَمر بھی داخل ہے کہ علاوہ درس فارسی عربی کے ایک شاخ اُردو میں مختصر رسائل عقائد و مسائل نماز و روزہ کی تعلیم کے لئے ہو کہ عام عوام علم نہ حاصل کریں تو ضروریات دین سے تو غافل نہ رہیں۔ نیز یہ بھی مقصود ہے کہ معقول آمدنی کے بعد غربائے اہل سنت کے اطفال کا وظیفہ مقرر کر کے ایک وقت دینی تعلیم دوسرے وقت دست کاری سکھائی جائے جس کی وجہ سے دینی واقفیت اور وجہ معیشت ان شاء اللہ العزیز دونوں حاصل ہوتی رہیں۔ مگر ایسے عظیم کام آپ حضرات کی توجہ خاص پر موقوف ہیں سب میں بڑھ کر خوش نصیبی اس مدرسہ کی یہ ہے کہ مجد دماتہ حاضرہ صاحب براہین قاہرہ عالم اہل سنت حضرت مولانا مولوی حاجی محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی مدظلہم العالی نے باوجود قلت فرصت اس کی نگرانی کے ساتھ درس حدیث شریف بھی اپنے ذمہ لیا ہے اور جناب رحیم داد خان صاحب تحصیل دار بہادر نے اپنی فراخ حوصلگی اور دریا دلی سے سو روپیہ عطیہ یک مشت کے علاوہ ملک حسین پور مدرسہ کے لئے وقف فرما کر مکان مدرسہ میں معقول امداد کا وعدہ فرمالیا۔

اے اہل سنت! اے عزیز پیارے بھائیو! اب سونے کا وقت نہیں ہوشیار ہو دیکھو دن ڈھل گیا شام ہونے کو ہے رات کی بھیانک صورت منہ دکھانا چاہتی ہے اب بھی آنکھ نہ کھلی تو کب کھلے گی۔

سفر ہے در پیش خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اُٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

توفیق رفیق باد۔ امین

رسالہ کے آخر میں مدرسہ کے طالب علم مولانا محمد ابراہیم بہاری کا مضمون ''ایک نظر ادھر بھی'' کے عنوان سے نہایت اہم ہے، جسے یہاں نقل کیے جاتا ہے:

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

خدا کا ہزار شکر ہے کہ مدرسہ ''منظر اسلام'' کے طفیل آج ہمیں اپنے مکرموں کو اپنا حالِ زار سنانے کا موقع ملا، طالب علم کا نام تو بہت قدیم ہے بحمداللہ تعالیٰ اسلام کے ساتھ ساتھ یہ نام بھی اس کے باغ کی ناشگفتہ کامیوں کو عطا ہوا جو کوشش میں ہیں کہ دامن رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ کی مبارک ہوائیں دلکش صدائیں ان تک پہنچیں اور خدا چاہے تو انہیں اس باغ کا مہکتا پھول بنائیں مگر زمان حال و زمان سابق میں زمین و آسمان کا فرق ہے پہلے طالب علم ایک فارغ البال معز زموقر کا نام تھا کہ سلطنت اسلام خود اس کے تمام حوائج کی کفیل ہوتی طالب علمی جس طرح دین حاصل کرنے کا ذریعہ تھی دنیا کی بے فکری معاش کا بھی عمدہ وسیلہ تھی اب ہمارے شہروں میں علم روش زمانہ کے لحاظ سے طالب علم کن کا نام ہے؟ چند بے چارے مصیبت کے مارے، وطن سے دُور، عزیزوں سے مہجور کہ فقط علم حاصل کرنے کی تمنا میں آپ کے شہروں میں پڑے ہوں، ان کی غم خواری آپ حضراتِ اسلام کریں تو آپ ہی فرمائیے ان کے بسر کی شکل اور طلب علم کے لئے فراغ کیوں کر ہو!!!

خسرو غریب ست و گدا اُفتادہ در شہر شما
باشد کہ از راہِ کرم سوئے غریباں بنگری

اگر آپ حضرات ان کی طرف توجہ نہ فرمائیں تو وہ اپنے درد و غم کی کہانی کسے سنائیں پر دیسی مسافر بے یارو مددگار

تُو پھرا ہے بہت اے پیر فلک! سچ کہنا
ہم سے بے کس بھی زمانے میں کبھی دیکھے ہیں

مدرسہ منظر الاسلام کہ خاص آپ حضرات اہل سنت و جماعت کا یکتا مدرسہ ہے ہنوز اس کی ابتدائی حالت ہے تمام طلبہ کی خورونوش کا متکفل کیوں کر ہوسکتا ہے ایسی ابتدائی کیفیت میں اس کا پانچ مدرس مشاہروں پر مقرر کر کے ہماری تعلیم کا بندوبست کرنا ہی کیا کم ہے۔ ہم اپنی ابتدائی حالت یا اپنے نئے آنے والے بھائیوں کی کیفیت عرض کرنے کی اجازت چاہتے

ہیں، جب ہم وطن سے محبوب چیز کو چھوڑ کر چلے تو ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ تمنائے علم ہم کو کہاں سے کہاں لے جائے گی اور ہم جہاں جائیں گے وہاں کوئی ہمارا پُرسان حال بھی ہوگا یا نہیں۔ توکل بخدا کر چل کھڑے ہوئے شہر در شہر ٹھوکریں کھاتے، مصیبتیں اُٹھاتے جب تک ہمارا کھانا کسی خدا ترس باہمت نے اپنے ذمے لیا ہم پر جو گزری گزری۔ مل گئی تو روزی ہے ورنہ روزہ۔ کتاب سامنے رکھی ہے مگر دل کام دیتا ہے نہ دماغ، صبح کو مل گئی تو شام کی فکر ہے کسی کسی رات کی کیفیت تو کچھ نہ پوچھئے:

ہم تڑپتے ہیں پڑے سارا جہان سوتا ہے
اے فلک! ہم سے یہ کس دن کا عوض ہوتا ہے

آپ صاحبوں کو خداوند کریم اپنے وطن میں اہل وعیال کے ساتھ عیش وعشرت میں رکھے خانہ بدوشوں خانماں آواروں کا حال جس پر گزرے وہی جانتا ہے پر جب کسی تکلیف کا سامنا ہوتا ہے پیارا وطن یاد ہو جاتا ہے اور جانے کن کن کیفیتوں کی یاد دُکھے ہوئے دل میں چٹکیاں لینے لگتی ہے۔

بے بسی اور بے کسی کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے حسرت کی نگاہوں سے چار طرف دیکھتے ہیں اور کسی کو بات پوچھنے والا نہ پائیں تو دل ہی دل میں گھٹ گھٹ کر رہ جاتے ہیں

اس رَنج بے کسی کی یا ربّ خبر نہ پہنچے
جائے نہ شام غربت سر پیٹتی وطن میں

حضرات! ہم لذیذ کھانوں کے طلبگار نہیں، ہماری بے فکری کا سامان رُوکھی سُوکھی روٹی اور ایک چراغ تیل ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے اس شہر میں صدہا اہل اسلام ایسے موجود ہیں جنہیں ایک طالب علم کا کھانا ہرگز بار نہیں ہوسکتا، اگر توجہ فرمائی جائے تو اس قدر طالب علم تھوڑے عرصہ میں جمع ہو جائیں کہ یہ مدرسہ ایک بہت بڑا مدرسہ اہل سنت ہو جائے اور مذہب اہل سنت کے خدمت گزار تیار ہو ہو کر شہر بہ شہر دین کے جھنڈے گاڑ دیں۔ خدا کے

واسطے تھوڑی دیر کے لئے خیال فرمائیے کہ آپ کی تھوڑی سی امداد سے مذہب کی کیسی نمایاں ترقی ہوتی ہے اگر آپ اس مدرسہ کی امداد فرمائیں گے تو خدا کی امداد کا سایہ آپ پر دین و دنیا میں ہوگا۔ یہ وہی سچا مذہب ہے جس کی خاطر آپ کے مقدس بزرگواروں نے کیا کچھ کوششیں نہ فرمائی ہیں۔ یہ وہی پیارا معشوق ہے جس کے عاشقوں نے اس کی محبت میں سر کٹا دیے۔ ہمارے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو دُنیوی مصیبتیں گزریں وہ اسی کی خاطر گزریں۔ کربلا کے میدان میں حضور کے پیارے بچوں کو جو واقعات پیش آئے اسی کے سبب پیش آئے۔ آخر آپ انہیں کے کہلاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب دین کو آپ مسلمانوں کی مدد درکار ہے کمر باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوں اللہ یار بیڑا پار۔

اگر قیامت کی دُھوپ سے اَمان کی خواہش ہے تو آج دین کی مدد میں دوڑ دھوپ کرلو وہ دیکھو تمہارا پیارا پیشوا نیچے نیچے دامنوں سے تمہارے سر پر سایہ کرنے کو موجود ہے۔

☆

کوائف اخراجات

یہ رسالہ ''منظر اسلام'' کے دوسرے سال کی آمدنی اور خرچ کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ نیز کلاس وار طلباء کی تعداد اور زیر درس کتابوں کی نشان دہی، اساتذہ و ممتحن حضرات کے اسمائے گرامی بھی درج ہیں۔ مولانا حسن رضا اس رسالہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''خدا کا ہزار ہزار شکر کہ مدرسہ منظر اسلام نے اپنی بیش بہا عمر کا دوسرا سال بھی خیر و برکت کے ساتھ پورا کیا اس سال میں جلسہ امتحان کے لئے ۲۱ شعبان بغایت ۲۴ شعبان چار تاریخیں مقرر ہوئیں۔ علمائے کرام کو بغرض امتحان تکلیف دی گئی، جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب و جناب مولوی ارشد علی صاحب و مولوی حکیم شفیق الرحمن صاحب رام پور سے اور مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب سورتی پیلی بھیت سے اور مولانا مولوی پردل صاحب ولایتی پٹنہ عظیم آباد سے اور مولانا مولوی عبدالسلام صاحب و مولوی حافظ قاری بشیر الدین صاحب جبل پور سے تشریف لا کر رونق افروز مجالس امتحان ہوئے ہیں۔ یہاں ان حضرات کے گرامی ناموں کے چند فقرے نقل کر کے روئداد سالانہ کی سر پر فخر و عزت کا تاج رکھتا ہوں جنہوں نے میرے نیاز ناموں پر توجہ فرما کر مجھے ممنون اور مدرسہ منظر الاسلام کو معزز فرمایا۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ اس رُوداد پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس روئداد سے ''منظر اسلام'' کے نصاب کا پتہ چلتا ہے، نصاب میں جہاں منطق کی کتب میر زاہد، ملا جلال، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، شرح سلم، بحر العلوم، فلسفہ میں میبذی اور علم ہئیات میں تصریح وغیرہ کتب شامل ہیں، شفاء شریف اور مسند امام اعظم بھی شامل نصاب تھیں

جنہیں آج بھی شامل نصاب کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح فارسی کی متعدد کتب تعلیم عزیزی، اخلاق محسنی، انوار سہیلی، گلزارِ دبستاں، رُقعات، مظہر الحق وغیرہ شامل ہیں۔''[1]

طلباء کے امتحان کے لیے بیرونی ممتحنین کو بلایا گیا جن میں مولانا وصی احمد محدث سُورتی، مولانا عبد السّلام جبل پوری، مولانا قاری بشیر الدین جبل پوری، مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری اور مولانا محمد ارشد علی رام پوری وغیرہ علماء شامل تھے۔ ان علماء نے امتحانات کے بعد مدرسہ کے انتظام و انصرام، اور طلباء کی قابلیت بارے درج ذیل تاثرات تحریر کیے، ملاحظہ فرمائیں:

مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی

فقیر الی اللہ القدیر علامۂ دوراں وفہامۂ زماں صاحب حجت قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ آیت من آیات اللہ فی الارضین امام المسلمین فی الدین غیظ المبتدعین من النیاشرۃ والوہابیۃ والرفضۃ والندوبین مولانا وسیدنا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب مدظلہم العالی کے حسب الارشاد مدرسہ منظر اسلام ابقاھا اللہ و جعلھا بحیث یتصاعد بتصاعد مراتبہ مراتب الدین الی یوم القیام کے سالانہ جلسہ میں شریک ہوا اور بشرکت علمائے کرام رام پور متکفل امتحان طلبہ ہوا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اکثر طلبہ کامیاب مستحق انعام اور اراکین ان شاء اللہ مستوجب ثواب پائے۔ مدرسین کی جانفشانی بھی قابل قدر اور ان کی سعی قابل شکر ہے حق تعالیٰ اس مدرسہ کے ہونہار طلبہ کو زود تر خلعت دستار بندی سے آراستہ اور شرف سند علم وافی سے پیراستہ کرے اور علوم نافعہ دین و مذہب کو منصور رکھے۔ آمین یا الٰہ العالمین بحرمۃ علی النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم

مولانا مولوی عبد السلام صاحب جبل پوری

طلبا نے امتحان بہت بہتر وعمدہ اعلیٰ درجہ کا دیا۔ کل نظم ونسق مدرسہ اور طرزِ تعلیم و طریقہ تدریس نہایت فائق و شائستہ ہے اور مدرسین طلبا ہر طرح پر قابل آفرین وتحسین

---

[1] ماہنامہ اعلیٰ حضرت، منظر اسلام نمبر۔ قسط دوم: ۵۶

ہیں۔فارسی کتب درسیہ اور ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح ملا جامی، ایساغوجی، شرح تہذیب، قطبی، ملاحسن، حمداللہ، شرح وقایہ، ہدایہ، نورالانوار، شفا شریف وغیرہا کتب زیر درس میں جو مقام طلبہ کے سامنے امتحاناً پیش کیے گئے، عبارتیں صحیح پڑھ کر مقاصد کتاب ومطالب عبارات کو بعض طلبہ نے معاً بعض نے تاملاً معقول طور پر اچھی طرح بیان کیا۔خصوصاً میاں مولوی مصطفیٰ رضا خان اور میاں مولوی حسنین رضا خان نے جس عمدگی اور خوبی وخوش اُسلوبی کے ساتھ نہایت بلند مرتبہ کا شاید و باید محققانہ امتحان دیا۔حق تو یہ ہے کہ وہ انہیں کا حصہ تھا۔ بارك الله في علمهما و فهمهما

اتنی قلیل مدت میں اس مدرسہ کا ایسا نمایاں عالی مفاد اور طلبہ کی کافی استعداد آپ ہی اپنا نظیر اور روشن دلیل ابتقاد ہے۔اللہ تعالیٰ خیر و برکت اور روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔

مولانا حافظ قاری بشیر الدین صاحب جبل پوری

اواخر ماہ شعبان معظم ۱۳۲۳ھ کو جو بریلی کے طلباء مدرسہ اہل سنت نے امتحان دیا مبتدیین منتہیین محصلین اپنے اپنے حسب لیاقت وقابلیت واستعداد سب امتحان میں فائز المرام وشادکام ہوئے۔علم قراءت وتجوید جو نہایت ضروری التعلیم و التحصیل اور ہر مسلمان کے لئے اہم المہمات ہے، بریلی ہی کے مدرسہ اہل سنت میں ہم نے اس فن شریف کو داخل نصاب پایا اور اس مدرسہ کے صغیر السن بچوں کو ہی قرآن شریف موافق ما انزل اللہ با قاعدہ مخارج وصفات حروف کو مدنظر رکھ کر پڑھتے سنا، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کا فیض عام کرے اور طلبا کو علم نافع وفہم کامل عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالی علیہ والہ واصحابہ اجمعین

مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری

تمام ہندوستان میں اس وقت جو دبدبہ وشوکت و جاہ وحشمت اور اقبال وہمت و

قوت وثروت ظاہری ومعنوی علمی وعملی حق تعالیٰ نے جناب حامی دین متین وارث برحق حضرت خاتم النبیین ﷺ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی متع اللہ المسلمین بطول لقائہٖ کو عطا فرمایا ہے وہ آفتاب سے زیادہ روشن اور اُن کی سعی بلیغ مقبول فی الدین اور اُن کی تصانیف مبارکہ وردّ مبطلین سے مدلل اور مبرہن ہے وہ بے شبہ مصداق ہیں مضمون حدیث شریف ہذا کے ''ان اللہ عند کل بدعۃ کید بھا الاسلام ولیا من اولیائہ یذب عن دینہ'' حضرت مولانا کے فیضان کا ایک ادنیٰ اثر یہ ہے کہ ان کے فرزند ارجمند صاحب ہمت بلند جامع انحاء سعادت ماحی بدعت حامل لوائے شریعت مولوی حامد رضا خان صاحب طول عمرہ وزید قدرہ نے بمشارکت بعض اہل سنت ایک مدرسہ خاص اہل سنت کے بنام ''منظر اسلام'' بنیاد ڈالی جس کی صرف بریلی والوں کے لیے نہیں بلکہ تمام اہل سنت ہندوستان کے واسطے اشد ضرورت تھی اس کے وجوہ اور خوبیاں رُوداد مدرسہ اور اس کے مقاصد کے ملاحظہ سے مفصل معلوم ہوگی بتقریب امتحان سالانہ مدرسۂ مذکور حسب الطلب فقیر راقم الحروف وہاں حاضر ہوا، اور اَحوال مدرسہ اور مدرسین اور مبلغ علوم طلبہ اور طرزِ تعلیم پر واقف ہوا، ہر قسم کے طلبہ مبتدی ومتوسط ومنتہی کے متعدد جلسۂ امتحان میں شریک رہا۔ اور علوم دینیہ ضروریہ معقول ومنقول خصوصاً علم تفسیر وحدیث وفقہ وسیر واصول وغیرہا میں امتحان کی کیفیت پر مطلع ہوا، الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ببرکت حسن سعی مدرسین اور خوبی انتظام ناظمین اکثر طلبہ علوم دین کو مستعد اور اس بشارت کے ساتھ مبشر پایا، لایزال اللہ یغرس فی ھذا الدین عنھا یستعلھم فی طاعتہ بالخصوص منتہی طلبہ کی علو ہمت اور حسن تقریر مطالب اور تحریرات فتاویٰ جو دیکھنے میں آئے، اس سے نہایت شادمان ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو حسن ترقی روز افزوں عطا فرمائے۔

مولانا مولوی محمد ارشد علی صاحب رام پوری

اما بعد فقیر محمد ارشد علی عفی عنہ مقدس دین دار اہل سنت والجماعت نصرہم اللہ

تعالیٰ وایدکم کی خدمت میں ملتمس ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فی زمانہ کیسا کچھ فتنہ وفساد ظلمت کفر تاریکی و اِلحاد نیچریت کا زور، وہابیت کا شور، فرقۂ ضالہ ندویہ اور زمرۂ کذابین اور متبعین ناپاک قادیانی مدعی نبوت ناہنجار کنندہ ناتراشیدہ نابکار کا آوازہ منکرین عالم اعم اور معاندین دین متین لعنت کے خوارے اعدائے اہل بیت و اصحاب اخیار کا خمیازہ جھوٹے بیوپاروں میں کھوٹے بازاروں میں رواج پا رہا ہے۔ یہ سب کے سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ایک ہی جھاڑی کے کانٹے 'الکفر ملة الواحدة' کا مصداق ہو رہے ہیں۔

ذرا آنکھ کھولنے کا وقت ہے کمر ہمت باندھنے کا موقع ہے فرمان واجب الاذعان حضرت حق سبحانہ کیا دیکھا نہیں ''انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم'' ارشاد مبارک سیّد الانس والجان حضرت اقدس ﷺ کیا نہیں سنا الدین النصیحة و ذاتِ شریفہ علماء عظام اہل سنت مبشر درجات انبیاء بنی اسرائیل ہیں انہیں کے نفوس پاک ورثۂ انبیاء والمرسلین ہیں انہیں کے ظل عاطفت سے باغ علم شاداب ہے خصوصاً حضرت مولانا محی سنت قامع بدعت وارث الانبیاء والمرسلین پشت پناہ مسلمین جناب مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب دامت شموس برکاتہ وضاعف اجلالہ و فیوضاتہ جنہوں نے اپنی سچی کوشش سے جتھوں کے جتھوں خاک اُڑانے والوں کو برباد کیا اور رسالہ کے رسالوں کو لٹا دیا۔ الحمدللہ یہ حضرت ہی کے برکات کا ایک جلوہ ہے کہ اہل سنت بریلی نے بنیاد مدرسہ ''منظر اسلام'' کی خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ وترویج الدین قائم کی۔

ہزاراں ثنا و ہزاراں سپاس — کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

مدارس غیر مقلدین ومبتدعین وغیرہ کا استیصال ہو گیا۔ ان شاء اللہ العزیز منتظمین کا حسن انتظام مدرسین کی خوش اُسلوبی طلبا کی جان فشانی نیک انجام اظہر من الشمس وابین من الامس ہے۔ چنانچہ فقیر امتحان سالانہ مدرسۂ موصوف میں حاضر ہوا تھا اکثر طلبا کو کامیاب پایا۔

روئداد کے صفحہ نمبر ۵۱ پر مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری منتظم مدرسہ مولانا حسن رضا کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

''ہمت عالی اور توجہ خاص منتظم دفتر جناب مولانا حسن رضا خان دام مجدہم سے اُمید کامل ہے کہ اس مدرسہ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں ہے، ایسے برکات فائض ہوں جو تمام اطراف و جوانب کی ظلمات اور کدورات کو مٹائیں اور ترویج عقائد حقہ مُنیفہ اور ملت بیضاء شریفہ حنیفہ کے لئے ایسی مشعلیں روشن ہوں جن سے تمام عالم منور ہو۔''

اس رُوداد کے کل ۵۲ صفحات ہیں، مولانا حسن رضا کی ترتیب سے مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی سے طبع ہوئی۔

☆

سوالات حقائق نما بر رؤس ندوۃ العلماء

سوالات حقائق نما بر رؤس ندوۃ العلماء، ۱۹؍رمضان المبارک ۱۳۱۳ ہجری میں نادری پریس، بریلی سے مولانا حسن رضا کی تقدیم کے ساتھ طبع ہوئی۔ سرورق پر مؤلف کا نام بھی ''حسن رضا خان قادری برکاتی بریلوی غفرلہ'' تحریر ہے۔ مزید سرورق پر کتاب کا تعارف تحریر ہے:

''اس میں ستر (۷۰) سوالات ہیں کہ محض بنظر خیر خواہی ندوہ و حفظ مذہب اہل سنت حضرت ماحی فتن حامی سنن خادم شرع و ملت عالم اہل سنت جناب مولانا مولوی احمد رضا خان محمدی سُنی حنفی قادری برکاتی دامت فیوضہم نے خود ندوہ کی خواہش و درخواست پر پیش فرمائے اور باوصف بار بار کثیر تقاضوں کے لاجواب رہے۔ ان سوالات سے ہر سُنی کو واضح ہوگا کہ سوئے اتفاق سے ندوہ کی کارروائیوں، تحریروں اور تقریروں میں کتنی باتیں مضر و مخالف مذہب اہل سنت واقع ہوئیں، جن کی اصلاح اور مذہب حق کی پابندی ندوۃ العلماء کا پہلا فرض ہے۔ بنظر خیر خواہی مکرراً معروض کہ ندوہ یا تو سچے انصاف سے عالمانہ جواب دے ورنہ سچی پابندی مذہب اہل سنت اختیار کرے۔ و باللہ التوفیق''

اس مکتوب کو ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے مولانا حسن رضا کی تقدیم کو حذف کرتے ہوئے مکاتیب رضا کی جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲۷۔۱۰۷ پر نقل کیا ہے۔

مولانا حسن رضا اس کی تقدیم میں لکھتے ہیں:

اللہ اکبر! اس زمانہ پُر آشوب میں کہ بلائے بدمذہبی محیط و بائے آزادی عالمگیر ہے۔ ندوۃ العلما سے زیادہ کیا چیز خوشی کی ہوتی کہ علمائے اہل سنت کو قوت متفقہ سے

دفع فتن وتائید سنن کی طرف انتباہ ہو، اُمید تھی کہ اب خدا چاہے تو اہل حق کی دینی حالت رُو براہ ہو مگر مطالعہ کتب ندوہ نے بعض زوائد فاسدہ ومفاسد زائدہ سے بتایا کہ نیرنگ زمانہ ومداخلت مذاہب بیگانہ نے اسے بھی سیر درلوزینہ کر دکھایا۔ مضامین وتحریرات میں بہت باتیں صریح مخالف ومضر مذہب اہل سنت درج ہوئیں دعوئ اتحاد و اتفاق کی وسعتیں دائرۂ پابندئ سنت و جماعت سے بے حد باہر نکل گئیں۔ از انجا کہ خیرخواہی مسلمین ہر مسلمان پر لازم "فان الدّین النصح لکل مسلم" مع ہذا آخر حصہ اوّل روئداد ندوہ صفحہ ۱۵۷ میں خود منصفانہ ارشاد ہوا ہے کہ "اس کی اصلاح ہر مسلمان کا فرض جو غلطی ہو زبانی یا تحریر اطلاع دیں بہ ممنونی قبول ہوگی یا عذر پیش"

لہٰذا ندوہ کی کارروائیوں پر مذہبی راہ سے جو شکوک وخدشات ظاہر ہوئے۔ محض خالصاً لوجہ اللہ بحکم خیرخواہی دین وخود باجازت واستدعائے ندوہ پیرایہ سوالات میں حاضر کئے گئے جو شخص کچھ بھی علم رکھتا اور عقائد ومسائل اہل سنت سے واقف ہوگا ان سوالات کو کتب ندوہ سے ملاتے ہی ان میں مذہب اہل سنت سے جدائیوں کا وقوع اس پر صاف منکشف ہوگا۔ یہ سوالات ۲۸ شعبان ۱۳۱۳ھ کو بصیغہ رجسٹری خدمت اراکین ندوہ میں حاضر کئے گئے۔ ۳۰ شعبان کا لکھا ہوا جواب ۲ رمضان مبارک کو آیا کہ "آپ نے یہ زحمت ناحق اُٹھائی یہ اُمور تحریروں سے حل نہیں ہو سکتے اس واسطے جواب کی ضرورت نہیں۔"

۵ ماہ مبارک کو پھر ایک عریضہ مفصلہ مرسل ہوا، اور اس میں ربُّ العزت جل و علا کا نام پاک اور حق اسلام وحق عظیم صاحب لولاک ﷺ یاد دلا کر التماس کیا کہ سوالات وکتب ندوہ ملا کر ملاحظہ ہوں دیکھئے تو مذہب سنت سے کس قدر صریح بیگانیاں ہوئیں پھر بنظر تخفیف سوالات کو ستر سے صرف آٹھ پر مقصور کر کے قرآن عظیم کی دو آیتیں اخفائے علم وکتمانِ شہادت کی تحریم میں تلاوت کیں۔ اس بار ظن غالب تھا کہ ضرور

پاسخ راسخ عطا ہوگا۔

۱۱ ماہ مبارک کا عنایت نامہ ۱۲ کو آیا اور وہی سکوت کی خبر لایا، باری بحمداللہ پھر بھی چند مفید و کارآمد باتوں نے شگاف خامہ سے جلوہ دکھایا۔

اوّل اشاروں اشاروں میں بعض تحریرات ندوہ کا غلط ہونا قبول فرمالیا اگرچہ صراحۃً مخالفت مذہب اہل سنت کا اقرار نہ کیا۔

دوم تسلیم فرمایا کہ یہ باتیں جو ہم کررہے ہیں شرعاً حرام وممنوع ہیں مگر بضرورت ہم نے حلال کرلی ہیں۔

سوم صاف صاف اقرار فرمایا کہ ہم نے ان کارروائیوں میں تقیہ کیا ہے۔

چہارم مان لیا کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی کا یہ ارشاد بہت بجا ہے کہ بدمذہبوں کی صحبت کافروں کی صحبت سے زیادہ مضر وفتنہ زا ہے۔

خدارا انصاف پھر اس اتحاد و اتفاق کا کہاں ٹھکانا جس کی طرف تمام تحریرات میں بڑے جوش سے بلایا جارہا ہے۔

الحمدللہ ہم کمینہ خادمانِ سنت کا مطلب تو اس قدر سے بھی حاصل کہ تحریرات ندوہ سخت مضرات مذہب اہل سنت پر مشتمل اس خط کا مفصل جواب بمراعات آداب ۱۵ ماہ مبارک روز یک شنبہ کا لکھا ہوا ۱۶ کو رجسٹری ہوکر پھر مرسل خدمات عالیہ ہوا۔ جواب سوالات کا مکرر تقاضا عرض کیا ہے۔ دیکھئے اب کیا ارشاد ہوتا ہے ہمیں ان مراسلات کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ بعینہا چھاپ کر نذر نظر اولی الابصار کرنا ہے بالفعل وہ پرچہ سوالات جس میں ستر سوالات تھے عالم اہل سنت کے ملاحظہ میں حاضر ہوتا ہے حضرات ندوہ سے پھر دست بستہ بہ ادب گزارش ہے کہ آپ اہل علم ہوکر اظہار حق میں دریغ نہ فرمائیں اگر رائے انصاف پیرائے نے بملاحظہ سوالات جان لیا ہے کہ ندوہ کی کارروائیوں تحریروں تقریروں نے مذہب سنت سے تخالف کیا ہے تو الانصاف خیر الاوصاف جاننے کے بعد

ماننا چاہیے اعتراف فرمائیے اور بارگاہِ الٰہی جل وعلا سے قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم کا تمغہ پائیے پھر براہِ حق پسندی مذہب سنت کی پابندی اور ان مفاسد کی رَخنہ بندی ہو کہ دنیا میں فلاح دین میں صلاح، عقبیٰ میں نجاح وسر بلندی ہو۔ اور اگر رائے گرامی میں ہم نیازمند ہی خطا پر ہیں تو جب یہ کشف غطا ہو طالبانِ حق کو جواب عطا ہو آپ خود بھی صفحہ ۱۵۷ کتاب مذکور پر ہر مسلمان کو اظہار خیالات کی اجازت سنا چکے، اجازت کیسی فرض بتا چکے پھر قبول صواب یا عطائے جواب کا وعدہ فرما چکے۔ ادھر صفحہ ۶۲ روداد سال دوم پر ارشاد ہوا کہ ''اگر جواب نہ دیا تو عام طور سے لوگوں کو ندوہ سے بد دلی ہو گی بہت غیر مناسب ہے کہ نائبان پیغمبر کی مجلس ہو اور لوگ اس سے کسی اَمر کی ہدایت چاہیں اور نہ کی جائے اور قطع نظر بدزبانی و بددِلی کے مواخذہ اُخروی کا بھی خوف ہے جب علما سے ہدایت نہ ہوئی تو اور کون کرے'' اپنے ان ارشادوں کا پاس فرمائیے حق سمجھ لیجیے یا سمجھائیں ورنہ عام اہل سنت سے گزارش ہے کہ خدارا ذرا غور کو کام میں لائیے یہ چپ کیا کہہ رہی ہے پس سمجھ جائیے۔

نقل کامل خط جناب مفتی لطف اللہ صاحب بنام حضرت عالم اہل سنت مدظلہما۔

مولانا المکرم المعظم دامت مکارمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دو عایت نامی برروز ۔۔شرف افزائے خاکسار ہوئی۔ مولانا آپ ندوۃ العلما میں شریک ہوں جیسے اور جو امور اصلاح طلب ہوں بوجہ احسن اُن کی اصلاح فرمائیے۔ آپ بفضلہٖ تعالیٰ اس زمانۂ پُرفتن میں اسلام کے رکن اعظم ہیں، ندوہ آپ سے حضرات کی شرکت کا بہت محتاج ہے آپ کو اگر کسی سے کچھ رنج ہو تو اللہ کے واسطے اس رنج کو دُور کیجئے اور ندوہ میں شریک ہو جائیے آئندہ سے جو کچھ کارروائی ہو گی بمشورہ وصوابدید آپ کے ہو گی۔ مولوی سید محمد علی ناظم ندوہ نیک سیرت اور بشیر آدمی ہیں وہ کبھی حق بات کے قبول کرنے سے انکار نہیں کریں گے میں اگر علی گڑھ ہوتا تو آپ کی خدمت میں حاضر

ہو کر جملہ اُمور ضروری کو زبانی عرض کرتا، مگر کیا کیا جائے آپ سے بہت دُور ہو گیا ہوں، سوالات مع الجوابات مرسلہ آپ کے پہنچے چونکہ بعض سوالات متعلق بہ ندوہ و ناظم ندوہ معلوم ہوتے ہیں اور ان کے جوابات سے ندوہ کی برہمی کا توہم ہوتا ہے اس واسطے میرے نزدیک اس وقت ان کی اشاعت نامناسب ہے۔ اسی وجہ سے میں نے ان جوابات کے اخیر میں نہ کچھ لکھا ہے نہ مہر کی ہے آپ اگر شریک ندوہ ہو جائیں گے اور اُمورِ اصلاح طلب کی اصلاح بطرزِ مناسب فرمائیں گے تو مقصود حاصل ہو جائے گا میں خیال کرتا ہوں کہ میری یہ تحریر موجب طال خاطر سامی نہ ہو گی اور عجب نہیں کہ پایہء پذیرائی بھی پائے۔ والسلام خیر ختام محمد لطف اللہ از حیدر آباد ۲۸ رمضان شریف ۱۳۱۳ھ روز شنبہ

ندوہ سے ستّر سوالات کے بعد مسئلہ حبّ و بغض پر ایک مضمون تحریر کی گئی ہے جس کی اہمیت کے پیش نظر یہاں نقل کیا جاتا ہے:

مسئلہ حبّ و بغض پر بعض ضروری کلام

اے شجر بشر کی بے شمار شاخو! آخر تم ایک اصل ایک زمین ایک پانی ایک ہوا سے ہو۔ ایک باپ کے بیٹے ایک ماں کی اولاد آپس میں حقیقی بھائی' کہ دراصل خلقت زیک جوہر یدٔ تم سب میں وہی وداد و اتحاد درکار تھا جو سگے بھائیوں میں ہوتا، پھر تم میں خلاف و شقاق نے کدھر سے راہ پائی۔ مجانین تو بحث سے خارج ہیں جن کی الفت یا نفرت کے لئے سبب درکار نہیں۔ میں تم عقلاء سے پوچھتا ہوں کہ جب تم میں ایسا عظیم رشتہ یک جہتی قائم ہے تو تمہارا باہم بلا وجہ خلاف یعنی چہ ہاں وجوہ ضرور ہیں وزر و زمین و مال و ملک و جاہ عرض و دم وغیرہ بہت کثیر و موفو رہیں، مگر ان سب میں نازک تر سب سے سخت تر تخالف مذہبی کہ چیز جتنی زیادہ عزیز اسی قدر اس کے باعث نزاع قوی۔ ہر پابند مذہب کہ اگرچہ کیسا ہی باطل پر ہو، مذہب سے زیادہ کوئی شے پیاری نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں بہت لوگ مال و جاہ میں درگزر کرتے ہیں چھوڑ بیٹھتے ہیں صلح

پر آتے ہیں مگر اہل مذہب مذہب کا کوئی حصہ نہیں چھوڑ سکتے، ترک درکنار۔ بعض پر مصالحہ کی گنجائش نہیں رکھتے تو مخالف مذہب قدرتی طور پر اعلیٰ ذریعہ بغض ومنافرت جس کا مٹا دینا اٹھا دینا خارج از طوق بشریت ہے تو ایسے امر میں کوشش فضول علت تخالف جب تک باقی تخلف معمول کیوں کر معقول خصوصاً جب کہ کچھ بندگان خدا کی نہایت تعظیم غایت تکریم کہ مذہبی حکم سے جس کے وہ اہل ہیں۔ ایک فریق کی جان ایقان ہو اور انہیں بندگان خدا کی کمال توہین تحقیر مبین مذہبی ہے مسئلہ سے دوسرے فریق کا جزو ایمان ہو جیسے رافضی یا سنی ناصبی یا سُنی وہابی کہ ان سب حضرات کا مدار مذہب ائمہ اہل سنت کی بدگوئی واہانت ہے۔ جن میں بعض کا ایک ہلکا بیان خود بعض مضامین ندوہ میں کئی ورق پر مثبت ہیٔ

کوئی نزاع مٹا کر فریقین میں سچا اتحاد قائم کرنے کی تین (۳) صورتیں ہیں:

ایک فریق دوسرے کا قول تسلیم کر لے یا دونوں اپنے بعض قول سے درگزر کر کسی متوسط حد پر راضی ہو جائیں یا مابہ النزاع سے غرض ہی نہ رہے کہ وجہ تنافس وتنافر و باعث تدابر وتہاجر ہو اور جب فریقین متنازع فیہ سے غرض بھی نہ چھوڑیں اور اپنے دعوؤں سے تنزل بھی نہ کریں تو ارتفاع نزاع ہے ان میں ایک مان لے کہ واقعی یہ سب صورتیں میسر۔ ایک زمین پر زید وعمرو کا تنازع ہے۔ ان میں ایک مان لے کہ واقعی یہ دوسرے کی ہے یا نصف نصف پر تصفیہ کر لیں یا ایک یا دونوں چھوڑ کر چلتے ہوں کہ بلا سے کوئی لے ہم باز آئے۔

مذہبی نزاع میں ان میں سے کون سی صورت حضرات کے عالی خیال میں ہے؟ کیا سُنّی معاذ اللہ مذہب چھوڑ کر رافضی وہابی ناصبی ہو جائیں؟ یا یہ اُمید کہ باقی فرقے سب اپنے مذاہب سے تائب ہو کر مذہب حق پر ایمان لے آئیں یا یہ کہ کچھ حصہ مذہب سُنّی چھوڑیں کچھ پارۂ مذہب سے وہ منہ موڑیں آدھوں آدھ پر فیصلہ کی ٹھہرائیں یا یہ جھگڑے کے گھر بکھیرے کے مکان خلاف کی جڑ نزاع کی کان یعنی دین و مذہب کو آگ لگائیں۔ خاصے دہریے پورے آزاد بے لجام و مہار ممنون الحاد ہو کر یک رنگی و اتحاد کے رنگ رچائیں یعنی ''وہ سر ہی

ہم نہیں رکھتے''

با رقیباں جدل فزوں می شد یار را کشتہ از جدل رستیم

اگلی تینوں صورتیں تو ہونے سے رہیں اور ندوہ کے خود اقرارات ہیں کہ وہ مقصود نہیں۔ ہاں! شکل اخیر منظور ہو تو کوشش ٹھیک ہے اور حال وقت سے قرین ونزدیک ہے آزادی و اِلحاد کی ہوا چل رہی ہے۔ قومی ہمدردی ہزاروں درد کے پہلو بدل رہی ہے۔ امراء سے چل کر غرباء تک آئی۔ جہلاء سے اُبل کر علماء پر چڑھ آئی۔ دین پر قیام آگ پر صبر ہے، قائم علی الدین کالقابض علی الجمر ہے

''یصبح مؤمنا و یمسی کافرا ملحد باطنا و مومن ظاھرا''

خلط ملط اتحاد اتفاق کر اس وقت سے بہتر کیا وقت پاؤ گے گھل مل جاؤ سب ایک ہو جاؤ ہوادار سڑکوں پر بگھیاں اُڑاؤ۔ گوشۂ عافیت میں گھٹ کر رہ جاؤ گے اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو جان برادر! یہ کیوں کر بنے مختلف گروہ مذہب نہ چھوڑیں۔ پھر مذہبی حیثیت سے ایک ہو جائیں یہ ناشدنی مذہبی حیثیت عقائد کی مخالفت جب تک باقی تنافر باقی تو وہی ناچاقی

تریدین کیا تضدینی و خالدا

و ھل یجمع السیفان و یحك فی غمد

یہ ظاہری وفاق باطنی شقاق کھلا نفاق اور نام اتفاق کچھ دن چلا بھی تو اس گھال میل کے نتائج دیکھئے وہ شرمناک واقعہ ہولناک حادثہ جنہیں مٹانے کے بہانے یہ اتفاق کے ولولے اتحاد کے وسوسے آخر کیوں ہیں؟ تخالف مذہب سے جب مذہب باقی تو الگ رہنے پر ایک ہوتے ہیں۔ مختلط ہونے پر دس رکھے ہیں آخر تحریرات ندوہ میں خود اقرار ہے کہ طبائع سے اس کا زوال نہ ہوگا تو آگ بارود میں جدائی ہی بہتر کہ دُور رہنے پر اشتعال نہ ہوگا دیکھئے دو مختلف مذہبوں کے رسمی میلے جب ایک زمانہ میں آتے ہیں۔ اپنا پرایا حاکم رعایا سب پر وہ دن فکر میں جاتے ہیں۔ شریف بے چارے گردش کے مارے اپنی عزت کی خیر مناتے ہیں۔

زید نے آگ سلگائی باڑو دبنائی ہر ایک کی جگہ جدا ٹھہرائی عاقل تو سمجھے کہ سبب کیا ہے۔ غافل حیران کہ یہ عجب کیا ہے اے آگ! اے یارو!! تم دونوں کا خدا ایک نبی ایک ہر شے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائرہ رسالت میں آئی ہے مالک ایک مکان ایک کہ زید کے گھر زید کے ہاتھ پر خالق سے نعمت وجود پائی ہے۔ پھر تم دونوں میں سو (۱۰۰) اختلاف طبع ہوں جب اتنا اتحاد ہے ایک ہی رہو۔

اب عقلاء سے داد انصاف طلب کہ وہ جدائی جس کی تاکید حدیث میں آئی جیسے دین میں نافع تھی کہ صحبت خلاف سے تاثر نہ ہو یوں ہی دنیا میں نافع کہ اشتعال بخمیل سے ضرر نہ ہو۔ بخلاف اس دعوائے اتفاق کے کہ دین و دنیا دونوں کا زیاں وہاں مذہب پر اندیشہ یہاں امن و امان کا دشمن جان اور واقعی مخالفت شرع سے شر ہی پیدا، شرع سے بڑھ کر کون مصلحت کا دانا؟ اس اتفاق و اتحاد میں بھلائی ہوتی تو شرع میں کیوں تاکید جدائی ہوتی۔ ہاں یہ اتفاق دین میں مضل دنیا میں امن و عافیت کا مخل اور وہ بعض شرعی بر بوجہ شرعی دین کا راعی امن کا داعی صلاح و فلاح دارین میں ساعی، مولیٰ تعالیٰ شرع مطہر پر استقامت بخشے عافیت دے سلامت بخشے خلط بدع و اہوا سے بچائے۔ فتن و محن کی ہوا سے بچائے۔ دین حق پر دنیا سے اُٹھائے دولت دیدار عطا فرمائے۔ نصیب احباء فیروزی کرے شفاعت مصطفی روزی کرے۔

صلی اللہ علیہ وسلم آمین آمین آمین یا ارحم الراحمین والحمد للہ رب العلمین

التماس اخیر: پھر گزارش کرتا ہوں کہ للہ لحاظ من و تو سے اغماض فرما کر محض خالصاً لوجہ اللہ سچی دینی شرعی نگاہ سے نظر فرمائیں۔ حق سمجھ لیں تو مژدہ قبول سے مسرت بخشیں۔ ورنہ ہر بات کا پورا جواب واضح و آشکار بے رو و رعایت، بے پھیر پھار عنایت فرمائیں۔ اخیر میں اتنا اور ارشاد ہو جائے کہ

(۱) ندوۃ العلماء صرف اراکین انتظامیہ یا ان میں بھی خاص علماء سے عبارت ہے یا جملہ اراکین قسم اول یا قسم دوم سے یہی یا علمائے حضار جلسہ سالانہ یا مجموعہ حاضرین سے

(ب) کارروائی ندوہ ان میں کن لوگوں کی کارروائی ٹھہرے گی۔

(ج) کیا جتنے علماء کسی جلسہ سالانہ میں آئے وہ سب اس پر راضی اور اس کے جواب دہ اور اس کے ذمہ دار ہیں۔

(ء) یہ ذمہ داری ان کا اقرار ہی ہے یا صرف کسی سال کرسی پر آبیٹھنے سے۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ خالص تحقیق حق منظور خاطر رہے۔

یاربّ توفیق حق رفیق فرما۔

☆

حسنؔ بریلوی کے

شعری فنون

مولانا حسن رضا بریلوی اور فن تاریخ گوئی[1]

فن تاریخ گوئی سے مراد کسی شعر، مصرعہ، یا نثر کے حروف کے ابجد سے کسی واقعہ کی تاریخ کا برآمد کرنا ہے۔ یہ روایت اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ہے، جو شعر برآمد ہوتا ہے ''مادہ'' یا ''مادۂ تاریخ'' کہا جاتا ہے۔ اُردو و فارسی میں ''تاریخ'' اور عربی میں ''قطعہ'' کہلاتا ہے۔

تاریخ گوئی ایک مشکل ترین فن ہے۔ شاعر ہر صنف میں آزاد ہے مگر تاریخ گوئی میں مجبور جو حضرات اس کوچہ سے آشنا ہیں، اُن کو معلوم ہے کہ ایک اچھے برمحل اور بے عیب مادۂ تاریخ کے لیے کس قدر فکر و تلاش اور غور و خوض کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بعض اوقات دنوں کی محنت کا نتیجہ بھی کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ بقول صفی لکھنوی:

> ''تاریخ گوئی مچھلی کا شکار ہے جو اپنے اندر کسی قدر بصیرت افروز حقیقت لئے ہوئے ہے۔''

ہر عالم یا ادیب شاعر اس فن میں طبع آزمائی نہیں کر سکتا۔ سینکڑوں میں دو چار ہوں گے جو اس فن میں دسترس رکھتے ہیں یا کسی حد تک فن کے تقاضہ کو پورا کرتے ہوں گے۔

کسریٰ منہاس کی کتاب ''فن تاریخ گوئی'' کے مقدمہ میں خواجہ محمد زکریا (صدر شعبہ اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور) اس فن کے تاریخی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''فن تاریخ گوئی ہمارے یہاں زوال پذیر فن ہے اور اپنی تمام تر اہمیت کے

---

[1] راقم نے ''رسائل حسن'' کے مقدمہ میں مولانا حسن رضا کی تاریخ گوئی بارے مختصر مضمون لکھا تھا، بعد میں ڈاکٹر حامد علی (گلبرگہ یونیورسٹی، انڈیا) نے بھی اس بارے ایک مضمون تحریر کیا۔ پیش نظر صفحات میں راقم نے دونوں مضامین کو یک جا کر دیا ہے، نیز بعض ضروری ترامیم و مفید اضافات کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ ثاقب قادری

باوجود شعرائے حال نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کر رکھا ہے۔ایک صدی پہلے شعرا کی مہارتِ فن کو پرکھنے کا ایک معیار یہ بھی تھا کہ کسی شعر یا مصرعہ سے ''مادۂ تاریخ'' مہارت سے برآمد کر سکتے ہیں یا نہیں۔اس طرح ''فن تاریخ گوئی'' ایک منفرد فن بن چکا تھا جس کے اپنے اُصول وضوابط مقرر ہو گئے تھے۔یہ اُصول وضوابط تو بدستور موجود ہیں مگر اُن سے ناواقفیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اچھے خاصے ادبا وشعرا مادۂ تاریخ کی تصنیف تو درکنار کسی مصرعہ سے تاریخ تصنیف برآمد نہیں کر سکتے۔یہ صورتِ حال یقیناً بہت افسوسناک ہے۔''[1]

عربوں کے یہاں تاریخ نویسی اور تاریخ دانی کی مہارت تو ملتی ہے اور نسب ناموں کی حفاظت کی رِوایت بھی مضبوط ملتی ہے مگر نثر یا نظم میں تاریخ گوئی کا وہ طریقہ جو فارسی اور اُردو حلقوں میں رائج ہے وہ عرب محققین اور شعرا میں مفقود نہیں تو نایاب ضرور ہے۔دراصل نثر یا نظم میں تاریخ گوئی اور قطعۂ تاریخ کا سہرا اہل فارس کے سر ہے۔فارسی زبان وادب کے ماہرین نے اس رِوایت کی بنیاد ڈالی اور اسی کے زیر اثر یہ رِوایت اُردو دنیا میں بھی چل پڑی۔

حسنؔ بریلوی چوں کہ ایک علمی خانوادہ کے فردِ فرید تھے۔یہ ایک ایسا خانوادہ تھا جو صدیوں سے علم وادب، ملت اور سماج، دین اور شریعت، شاعری اور تاریخ گوئی کی خدمت کرتا چلا آرہا تھا۔ان کے بڑے بھائی مولانا احمد رضا قادری اس فن کے بھی امام مانے جاتے تھے۔اس حد تک اس فن پر انہیں مہارت حاصل تھی جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں اَدا کرتا، آپ اُتنی دیر میں بلاتکلف تاریخی مادہ فرمادیا کرتے تھے۔

حسنؔ بریلوی ان ہی کے صحبت یافتہ تھے۔حسنؔ بریلوی جنھوں نے بہت مختصر عمر پائی، اپنی عملی زندگی میں نت نئے کارنامے انجام دیئے۔ملک وملت کی خدمت کی، دین وشریعت کی اشاعت بھی فرمائی اور اُردو ادب وشاعری میں اپنا ایک نمایاں رنگ لے کر اُبھرے۔اِن

---

[1] فن تاریخ گوئی، ص د، کسریٰ منہاس، مطبوعہ نقوش لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۹ء

کے رنگ سخن نے ان کے معاصرین کو اپنی طرف ایسے متوجہ کرلیا تھا کہ انہیں فن شاعری خصوصاً نعت گوئی، غزل گوئی میں نمایاں حیثیت سے دیکھتے تھے۔

درس و تدریس، صحافت و مضمون نگاری اور قوم وملت کے دیگر مسائل میں گھرے رہنے کے باوجود کسی مسجد یا مدرسہ کا قیام ہوا، کسی کی ولادت و وفات ہوئی، کسی کی شادی کے رُقعہ لکھنے کی نوبت آئی ایسے لوگ جب کبھی ان کے پاس حاضر ہوئے یا فرمائش کی تو فوراً مادۂ تاریخ اور قطعہ تاریخ تحریر فرما کر ان کے حوالے کیا۔ ایسی مثالوں سے ان کی کتابوں کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱) مدرسہ ''منظر اسلام'' کے قائم کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ مولانا احمد رضا بریلوی نے بعد مشورہ اسے قبول فرمایا تو حسنؔ بریلوی نے اُس کا تاریخی نام ''منظر الاسلام'' نامزد کیا جس سے تیرہ سو بائیس ہجری (۱۳۲۲ھ) کا اختراع ہوتا ہے۔

۲) یہ اَمر مسلّم ہے کہ حسنؔ بریلوی فن غزل گوئی میں دؔاغ دہلوی کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے جن پر خود دؔاغ دہلوی کو بڑا ناز تھا۔ حسنؔ بریلوی کے اُستاد گرامی فصیح الملک، بلبل ہندوستان نواب مرزا خان دؔاغ دہلوی کا دیوان فصاحت بنیان ''آفتاب دؔاغ'' چھپنا تھا، حسنؔ بریلوی نے پوری ایک نظم کہہ ڈالی۔ جو نو اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع کے دو شعر اور مقطع نقل کیا جاتا ہے۔

مطلع اور ایک شعر یہ ہے:

حسنؔ اُستاد سے اپنے مجھے یہ عرض کرنی ہے
کہ سایہ تم پہ ہو یٰسین کی ساتوں مبینوں کا
کنار طبع سے آج ''آفتابِ دؔاغ'' چمکا ہے
کہ گھونگھٹ اُٹھ گیا ہے دفعتاً سو مہ جبینوں کا

مقطع کا یہ شعر جس سے ۱۳۰۲ ہجری کا اختراع ہوتا ہے:

سربد بیں کبھی کا اُڑ چکا تاریخ لکھو تم
پری رویوں کا جمگھٹ ہے یہ میلہ ہے حسینوں کا
۱۳۰۲ھ

۳) اسی طرح ۱۳۲۲ ہجری میں حسنؔ بریلوی کے اُستاد داغؔ دہلوی کا انتقال ہوا تو حسنؔ بریلوی نے اُن کے وصال پر جو نظم لکھی وہ بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ مقطع کے آخری مصرعہ میں تاریخ وفات نکالی گئی ہے جن سے اُن کا قلبی اضطراب، دِلی رَنج وغم اور تاریخ گوئی پر مہارت صاف ظاہر ہوتی ہے۔

گئے جنت کو حضرتِ اُستاد — غم فرقت کا حال کیا کہیے
اس قیامت کو حشر زا کہیے — اس مصیبت کو جاں گزا کہیے
فلک نظم پر قمر نہ رہا — شمس کو آج بے ضیاء کہیے
کہتی ہے بزم نظم کی حالت — عیش منزل کو غم سرا کہیے
ملک کیسا وہ تھے فصیح زماں — اب فصاحت کا خاتمہ کہیے
بلبل ہند اور جہاں اُستاد — بلکہ اس سے کچھ سوا کہیے
یاد ہیں رام پور کے جلسے — اُن کی شفقت کا حال کیا کہیے
''پیارے شاگرد'' تھا لقب اپنا — کس سے اس پیار کا مزا کہیے
پوچھیے کس سے اب رُموزِ سخن — کس سے خاطر کا مدعا کہیے
مر مٹیں نظم کی تمنائیں — آہ کس کس کا مرثیہ کہیے
شُدنی وہ جو بے ہوئے نہ رہے — ایسی صورت میں ہائے کیا کہیے
مرگِ اُستاد کی حسنؔ تاریخ — ''داغؔ نواب میرزا'' کہیے

(۱۳۲۲ ہجری)

۴) مولانا حسن رضا بریلوی خود ایک رُوحانی و علمی خانوادہ کے فردِ فرید تھے تاہم اُن کا روحانی تعلق خانقاہ عالیہ مارہرہ مطہرہ سے تھا۔ سراج العارفین سرکارِ نور حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری ان کے پیر ومرشد تھے۔ ان کے وصال پُرملال پر آپ نے حزمیہ اشعار کہہ

ڈالے۔ مقطع سے سن وصال برآمد ہوتا ہے چند اشعار نذر قارئین ہیں۔

شیخ زمانہ حضرت سیّد ابوالحسن جانِ مراد کانِ ہدیٰ شان اہتداء
وہ سیّد والا گئے جب بزم قدس میں اچھے میاں نے اُٹھ کے گلے سے لگا لیا

۸۴۴+۴۸۰............ ۱۳۲۴ھ

۵) حسنؔ بریلوی کو بزرگوں سے بے پناہ عقیدت ومحبت اور تعلق خاطر تھی یہی وجہ ہے کہ اپنے برادر اکبر امام احمد رضا کے مرشد برحق خاتم اکابر سیدنا شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو اُن کے لئے سن عیسوی میں تین اور سن ہجری میں تین تین مادۂ تاریخ تحریر کیے، ملاحظہ فرمائیں۔

عالم وصال حضرت آلِ رسول ہے سوزِ غم فراق میں سینہ کہاں ہے
تو عرض کر وصال کی تاریخ اے حسنؔ ''آغوشِ مصطفیٰ میں مقام جناب ہے''

۱۸۷۹ء

مرشدِ مرشد کا ہوا جب وصال آئی خزاں اُڑنے لگی خاک دُھول
دیکھ کر فکر سن تاریخ میں مجھ سے یہ رِضواں نے کہا اے ملول
دیکھ وہ لکھا ہے دَرِ خلد پر انجمن حضرت آلِ رسول

۱۸۷۹ء

اس شاہوار گوہر جاں کو وصال نے نظروں سے جب چھپا کے رکھا لاج خاک میں
کہتا تھا آسمان یہ حسرت سے اے حسنؔ تحویل مہر قدس نے کی بُرج خاک میں

۱۸۷۹ء

دیکھ کر جنت سن رِحلت کہا خواب گاہِ مرشد کامل ہے وہ

۱۲۹۶ھ

مزید لکھتے ہیں:

جب آل رسول بحر عرفاں رونق دہِ خاندان برکات
وہ واقف رمزِ لَا وَ اِلَّا وہ کاشف سرّ نفی و اثبات
عازِم ہوئے سوئے دارِ عقبیٰ اس غم کی گھٹا سے دن ہوا رات

رضوان نے کہی حسنؔ سے تاریخ
'اب خلد میں دیکھیے کرامات'
۱۲۹۶ھ

مزید لکھتے ہیں:

اچھے کے پیارے میرے سہارے باہر بیاں سے اُن کے مناقب
وہ اور شریعت وہ اور طریقت دو دل یک ارماں یک جاں دو قالب
عبد و خدا میں مانند برزخ مقصود و قاصد مطلوب و طالب
دریائے رحمت گلزارِ رافت جانِ مراحم کانِ مواہب
نجم منازِل شمع محفل مہر مشارِق ماہِ مغارِب
خلق خدا کے کیوں نہ ہو رہبر ہیں مصطفیٰ کے فرزند و نائب
ہے اُن کے دم سے عزت کی عزت تاجِ مراتب راَس مناصب
جب اُس قمر نے لی راہِ جنت تھی اشک افشاں چشم کواکب
میں نے کہی یہ تاریخِ رحلت
'قطب المشائخ اصل مطالب'
۱۲۹۶ھ

۶) مولانا حسن رضا بریلوی کے بڑے بھتیجے مولانا شاہ حامد رضا خان جو ''حجۃ الاسلام'' کے لقب سے مشہور ہیں، یہ امام احمد رضا خان بریلوی کے بڑے بیٹے تھے۔ ان کے گھر لڑکا تولد ہوا تو ان کے لئے جو قطعہ تاریخ ولادت رقم کیا ہے وہ (۳۲) بتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ مقطع کے آخری اشعار سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے۔ چند اشعار کا آپ بھی لطف اُٹھائیں۔

مطلع

شکر خالق کس طرح سے ہو اَدا اک زباں اور نعمتیں بے انتہا
سن ولادت کے دعائیہ لکھو علم و عمر اقبال و طالع دے خدا
۱۳۲۵ھ

۷) حسنؔ بریلوی نے اپنی بیشتر کتب کے نام بھی تاریخی رکھے ہیں یعنی ان کے اعداد نکالنے سے ہجری یا عیسوی سالِ طبع یا تالیف برآمد ہوتا ہے۔ مثلاً

☆الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية [۱۳۰۰ھ] اسی کتاب کا دوسرا نام ''تُزکِ مرتضوی'' ہے. جس سے عیسوی سال طبع ۱۸۸۳ برآمد ہوتا ہے۔

☆نگارستانِ لطافت [۱۳۰۲ھ]

''نگارستانِ لطافت'' دراصل یہ ایک میلاد نامہ ہے جس میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نہایت ہی حسین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ حسنؔ بریلوی نعت نویسی اور غزل گوئی کے ساتھ ساتھ صاحب طرز نثر نگار اور انشاء پرداز تھے۔ ان کی نثر نگاری میں جملہ اصناف نثر کے نمونے ملتے ہیں۔ حسنؔ بریلوی نے ''نگارستان لطافت'' کی تاریخ طبع و تالیف پر دو اشعار کہہ ڈالے جس سے مادۂ تاریخ اختراع ہوتا ہے۔

ہو گیا ختم یہ رسالہ آج — شکر خالق کریں نہ کیوں کر ہم
سن تالیف اے حسنؔ سن لے — ''منبع وصف شہریارِ حرم''
۱۳۰۲ھ

☆ وسائلِ بخشش [۱۳۰۹ھ]
☆ نغمۂ رُوح [۱۳۰۹ھ]
☆ بے موقع فریاد کے مہذب جواب [۱۳۱۲ھ]
☆ سوالات حقائق نما برروٗس ندوۃ العلما [۱۳۱۳ھ]
☆ فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ [۱۳۱۳ھ]
☆ ندوہ کا تیجہ رُوودادِ سوم کا نتیجہ [۱۳۱۴ھ]
☆ صمصام حسن بردابرفتن [۱۳۱۸ھ]
☆ ماہنامہ ''قہر الدّیان علی مرتد بقادیان'' [۱۳۱۸ھ]
☆ ثمر فصاحت [۱۳۱۹ھ]

☆ اظہارِ رُوداد [۱۳۲۲ھ]

☆ کوائف اخراجات [۱۳۲۳ھ]

☆ ذوق نعت [۱۳۲۶ھ] اس کا دوسرا نام "صلۂ آخرت" [۱۳۲۶ھ] ہے۔

مذکورہ بالا سب نام تاریخی ہیں۔

۸) محسنؔ کاکوروی کی مثنوی "شفاعت ونجات" کی اشاعت پر حسنؔ بریلوی نے تاریخ کہی، ملاحظہ فرمائیں۔

حسنؔ اپنے محسنؔ کی ہو کچھ ثنا   جو احسان حسنِ طبیعت کا ہو

شفاعت کا لکھا ہے اَحوال خوب   بیاں کیوں کر اس کی فصاحت کا ہو

دعائیہ تاریخ میں نے کہی

'یہ اچھا ذریعہ شفاعت کا ہو'

۱۸۹۳ء

حسنؔ بریلوی نے اپنے معاصر علما، شعرا اور اپنے تلامذہ کے وصال نیز اُن کی کتب و رسائل وغیرہ کی طباعت پر بھی تاریخی قطعات رقم کیے ہیں۔ یونہی کسی دوست یا رشتہ دار کے یہاں بچے کی ولادت، تعمیر مساجد و مدرسہ وغیرہ کے موقع پر بھی تاریخی نظمیں کہی ہیں، ایسے تمام قطعات کو ہم نے "کلیات حسن" کے آخری میں "قطعات و اشعارِ حسنؔ" کے نام سے جمع کر دیا ہے۔

الحاصل: مندرجہ بالا گفتگو اور مثالوں کی روشنی میں حسنؔ بریلوی ایک با کمال اور ماہر فن اور مشّاق تاریخ گو کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں اور یہ حیثیت ایسی ہے جو انہیں بہتوں سے ممتاز کرتی ہے۔

☆

حضرت حسنؔ بریلوی کی منقبت نگاری[1]

نعت گوئی اور منقبت نویسی اُسی خوش نصیب شاعر کی قسمت میں ہوتی ہے جس کا دل حضور سرورِ عالم ﷺ اولیاء کرام کی محبت کا گنجینہ ہو۔ نہ ہر شاعر کا یہ نصیب ہے اور نہ ہر شخص کا دل اس نعمت کا اہل ہے۔ بے شک وشبہ حضرت حسنؔ ایک صحیح العقیدہ عالم اور اپنے حسن عقیدہ اور مذہب میں راسخ تھے۔ اس لئے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کی ذواتِ قدسیہ کے ساتھ پیش کرنے کو وسیلۂ نجات اور توشۂ آخرت سمجھا اور اُن مقدس ہستیوں کے ذریعہ بار گاہِ رسالت میں حاضری اور شفاعت کی درخواست پیش کی۔ پھر سیّد عالم نبی محترم ﷺ کا ذکرِ جمیل یہ تو رُوحِ سعادت، جانِ کلام اور آبروئے سخن ہے۔ اسی لئے یہ تو حمد باری تعالیٰ کے بعد سب سے مقدم رہا۔

''ذوقِ نعت'' میں ''ذکر شہادت اہل بیت'' کے علاوہ گیارہ عدد مناقب اور بھی موجود ہیں۔ ان گیارہ مناقب پر ترتیب کے ساتھ غور وفکر کر کے ہر ایک سے چند اشعار پیش کرنے اور کچھ روشنی ڈالنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

چاروں خلفائے راشدین اصحاب اربعہ کے لئے الگ الگ مناقب موجود ہیں۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ اوّل کی شان گرامی میں جو منقبت ہے ظاہر ہے معنویت اور زور بیان کے اعتبار سے تقدم کی حیثیت رکھتی ہے۔

درود بر اصحاب و ازواج و اہل بیت نبی ﷺ:

حسنؔ بریلوی فارسی مثنوی ''صمصام حسن'' میں لکھتے ہیں:

---

[1] مولانا حسن رضا بریلوی کی منقبت نگاری بارے مولانا شبنم کمالی (پرنسپل جامعہ اسلامیہ، دربھنگہ) نے ایک مضمون لکھا تھا جو کہ ماہنامہ سُنّی دنیا، بریلی کے ''حسن رضا نمبر'' میں شائع ہوا تھا۔ راقم نے اس مضمون میں قدرے ترامیم و مفید اضافات کر کے اس کتاب میں شامل کیا ہے۔ ثاقب قادری

صلی علیہ و علی اٰلہٖ قدر معالیہٖ و افضالہ
صلی علیہ و علی صحبہٖ تازہ درودے کہ دہد صد بہی
صلی علیہ مع ازواجہٖ بے عدد و بے حد و نا منتہی
صلی علی سیّدنا و ابنہٖ تا بسرش تاج کرامت نہی

آخری شعر میں "ابنہٖ" سے حسنؔ بریلوی کی مراد شیخ سید عبدالقادر جیلانی معروف بہ غوث اعظم کی ذاتِ بابرکات ہے۔

حسنؔ بریلوی نے اپنے بیٹے حکیم حسین رضا خان کی شادی (ذی الحجۃ الحرام ۱۳۲۱ھ) کا رُقعہ لکھتے ہوئے بھی اصحاب واہل بیت پاک واولیا اللہ کے دامن سے خیرات مانگی ہے۔

فضل و اکرام حق تعالیٰ سے رحمتِ شاہِ دین و دنیا سے
آل و یارانِ مصطفی کے طفیل جاں نثارانِ مصطفی کے طفیل
غوثِ کونین کی عنایت سے قطب دارین کی حمایت سے
اپنے اچھے میاں کے صدقے میں شاہِ عرش آستاں کے صدقے میں
کروں نورِ نگاہ کی شادی اور شادی بھی بیاہ کی شادی

منقبت چار یارانِ نبی:

یارانِ نبی کا وصف کس سے ہو اَدا ایک ایک ہے ان میں ناظم نظم ہدیٰ
پائے کیوں کر اس رُباعی کا جواب اے اہل سخن جس کا مصنف ہو خدا

منقبت خلیفہ اوّل:

ان کی منقبت سے چند شعر بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

بیاں ہو کس زباں سے مرتبہ صدیق اکبر کا ہے یارِ غار محبوبِ خدا صدیق اکبر کا
نبی کا اور خدا کا مدح گو صدیق اکبر ہے نبی صدیق اکبر کا خدا صدیق اکبر کا
ہوئے فاروق و عثمان و علی جب داخل بیعت بنا فخر سلاسل سلسلہ صدیق اکبر کا

مقام خواب راحت چین سے آرام کرنے کو　　بنا پہلوئے محبوب خدا صدیق اکبر کا

مذکورہ چار شعروں میں جو بات کہی گئی ہے۔ وہ بالکل واضح ہے اور واقعہ کے عین مطابق ہے۔ دوشعر اس منقبت کے اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے شعر میں ان نادانوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضرت صدیق و فاروق سے تبرّا کرتے ہیں۔ ایسی محبت اور ایسی دشمنی بے فائدہ ہے اور دوسرے شعر میں حضرت صدیق اکبر کی محبت وسخاوت اور جاں نثاری کا ذکر ہے۔ ؎

علی ہیں اُس کے دشمن اور وہ دشمن علی کا ہے　　جو دشمن عقل کا دشمن ہوا صدیق اکبر کا

لٹایا راہِ حق میں گھر کئی بار اس محبت سے　　کہ لٹ لٹ کر حسنؔ گھر بن گیا صدیق اکبر کا

منقبت خلیفہ دوم:

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف میں جو منقبت لکھی گئی ہے اس کا انداز بھی جداگانہ ہے۔ اس نظم میں رافضیوں اور خارجیوں کی تردید وملامت بھی ہے۔ یہ وہ جماعتیں ہیں جنھوں نے شانِ فاروقی میں گستاخیاں کی ہیں اور اپنا ٹھکانا بُری جگہ بنالیا ہے۔ ہر شعر میں واقعہ نگاری اور حقیقت موجود ہے۔ ؎

نہیں خوش بخت محتاجانِ عالم میں کوئی ہم سا
ملا تقدیر سے حاجت رَوا فاروق اعظم سا

ترا رشتہ بنا شیرازۂ جمعیت خاطر
پڑا تھا دفتر دین کتاب اللہ برہم سا

غضب میں دشمنوں کی جان ہے تیغ سر اَفگن ہے
خروج و رِفض کے گھر میں نہ کیوں برپا ہو ماتم سا

شیاطیں مضمحل ہیں تیرے نام پاک کے ڈر سے
نکل جائے نہ کیوں رِفض بد اَطوار کا دَم سا

جلال فاروقی اور اُن کی ہیبت وعظمت ایمانی کا سکّہ قلوبِ عالم پر ہے۔ اُن کے ایمان،

عدل، جذبہ مجاہدانہ اور فروغ اسلام کی خاطر قربانی و جاں نثاری سے اسلام کو جو سر بلندی حاصل ہوئی وہ مسلّم ہے۔ کافروں، بے دینوں اور گمراہوں کے گھروں میں یقیناً تیغ فاروقی کے خوف سے پہلے بھی ماتم تھا اور آج بھی ماتم ہے۔ اس کا ایک نقشہ ان اشعار میں موجود ہے۔ پھر ایک شعر ان لوگوں کے لئے تازیانہ ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے مہینہ اور دن ذی الحجہ میں عید مناتے ہیں۔ ؎

منائیں عید جو ذی الحجہ میں تیری شہادت کی
الٰہی روز و ماہ سن انھیں گزرے محرم سا

مقطع کا شعر فارسی میں ہے۔ ؎

حسنؔ در عالم پستی سر رِفعت اگر داری بیا فرق اِرادت بر دَر فاروق اعظم سا

اے حسنؔ اگر تو اس عالم پستی (دنیائے دنی) میں بلندی کی خواہش رکھتا ہے تو آ اور حضرت فاروق اعظم کے دَر پر اپنی ارادت کی پیشانی کو مَل، جبیں سائی کر کہ یہ اُن کے لیے عقیدت ومحبت کا اظہار ہے۔

منقبت خلیفہ سوم:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی منقبت سے صرف پانچ شعروں کا انتخاب پیش ہے۔ پہلے شعر میں اُن کی شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُن کے رُخسار کو خون سے رنگین کہا اور اُن کے رُخسار کے شیدائیوں میں گلزارِ اسلام کے ہر پھول کو بلبل کی طرح ظاہر کیا ہے، تشبیہ بڑی پیاری ہے ملاحظہ کیجئے ؎

رنگین وہ رُخسار ہے عثمانِ غنی کا بلبل گل و گلزار ہے عثمانِ غنی کا
جو دل کو ضیا دے جو مقدر کو جلا دے وہ جلوۂ دیدار ہے عثمانِ غنی کا
جس آئینہ میں نورِ الٰہی نظر آئے وہ آئینۂ رُخسار ہے عثمانِ غنی کا
بیمار ہے جس کو نہیں آزارِ محبت اچھا ہے جو بیمار ہے عثمانِ غنی کا
اللہ غنی حد نہیں انعام و عطا کی وہ فیض پہ دربار ہے عثمانِ غنی کا

منقبت خلیفہ چہارم:

مولائے کائنات سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالےعنہ کی شان میں جو منقبت کہی گئی ہے۔ وہ انداز جمال اور شاعرانہ کمال کی تصویر دل پذیر معلوم ہوتی ہے۔ رنگ بھی انوکھا اور نرالا ہے۔ اس منقبت کے چار شعر پہلے پیش نظر رکھئے۔ ؎

اے حبّ وطن! ساتھ نہ یوں سوئے نجف جا ہم اَور طرف جاتے ہیں تُو اَور طرف جا
پھنستا ہے وبالوں میں عبث اختر طالع سرکار سے پائے گا شرف بہر شرف جا
اے کلفت غم بندۂ مولیٰ سے نہ رکھ کام بے فائدہ ہوتی ہے تری عمر تلف جا
اے طلعتِ شہ! آ تجھے مولیٰ کی قسم آ اے ظلمتِ دل! جا تجھے اُس رُخ کا حلف جا

ان چاروں اشعار میں شعری فصاحت، بلاغت، معنویت اور ندرت قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ ''اختر طالع'' اور ''شرف'' کا لطف وہی محسوس کر سکتے ہیں جو علم نجوم سے کچھ شغف رکھتے ہوں۔ تین اور اشعار بدعقیدہ اور گمراہ طبقہ کے لئے سرزنش بھی ہیں اور باعث ہدایت بھی، ان پر بھی توجہ خصوصی کیجئے۔ ؎

جیلاں کے شرف حضرتِ مولیٰ کے خلف ہیں اے ناخلف اُٹھ جانب تعظیم خلف جا
تفضیل کا جویا نہ ہو مولیٰ کی وِلا میں یوں چھوڑ کے گوہر کو نہ تُو بہر خذف جا
مولیٰ کی امامت سے محبت ہے تو غافل اربابِ جماعت کی نہ چھوڑ کے صف جا

مناقب اہل بیت پاک:

حضرت حسنؔ بریلوی اہل بیت پاک کی منقبت لکھتے ہوئے درج ذیل شعر میں اس آیۂ مبارکہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

مصطفیٰ بائع خریدار اس کا اللہ اشتری خوب چاندی کر رہا ہے کاروانِ اہل بیت
کیا بیاں ہو عزّ و شانِ اہل بیت کبریا ہے مدح خوانِ اہل بیت

حسنؔ بریلوی نے واقعۂ شہادت امام حسین رضی اللہ تعالےعنہ کو بڑی ہی خوش اُسلوبی اور عقیدت

سے نظم کیا ہے، جس کے چند اشعار یوں ہیں:

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہل بیت   تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت
کس زباں سے ہو بیانِ عزّ و شانِ اہل بیت   مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہل بیت
اُن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں   آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت
مصطفیٰ عزت بڑھانے کے لیے تعظیم دیں   ہے بلند اقبال تیرا دُودمانِ اہل بیت
اُن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں   قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہل بیت
گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے   جانِ عالم ہو فدا اے خاندانِ اہل بیت
سر شہیدانِ محبت کے ہیں نیزوں پر بلند   اور اُونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہل بیت
اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں   لعنۃ اللہ علیکم دشمنانِ اہل بیت
بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسنؔ   یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہل بیت

مدحِ امامانِ پاک:

ہے جمالِ حق نما بارہ اماموں کا جمال   اس مبارک سال میں ہے ہر مہینہ نور کا

ذکر سیّدنا جعفر طیّار:

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کے برادرِ اکبر صحابی رسول حضرت سیّدنا جعفر طیّار رضی اللہ عنہ کا ذکر شعر میں یوں لاتے ہیں:

اے ہوائے شوق اُڑا لے چل مدینہ کی طرف   واسطہ تجھ کو جناب جعفر طیّار کا

منقبت سیّدنا امیر معاویہ:

اصحابِ پاک میں ہے شمارِ معاویہ   کیوں کر بیاں ہو عزّ و وقارِ معاویہ

منقبت امام اعظم ابو حنیفہ:

شمس العظما امام اعظم   بدر الفقہا امام اعظم
مقبولِ جناب مصطفائی   محبوبِ خدا امام اعظم

چالیس برس نہ سوئے شب بھر　　تاج العرفا امام اعظم
گمراہ ہوں کس طرح مقلد　　ہیں راہ نما امام اعظم

اِستغاثہ:

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں چار نظمیں موجود ہیں۔ چاروں میں تین نظموں کا انداز تقریباً یکساں ہے۔ ہر ایک میں تعریف و توصیف اور فضائل بیان کرتے ہوئے اِمداد کی درخواست کی گئی ہے۔ چند شعر ملاحظہ کریں۔ ؎

پڑے مجھ پر نہ کچھ اُفتاد یا غوث　　مدد پر ہو تری اِمداد یا غوث
اُڑے تیری طرف بعدِ فنا خاک　　نہ ہو مٹّی مری برباد یا غوث
خمیدہ سر گرفتارِ قضا ہے　　کشیدہ خنجر جلاد یا غوث
رہوں آزاد قیدِ عشق سے کب تک　　کرو اس قید سے آزاد یا غوث
حسنؔ منگتا ہے دے دے بھیک داتا　　خدارا کر دے مجھ کو شاد یا غوث

منقبت حضور غوث اعظم:

اس عنوان سے دو نظمیں ایک ہی جگہ موجود ہیں۔ اس کی وجہ دونوں کا ایک ہی ردیف میں ہونا ہے۔ پہلی نظم کے چند شعر پیشِ نظر رکھیں۔ ؎

اللہ برائے غوث اعظم　　دے مجھ کو وِلائے غوث اعظم
سُوکھی ہوئی کھیتیاں ہری کر　　اے اَبر سخائے غوث اعظم
آئینہ رُوئے خوبرویاں　　نقش کف پائے غوث اعظم
اے غم جو ستائے اب تو جانوں　　لے دیکھ وہ آئے غوث اعظم
تارِ نفس ملائکہ ہے　　ہر تارِ قبائے غوث اعظم
سب کھول دے عقدہ ہائے مشکل　　اے ناخن پائے غوث اعظم

عقیدۂ قلبی کے مظاہرہ کے ساتھ والہانہ محبت اور اپنی دِلی کیفیات کا اظہار بھی مذکورہ اشعار

میں موجود ہے۔ تمثیلات یا تشبیہات جو دی گئی ہیں وہ بھی نمایاں ہیں۔ غوث اعظم کے نقش کف پا کو خوبصورت چہرہ والوں کے چہرہ کا آئینہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں حضور غوث اعظم کی قبائے جمیل کے ہر تار کو فرشتوں کی رُوح کا تار یعنی اُن کی سانسوں کی آمدورفت کا سلسلہ بیان کیا گیا ہے۔

تیسری منقبت کی خصوصیت یہ ہے کہ اُردو میں اکثر اشعار ہونے کے ساتھ ہی چند شعر فارسی میں بھی ہیں اور چند ہندی میں بھی۔ تینوں زبانوں سے چند اشعار کا انتخاب پیش ہے۔ اس منقبت کے دو شعر پہلے ملاحظہ کریں:

اسیروں کے مشکل کشا غوث اعظم　　فقیروں کے حاجت رَوا غوث اعظم
جسے خلق کہتی ہے پیارا خدا کا　　اُسی کا ہے تُو لاڈلا غوث اعظم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی اپنی ایک نعت پاک کے مقطع میں حضور غوث اعظم کو سرکارِ دوعالم ﷺ کا ''لاڈلا بیٹا'' کہا ہے۔ ؎

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اُس کو شفیع　　جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اب حضرت حسنؔ بریلوی کے دوسرے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیا غور جب گیارھویں بارھویں میں　　معمّا یہ ہم پر کھلا غوث اعظم
تمہیں وصل بے فصل ہے شاہِ دیں سے　　دیا حق نے یہ مرتبہ غوث اعظم
لپٹ جائیں دامن سے اُس کے ہزاروں　　پکڑ لے جو دامن ترا غوث اعظم

فارسی اشعار:

فقیر تو چشم کرم از تو دارد　　نگاہِ بحال گدا غوث اعظم
کمر بست برخونِ من نفس قاتل　　اغثنی برائے خدا غوث اعظم
گدایم مگر از گدایانِ شاہے　　کہ گویندش اہل صفا غوث اعظم

ہندی اشعار:

اَدھر میں پیا مَوری ڈولت ہے نیّا　　کہوں کا سے اپنی بپا غوث اعظم

بپت میں کٹی مَوری سگری عمریا کرو مو پہ اپنی دَیا غوث اعظم
بھیو دو جو بیکنٹھ بگداد توسے کہو مَوری نگری بھی آ غوث اعظم

ہندی کے اشعار میں بھی ادب کا پہلو نمایاں ہے۔ زبان وقلم نے کہیں لغزش نہیں کھائی ہے۔ فارسی کے اشعار شاعر محترم کی زبان فارسی میں مہارت کو واضح کرتی ہے۔ منقبت کا جو مقصود اصلی ہے وہ بھی آشکار ہے۔

نغمۂ رُوح:

اِستمداد از حضرت سلطان بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عنوان سے ایک نظم مسدّس کی ہے جس کے ہر بند کا پانچواں اور چھٹا مصرع فارسی کا بس ایک ہی شعر ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

روئے رحمت بر متاب اے کام جاں از روئے من
حرمتِ رُوحِ پیمبر یک نظر کن سوئے من

اب اس نظم کے صرف دو بند ہی زیب نگاہ بنایئے اور شاعرانہ عروج و ارتقاء کا نظارہ کیجئے۔ فصاحت و بلاغت اور عقیدت کا والہانہ انداز تو آپ محسوس ہی کریں گے لیکن محاسن شاعری میں بھی کوئی کمی نہیں پائیں گے۔ ؎

اے کریم ابن کریم اے رہ نما اے مقتدا
اختر برج سعادت گوہر دُرجِ عطا
آستانہ پر ترے حاضر ہے یہ تیرا گدا
لاج رکھ لے دست و دامن کی مرے بہر خدا
روئے رحمت بر متاب اے کام جاں از روئے من
حرمت رُوحِ پیمبر یک نظر کن سوئے من

شاہِ اقلیم وِلایت سرور کیواں جناب
ہے تمہارے آستانے کی زمیں گردوں جناب

حسرت دل کی کشاکش سے ہیں لاکھوں اضطراب
التجا مقبول کیجئے اپنے سائل کی شتاب

روئے رحمت بر متاب اے کام جاں از روئے من
حرمت رُوحِ پیمبر یک نظر کن سوئے من

حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی کی محبت وعقیدت باعث نجات ہے،اس مضمون کونظم کرتے ہوئے حسنؔ بریلوی فرماتے ہیں:

معاذ اللہ اُس دل کو عذابِ حشر کا غم ہو کہ جس کا حامی و یاوَر جناب غوث اعظم ہو
لب جاں بخش نے دی جانِ تازہ دین وایماں کو محی الدین نہ کیوں کر پھر تمہارا اسم اعظم ہو
جِلا دیتے ہیں مُردوں کو دلِ مُردہ جِلا دیجئے تم اس اُمت میں شاہا یادگارِ ابن مریم ہو

حسنؔ بریلوی نے ایک طویل مثنوی حضور غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح اور کرامات کے بیان میں تحریر کی ہے جس کا نام''وسائل بخشش'' ہے۔ یونہی ایک نغمہ بنام''نغمۂ رُوح''استمداد از حضرت سلطان بغداد مسدّس کی صورت میں تحریر کیا ہے (جس کا ذکر ابھی گزرا)۔حسنؔ بریلوی نے مثنوی وسائل بخشش،نغمۂ رُوح اوراعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی''نظم معطر''کو یکجا کر کے ۱۳۰۹ھ میں''وسائل بخشش'' کے نام سے شائع کیا۔تینوں نام تاریخی ہیں۔ حسنؔ بریلوی کی مرتبہ''وسائل بخشش''اب''کلیات حسن''میں بھی شامل ہے۔

منقبت حضرت خواجہ غریب نواز:

سلطان الہند خواجہ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۴۳ء/۱۲۳۶ء) سے محبت وعقیدت تو ہر مسلمان کے دل میں ہے خاص کر ہندوستان کے رہنے والے مسلمانوں کی عقیدت ومحبت کے وہ مرکز خصوصی ہیں۔ چاہے زبان سے کوئی اس کا اظہار کرے نہ کرے مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں۔حسنؔ بریلوی نے بھی حضرت خواجہ غریب نواز کی شان میں منقبت کہی ہے چند اشعار پیش ہیں۔

اے حسنؔ اب منقبت خواجۂ اجمیر سنا
طبع پُر جوش ہے رُکتا نہیں خامہ تیرا

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

مئے سر جوش دَر آغوش ہے شیشہ تیرا
بے خودی چھائے نہ کیوں پی کے پیالہ تیرا

تجھ میں ہیں تربیت خضر کے پیدا آثار
بحر و بر میں ہمیں ملتا ہے سہارا تیرا

ظلِّ حق غوث پہ ہے غوث کا سایہ تجھ پر
سایہ گستر سرِ خدّام پہ سایہ تیرا

کرسی ڈالی تری تختِ شہ جیلاں کے حضور
کتنا اُونچا کیا اللہ نے پایہ تیرا

محی دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدیں ہے
اے حسنؔ کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

پوری نظم سے چند شعروں کے پیش کرنے کا مقصد اختصار بھی ہے اور اہل علم و دانش کے لئے ایک نمونہ سامنے رکھنا ہے۔ شاعر محترم نے اپنی اس نظم میں واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تیرا شیشہ مئے سر جوش کو آغوش میں لئے ہوئے ہے، تجھ میں تربیت خضر کے آثار ظاہر ہیں، تیری کرسی شہ جیلاں کے سامنے اللہ تعالیٰ نے ڈالی۔ یہ اہم واقعات کی رُونمائی کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اشعار میں بھی اہم باتیں پیش کی گئی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ بہر کیف یہاں بھی قادرُ الکلامی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔

منقبت حضرت شاہ بدیع الدین:

سرزمین ہند میں مروّج تمام سلاسل طریقت میں سلسلۂ مدار یہ سب سے قدیم سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کے بانی حضرت سیّد بدیع الدین قطب المدار قدس سرہ العزیز ہیں۔آپ پاک و ہند میں زندہ شاہ مدار، شاہ مدار، قطب المدار سے زیادہ مشہور و معروف ہیں۔آپ اُویسی المشرب تھے اور پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے روحانی اشارے پر ہندوستان تشریف لائے تھے اور طریقۂ اُویسیہ کو ہندوستان میں آپ ہی نے متعارف کروایا۔

حسنؔ بریلوی نے شاہ بدیع الدین مدار رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت پر ایک نظم مسدّس لکھی ہے جس کا پانچواں چھٹا مصرعہ فارسی میں ہے۔جو ہر بند میں موجود ہے۔ یہاں شاعرانہ فن بھی آب و تاب کے ساتھ دکھائی دیتا ہے جسے قاری محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔میں صرف دو بند ہی پر اِکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ہوا ہوں دادِ ستم کو میں حاضر دربار گواہ ہیں دل محزون و چشم دریا بار
طرح طرح سے ستاتا ہے زمرۂ اَشرار بدیع بہر خدا حرمت شہ اَبرار
مدارِ چشم عنایت زمن دریغ مدار
نگاہِ لطف و کرم از حسنؔ دریغ مدار

تمہارے وصف و ثنا کس طرح سے ہوں مرقوم کہ شان اَرفع و اعلیٰ کسے نہیں معلوم
ہے زیرِ تیغ اَلم مجھ غریب کا حلقوم ہوئی ہے دل کی طرف یورِش سپاہِ ہموم
مدارِ چشم عنایت زمن دریغ مدار
نگاہِ لطف و کرم از حسنؔ دریغ مدار

منقبت حضور اچھے میاں:

حضرت اچھے میاں کا وطنی اور نسبی تعلق مارہرہ مقدسہ سے ہے۔ان کا اسم گرامی ابوالفضل آل احمد ہے اور حضرت اچھے میاں (علیہ الرحمۃ والرضوان) کی عرفیت سے شہرت حاصل

ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی ان کی منقبت میں نظم لکھی ہے۔ جو ''حدائقِ بخشش'' جلد دوم میں موجود ہے۔ شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں اعلیٰ حضرت نے حضرت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔ ؎

دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پُر نور کر
اچھے پیارے شمس دیں بدر العلیٰ کے واسطے

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے پیر و مرشد کا متصلاً یوں ذکر فرمایا ہے۔ ؎

دو جہاں میں خادمِ آلِ رسول اللہ کر — حضرتِ آلِ رسولِ مقتدا کے واسطے

خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ شریف کے روشن چراغوں میں حضرت اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ہے اور یہ امام احمد رضا کے دادا پیر ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت نے بار ہا ان کا تذکرہ اپنے اشعار میں فرمایا ہے۔ حضرت حسنؔ بریلوی نے بھی ان کی شان میں منقبت لکھی ہے جس میں اپنے برادرِ اکبر امام احمد رضا کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ کریں۔ ؎

سن لو میری التجا اچھے میاں — میں تصدق میں فدا اچھے میاں
اس بُرے کو آپ اچھا کیجئے — آپ اچھے، میں بُرا اچھے میاں
دم قدم کی خیر منگتا ہوں ترا — دم قدم کی خیر لا اچھے میاں
احمد نوری کا صدقہ ہر جگہ — منہ اُجالا ہو مرا اچھے میاں
میرے بھائی جن کو کہتے ہیں رضاؔ — جو ہیں اس دَر کے گدا اچھے میاں
مجھ کو میرے بھائیوں کو حشر تک — ہو نہ غم کا سامنا اچھے میاں
ہم غلاموں کے جو ہیں لختِ جگر — خوش رہیں سب دائما اچھے میاں

ایک اور جگہ حسنؔ بریلوی لکھتے ہیں:

اپنے اچھے میاں کے صدقے میں — شاہِ عرش آستاں کے صدقے میں
کروں نورِ نگاہ کی شادی — اور شادی بھی بیاہ کی شادی

قصیدہ درمدح شاہ فضل رسول بدایونی:

حضرت شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بدایوں کے عثمانی خاندان کی علمی روایتوں کے امین تھے، آپ کا خاندان گزشتہ آٹھ سوسالوں سے ہند میں رُشد وہدایت کا مرکز ومنبع رہا ہے۔ مولانا حسن بریلوی اور آپ کے برادر گرامی امام احمد رضا خان اکابر خانوادۂ عثمانی بدایوں کے عقیدت مند تھے اور اسی وجہ سے دونوں بھائیوں نے اس خاندان کے متعدد اہل علم کی مناقب تحریر کی ہیں۔ حسنؔ بریلوی نے حضرت شاہ فضل رسول بدایونی کی مدح میں ایک طویل قصیدہ تحریر کیا ہے جس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

طالب مطلوب یزداں حضرت فضل رسول مورد فضل رسول و رحم خلاق جہاں
سالک راہِ حقیقت رہروِ مقصودِ شرع رہنمائے گمرہاں پیشوائے مرشداں
حاکم اصل فروع و عالم رمز اُصول واقف حال حقیقت کاشف سرّ نہاں
حامیٔ دین پیغمبر ماحیٔ بنیادِ کفر زاہد دین عبادت واعظ شیوا بیاں
آفتابِ چرخ علم و ماہتاب بُرجِ حلم گوہرِ دُرجِ شرف یاقوت کانِ عزّ وشاں
شاہ دیہیم جلال و خسروِ تخت کمال نائب شاہنشہِ کونین فخر مرسلاں
انجمن آرائے شرع وشمع بزم معرفت زینت بستانِ فقر و زیب گلزارِ جناں
سیف مسلول حقیقت فارسِ مضمارِ فقر طلعت شمع ہدایت مقتدائے سالکاں
مزرعِ اسلام کو ابر کرم ذاتِ جناب خرمن اَدیانِ باطل کو ہے برقِ بے اماں

تقویۃ الایمان کے رد میں شاہ فضل رسول بدایونی نے ''سیف جبّار'' کے نام سے کتاب تحریر کی تھی، حسنؔ بریلوی اس کا ذکر خیر اپنے قصیدہ میں یوں لاتے ہیں:

دین پیغمبر کو تیری ذات سے ہے تقویت تیرے جلوؤں سے منوّر خطۂ ہندوستاں
تیرے اچھے ہونے میں کس کو رہی جائے سخن تیرے مرشد کے ہیں مرشد حضرتِ اچھے میاں

مُلحدوں کو بات تیری سیف ہے جبّار کی   معتقد کو قول تیرا موجب امن و اماں

حسنؔ بریلوی نے مثنوی ''صمصامِ حسن'' میں اپنے معاصر علما کی بھی مدح کی ہے جن کے اسماء یہاں درج کیے جاتے ہیں:

تاج الفحول امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ محمد عبدالقادر بدایونی، عین الحق حضرت ارفع و اجل مولانا شاہ محمد عبدالمجید قادری بدایونی، معین الحق والا حضرت عظیم الدرجۃ خاتمۃ المحققین غیظ المبتدعین سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی، مولانا عبدالمقتدر بدایونی، مولانا عبدالقیوم قادری بدایونی شہید، مولانا عبدالصمد سہسوانی، مولانا حکیم محمد سراج الحق، مولانا وصی احمد محدث سُورتی، مولانا ابوالذکاء سراج الدین شاہ سلامت اللہ رام پوری، مولانا حافظ عنایت اللہ خان رام پوری، مولانا ہدایت اللہ خان جون پوری، مولانا عبدالغفار خان رام پوری، مولانا ظہور الحسین رام پوری، مولانا سید شاہ محمد حسین، مولانا شاہ احمد علی نقشبندی اُویسی، مولانا حافظ محمد عبدالسلام قادری برکاتی جبل پوری، مولانا شاہ محی الدین سجادہ پھلواری شریف، مولانا سید فہد محسن داناپوری، مولانا محمد عبدالواحد خان رام پوری بہاری، مولانا سید کریم رضا، مولانا اسمٰعیل حسن میاں مارہروی، مولانا سید شاہ عزیز الدین قمری ابوالعلائی، مولانا سید شاہ محمد امیر، مولانا سید اعظم شاہ شاہجہانپوری، مولانا سید محمد بشیر الہ آبادی، مولانا سید شاہ شہود الحق، مولانا سید شاہ نصیر الحق، مولانا سید شاہ وحید الحق بہاری، مولانا حافظ محمد امیر اللہ، مولانا محمد فضل المجید بدایونی، مولانا حکیم محمد خلیل الرحمٰن خان پیلی بھیتی، مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری، مولانا رمضان، مولانا عبدالکافی الہ آبادی، مولانا محمد عبداللطیف برادر گرامی محدث سُورتی، مولانا محمد عبدالعزیز مظفر پوری، مولانا حافظ عبدالمجید آنولوی، مولانا محمد بشارت کریم، مولانا حافظ بخش مدرس مدرسہ بدایوں، مولانا نبی بخش بہاری، مولانا امام الدین اٹالوی، مولانا مسیح الدین الہ آبادی، مولانا بشیر الدین جبل پوری، مولانا سید شاہ غلام حسین بہاری، مولانا سید

شاہ غلام مظفر بلخی، مولانا اعجاز حسین رام پوری، مولانا حامد رضا خان بریلوی، مولانا محمد عبید اللہ الہ آبادی، مولانا عبد الرحیم ہروی، مولانا محمد علی ارشد رام پوری۔

حضرت حسنؔ بریلوی کی مذہبی اسلامی شاعری میں حمد باری تعالیٰ، نعت حضور سرورِ کائنات ﷺ، ذکر شہادت، داستان اہل بیت، مناقب صحابہ و اولیائے کرام، رَوافض و خوارج، وہابیہ اور عقائد فاسدہ والوں کا ردّ اور ابطال اور اپنے عقائد صحیحہ کا اظہار واضح طور پر موجود ہیں۔ حسنؔ بریلوی کی یہی وہ خوبیاں ہیں جو دشمنانِ دین اور گمراہوں کے چشم و دل میں خارِ مغیلاں کی طرح پہلے بھی کھٹکتی رہیں اور آج بھی کھٹکتی ہیں۔ اسی لئے تذکرہ نویسوں نے جو باطل عقیدہ اور گمراہ نظریات کے حامل تھے، حضرت حسنؔ کے ذکر سے بالکل ہی پہلوتہی کی۔ لیکن افسوس اپنے لوگوں پر ہے جن لوگوں نے خاموشی کی اختیار کی اور اپنے قلم کو حرکت دینے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی۔ خدا کرے اب بھی وہ جمود و تعطل کو ختم کریں اور اپنے اسلاف کی سوانح اور حالات پر خامہ فرسائی کی سعادت حاصل کریں۔

☆

حسنؔ بریلوی کی نثری خصوصیات اور مشہور نثر نگاروں سے موازنہ [1]

دنیا کی تمام زبانوں کا آغاز ''نظم'' سے ہوا، اور ''نثر'' بعد کو معرضِ وجود میں آئی ہے۔ اس لسانی ضابطہ کے مطابق اُردو نثر بھی اُردو نظم کے بعد معرضِ وجود میں آئی ہے۔ اُردو نثر کی کتاب حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے سب سے اہم شاگرد و خلیفہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی ''معراج العاشقین'' ہے۔ اس کے علاوہ سات آٹھ چھوٹی بڑی دیگر تصانیف بھی اُن سے منسوب ہیں جن میں شکار نامے اور ''جدۃ الوجود'' زیادہ مشہور ہیں۔ ''معراج العاشقین''، ۱۴۲۳ء میں تصنیف کی گئی تھی۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے پوتے خواجہ عبداللہ حسینی مشہور بزرگ اور شیخ طریقت ہوئے ہیں، انہوں نے ''نشاۃ العشق'' کا اُردو نثر میں ترجمہ کیا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں شمس العشاق میراں جی نے ''مرغوب القلوب'' کا ترجمہ اُردو میں کیا اور اُن کے فرزند و جانشین شیخ امین الدین علی نے اُردو نثر ''گنج مخفی'' اور ''وجودیہ'' تصنیف کیں۔ ان ابتدائی نثر نگاروں کی رِوایات کو میراں جی خدانما۔ شاہ محمد قادری، سیّد میراں حسینی اور شاہ معظم نے ترقی دی۔ بعدۂ ایک طویل سلسلہ ان مصنفین کا ہے جنہوں نے اُردو نثر کو ترقی یافتہ زبان بنایا۔ [2]

---

[1] یہ مقالہ مرزا عبدالوحید بیگ رضوی کا تحریر کردہ ہے جو کہ بریلی، انڈیا کے رہنے والے ہیں۔ پہلی مرتبہ یہ مقالہ ماہنامہ سُنّی دنیا، بریلی کے ''حسن رضا بریلوی نمبر'' میں سنہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔ ضروری ترامیم، اختصار و اصلاح کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ثاقب قادری

[2] تاریخ ادب اُردو، ص ۱۷

اُردو نثر کی غایت:

ہندوستان میں ایران، ترکی اور عرب سے آنے والے مسلمانوں کی مادری زبان فارسی، ترکی اور عربی تھی جس کو ہند کے قدیم باشندے نہیں جانتے تھے۔ یہ وہ دَور تھا جب کہ ہندوستان بری طرح طبقاتی کشمکش کا شکار تھا۔ انسان انسان کے درمیان تفریق نے انسانی معاشرہ کو حیوانی عیوب کی آماج گاہ بنا رکھا تھا۔ انسان شقی القلبی کی اس حد کو پہنچ چکا تھا اور فہم و اِدراک کا دیوالیہ پن اِتنا بڑھ چکا تھا کہ ایک طرف تو ہندوستانی معاشرہ میں شجر و حجر کے علاوہ جانوروں کی پرستش کی جاتی تھی اور دوسری طرف جنم کی بنیاد پر مالی و اقتصادی پستی کے شکار انسانوں کو انسانی معاشرہ میں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں دیا جارہا تھا۔ ذات و برادری کی بنیاد پر حیوانیت کو فروغ دے کر فخر محسوس کیا جاتا تھا۔ پسماندہ قرار دی گئی اَقوام کو نہ صرف علم حاصل کرنے سے روک دیا گیا تھا بلکہ اُن کو شاہراہِ عام پر چلنے کی اجازت نہیں تھی۔ جنم کی بنیاد پر اعلیٰ ذات میں پیدا ہونے والوں پر پسماندہ اَقوام کے جسم کا سایہ بھی ان کو اَدھرم (دین بگاڑنا، کھونا) کر دیتا تھا۔ بے چارہ سڑک پر چلتا تو ٹوٹے بانس سے کھٹ کھٹ کرتا جاتا تا کہ شاہراہِ عام پر چلنے والے اُونچی ذات کے لوگ اُس کے سایہ سے اپنے جسم کو بچا لیں۔ ایسے انسانیت سوز ماحول میں اسلام کے ماننے والے جن کے یہاں انسانیت نوازی، اُخوت اور مساوات کا دَور دورہ تھا، کب انسانیت کو برباد ہوتے دیکھ کر خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ ایسے حالات میں نو آباد کار مسلمانوں نے انسان کو انسانیت کی تعلیم دینے کے لئے ایسی زبان تیار کی جو ملک کے قدیم باشندوں اور اُن کے درمیان باہمی رابطہ کی زبان کا کام دے سکے۔ گویا اُردو زبان کا آغاز مبلغین اسلام نے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو دعوت اسلام دینے کے لئے کیا تھا۔

اُردو نثر کا آغاز جیسا کہ پیشتر لکھا جاچکا ہے پندرہویں صدی عیسوی میں ہو چکا تھا اور سولھویں صدی عیسویں تک اُردو زبان سارے ملک میں پھیل چکی تھی اور اس زبان میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہو چکا تھا۔ تصنیف و تالیف کی غرض و غایت کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں مگر اپنے

دعویٰ کی تائید میں مندرجہ ذیل شہادت پیش کرتے ہیں:

حضرت خواجہ بندہ نواز وغیرہ کی تصانیف کی غرض وغایت کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) ان کے لکھنے یا قریب کرنے کی تحریک ادبی نہیں تھی بلکہ اپنے مذہبی اور صوفیانہ خیالات اپنے پیروکاروں تک پہنچانے کی خواہش سے پیدا ہوئی۔ (ایضاً: صفحہ ۷۵)

(۲) اس درمیان یعنی پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں بیشتر مذہبی کتابیں لکھی گئی۔ (تاریخ ادب اُردو،ص ۷۸)

(۳) جنوبی ہند میں خانقاہیں قائم کر کے اور عام بول چال کی زبان میں اظہارِ خیال کر کے صوفیانہ خیالات کی اشاعت بڑے پیمانے پر کی گئی۔ (ایضاً،ص ۷۶)

(۴) اس طرح کی تخلیقات زیادہ تر مذہبی اور صوفیانہ ہیں۔ (ایضاً: ص ۸۰)

(۵) اُردو نثر کی تصانیف کی غرض وغایت یہ تھی کہ وہ تقریباً چونتیس سال تک عرب میں گزار کر ہندوستان آئے اور بیجا پور قیام کے لئے منتخب کیا۔ یہیں سے انھوں (میراں جی) نے تبلیغی کام کا آغاز کیا۔ (ایضاً،ص ۱۶)

اُردو نثر کو فروغ دینے کی غرض وغایت تبلیغ اسلام تھی تاکہ اہل ہند کو اسلام کی نعمت دے کر اچھا انسان بنایا جائے۔ (اچھا مسلمان ہی اچھا انسان ہوسکتا ہے) چنانچہ تبلیغ اسلام کو فروغ دینے کے لئے علماء، ء اور مشائخ سے مسلسل اُردو نثر نشو ونما پا کر ارتقاء کی اعلیٰ منزل پر پہنچی۔ اُنیسویں صدی تک اسلام کا علمی اور دینی سرمایہ اُردو زبان میں بڑی حد تک منتقل ہو چکا تھا۔ اُردو نثر پر امام احمد رضا فاضل بریلوی کا احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے اُردو نثر کو معیاری بنا کر مختلف علوم وفنون پر کتب تصنیف کر کے اُردو زبان کو دیگر ترقی یافتہ زبانوں سے آنکھ ملا کر بات کرنے کے قابل بنا دیا۔ آپ نے اسلامی علوم وفنون بالخصوص حدیث وفقہ کو اُردو نثر میں منتقل کر کے اہل اُردو کو قدیم زبانوں کی کتب سے مستغنی کر دیا۔

فورٹ ولیم کالج:

اُردو نثر میں کئی صدیوں تک مذہبی کتب تصنیف کر کے علماء، صوفیہ اور مشائخ نے اہل ہند کو نعمت ایمان اور دولت اسلام عطا کی۔ اُردو کے محسنین اوّل نے اُردو نثر کا آغاز جس مقصد کے حصول کے خاطر کیا تھا اُس کو فوت کرنے کے لئے انگریزوں نے مئی ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) قائم کیا۔ کالج مذکورہ نے اہل اُردو کی توجہ مذہب سے ہٹا کر ذہنی تفریح کی طرف لگانے کے لئے دیووَں، بھوتوں، پریوں وغیرہ کی مافوق الفطرت فرضی کہانیوں اور قصوں پر مبنی کتب تصنیف کرائیں۔ اس کام کو فروغ دینے کے لئے دہلی و لکھنؤ وغیرہ میں بھی آزاد مزاج لوگوں کو آمادۂ تصنیف کیا۔ مذہب اسلام کی طرف سے توجہ ہٹانے کے ساتھ ہی اصلاح وسُدھار کے نام پر سرسیّد نے اُردو نثر میں تصنیفی سلسلہ شروع کر کے اسلامی تہذیب، تمدن اور معاشرت کا نہ صرف مذاق ہی اُڑایا بلکہ حشر ونشر، جنت، دوزخ اور ملائکہ کا بھی انکار کیا۔ اس طرح اُمت مسلمہ کے متفقہ عقائد پر شب خون مارا جانے لگا۔

افسوس اُردو نثر جس مقدس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے معرض وجود میں آئی تھی وہی اُردو نثر آج اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال کی جانے لگی تھی۔ شعوری وغیر شعوری طور پر طوطا مینا قسم کی فرضی کہانیوں کے لکھنے والوں نے بھی مقدس مشن سے قوم کو ہٹانے کی جسارت کی۔ اصلاح وسُدھار کے نام پر مسلم معاشرہ کو مغربیت میں غرق کرنے کے لئے اُردو نثر کا استعمال برملا کیا جانے لگا۔

اُردو نثر کی آبرو:

اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر سوچئے اسلام کے بہی خواہ وہمدرد مبلغین اسلام جن کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ اسلام کے لئے مخصوص کیا تھا وہ کیونکر اسلامی عقائد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر خاموش تماشائی بنے رہ سکتے تھے۔ ان مبلغین اسلام میں شاہ فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین،

مفتی سعد اللہ، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا فضل رسول بدایونی، مفتی محمد نقی علی خان بریلوی، امام احمد رضا فاضل بریلوی اور اُستاذِ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان حسنؔ بریلوی قابل ذکر مصنف ہیں جنہوں نے قوم کو گمراہی سے بچانے کے لئے اپنے قلموں کو جنبش دی۔ جہاں انہوں نے عقائد اسلامی پر آنچ نہ آنے دی وہیں اُردو نثر کی آبرو بھی بچائی۔ انگریز اور اُس کے اعوان و انصار نے اُردو نثر کو جس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی تھی، ان بندگانِ خدا نے اُردو نثر کو پھر صحیح سمت کی طرف رہنمائی کر کے اُردو نثر کے معرضِ وجود میں لانے کی غرض و غایت کو پورا کیا۔

اُستاذِ زمن علامہ حسن رضا خان کی نثری تصانیف کا جائزہ لیجئے تو بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے جذباتِ عقیدت کو پروان چڑھانے حضور نبی اکرم ﷺ کی عزت و عظمت اور عشق و محبت سے سینوں کو لبریز کرنے کے لئے ہی اُردو نثر کا سہارا لیا۔ حالانکہ آپ کی تصانیف کی تعداد کم ہے مگر پس منظر کو سامنے رکھ کر غور کریں تو ان کی اہمیت و افادیت بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے اپنے دَور کی مذہبی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اُردو نثر کو شرف سلامت رَوی بخشا۔

اُستاذِ زمن نے انگریز اور اُس کے حواریوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی کو زائل کرنے کے علاوہ زمانۂ حال کے سیاست دانوں کی اختیار کردہ کج رَوی کو دُور کرنے کے لئے بھی اپنی قلم کو استعمال کیا۔ اہل سیاست کے مکر و فریب کو آشکار کرنے کے لئے ”بے موقع فریاد کا مہذب جواب“ (درمسئلہ گاؤکشی) تصنیف کی جس سے واضح ہوتا ہے کہ اُستاذِ زمن کی اہل سیاست پر گرفت سخت تھی، راہِ سیاست سے جب مذہب اسلام پر شب خون مارا گیا تو عابد شب بیدار کو اسلام کی محافظت کے لئے مستعد پایا۔

دشمنانِ اسلام نے مسلمانی کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو آؤٹ آف ڈیٹ (Out of date) قرار دیا تو اُستاذِ زمن نے اُن کے باطل نظریات کی تردید کرنے کے لئے ”دین حسن“ (درحقانیت اسلام) لکھ کر اُردو نثر کو جدید طرزِ تخاطب عطا کیا تھا۔ مولوی چراغ دہلوی اور سرسیّد (۱۸۱۷ء/ ۱۸۹۸ء) اور ان کی حامی جماعت کی پیدا کی گئی گمراہی کو جدید اُردو نثر کے لبادے میں پیش کیا

گیا۔ اسلام کی بے ادبی کو "ادب"، سُوکھی زبان اور پھیکے بیان کو "جدید اُردو نثر" باوَر کرا کر گمراہ کردہ کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی جس طرز کو "جدید اُردو نثر" لکھا گیا، حقیقت میں وہ جدید نہیں بلکہ فصیح و بلیغ شستہ و شگفتہ زبان اُردو کو رُوکھی سُوکھی اور پھیکی بنا کر اُردو کی شان پر بٹہ لگانے کی مذموم کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی کی ہدایت پر غالبؔ دہلوی نے جدید اُردو نثر کی بنیاد ڈالی مگر پریس اور انگریزی کی قوت کے بل بوتے اس کا سہرہ سرسیّد کے سر باندھ دیا گیا اور مخلص دولہا حرف شکایت بھی زبان پر نہ لایا۔

سرسیّد کے سر جدید اُردو نثر کا سہرہ باندھنے والوں کو اُن کے طرزِ تحریر پر ادب اُردو نثر کے نقاد کے درج ذیل الفاظ لائق توجہ ہیں:

> ان کا (سرسیّد) طرزِ تحریر زوردار مگر صاف اور سادہ ہے اس میں کسی قسم کی عبارت آرائی نہیں ہے کچھ غلطیاں بھی اس میں نکلیں گی مگر سیّد صاحب قواعد صَرف و نحو کی پابندی کی قطعی پروا نہیں کرتے۔ وہ مقررہ قواعد اِنشا پردازی سے بالکل بے نیاز تھے۔ (تاریخ ادب اُردو: صفحہ ۸۶)

لیجیے قواعد صرف و نحو سے مطلق ناواقف اور قواعد انشاء سے بالکل بے خبر غلط عبارت لکھنے والے کو جدید اُردو نثر کا بانی کہا جانے لگا۔ جانبداری ہو تو اس ڈھٹائی سے اور انصاف کا خون کیا جائے تو ایسی سفاکی سے۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید اُردو نثر کے بانی سرسیّد نہیں ہیں اُن کی نثر قواعد و اُصول کے تحت عیوب و نقائص کا ڈھیر ہے۔ رُوکھی سُوکھی اور پھیکی زبان کو جدید اُردو نثر نہیں کہا جا سکتا۔ ایک عامی بھی تو روز بول چال میں سادہ زبان رُوکھے پھیکے انداز میں بولتا ہے تو پھر یوں کہیے کہ سرسیّد ایک عام آدمی تھے جو جہلا کی مانند رُوکھی پھیکی زبان کا استعمال کیا کرتے تھے۔

صداقت اپنے آپ کو منوا لیتی ہے یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ غالب (۱۷۹۷ء/ ۱۸۶۹ء) نے جدید اُردو نثر کی بنیاد ڈالی اور جلد ہی اس دنیا سے راہ لی مگر اس بنیاد پر اُردو نثر کا عالی شان قصر اُستاذِ زمن علامہ حسن رضا خان نے تعمیر کیا۔ ہمارے اس دعویٰ پر ان کی

تصانیف شاہد ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دینیات کا عالم، عربی و فارسی کا ماہر، جس کے گھر سے باہر تک ایسا ماحول ہو جہاں عربی و فارسی مادری زبان ہو، قدیم کتب زیر مطالعہ ہوں، جن میں صنائع و بدائع کی بھرمار ہو، انداز پُر تکلف ہو اور اس طرز کو اپنانے والوں کی گردو پیش بھی بھرمار ہو، ایسے ماحول میں اپنے زمانے کی مروّجہ طرز تحریر سے اپنے دامن کو بچا کر جدید طرز اختیار کرنا انتہائی اہم بات ہے۔ اس خصوصیت کا حامل اُردو لسانیات کا ماہر اور زبان و بیان کا بااختیار ادیب شہیر ہی ہوسکتا ہے جس کو اظہارِ بیان پر قدرتِ کاملہ حاصل ہو۔

نثر کی خصوصیات:

حسنؔ بریلوی کی نثری تصانیف کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے والا برملا وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ آپ صاحبِ طرز و اُسلوب نثر نگار ہیں، آپ نے اپنی نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ بکثرت اس خوبی سے استعمال کئے ہیں کہ نثر بوجھل وثقیل یا اَدق نہیں بنی بلکہ اُس میں رنگینی شاعرانہ حد تک ہے جس نے بیان کو زوردار، بااَثر اور معیاری بنا دیا ہے۔ وہ اکثر چھوٹے چھوٹے جملے روز مرّہ کی بول چال میں آسان مگر پُر کیف انداز میں مدلل طریقہ سے لکھتے ہیں۔ ان کا ہر ایک لفظ اور ہر ایک فقرہ نپا تُلا ہوتا ہے یعنی غیر ضروری الفاظ کا استعمال ان کے یہاں نہیں ملتا۔ ان خصوصیات پر مستزاد یہ کہ ان کی نثر صرفی ونحوی عیوب و نقائص سے پاک ہے وہ الفاظ کا ٹھیک طور پر عمدگی سے برمحل استعمال کر کے اپنی نثر کو پُر اَثر بنا دیتے ہیں۔ وہ الفاظ کے موزوں استعمال سے پُر اثر فضا بنا کر اظہارِ جذبات اس طرح کرتے ہیں کہ سماں بندھ جاتا ہے اور ناظرین اس سما میں اپنے کو محو کرنے سے روکنے نہیں پاتے۔ اپنے ہم عصر ادباء کے برخلاف آپ نے عربی و فارسی کے اَدق و ناموزوں الفاظ کا کبھی استعمال نہیں کیا۔ وہ جس لفظ سے جس محل پر جیسا کام لینا چاہتے ہیں اُس کو بڑی عمدگی سے استعمال کر کے زوردار طریقہ پر کام لے لیتے ہیں۔ اس لئے ان کی نثر پُر جوش اور زوردار

ہے جس میں جذبات کی گرمی اور اَفکار کی سنجیدگی کا حسین اِمتزاج ہے۔ ایک مفکر کو جس زود اثر زور کی ضرورت ہے وہ ان کے یہاں بدرجۂ اَتم موجود ہے۔ ان کے مضامین انتہائی فکر انگیز، جاندار، بصیرت افروز اور پُر اثر ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں سادگی ہے، سلاست ہے۔ تصنع و تکلف لکھتے ہیں مگر ابتذال اور سوقیت سے ان کی نثر کا دامن پاک ہے۔ ان کی تہ در تہ پہلو دار نثر کی ادبی شان ہے انھوں نے انتہائی سلیس اُردو اور رنگین نثر میں جاندار زبان معنی خیز انداز میں استعمال کی ہے۔ اس لئے بجا طور پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ جدید اُردو نثر کو رواج عام اور مقبولیت عطا کرنے میں ان کا اہم کردار ہے۔

اقسام نثر:

حسنؔ بریلوی کی نثری خصوصیات سے بحث کی جائے تو تشنگی باقی رہتی ہے۔ اس ادبی تشنگی کو دُور کرنے کے لئے اقسام نثر کو ذہن نشین کر لینا اَز حد ضروری ہے۔

الفاظ کے لحاظ سے نثر کی چار اقسام ہیں:

(۱) نثر مرجز (۲) نثر مقفٰی (۳) نثر مسجع (۴) نثر عاری

معنی کے اعتبار سے نثر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) نثر سلیس (۲) نثر دقیق۔

نثر سلیس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) نثر سلیس سادہ (۲) نثر سلیس رنگین

اور نثر دقیق کی بھی دو اقسام ہیں۔

(۱) نثر دقیق سادہ (۲) نثر دقیق رنگین

حسنؔ بریلوی عربی و فارسی کے علاوہ اُردو کے بھی مسلم الثبوت اُستاد، قادر الکلام اور صاحب طرز انشا پرداز تھے اس لئے انھوں نے اپنے مطالب و مفاہیم کو واضح کرنے کے لئے ہمہ اقسام کی نثر کا استعمال کیا، اس لئے ان تصانیف میں ہمہ اقسام کے نثری شاہکار موجود ہیں۔

لہٰذا آپ کے نثری شاہکاروں کو ہم اپنے مضمون کی زینت بنا رہے ہیں تاکہ آپ کی نثر نگاری پر مکمل طور پر فن کے اعتبار سے بحث کی جاسکے۔

(۱) نثر مرجز:

اس نثر کا حسنیؔ شاہ کار ملاحظہ فرمائیے:

''سیاہ پردے کی چلمن سے کسی محبوب دلنواز کی پیاری پیاری تجلیاں چھن چھن کر نکل رہی ہیں جن کی ہوش رُبا تاثیر دلکش کیفیت کی یہ مجلس آرائیاں ہیں۔''

اُردو نثر کے جدید و قدیم تمام سرمایہ کو کھنگال ڈالیے اُستاذِ زمن کے دستِ کرامت کے ادبی شاہکار کی کہیں آپ مثال تلاش نہ کرسکیں گے۔ نثر مرجز کی اُردو کے نثری سرمایہ میں لاتعداد مثالیں ملیں گی مگر حسنؔ رضا نے جس سادگی اور صفائی سے اپنی عبارت کو حسین بنایا وہ حسن عبارت آپ کہیں نہیں پائیں گے۔

(۲) نثر مقفیٰ:

دہلی اور لکھنؤ دونوں اسکولوں کے ادیبوں نے نثر مقفیٰ کا استعمال کیا ہے بلکہ اُنیسویں صدی عیسوی میں تو نثر مقفیٰ کی بھر مار تھی۔ آج تمام نقادانِ فن کو اعتراف ہے کہ نثر مقفیٰ کے استعمال نے ادیبوں کو اظہارِ مقصد سے دُور ہٹا دیا۔ نثر نگاری الفاظ کی بازی گری بن گئی تھی۔ اُردو کی نثر مقفیٰ خود نقادانِ فن کے اس تبصرہ پر شاہد ہے، مگر حسنؔ بریلوی کی ذاتِ ستودہ صفات اس نقص سے مستثنیٰ ہے۔ آپ نے نثر مقفیٰ کا استعمال کیا اور اپنے پیش رَو اور ہم عصر ادیبوں سے بالکل مختلف انداز میں کیا جس کے باعث ان کی نثر کے مفاہیم مجروح نہیں ہوئے۔ وہ اظہارِ مقصد میں ایسی مہارتِ تامہ رکھتے ہیں کہ ہمہ اقسام نثر ان کے دولتِ فن پر دست بستہ خدمت کو حاضر رہتی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حسنؔ بریلوی نے نثر مقفیٰ کی آبرو رکھ لی اور اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا کہ نثر مقفیٰ اظہارِ مقصد کے لئے کافی نہیں ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُردو کے ادیب

عموماً نثرِ مقفیٰ پر قدرتِ کاملہ نہیں رکھتے تھے اس لئے اپنے مقصد کا اظہار نثرِ مقفیٰ کے ذریعہ کرنے سے قاصر رہے۔ گویا نقص ادیبوں کا تھا الزام نثرِ مقفیٰ کے سر رکھ دیا گیا۔ اُردو کے ادیب متحدہ آواز اُٹھا کر ہمارے نظریہ پر احتجاج کریں اور اپنی قدرتِ کاملہ پر اصرار کریں تو ہم ضرور کہیں گے جس نثر پر اُردو کے ادیب مجبورِ محض ہو جاتے ہیں وہاں حسنؔ بریلوی اپنے قلم کا اقتدار جمائے، شہنشاہ ادباء کا تاجِ زرّیں پہنے اپنی امتیازی شان سے اپنے فن کا سکّہ جماتے ہیں۔ حسنؔ بریلوی کی فنی شان یہاں ملاحظہ فرمائیے:

(الف) ''دل کہتا ہے مر جائیے مگر یہاں سے قدم نہ اُٹھائیے، صبح کے کھٹکے کا تقاضا ہے جلد تشریف لے جائیے۔''

(ب) ''حبّ وطن قدموں پر لوٹتی ہے کہ کہاں جاتے ہو، غربت دامن کھینچتی ہے کیوں دیر لگاتے ہو۔''

مثال نمبر (الف) میں حسنؔ بریلوی نے دونوں جملے ہم قافیہ لکھے ہیں ''اُٹھائیے'' ''جائیے''، لیکن مثال نمبر (ب) کو بغور ملاحظہ کیجئے آپ نے نثرِ مقفیٰ میں جدّت پیدا کی ہے دونوں جملوں میں ''جاتے'' ''لگاتے'' ہم قافیہ ہیں اس کے ساتھ ہی دونوں جملوں کا اختتام ''ہو'' سے ہوتا ہے یعنی ''ہو'' ان جملوں میں ردیف کی جگہ ہے گویا حسنؔ بریلوی نے قافیہ کے ساتھ ردیف کا بھی استعمال کر کے نثرِ مقفیٰ میں جدّت پیدا کی ہے۔

اہل فن خوب جانتے ہیں کہ لکھنؤ اور دہلی اسکولوں کے ادیبوں کی نثرِ مقفیٰ مضمون کو پیچیدہ بنا دیتی ہے کیونکہ انہوں نے الفاظ پیچ در پیچ استعمال کئے ہیں حضرت حسنؔ بریلوی نے دونوں اسکولوں کی روِش سے الگ اُٹھ کر اپنی نئی راہ نکالی اور نثرِ مقفیٰ کو اس طرح لکھا کہ سلاست بھی برقرار رہی ہے اور شگفتگی بھی فوت نہیں ہوتی ہے جس کے باعث مقصد کا اظہار بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ اسکول کے نمائندہ ادیب رجب علی سرورؔ کی نثرِ مقفیٰ کو بطورِ مثال پیش کر دیا جائے تا کہ میں حسن بریلوی کے ادبی کمال کو بخوبی واضح کر سکوں۔ سرورؔ

صاحب لکھتے ہیں:

''اس گلزار ہمیشہ بہار میں بہمن و دبے کا سامان ہے ایسا آباد ملک سنسان و ویران ہے۔''

دیکھئے لکھنؤ کی نازک خیالی الفاظ کے گورکھ دھندے میں پھنس گئی۔ عبارت تو مقفیٰ لکھی مگر الفاظ اِتنے غیر مانوس لکھے کہ نثر میں لطف نہ رہا، اس کے ساتھ ہی صنائع کے شوق استعمال نے معنویت پر بھی کالک پھیر دی۔ گلزار میں خزاں آنے پر حیرت کیسی؟ حیرت تو اَنہونی کی ہوتی ہے ''گلزار'' کو ''ہمیشہ بہار'' کہنا خلاف واقع ہے، اس لئے بھی زور و تاثیر سرورؔ صاحب عبارت میں پیدا نہ کرسکے، ایسا طرز اور اُسلوب اُس دَور میں عام تھا لیکن حسنؔ بریلوی کا اپنے دامن کو بچائے جانا اُن کے ذوقِ سلیم پر دلالت کرتا ہے۔

جناب حسنؔ بریلوی نے مثال (ب) میں حسرت رَنج والم کا اظہار کیا ہے مگر اس خوبی سے کہ مطلب بخوبی واضح ہو رہا ہے اور دل و دماغ میں غم و صدمہ پیوست ہو رہا ہے۔ حسنؔ بریلوی کے یہاں نثر مقفیٰ میں جو سادگی ملتی ہے وہ غالبؔ کے یہاں بھی مجھ کو نہیں ملتی ہے۔ شوکتِ الفاظ کی جو رونق غالبؔ کے یہاں نہیں ملے گی وہ حسنؔ بریلوی کے یہاں بدرجۂ اَتم ملتی ہے۔ دیکھئے غالبؔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''عرصے سے پیشاب میں ریت آتی ہے اس وجہ سے طبیعت بگڑ جاتی ہے۔''

طویل عبارت نے ذہن کو الفاظ کی کھیپ میں اُلجھا دیا۔ غالبؔ کی بیماری سے جو تشویش پیدا ہونا چاہئے تھی وہ نہ ہوسکی۔ مرزا غالبؔ طویل کلام سے بچ کر اس طرح بھی اپنے مقصد کو لکھ سکتے تھے:

''عرصے سے پیشاب میں ریت آنے سے طبیعت بگڑ جاتی ہے۔''

مگر یہاں غالبؔ کی مجبوری یہ ہے کہ مقصد کا اظہار تو پُر اثر ہو جاتا مگر نثر مقفیٰ کے کمال سے عاری رہ جاتے گویا اظہارِ مقصد کو لیتے ہیں تو نثر مقفیٰ ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور نثر مقفیٰ پر اختیار

جتاتے ہیں تو اظہارِ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

داؔغ کے "پیارے شاگرد" حسنؔ بریلوی کی تمام تصانیف کو پڑھ لیجئے انہیں آپ اس راہ پر کہیں مجبور نہیں پائیں گے۔

نثرِ مسجّع:

حضرت امام حسن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو وصیت کرتے ہیں کہ اہل کوفہ پر اعتماد نہ کرنا وہ تم کو بلا کر کربلا کے میدان میں اکیلا چھوڑ دیں گے۔ حضرت امام حسن کی یہ وصیت بقول حسنؔ بریلوی موتیوں میں پرونے کے قابل ہے مگر امام حسین اہل کوفہ کی دعوت پر کوفہ کو روانہ ہوئے۔ اس ٹریجڈی (Trajedy) پر حسنؔ بریلوی کے تاثرات نثرِ مسجّع میں ملاحظہ فرمائیے:

(الف): "مگر اس ہونے والے واقع کو کون روک سکتا تھا جسے قدرت نے مدتوں سے مشہور کر رکھا تھا۔"

حضرت امام حسن کو زہر دیا گیا اور اس کے اثر سے آپ شہید ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن سے زہر دینے والے کا نام جاننا چاہا تو زہر دینے والے کا نام ظاہر نہیں کیا بلکہ اپنے اخلاق عظیم کو ظاہر فرمایا۔ امام حسن کا جواب حسنؔ بریلوی اپنے اُسلوبِ خاص میں تحریر فرماتے ہیں:

(ب) "روزِ قیامت ہم ان کی شفاعت فرما کر کام آئیں نہ یہ کہ ان کے ساتھ غضب اور انتقام کو کام میں لائیں۔

کربلا کے حادثہ کے بعد امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ منورہ واپس تشریف لاتے ہیں، اُس وقت کا سماں حسنؔ بریلوی نثرِ مسجّع میں تحریر فرماتے ہیں:

(ج) "پھر شام سے یہ قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ کیا گیا مدینہ میں پہنچنے کی تاریخ قیامت کا سامان اپنے ساتھ لائی۔ گھر گھر میں کہرام تھا، در و دیوار سے دل دُکھانے اور کلیجے میں گھاؤ ڈالنے والی مصیبت ٹپکی پڑتی تھی۔"

حسنؔ بریلوی کی نثر مسجع کے مذکورہ بالا چھوٹے چھوٹے فقروں میں جیسا کہ مثال (الف) اور اوسط جملے جیسا کہ مثال (ب) اور طویل جملے جیسا کہ مثال (ج) میں لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حسنؔ بریلوی نے اُردو نثر میں دہلی یا لکھنؤ اسکولوں کے ادیبوں کی تقلید نہیں کی ہے، اُنہوں نے اپنی راہ خود نکالی اور وہ خود ہی اپنی راہ پر اپنے ہم عصروں میں منفرد نظر آتے ہیں۔

نثر عاری:

حسنؔ بریلوی نے نثر عاری لکھنے میں بھی اپنے ادبی ذوق کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ دراصل نثر نگاری روزمرّہ عام بول چال کی زبان ہے جس میں شگفتگی ولطافت پیدا کرنا آسان نہیں ہے۔ دیگر اساتذہ نے نثر عاری کو شگفتگی دینے کی کوشش کی ہے تو وہ اپنا وجود ہی کھو بیٹھی ہے، مگر حسنؔ بریلوی یہاں پر بھی منفرد ہیں انہوں نے نثر عاری کا وجود بھی برقرار رکھا اور زبان میں شیرینی، لطافت و شگفتگی الفاظ سے نہیں بلکہ معنی و مراد سے پیدا کی۔ یہ اُن کے فن کا کمال ہے۔ حسنؔ بریلوی نثر عاری کا استعمال کرتے ہیں مگر شوکتِ الفاظ اور اُسلوبِ بیان اُن کی نثر عاری کو زورِ اثر سے بھر دیتا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

میدانِ کربلا میں حق و باطل کا معرکہ شباب پر ہے حضرت عبداللہ بن عمر کلبی زیاد کا غلام یسار اور ابن زیاد کے غلام سالم کے مقابلے کے لئے تشریف لائے۔ وہ ظالم بولے ہم تم کو نہیں جانتے زہیر بن قیس یا حبیب بن مطہر یا یزید بن حضر ہمارے مقابلے پر آئیں دونوں ظالموں کا مطالبہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر کلبی کا جواب حسنؔ بریلوی کی زبان میں ملاحظہ فرمائیے۔

> ’’حضرت عبداللہ نے یسار سے فرمایا او بدکار عورت کے بچے! تُو مجھ سے نہ لڑے گا تیری لڑائی کے لئے بڑے چاہیے یہ فرما کر ایک ہاتھ مارا، وہ قتل ہوا۔ سالم نے آپ پر وَار کیا، بائیں ہاتھ سے روکا اُنگلیاں اُڑ گئیں داہنے ہاتھ سے وَار کیا وہ بھی مارا گیا۔‘‘

حضرت عبداللہ کا جواب اور دونوں ظالموں سے جنگ کا منظر اور اُن کا انجام انتہائی آسان زبان میں اس طرح اَدا کر دیا کہ جنگ کا نقشہ نظر کے سامنے گھومنے لگا۔ نثر عاری میں کسی جنگ

کے نقشہ کو اس قدر آسان اور مختصر انداز میں اُردو کے کسی ادیب نے لکھا ہو تو نشاندہی کی جائے ورنہ حسنؔ بریلوی کے رُوبروزانوئے ادب طے کر کے خراجِ عقیدت پیش کیا جائے۔

نثر سلیس سادہ:

حسنؔ بریلوی نے سلیس سادہ نثر میں بھی اپنے مطالب و مقاصد کو انتہائی لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے، اُن کی تصانیف سلیس سادہ نثر کے اعلیٰ نمونے کا مخزن ہیں۔سر سید احمد خان کو اُن کے حواریوں نے سلیس سادہ نثر کا بانی باور کرانے کی مہم شروع کی، اہل اُردو اُن کے حواریوں کی پھیلائی غلط فہمی کا شکار ہوئے مگر حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔انکشاف حقیقت کے لئے سر سیّد کی سلیس سادہ نثر کا حسنؔ بریلوی سے موازنہ ہدیۂ اہل انصاف ہے۔سر سیّد لکھتے ہیں:

''آمدنی کے ذریعوں میں ظاہراً دو ذریعے ایسے معلوم ہوتے ہیں جو تمام ذرائع کو حاوی ہیں: ایک زراعت، دوسرا تجارت۔''

'سلیس سادہ نثر' کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیان کو اُلجھا دیا جائے۔غور کیجئے سر سید جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ صرف اتنی سی ہے کہ ''دیگر ذرائع آمدنی پر زراعت و تجارت کو فوقیت حاصل ہے'' یعنی جو بات ایک فقرہ میں لکھی جا سکتی تھی اُس کو سر سیّد نے تین جملوں میں لکھا۔طولِ عبارت کا نام سلیس سادہ نثر نہیں ہے۔ذرا خط کشیدہ ''ذریعوں''، ''ظاہراً'' اور ''حاوی'' پر بھی غور کر لیجئے کہ ذوقِ سلیم پر کانٹوں کی طرح چبھ رہے ہیں اور بے محل غیر مانوس الفاظ کے استعمال کی وجہ سے جملوں کو پڑھ کر طبیعت اُوب رہی ہے۔ذہن مطلب کی طرف راغب نہیں ہو رہا ہے۔ادبی زاویہ سے بھی ''ظاہراً'' اور ''ذریعوں'' کا استعمال عیب سے پُر ہے۔فنی اعتبار سے بھی ''فوقیت'' کے مفہوم کو لفظ ''حاوی'' لکھ کر اُردو نثر کو سولھویں صدی عیسوی کی طرف پھینک دیا ہے۔یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ سر سیّد زبان و بیان پر دسترس نہیں رکھتے تھے، ''فوقیت'' کا مفہوم ''حاوی'' سے پورا نہیں ہوتا ہے۔دوسرا یہ کہ الفاظ کے برمحل استعمال کرنے پر بھی قادر نہیں تھے۔پھر بھی اُن کے حواری اُن کو جدید اُردو نثر کا بانی کہیں تو انصاف کا قتل عمداً ہے۔یہاں میں حسنؔ بریلوی کی نثر سلیس سادہ کا

نمونہ پیش کر کے اہل ذہانت سے انصاف کا طالب ہوں۔

حضرت سیدنا امام حسین کے مدینہ منورہ سے رخصت ہونے کی توجیہہ حسنؔ بریلوی سلیس سادہ نثر میں تحریر فرماتے ہیں، دو نمونے ملاحظہ فرمائیے:

(الف) ''اگر امام کو مدینہ چھوڑنے پر قتل کر دیا جاتا تو قتل ہونا منظور فرماتے اور مدینہ سے باہر پاؤں نہ نکالتے مگر مجبوری کا کیا علاج کہ امام کے فاقہ کش سپاہیوں کو قضا مہار پکڑے اُس میدان کی جانب لیے جاتی ہے جہاں قسمت میں پردیسیوں کے قتل ہونے اور پیاسوں کے شہید کئے جانے کا سامان جمع کیا ہے۔''

خط کشیدہ عبارت پر غور کیجئے ''فاقہ''، ''قضا'' اور ''مہار'' کے استعمال سے حسنؔ بریلوی نے مدینہ منورہ سے حضرت امام حسین کے رخصت ہونے کی توجیہہ کو کس قدر مؤثر انداز میں بیان کیا ہے، ساتھ ہی بیان کی لطافت بھی محسوس کیجئے۔ ایسی مثال ادب اُردو میں نایاب ہے۔

حسنؔ بریلوی اُردو کے مایہ ناز ادیب ہی نہیں ہیں بلکہ عالم دین اور مبلغ اسلام بھی ہیں۔ دشمنانِ حسین کے اعتراضات کا جواب دینا بھی اُن کی منصبی ذمہ داری ہے۔ حسنؔ بریلوی کی مذکورہ عبارت کو ذہن نشین رکھئے اور پھر خوارج کے اعتراض کو یاد کیجئے۔ سوچئے خوارج نے واقعہ کربلا کے لئے حضرت امام حسین کو ہی ذمہ دار قرار دیا۔ خوارج کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین کو وصیت کے مطابق مدینہ منورہ سے اہل کوفہ کی دعوت پر کوفہ جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ پس خوارج کے واہیات اعتراض کا حسنؔ بریلوی نے مدلل جواب دے دیا اور اُس اعتراض کا اس طرح ردّ فرمایا کہ ناظر کو یہ محسوس بھی نہ ہوا کہ کسی گمراہ فرقہ کا ردّ فرما رہے ہیں۔ حسنؔ بریلوی کی اس توجیہہ کے بعد اگر غیر جانب دار ناظر خوارج کے اعتراض کو سنے گا تو شعوری طور پر وہ اُن کے اعتراض سے کوئی اثر قبول نہیں کرے گا۔ حسنؔ بریلوی کا اندازِ بیاں نفسانی ہے جو انسان کے صرف دل و دماغ کو ہی متاثر نہیں کرتا بلکہ انسان کی نفسیات کو بھی صالح خطوط پر متاثر کرتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے مکہ معظمہ سے مدینہ شریف کو ہجرت کی خبر پا کر اہل مدینہ کے

شوقِ انتظار اور ذوقِ دیدار کے منظر کو حسنؔ بریلوی نے سلیس سادہ نثر میں تحریر فرمایا۔ پڑھئے اور اُٹھا کر سرسیّد کی سلیس سادہ نثر سے موازنہ کیجئے۔

(ب)''مسرت آمیز اُمنگوں نے جوش مارا، اور آنکھوں میں شادیٔ عید کا نقشہ کھینچ گیا، آمد آمد کا انتظار لوگوں کو آبادی سے نکال کر پہاڑوں پر لے گیا۔ منتظر آنکھیں...... کی راہ کو جہاں تک اُن کی نظر پہنچتی ٹکٹکی باندھ کر تکتے اور مشتاق دل ہر آنے والے کو دُور سے دیکھ کر چونک پڑتے، جب آفتاب غروب ہوجاتا گھروں کو واپس آجاتے۔''

حسنؔ بریلوی کی نثر سلیس سادہ اپنی زبانِ حال سے خود ہی بول رہی ہے کہ الفاظ کا جامہ پہنے واقعات کے پیکر شعور کے پردوں پر جلوہ آراء ہیں۔

نثر سلیس رنگین:

حسنؔ بریلوی نے جیسے شوخ اشعار کہے ویسی ہی رنگین سلیس نثر بھی لکھی۔ دونوں باتوں کا اجتماع عموماً دیکھنے کو نہیں ملتا ہے مگر آپ کی ذات میں دونوں خوبیاں بدرجۂ اَتم پائی جاتی ہیں۔ آپ نے واقعۂ کربلا پر اپنے تاثرات رقم کرتے ہوئے سلیس اور رنگین زبان استعمال کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''واقعاتِ شہادت پر نظر جاتی ہے تو حسرت کی آنکھوں سے آنسو نہیں، لہو کی بُوندیں ٹپکتی ہیں اور خدا کی بے نیازی کا عالم آنکھوں کے سامنے چھا جاتا ہے۔''

حسنؔ بریلوی کی سہل اندازی دیکھئے۔ مطلب کو واضح کرنے کے لئے مناسب الفاظ کی رعایت یعنی ''آنکھوں سے آنسو'' اور ''لہو کی بوندیں'' ملاحظہ کیجئے پھر اس دردناک واقعہ کے ساتھ ہی ''خدا کی بے نیازی'' اور آنکھوں کی مناسبت سے ''بے نیازی کا عالم آنکھوں میں چھا جاتا'' اس بات کی علامت ہے کہ ہم کو صبر کرنا چاہیے۔ مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

رجب علی سرورؔ:

لکھنؤ اسکول کے نمائندہ ادیب رجب سرورؔ نے بھی 'سلیس رنگین نثر' کو استعمال کیا ہے مگر

حسنؔ بریلوی اور سرورؔ کے درمیان جو فرق ہے اُس کا اندازہ سرورؔ کی نثر سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔سرورؔ لکھتے ہیں:

''اس سال نیا ساز و سامان ہے۔شب برات بہار سے دست و گریباں ہے۔ باغبانِ اَزل دفینۂ چمن نکالے گا، بوٹا پتا جوبن لگائے گا۔''

سرورؔ نے ایک ہی بات کو دو جملوں میں بیان کیا ہے جس سے ذہن اُلجھ جاتا ہے کہ نثر نگار کیا تاثر دینا چاہتا ہے، یہ ایک دَم محسوس نہیں ہوتا ہے۔اس کے برعکس حسنؔ بریلوی جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ اُن کی رنگین عبارت میں بھی بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے اور عبارت لکھنے کا اصلی مقصود بھی یہی ہوتا ہے۔آپ کی ایک اور عبارت ملاحظہ کرنے سے پہلے پس منظر کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔یزید پلید نے جعدہ سے سازش کر کے حضرت امام حسن کو زہر دلوایا اور اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اُس کو اپنی بیگم بنالے گا۔اس قول و قرار کو حسنؔ بریلوی دیکھئے کس رَوانی سے بیان کرتے ہیں کہ ناظر پڑھتے ہی اُس کی بدبختی پر لعنت بھیجنے لگتا ہے۔

''وہ شقیہ (جعدہ) بادشاہ بیگم بننے کے لالچ میں شاہانِ جنت کا ساتھ چھوڑ کر سلطنت عقبیٰ سے منہ موڑ کر جہنم کی راہ پر ہوئی۔''

مناسبتِ الفاظ اور اُن کی رعایت کا حسین اِمتزاج حسنؔ بریلوی کے مذکورہ بالا نمونہ میں قابل صد تحسین ہے۔نثر سلیس ہونے کے باعث ذوقِ سلیم آسانی سے سمجھ لیتا ہے کہ حسنؔ بریلوی کی زبان و بیان پر گرفت انتہائی مضبوط ہے۔''بادشاہ بیگم'' کے مدّ مقابل ''شاہانِ جنت'' اور ''سلطنت عقبیٰ'' کے مدّ مقابل ''جہنم'' کے استعمال سے عبارت تاثیر سے بھر جاتی ہے۔فنّی اعتبار سے عبارت انتہائی مؤثر ہے، مناسبت الفاظ اور رِعایت لفظی کے اعتبار سے انگوٹھی میں نگینہ کی مانند حسین ہے۔حضرت امام حسن کی منکوحہ ہونے کے ناطہ جعدہ کی فضیلت یعنی ''شاہانِ جنت'' کا ساتھ اور امام حسن کو زہر دینے کے جرم کی سزا ''جہنم'' جیسے الفاظ سے ظاہر کر کے جعدہ کی بدبختی کو اس انداز میں ظاہر کیا کہ ناظر کا دل و دماغ عبارت پڑھ کر جعدہ کی تحقیر کے جذبہ سے لبریز ہو جاتا ہے۔اس مقام پر حسنؔ بریلوی اپنی نثر نگاری کی بہار دکھاتے ہوئے فخر سے فرماتے ہیں:

''ایسے بادشاہ جن کے مقدس سر پر دونوں عالم کی حکومت کا چمکتا تاج رکھا گیا۔
ایسے رِفعت پناہ جن کے مبارک پاؤں کے نیچے تخت الٰہی بچھایا گیا۔''

''سر'' کی مناسبت سے ''تاج''، ''پاؤں'' کی مناسبت سے ''تخت'' اور ''پاؤں کے نیچے'' کی رعایت سے ''رِفعت پناہ'' کا استعمال جہاں زور پیدا کرتا ہے، وہیں نثر کو رنگین بھی بنا دیتا ہے۔ ذوق اور رنگینی کے باوجود نثر سلیس ہے جس میں سرورؔ کی طرح کوئی ادبی نقص نہیں ہے۔ وہیں سرسیّد کی طرح حشو و زوائد کا عیب ان کی نثر میں نہیں ہے۔ ادائیگی مفہوم کی خاطر حشو و زوائد کا جواز اُردو کے ادیبوں کے یہاں ہے مگر اس جواز سے ادیب کی ادبی مہارت و فنکارانہ صلاحیت پر حرف آتا ہے۔ حسنؔ بریلوی کی نثر حرف گیری کے عیب سے پاک ہے۔ حشو و زوائد اور اس سے پیدا ہونے والا عیب سرسیّد اور اُن کے حواریوں کو مبارک ہو۔ حسنؔ بریلوی نے خدا داد صلاحیت سے ثابت کر دیا کہ باصلاحیت ادیب حشو و زوائد کے نہ جواز کے قائل ہیں نہ حشو کے آگے مجبورِ محض ہیں بلکہ ایک اُستادِ کامل کے سامنے حشو و زوائد اُس کی فنّی صلاحیت کے آگے فوت ہو جاتے ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمانے سے قبل پس منظر جان لیجئے۔ حضرت نافع ہلال مرادی میدانِ کربلا میں مزاحم بن حرث کے مقابل آئے۔ آپ نے مزاحم بن حرث کو قتل کر دیا۔ اس جدال و قتال کو حسنؔ بریلوی نے انتہائی سلیس مگر رنگین زبان کا استعمال کرتے ہوئے مختصر جملہ میں یوں تحریر کر دیا:

''نافع ہلال مرادی میدان میں آئے مزاحم بن حرث انکارِ مزاحم ہوا، مرادی بامراد نے اس نامراد کو قتل کیا۔''

عبارت کی سلاست اور اس کے ساتھ رنگینی ملاحظہ فرمایئے۔ مزاحم بن حرث کی حرکت کی مذمت ''نامراد'' کے لفظ سے کی یعنی واصل جہنم ہوا۔ اور نافع ہلال مرادی کی دادِ شجاعت اَدا کرنے کو ''بامراد'' کے لفظ سے ظاہر کیا۔ پھر یہاں ادبی لطف یہ بھی قابل غور ہے کہ ''مرادی'' کی رِعایت سے ''بامراد'' کتنا لطف آفریں مفہوم پیدا کر رہا ہے یعنی حسنؔ نے ان کو عقبیٰ کی کامیابی کا مستحق قرار دیا۔

آپ کا مذکورہ جملہ ادبی لطافت وندرت سے پُر ہے۔ ''مرادی'' کی رِعایت لفظی ''بامراد'' کی رِعایت سے ''نامراد'' کے الفاظ لکھ کر اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی نے حق اُستادی بھی اَدا کردیا۔

مناسبات:

محاکات کا بیان انتہائی مشکل کام ہے۔ اہل علم بخوبی واقف ہیں یہ مشکل اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتی ہے جب سلیس رنگین نثر میں لکھنا پڑے۔ یہ وہ مشکل اور سنگلاخ راہ ہے کہ بڑے بڑے پھسل گئے۔ اس راہ میں آپ حالیؔ کو ''بے حال'' اور سرسیّد کو ''بے سر'' دیکھیں گے تو ابوالکلام کو زبان وبیان کی دسترس سے ''آزاد'' پائیں گے مگر حسنؔ بریلوی اس سنگلاخ راہ کو بھی آسانی سے پار کر جاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے، تلمیذ داغؔ کی مہارتِ تامہ۔

میدانِ کربلا میں ابن جوزہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوا۔ اس حملہ کی کیفیت حسنؔ بریلوی کی زبان سے سن کر زبان منہ پر پھیرے ہی بن پڑتی ہے، فرماتے ہیں:

''ابن جوزہ نے حضور کی طرف گھوڑا چمکایا، قدرت خدا کی گھوڑا بھڑکا اور یہ اُچھلا، ایک پاؤں رِکاب میں اُلجھ کر رہ گیا اور اب گھوڑا اُڑا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس مردود کی ران اور پنڈلی ٹوٹی، سر پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا، آخر اسی حال میں واصل جہنم ہوا۔''

عبارت کی رنگینی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب گھوڑا دوڑانے کو ''چمکایا'' اور گھوڑے کے گھبرا کر دوڑنے کو ''اُڑا چلا جاتا'' کے الفاظ سے تعبیر کر کے سر کے بُری طرح مجروح ہونے کو ''پاش پاش'' کے لفظ سے بیان کیا۔ چمکا، بھڑکا، اُچھلا، اُڑا وغیرہ الفاظ استعمال کر کے نثر کو مقفّیٰ بھی بنا دیا۔ علاوہ ازیں نثر کی سادگی کو بھی برقرار رکھا اور حسنِ بیان کو بھی حسین بنا دیا ہے۔

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ سلیس رنگین نثر میں اظہارِ مقصود ناظر کے دل و دماغ میں پیوست کرنے کے لئے مناسبات کے لحاظ سے رِعایت لفظی کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ رِعایت لفظی کا

اہتمام اس طرح کرنا چاہئے کہ بیان میں تصنع نہ محسوس ہو، ورنہ رِعایت لفظی سلیس رنگین نثر میں عیب پیدا کر دیتی ہے۔ حسنؔ بریلوی نے اظہارِ مطلب میں مناسباتِ الفاظ کے ساتھ رِعایت لفظی کا شاندار اہتمام کیا اور اس طرح کیا کہ اظہار مبنی بر حقیقت محسوس ہوتا ہے۔ تصنع و بناوٹ کے عیب سے ان کی نثر یہاں پر بھی اپنے دامن عصمت کو محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ ذیل کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

''تشنہ کاموں پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔''

غور فرمایئے ''تشنہ'' کی مناسبت سے ''مینہ برسانا'' عبارت میں حسن و اَثر پیدا کر رہا ہے۔ دوسری طرف ''تشنہ کاموں'' کی رِعایت سے ''تیروں کا مینہ'' اہل بیت کی مظلومیت اور یزیدیوں کی بربریت و حیوانیت کو آشکار کر رہا ہے یعنی مجاہدین اسلام پر پانی بند کر دیا گیا۔ پیاسے مجاہدین کو اپنے نرغہ میں لے کر اُن پر تیروں سے یورِش کر رکھی ہے۔

حسنؔ بریلوی کی تصانیف میں ادب عالیہ کے اعلیٰ نمونے اتفاقیہ نہیں ہیں، ان کا اُسلوب اور طرزِ بیان ادب عالیہ کو جنم دیتا ہے۔ مذکورہ بالا جملہ مختصر ہے مگر اس مختصر جملہ میں حسنؔ بریلوی نے سلاست و رنگینی کی بہار پیدا کی ہے اور یہ صرف اتفاقیہ نہیں ہے میرے اس دعوے پر شاہد ہے۔ اُستاد حسنؔ کی نگارشات ملاحظہ کیجئے۔ میدانِ کربلا میں شمر مردود حسینی کاروان پر حملہ کر کے خیمۂ اَطہر کے قریب پہنچا اور جنت والوں کا خیمہ نذرِ آتش کرنا چاہا، شمر کے اس اِرادۂ بد کو حسنؔ بریلوی کی زبان میں ملاحظہ کیجئے:

''شمر مردود حملہ کر کے خیمۂ اَطہر کے قریب پہنچا اور جنت والوں کا خیمہ پھونکنے کو جہنمی نے آگ مانگی۔''

حسنؔ بریلوی کی نثری قدرت ملاحظہ فرمائیے ''خیمۂ اطہر'' کی مناسبت سے ''جنت'' اور خیمۂ اطہر میں آگ لگانے کی مناسبت سے ''جہنمی'' کتنا برمحل ہے۔ اس کے ساتھ ہی قابل غور یہ اَمر بھی ہے کہ عبارت میں ثقل کا عیب پیدا نہیں ہوا۔ اظہارِ جذبات اور مقصودِ اظہار کے مدّنظر انتہائی کامیاب جملہ ہے۔ عبارت کو پڑھتے ہی اہل بیت کرام سے عقیدت ومحبت کے جذبات

موجیں مارنے لگتے ہیں اور شمر سے نفرت کے جذبات بل کھاتے ہیں۔

میدانِ کربلا میں حسینی قافلہ کی مظلومیت اور یزیدیوں کا ظلم حسینیوں کا مرضیٔ مولا پر شاکر، صابر رہنا معروف ہے۔ اس عنوان پر اُردو کے ادیبوں نے مختلف انداز اور متعدد زاویوں سے لکھا ہے مگر حسنؔ بریلوی یہاں اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں۔ انھوں نے جس اُسلوب اور انداز سے اس عنوان پر لکھا وہ اُردو میں کسی اور ادیب کے یہاں نہیں ملتا۔ اہل بیت کے صبر کا اظہار اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حسنؔ بریلوی کی نثر سے لطف اندوز ہونے سے قبل پس منظر کو یاد رکھئے۔ حضرت نافع بن ہلال کو گرفتار کر کے شہید کرنے کی غرض سے شمر نے شمشیر اُٹھائی، اس نازک گھڑی میں حضرت نافع کا صبر و شکر آپ سے سنئے۔ حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ شمر کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

''اُس خدا کے لئے تعریف ہے جس نے ہماری موت بدتر انِ خلق کے ہاتھ پر لکھی۔''

لفظ ''تعریف'' لکھ کر حضرت نافع بن ہلال کا مرضیٔ مولا پر صبر و شکر اور شمر کے لئے ''بدتر انِ خلق'' کا استعمال کر کے حضرت نافع کے عزم و استقلال کے ساتھ ہی شمر کی مذمت ظاہر کر دی۔ الفاظ کا رَکھ رَکھاؤ اور محل کے اعتبار سے مناسب الفاظ کا نثر میں انتخاب کرنا اہل اُردو حسنؔ بریلوی سے سیکھیں، ان کی نگارشات کو پیش نظر رکھیں تو صحیح معنی میں اُردو نثر لکھنے کی مہارت حاصل ہو سکتی ہے۔

شگفتگی و وَارفتگی:

اہل بیت اَطہار کے میدانِ کربلا میں شہید ہونے پر اپنے تاثرات عقیدت و محبت کے آبگینوں میں سجا کر حسنؔ بریلوی ناظرین کے سامنے پیش کرتے۔ ان تاثرات کے اظہار میں شگفتگی بھی ہے اور وَارفتگی بھی اور یہ کیفیت لطیف اُردو کے ادیبوں کے یہاں عنقا ہے۔ حسنؔ بریلوی کا گلزار اس حیثیت سے بھی سدا بہار ہے۔ تلمیذ دآغ کے گلزار کی سیر کرنے سے قبل پس منظر یاد رکھیے۔ کم سن شہزادے راہِ مولا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظروں کے سامنے شہید

کیئے جاتے ہیں۔ اس رُوح فرسا حادثہ پر حسنؔ بریلوی کے تاثرات وَارفتگی سے پُر ہیں اور اظہارِ تاثرات میں اندازِ شگفتگی سے جھوم رہا ہے۔ آپ کے حسین قلم کی بانکی اَدا حقیقت میں ادب اُردو کے اَسالیب کی شان ہے، ملاحظہ فرمایئے:

''کلیجے کے ٹکڑے خون میں نہائے آنکھوں کے سامنے پڑے ہیں۔ ہری بھری پھلواری کے سہانے اور نازک پھول پتی پتی ہو کر خاک میں ملے ہیں اور کچھ پروا نہیں، ہوتی تو کیوں ہوتی کہ راہِ دوست میں گھر لٹانے والے اسی دن کے لئے مدینہ سے چلے تھے۔''

خط کشیدہ الفاظ کو ملاحظہ فرمایئے کہ زبان و بیان کی شگفتگی کے ساتھ جذبات کی وارفتگی اگر حزن وملال کا ہجوم بن کر دل و دماغ پر چھاتی ہے تو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عزم و استقلال کا جلوہ وجدانی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ ہمارے ناظرین یقیناً بھولے نہیں ہوں گے کہ حسن بریلوی کا ادبی وفنی کمال نثرِ سلیس رنگین میں ظاہر ہو رہا ہے۔

غالبؔ سے لے کر مہدی افادی تک اُردو کے ادیبوں نے مختلف انداز اور زاویوں سے رات کے مناظر بیان کیے ہیں مگر جس ندرت وسلاست اور رَعنائی کے ساتھ اُستاذِ زمن نے مناظرِ شب کو بیان کیا ہے وہ ان کا ہی حصہ ہے اور ہونا بھی چاہئے کیوں کہ ہمارے ادیبوں کو شب بیداری کی نعمت کا لطف کہاں میسر! سنجیدہ ہوئے تو لمبی تانے خراٹوں کے میوزک سے اپنی شب کو جگائے رہے اور خدانخواستہ رنگین مزاج ہوئے تو اُم الخبائث کی صحبت نے مفلوج محض بنا کر کیلاش پربت کی سیر کرائی مگر حسنؔ بریلوی اُردو کے شاعر ادیب یا مصنف ہی نہیں تھے، وہ عالم باعمل عابد شب بیدار بھی تھے۔ اُن کی زندگی تقویٰ ووَرع سے معمور تھی۔ انھوں نے اپنی عارفانہ نگاہوں سے شب کو کیف آور وسُرور کن اُداس دیکھا تھا۔ انھوں نے مظاہر قدرت کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کو اپنی زندگی میں سمویا تھا۔ اسی لئے رات کی منظرکشی میں بیان کی پاکیزگی اور انداز کی طہارت حسنؔ بریلوی کے یہاں پائی جاتی ہے جس کی مثال ادب اُردو میں کسی دوسری جگہ آپ نہ

پا یئے گا۔ چند مثالیں عرض کرتا ہوں:

(الف)''آفتاب غروب ہوگیا۔اورمحرم کی دوسری رات کا چاند اپنی ہلکی ہلکی روشنی دکھانے لگا دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ٹھہرے۔اب مشرقی کناروں سے اندھیرا بڑھتا آتا ہے اور بزم فلک کی شمعیں روشن ہوتی جاتی ہیں۔فضائے عام کے سیّاح اور خدا کی آزاد مخلوق چرند و پرند چہچہا چہچہا کر خاموش ہو گئے۔زمانے کی رفتار بتانے والی گھڑی اور عمروں کا حساب سمجھانے والی جنتری اسلامی سن کی تقویم جسے قدرت کے زبردست ہاتھوں نے عرجون القدیم کی حد تک پہنچا دیا ہے۔کچھ اپنی دل کش اَدائیں دکھا کر رُو پوش ہو گئی۔تاریکیوں کا رنگ اب اور بھی گہرا ہوگیا۔''(رسائل حسن،ص ۲۲۱)

آمد شب کی سُبک رفتاری کی منظر کشی اُس دَور میں کی گئی ہے جب اُردو زبان نشو ونما پا رہی تھی۔اُنیسویں صدی کے نصف آخر کی اُردو نثر کے خلاف یہ فردِ جرم لگائی جاتی ہے کہ اُس دَور کی اُردو نثر سلاست ولطافت سے محروم تھی۔کاش کہ تھانۂ اُردو کے داروغہ اُردو نثر پر فردِ جرم لگانے سے پہلے حسنؔ بریلوی کی تصانیف کا مطالعہ کر لیتے۔آپ کی نثر سلاست اور لطافت کا مخزن ہے۔رنگینی کے ساتھ ہی اَثر وتاثیر کا منبع ہے۔پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اُنیسویں صدی کے نصف آخر تک اُردو زبان پیروں سے چلنا نہیں جانتی تھی۔ہم اہل انصاف سے درخواست کرتے ہیں کہ اُستاذِ زمن کی مذکورہ بالا عبارت کو پڑھ کر اُردو نثر پر لگائی گئی فردِ جرم کو کالعدم قرار دے کر ترقی اُردو کا سہرہ حسنؔ بریلوی کے سر باندھیں تا کہ اُردو نثر کی صحیح تاریخ مستقبل کا مؤرخ لکھ سکے۔حسنؔ بریلوی رات کی سُبک رفتاری بیان فرمانے کے بعد رات کی کیفیت رقم فرماتے ہیں:

(ب)''نگاہیں جو تقریباً دو گھنٹے پہلے دنیا کی وسیع آبادی میں دُور کی چیزوں کو باطمینان تمام دیکھ اور پرکھ سکتی تھیں،اب تھوڑے فاصلے پر بھی کام دینے سے اُلجھتی بلکہ ناکام رہ جاتی ہیں۔''(رسائل حسن،ص ۲۲۱)

تاریکیٔ شب کا انتہائی عروج بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(ج) ''اور اگر کچھ بھی نظر آجاتا تو رات کی سیاہ چلمن اسے صاف معلوم ہونے سے روکتی ہے۔ وقت کے زیادہ گزرنے اور بول چال کے موقوف ہوجانے نے سناٹا پیدا کردیا ہے۔ رات اور بھی بھیانک ہوگئی ہے۔ شب بیدار ستاروں کی آنکھیں جھپکی پڑتی ہیں۔ نیند کا جادو زمانہ پر چل گیا ہے۔'' (رسائل حسن ص ۲۲۱)

خط کشیدہ عبارت کو بار بار پڑھئے قال حال میں بدل جاتا ہے۔ دل کیف سے دماغ سُرور سے چٹخارہ لیتا ہے۔ تاثراتی کیفیت کا بیان اور وہ بھی انتہائی حسین ورنگین پھر سلیس نثر میں اس میدان میں بھی اُستاذ حسنؔ بریلوی اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ زبان کی سلاست، بیان کی لطافت، محاورہ کی رنگینی کے ساتھ ہی مقصد اظہار کی مکمل تفسیر تلمیذ داؔغ نے کردی۔ اس اندازِ بیان پر قربان جایئے اور اس احسان فراموشی پر سر دُھنئے کہ محسنین اُردو کی فہرست میں جس کا نام سر فہرست ہونا چاہئے تھا اُس کا نام سرے سے غائب ہے۔

حسنؔ بریلوی ایک اور زاویہ سے رات کی منظر کشی کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

(د) ''شعبان کی چوتھی رات کے تین پہر گزر چکے ہیں اور پچھلے پہر کے نرم نرم جھونکے سونے والے کو تھپک تھپک کر سُلا رہے ہیں۔ ستاروں کے سنہرے رنگ میں کچھ کچھ سپیدی ظاہر ہو چکی ہے۔ اندھیری رات کی تاریکی اپنا دامن سمیٹنا چاہتی ہے۔ تمام شہر میں سناٹا ہے نہ کسی کے لوٹنے کی آواز کان تک پہنچی ہے نہ کسی چلنے والے کی چہل پہل سنائی دیتی ہے۔ شہر بھر کے دروازے بند ہیں۔ ہاں خاندانِ نبوت کے مکانوں میں اس وقت بیداری ہو رہی ہے۔''

کیفیت فطری:

خط کشیدہ فقروں کو پڑھیے۔ فقرے کیا ہیں حقیقت میں معنویت کے حسین مرقع ہیں جن میں ادبیت اپنی پوری آن بان سے جلوہ فرما ہے۔ ان تمام محاسن کے ساتھ ہی اندازِ بیان فطری ہے۔ آدھی رات گزرنے کے بعد نیند کی جو کیفیت ہوتی ہے اُس کا اظہار ''نرم نرم جھونکے'' اور

''تھپک تھپک'' کے استعمال سے کیفیت فطری کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ کیفیت فطری کا بیان بھی اُس دَور میں حسنؔ بریلوی کر رہے ہیں جب اُردو کمسن تھی اور ''ٹھیک طور پر اس کو بولنا نہیں آتا تھا۔'' یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کمسن کی پرورش کس نے کی؟ اس کو ٹھیک ٹھیک بولنا کس نے سکھایا؟ اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی کی نگارشات کو پڑھ لو، صحیح جواب خود بخود برآمد ہو جائے گا۔

بہر کیف کیفیت فطری کا بیان انتہائی مشکل ہے اور مشکل اُس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب مصنف اس کو سادہ الفاظ میں ظاہر کرنا چاہتا ہے مگر تلمیذ داغ کی ادبی مہارت اور فنی جلالت کے سامنے مشکلات پانی بھرتی نظر آتی ہیں۔ کیفیت فطری کے نفس مضمون کو وہ اس خوش اُسلوبی سے ظاہر کرتے ہیں کہ عبارت کی دلکشی اور زبان و اَدا کی دل فریبی ناظر کے سامنے تاثیر کا سماں باندھ دیتی ہے۔ حسنؔ بریلوی کی نثر میں وضاحت بھی ہے اور فصاحت و بلاغت بھی، صَرف ونحو کی خامیاں ان کے یہاں نہیں پائی جاتیں۔ ان کی نثر ادب عالیہ کا بہترین شاہکار ہے۔ افسوس بساطِ اُردو پر ''بونوں'' نے قبضہ جما کر اپنی شعبدہ بازیوں سے عوام کو لُبھا کر قد آور شخصیتوں کی طرف دیکھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ بونوں کی سجائی محفل میں قد آور اور سنجیدہ و باوقار شخصیتوں نے قدم رکھنا باعث ننگ و عار سمجھا۔ اس لئے کل بھی تاریخ نثر اُردو غیر مکمل تھی اور آج بھی غیر مکمل ہے اور اُس وقت تک غیر مکمل رہے گی جب تک اُردو نثر کے معماروں اور محسنوں کو بساطِ اُردو پر ہم صحیح مقام نہیں دیں گے۔

اجمالی جائزہ:

آج ادب اُردو کی ہتھیلی پر جو لوگ سرسوں جمائے بیٹھے ہیں، اُن کی نثر کے نمونے پیش کر کے انصاف طلب کرتا ہوں۔ برائے کرم اُستاذِ زمن پر میری گزارشات کو یاد رکھئے اور کلیجہ تھام کر سنئے۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق:

اُردو کے معروف قلم کار مولوی عبدالحق جنہیں ''بابائے اُردو'' لکھا جاتا ہے اور اُن کی شان

میں لغویات پر مبنی مبالغہ آمیز نثری قصیدے لکھے جاتے ہیں۔ یہاں ہم مولوی صاحب کے نثری نمونے کو لکھ کر اہل انصاف کے فیصلے کے طالب ہیں۔ ''بابائے اُردو'' عبدالحق ہیں تو پھر ہمیں بتایا جائے ''دادائے اُردو'' کون ہے؟ مولوی صاحب مذکورہ نو آموز اہل قلم پر چوٹ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض نوجوان انشاء پردازوں کو مصنف بننے کی اس قدر عجلت ہوتی ہے کہ ان کے کارناموں میں ایسی قابل افسوس خامیاں رہ جاتی ہیں جو صرف محنت وغور کرنے سے رَفع ہوسکتی ہیں۔''

مولوی صاحب کی خط کشیدہ عبارت توجہ طلب ہے۔ لفظ ''کارنامہ'' تحسین وتعریف استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر ''بابائے اُردو'' کے نزدیک خامیوں سے پُر کام بھی ''کارنامہ'' ہوتا ہے۔ افسوس مولوی صاحب مناسب حال لفظ نہ لکھ سکے مولوی صاحب کو ''کارنامہ'' کی جگہ ''کام'' لکھنا چاہئے تھا کہ غلط بھی ہوسکتا ہے اور صحیح بھی۔ ''کام'' کا لفظ صرف تعریف کے مفہوم کو اَدا کرنے کے لئے نہیں بولا جاتا ہے لیکن ''کارنامہ'' تعریف کے مفہوم ومطالب میں استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ''بابائے اُردو'' اپنے مطلب ومقصود کو ظاہر کرنے کے لئے مناسب الفاظ کے انتخاب کرنے سے معذور ہیں۔ اس لئے اُن کی عبارت میں نقص لفظی ومعنوی ہے اور طولِ کلامی کا عیب تو الفاظ کی بھر مار سے خود ہی ظاہر ہے۔

مولوی شبلی نعمانی:

جب ''بابائے اُردو'' اظہارِ بیان میں بُری طرح مجبور ومعذور ثابت ہو چکے ہیں تو پھر ''آلِ اُردو'' کا حال کیا ہوگا اور اُن کی ادبیت کتنی ناقص ہوگی۔ ہر صاحب عقل قیاس کرسکتا ہے مگر اہل لغت کی زبان گنگ کرنے لئے کاشت میں خود رَو پیداوار کی پیدائش، شبلی کی ''الفاروق'' معروف تصنیف ہے۔ یہ شبلیؔ صاحب وہی ہیں جن کو بونے ''عناصر خمسہ'' میں شمار کرتے ہیں۔ ''الفاروق'' کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے اور شبلی کو داد دیجئے یا پھر اہل انصاف سے انصاف کی

فریاد کیجئے:

''حضرت عمر کو صرف اپنے دستِ بازو کا بل تھا۔''

خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے ''دستِ بازو'' کے ساتھ ''بل'' کا استعمال انتہائی بوجھل ہے جو ذوقِ سلیم کو کاٹ کھانے کے لئے دوڑتا ہے۔ جانے دیجئے ذوقِ سلیم کو، ذوقِ سلیم بساطِ اُردو کے بونوں کو بھلا کہاں نصیب۔

''دستِ بازو'' خلاف محاورہ ہے، یہ وہ عیب ہے جو ادبی ذوق رکھنے والا بآسانی محسوس کر سکتا ہے۔ اُردو میں ''قوتِ بازو'' مستعمل ہے اور یہی صحیح ہے۔ قوت کے مفہوم و مطالب کو ظاہر کرنے کے لئے شبلیؔ نے ''بل'' کا استعمال کیا یہاں ''بل'' بھی خلافِ رواج ہے۔ لفظ ''دست'' فقرہ کو مکروہ بنا رہا ہے اور معنوی اعتبار سے بھی ''دست'' کا استعمال حشو ہے۔ شبلیؔ سے یہ غلطی اتفاقیہ سرزد نہیں ہوگئی ہے۔ وہ تو مبہم عبارت لکھنے میں مشّاق تھے پھر بھی اُردو کے ''عناصر خمسہ'' میں سے ایک تھے۔ شبلی کی ایک اور معروف تصنیف ''موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ'' ہے۔ نام ہی سے موضوع ظاہر ہے اس تصنیف میں شبلیؔ صاحب رقم فرماتے ہیں:

''مدت سے میں ایسے شاعر پر لکھنا چاہتا تھا جو اُردو شاعری کا بلند مرتبہ ثابت کر سکے۔''

شبلیؔ جی کا اصلی مقصد کیا ہے؟ مذکورہ عبارت سے بالکل واضح نہیں ہوتا ہے۔ آیا شاعری سے اُردو زبان کا بلند مرتبہ ثابت کرنا چاہتے ہیں یا کسی شاعر کے متعلق کچھ لکھ کر اس کا مرتبہ بلند کرنا چاہتے ہیں عبارت لایعنی، مبہم اور اُلجھی ہوئی ہے جس کے باعث عبارت اَثر سے بالکل خالی ہوگئی ہے۔ شبلیؔ صاحب کا مقصودِ اصلی کیا ہے اس بات کو شبلیؔ اپنے الفاظ سے ظاہر کرنے میں معذور ہیں پھر بھی اُردو کے مسلّم الثبوت اساتذہ کی قطار میں کھڑے کر دیئے گئے۔ کیا عبارت کو پڑھ کر برملا نہیں کہا جا سکتا ہے کہ شبلیؔ زبان و بیان کے ذریعہ اظہارِ مطلب کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے؟ دیکھئے خیالات کا اظہار بخوبی اس طرح کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی کی عبارت شائستگی سے پُر، تاثرات کے اظہار سے بھرپور۔

''اللہ اکبر! آج مالکِ کوثر کے گھر میں اتنا پانی بھی نہیں کہ بے ہوش بہن کے منہ پر چھڑکا جائے۔''

حسنؔ بریلوی کی عبارت میں کہیں جھول ہے اور نہ سُقم۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں انتہائی سادگی اور سلاست سے کہہ دیتے ہیں۔ جذبات کے اظہار میں زور اور تاثیر پیدا کرنے کے لئے ''مالک کوثر'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ خط کشیدہ فقرہ کو نکال دیجئے پھر بھی بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے مگر رنگینی و لطافت نہیں پیدا ہوتی۔ اسی لئے حسنؔ بریلوی نے خط کشیدہ فقرہ سے اپنے جذبات کے اظہار کا آغاز کیا جس نے عبارت کو اَثر و تاثیر سے بھر دیا۔

مہدی افادی:

مہدی افادی کے مکتوبات کو اُن کا ادبی کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ اُن کے بیان اور اُن کی زبان کے متعلق لاف و گزاف پر مبنی مبالغہ آرائی کو دربارِ شاہی کے شیخ چلّی سن لیتے تو وہ بھی شرمندہ ہو جاتے۔ مہدی افادی کا ادبی نمونہ ملاحظہ فرمایئے جس سے بونوں کی شعبدہ بازی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مہدی افادی اپنی بیوی کو لکھتے ہیں:

''دیکھو پھر بُو کا ایک جھونکا آیا اُس میں شمیم عطر کی لپٹ معلوم ہوتی ہے جو تمہارے بالوں سے اُڑائی گئی ہے۔''

خط کشیدہ الفاظ کو پڑھ کر آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ مہدی افادی صاحب مہمل عبارت لکھنے کے عادی ہیں اُن کو نہ تو تراکیب کے استعمال کا سلیقہ آتا ہے نہ ہی نثر کے عیوب سے واقفیت ہے۔ پھر بھی بقول شیخ چلّی جناب اُردو کے ''محسن اعظم'' اور زبان و بیان کے ''سکندر'' ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کسی گونگے کو ''فصیح البیان'' کہہ دیا جائے۔ اب افادی صاحب کے حواریوں سے کون پوچھے بھائی ''شمیم عطر'' کون سی ترکیب ہے۔ اس ترکیب کی کوئی دوسری مثال بھی ہے؟ افادی صاحب کی رُوح تو جواب دیتی نہیں، اُن کا کوئی نیاز مند ہی بتائے کہ ''شمیم عطر'' کی غلط و بیہودہ ترکیب لکھ کر افادی صاحب کیا تاثر قائم کرنا چاہتے ہیں۔

''شمیم عطر کی لپٹ'' پڑھ کر تو ابکائی آجاتی ہے۔عطر کی خوشبو کے لئے ''لپٹ'' کا استعمال جتنا مکروہ ہے اُتنا ہی ادبی لحاظ سے مہمل بھی ہے۔خوشبو کے لئے اُردو میں ''بسنا'' لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے۔ذہن پر زیادہ زور دے کر افادی صاحب کی عبارت پر غور کیا جائے تو انکشاف ہوتا ہے کہ بات انتہائی مختصر تھی مگر بے محل الفاظ کی بھرمار نے فقرہ کو بھڑوں کا چھتہ بنا دیا جس کے باعث عبارت کی رعنائی جھلس گئی اور تاثیر کی مٹی پلید ہوگئی۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی کی بھی ایک عبارت نقل کر دی جائے تاکہ جائزہ کا حق پورا ہو سکے آپ کی نثر کو پڑھنے سے قبل اس کے پس منظر کو ذہن نشین رکھیے۔نویں ذی الحجہ کی صبح کو خانۂ کعبہ کے گرد جلوۂ دیدار کے مشتاق والہانہ انداز میں نثار ہو رہے ہیں یعنی مصروف طواف ہیں۔اس رُوح پرور سماں کو حسنؔ بریلوی نے رقم فرما کر اظہارِ بیان پر اپنی دسترس اور مہارت کو ثابت کر دیا ہے۔ملاحظہ فرمایئے:

> ''کعبہ کا دلکش بناؤ کچھ ایسی دل آویزی کا سامان اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے کہ لاکھوں کے جمگھٹ میں جسے دیکھئے شوخی بھری نگاہوں سے اسی طرف دیکھ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ پردے کے چلمن سے کسی محبوب دل نواز کی پیاری پیاری تجلیاں چھن چھن کر نکل رہی ہیں۔''

خط کشیدہ الفاظ کو دیکھئے غلاف کعبہ کے متعلق اُستاذِ زمن کے تاثرات کا حقیقی لطف تو اہل حقیقت و معرفت ہی حاصل کر سکتے ہیں۔زبان و بیان کی شگفتگی اور اظہارِ حقیقت کی خوش اُسلوبی دیکھ کر کیوں نہ دل سینہ میں مچل جائے۔اظہارِ جذبات و تاثرات کے اعتبار سے اور زبان و بیان کے ساتھ ہی طرز و اُسلوب کے لحاظ سے بھی تلمیذ داؔغ کے نثری شاہ کار اُردو کے ادب عالیہ کی جان ہیں۔

حافظ محمود شیرانی:

حافظ محمود شیرانی اُردو کے معروف ادیب و نقاد اور مؤرخ ہیں۔آپ اُردو اور پنجابی کے

افعال کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس فعل کا قاعدہ اُردو پنجابی میں بالکل ایک ہے۔''

شیرانی صاحب نے ''بالکل ایک'' لفظ کا استعمال کر کے مقصدِ بیان کو اُلجھا دیا۔ کاش کہ شیرانی صاحب ''صرف ایک'' کا استعمال کرتے تو اُن کا مقصد واضح ہو جاتا اور جو تاثیر وہ ناظر کو دینا چاہتے ہیں، آسانی سے دے سکتے اور اپنے اوپر الزام بھی نہ آنے دیتے کہ ''شیرانی صاحب کو اظہارِ مقصد پر دسترس حاصل نہیں۔''

زبان و بیان پر شیرانی صاحب کی دسترس کا حال آپ نے ملاحظہ فرمایا شاید اسی لئے شیرانی صاحب ادب اُردو کی ''ناک'' ہیں۔ خیر شیرانی صاحب ناک ہوں ہمیں کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ نکٹی ناک ہیں۔ گستاخی معاف ہو، حقیقت تلخ لگتی ہی ہے۔

تاثیر کی گرمی اور زبان و بیان کی خوش اُسلوبی سے پُر اُستاذِ زمن کے چند فقروں کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کے فقرہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں تنہا رہ گئے تو ظالموں نے آپ کو گھیر لیا لیکن آپ نے دادِ شجاعت خوب خوب اَدا کی، تو مخالفین کی کثیر تعداد نے سنگ باری شروع کر دی، اُن ظالموں کی مذمت اُستاذِ زمن سے سنئے:

''جب اُن نامردوں کا اس اکیلے مردِ خدا پر کچھ بس نہ چلا، مجبور ہو کر چھتوں پر چڑھ گئے اور پتھر آپ کی طرف پھینکنے شروع کئے۔''

بزدل، کم ہمت وغیرہ الفاظ سے بھی ظالموں کی مذمت کی جا سکتی تھی مگر اُستاذِ زمن نے ''نامردوں'' کا لفظ اُن کی مذمت میں استعمال کر کے اُن کی تحقیر بھی کی اور عبارت کو بھی جان دار بنا دیا اور ''مردِ خدا'' لکھ کر عبارت کی شان کو بھی دوبالا کر دیا۔ موقع و محل کے مطابق الفاظ کے استعمال کا سلیقہ تو حسنؔ بریلوی نے ہی اہل اُردو کو سکھایا ہے ان کو زبان و بیان پر کامل دسترس حاصل ہے۔

ابوالکلام آزاد:

دین و مذہب سے ''آزاد'' کے ساتھ ''ابوالکلام'' کا سابقہ بھی لگا ہوا ہے۔ ادب شاہی کے شیخ

چلّی نے ابوالکلام آزاد صاحب کی اُردو دانی کے منثور قصیدے لکھ دیئے ہیں مگر حقیقت کیا ہے؟ ابوالکلام کے کلام میں کیا ''کلام'' ہے، ان کی مندرجہ ذیل عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ابوالکلام آزاد انگریزی حکومت کی پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جمعہ کے دن خطیب منبر کے سامنے ہمہ تن انتظار ہوگا کہ شملہ سے تار آجائے تو خطبہ پڑھنے کے لئے آمادہ ہو۔''

آزاد صاحب برمحل الفاظ لکھنے سے بھی قاصر ہیں پھر بھی ''ابوالکلام'' ہیں۔ افسوس یہ اُردو کی بدقسمتی ہے یا اُردو کی اَندھی تقلید پرستی۔ ابوالکلام آزاد نہ صرف مناسب الفاظ کے استعمال کے ہنر سے بے بہرہ ہیں بلکہ اپنے خیالات کے اظہار میں بھی گونگے کی مانند اُلجھ جاتے ہیں۔ خط کشیدہ فقرے کو بغور دیکھئے عبارت سے یہ بھی تو ظاہر ہوتا ہے کہ خطیب خطبہ پڑھنے کو تیار بیٹھا ہے۔ منبر پر سے اجازت کا انتظار ہے اجازت آجائے تو خطبہ پڑھنے کا آغاز کرے مگر ابوالکلام آزاد لفظ ''آغاز'' جو اس موقع پر نہایت مناسب وموزوں تھا، کا استعمال نہ کرکے ''آمادہ'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کا نہ محل ہے، نہ موقعہ کے اعتبار سے موزوں ہے۔ جملے کے تیور کے اعتبار سے ''آمادہ'' سے صحیح مفہوم ظاہر نہیں ہو رہا۔ ابوالکلام تاثر یہ ہی دینا چاہتے ہیں کہ خطیب اجازت آتے ہی خطبہ پڑھنے کا آغاز کرے گا مگر زبان وبیان پر دسترس نہ ہونے کے باعث لُولی لنگڑی زبان کو استعمال کرنا اُن کی مجبوری ہے۔

اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی کے نگارشات کو ملاحظہ فرمایئے عبارت میں جامعیت اور معنویت میں وسعت پایئے گا۔ بیان میں لطافت کی چاشنی، زبان میں شیرینی، اُسلوب میں رَوانی، طرز میں شائستگی، انداز میں شگفتگی اور جذبات میں وَارفتگی، سلیس و رنگین نثر میں ان سے زیادہ کہیں نہیں پایئے گا مقصد کے اظہار میں وہ مہارتِ کاملہ حاصل ہے کہ خیالات و جذبات کو الفاظ کا پیرہن پہنا کر مرقع نظروں کے سامنے حاضر کر دیتے ہیں۔

حسنؔ بریلوی نے اوّل تا آخر نثر اُردو کے ایجاد کی غرض و غایت کو ملحوظ رکھا اور اس کا استعمال تبلیغ اسلام اور اصلاح اعمال کے لئے کیا۔ ان کا قلم ذہنی تفریح یا ذہنی عیاشی کی لغویات، افسانوں یا ناولوں کے لئے نہیں چلا۔ وہ اسی صراط مستقیم کے لئے چلا جس کے لئے اسلاف کرام نے اُردو نثر کو جنم دیا تھا۔ ان کی تمام نگارشات میں مخاطب عوام ہیں اس لئے ان کی نثر سلاست و رَوانی سے پُر ہے۔ ان کی نثر صاف سلجھی ہوئی ہے وہ مشکل سے مشکل بات کو بخوبی آسان الفاظ میں لکھتے ہیں یعنی اُستاذِ زمن جدید اُردو نثر کے اُن بانیوں میں سے ایک ہیں جن کو ہم نے فراموش کر کے نثر کی تاریخ مکمل طور پر نہیں لکھی ہے۔ اب وقت آچکا ہے کہ دیانت کے دامن کو تھام کر نثر اُردو کی صحیح تاریخ لکھ کر ادب اُردو کے ساتھ وفا کریں۔

☆

حسن بریلوی کی نعتیہ شاعری

حسنؔ بریلوی بحیثیت نعت گو شاعر[1]

ارباب علم و دانش پر یہ اَمر مخفی نہیں کہ اصناف سخن میں نعت اپنے موضوع کے اعتبار سے بے حد نازک اور مشکل صنف سخن ہے۔ بقول عرفی شیرازی دم شمشیر پر چلنے کے مترادف ہے۔

ھشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن نعت شہ کونین و مدح کے و جم را

عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

ترجمہ: اے عرفی! تُو اتنی تیزی نہ دِکھا، یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرا نہیں ہے کہ تُو آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ آہستہ چلو کہ یہ ایک کٹھن راستہ ہے۔ اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔ ہوشیار!!! کہ ایک ہی ساز کی لَے پر رسول اللہ ﷺ کی مدح سرائی اور کے و جم (بادشاہوں کے القاب) قصیدے نہیں کہے جاتے۔

یہی سبب ہے کہ دُشوار گزار وادی میں قدم رکھنے کے لئے زبان و بیان پر قدرت کاملہ کے ساتھ بڑی احتیاط و ہوش مندی، عزم و حوصلے، جرأت و ہمت اور رسالت مآب ﷺ سے سچی محبت و عقیدت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس پر بھی ہر آن یہ خوف دامن گیر رہنا چاہئے کہ کہیں کوئی لغزش نہ سرزد ہو جائے اور نتیجے میں خرمن ایمان تباہ و برباد ہو کر نہ رہ جائے۔ بایں سبب ایک نعت گو شاعر کے لئے اس راہ میں اپنے جذبات و احساسات، اَفکار و خیالات اور عشق و شوق کی جنون خیزیوں پر عقل و شریعت کا پہرہ بٹھانا ناگزیر ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر کوئی ٹھوکر لگے بغیر ایک نعت گو شاعر کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اور سعادت ابدی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ نیز اس کا کلام نجات اُخروی کا ضامن بھی ٹھہرتا ہے۔ اس سلسلے میں اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی پر مبدءِ فیاض کا

[1] مولانا حضور احمد منظری (ایم-اے خطیب جامع مسجد شاہجہانپور) کا یہ مقالہ ماہنامہ سُنّی دنیا کے "مولانا حسن رضا نمبر" میں شائع ہوا تھا، ضروری ترامیم و اختصار کے بعد شامل کتاب کیا گیا ہے۔ مرتبین

خاص فضل و کرم رہا ہے۔ چنانچہ وہ ساری شرطیں جو نعت گو شاعر کے لئے لازم ہوتی ہیں کم وبیش آپ میں مجتمع ہوگئی تھیں۔ ایک معزز و ممتاز علمی گھرانے میں اِدراک وشعور کی آنکھیں کھولیں۔ مہذب، پاکیزہ اور دینی ماحول میں تعلیم وتربیت پائی۔ عشقِ رسول ﷺ کی دولت وراثت میں ہاتھ لگی۔ والد ماجد مولانا نقی علی خان و برادرِ کلاں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہما جیسی عبقری و نابغۂ روزگار شخصیات کی آغوشِ علمی میں ذہنی وفکری سمت سفر کا تعین ہوا۔ یہ سارے خارجی عناصر آپ کی ذات کو ستودہ صفات بنانے، آپ کے قلب کو سوز وگداز سے پُر کرنے اور آپ کے سینے کو علوم و معارف کا گنجینہ بنانے میں بڑے ہی مفید، معین اور مؤثر ثابت ہوئے۔ ایسے ماحول اور حالات میں آپ نے جب نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھا اور خوبیٔ قسمت سے مرزا داؔغ دہلوی جیسا قادرُ الکلام اور فصیح اللّسان اُستاد آپ کا مصلح و مربی ٹھہرا تو پھر آپ نے اس راہ میں وہ گل افشانیاں کیں اور طبع خداداد کے وہ جوہر دکھائے کہ اُردو کے نعتیہ ادب کا دامن ''ذوقِ نعت'' کی شکل میں ایک ایسے گنجینۂ بیش بہا سے مالا مال ہوگیا کہ اسے تہی دامنی کا کوئی گلہ باقی نہ رہا۔

''ذوقِ نعت'' کی ادبی اہمیت:

اُردو شعر وادب کو مرثیہ، مثنوی و دیگر اصناف سخن میں تو ہر دور میں بتدریج فروغ حاصل ہوتا رہا لیکن ادب میں نعت کو مستقل صنف سخن کا درجہ نہ دیے جانے کے باعث شعراء نے اس طرف بہت کم توجہ کی۔ نتیجتاً اُردو کی پیدائش کے اوّلین اور متوسط دَور میں اس مقدس اور پاکیزہ صنف نے کوئی خاص پیش رَفت نہ کی۔ لیکن موجود صدی عیسوی کا اوّلین دَور نعت گوئی کے حق میں بڑا ساز گار ثابت ہوا۔ اور اس صنف کو نئی جہت ملی یہ خوشگوار واقعہ دراصل اُس وقت رُونما ہوا جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نعت گوئی اور محبوب خدا ﷺ کی مدح وستائش ہی کو اپنی طبع آزمائی کا مرکز قرار دیا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' اور اُستاذِ زمن کے مجموعۂ کلام ''ذوقِ نعت'' نے ایک طرف جہاں اُردو کے نعتیہ ادب کے دامن کو گوہر مقصود سے بھر دیا، وہیں نعت گو شعراء کو نعت گوئی کا رجحان، صحیح مذاق سلیم اور ذوقِ لطیف بھی عطا کیا۔ ہر چند کہ اُس دَور میں محسنؔ کاکوروی اور دیگر بہت سے نامور اور ممتاز

نعت گو شعراء نکلے ہیں جن کی نعتیہ ادب کی راہ میں مخلصانہ خدمات سے انکار و اِعراض نہیں کیا جا سکتا۔لیکن نعت کو اُردو ادب میں مستقلاً ایک صنف سخن کی حیثیت سے عوام وخواص میں متعارف کرانے اور اُردو شعراء کو پورے اخلاص ومحبت اور ذوق وشوق کے ساتھ نعت گوئی کی طرف راغب کرنے کی تمام تر جدو جہد اور کامیابی کا سہرا انھیں دونوں بزرگوں کے سر ہے۔اس کا اعتراف مؤرخین وناقدین نے بھی کیا ہے۔چوں کہ اس وقت ''ذوقِ نعت''موضوع بحث ہے اس لئے یہاں صرف اس کی ادبی حیثیت واہمیت کو اُجاگر کیا جائے گا۔

اس سے قبل کہ میں ''ذوقِ نعت'' کی ادبی خوبیوں اور اس کے فنّی کمالات کے بارے میں اپنی بساطِ علمی کے مطابق کچھ عرض کروں قارئین یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اُستاذِ زمن ایک ایسے جیّد اور متبحر عالم دین تھے جن کے دل میں شریعت اسلامی کا حد درجہ پاس ولحاظ تھا۔ایک ایسا عالم دین جو گداز قلب اور وَارفتگیٔ شوق کے ساتھ پاسبانِ شریعت کا درجہ رکھتا ہو۔وہ جب شاعری کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو پھر وہ صرف اور صرف حقیقت بیانی سے کام لیتا ہے۔وہ وہی کہتا ہے جو اُس کے دل پر گزرتی ہے۔وہ وہی بات نظم کرتا ہے جو وہ اپنی مشاہداتی قوت کے ذریعہ محسوس کرتا ہے۔اُس کی شاعری غزل اور قصیدہ کی طرح مبالغہ سے پُر،محض تصوراتی اور تخیلاتی اور سفلی جذبات کی ترجمان نہیں ہوتی بلکہ حقیقت بیانی سے لبریز اور صداقت وخلوص کا مظہر ہوتی ہے۔ایک عالم شاعر یہ رَوِش اس لئے اختیار کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں وہی شاعر محمود ومقبول اور مستحسن ہے جو صداقت کی منہ بولتی تصویر ہو۔اور ایسے ہی حق گو شاعر اللہ اور اُس کے رسولِ محترم ﷺ کے نزدیک اَجروثواب اور انعاماتِ اُخروی کے مستحق ہوتے ہیں۔وہ شاعری جو کذب بیانی اور مبتذل و رَکیک خیالات وتصورات سے مملو ہو،وہ اسلام کے نزدیک سخت معیوب ہی نہیں،معتوب اور لائق مذمت بھی ہے چنانچہ ایسے ہی کذّاب شاعر قرآن کی زبان میں گمراہ اور ہر وادی میں بھٹکنے والے ہیں۔شاعری کے میدان میں اس اَمر کا عموماً نعت گو شعراء ہی خاص لحاظ رکھتے ہیں کیونکہ صنف نعت کی پاکیزگی اس بات کی متقاضی بھی ہے کہ وہ صداقت اور حقیقت بیانی کی منہ بولتی تصویر ہو۔

اس پس منظر میں جب ہم ''ذوقِ نعت'' کا جائزہ لیتے ہیں تو پورا مجموعہ اوّل تا آخر صداقت اور حقیقت بیانی کا عکاس نظر آتا ہے۔ تصنع، تکلف، جھوٹ یا غیر حقیقت بیانی کی کہیں ایک ہلکی سی جھلک بھی دکھائی نہیں پڑتی۔ اس مقصدیت کے باوصف سلاست وفصاحت، آمدو برجستگی، شیرینی وحلاوت، سوز وگداز، شوکت الفاظ، ندرت تراکیب، تلمیحات وتمثیلات اور صنائع لفظی و معنوی جیسے اوصاف اور محاسن شعری آپ کے کلام میں بدرجۂ اَتم پائے جاتے ہیں جنھوں نے ''ذوقِ نعت'' کی ادبی حیثیت کو بلند سے بلند تر کرنے میں نمایاں کردار اَدا کیا ہے۔ ذیل میں چند اشعار قلم بند کئے جاتے ہیں جن میں مذکورہ بالا خوبیاں اپنی تمام تر رَعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ یہ اشعار فکر وفن کی بلندی کو چھونے کے ساتھ حبیب کبریا ﷺ سے آپ کی والہانہ عقیدت ومحبت کے بھی عمدہ نمونے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

دل کے آئینہ میں جو تصویرِ جاناں لے چلا
محفل جنت کی آرائش کا ساماں لے چلا

تسلیم میں سر، وجد میں دل، منتظر آنکھیں
کس پھول کے مشتاق ہیں مرغانِ حرم آج

اُن کے گدا کے دَر پہ ہے یوں بادشاہ کی عرض
جیسے ہو بادشاہ کے دَر پر گدا کی عرض

نہ کیوں کر ہو اس ہاتھ میں خدائی
کہ یہ ہاتھ تو ہاتھ ہے کبریا کا

جب تری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی
جان لینے کو دلہن بن کے قضا آئی ہے

خاکِ طیبہ پر مجھے اللہ موت دے
وہ مُردہ دِل ہے جس کو نہ ہو زندگی عزیز

فکر و فلسفہ:

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اُستاذِ زمن نے ایک ممتاز ترین علمی گھرانے میں شعور و آگہی کی آنکھیں کھولیں تھیں اور اپنے عہد کے جلیل القدر علمائے دین کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے اور اُن کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ اس لئے یہ اَمر لازمی تھا کہ آپ عالمانہ فکر و شعور کے حامل ہوتے چنانچہ آپ کے اسی عالمانہ فکر و شعور کا نتیجہ ہے کہ ''ذوقِ نعت'' میں بہت سے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو فکر انگیز ہونے کے ساتھ فلسفیانہ رنگ و آہنگ میں بھی ڈوبے ہوئے ہیں۔ عموماً علمی و فلسفیانہ مضامین خشک ہوتے ہیں، اسی لئے اس کو اشعار کے قالب شعریت کو برقرار رکھتے ہوئے ڈھالنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ آپ نے اس سمت بھی اپنی قادرُ الکلامی کے ایسے اَن مٹ اور لافانی نقوش چھوڑے ہیں جو اَربابِ فکر و نظر سے خراجِ تحسین وصول کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس نوع کے چند اشعار ضیافت طبع کے لئے حاضر خدمت ہیں۔ پڑھیں اور اُستاذِ زمن کی جودتِ فکر کو داد دیں۔ ؎

چار اَضداد کی کس طرح گرہ باندھی ہے ناخن عقل سے کھلتا نہیں عقدہ تیرا

سچ ہے انسان کو کچھ کھو کے ملا کرتا ہے آپ کو کھو کے تجھے پائے گا جویا تیرا

اُونچی ہو کر نظر آتی ہے ہر اک شے چھوٹی جا کر خورشید بنا چرخ پہ ذرّہ تیرا

خدا کرنا ہوتا جو تحت مشیّت خدا ہو کر آتا یہ بندہ خدا کا

آخری شعر مفہوم و مقصد کے اعتبار سے بڑا ہی اچھوتا اور معنی خیز ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اُردو زبان کا نعتیہ ادب آج تک ایسے بلند پائے کا شعر پیش کرنے سے قاصر رہا ہے۔ اس شعر میں اُستاذِ زمن نے جس حسن و خوبی اور کمال چابک دستی کے ساتھ علم کلام کا سہارا لے کر اور اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ ''بعد اَز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' آقائے نامدار سیّد الاخیار والابرار روحی فداہٗ علیہ التحیۃ والثناء کی تعریف و توصیف کی ہے، وہ آپ ہی کا حق تھا۔

عشقِ رسول ﷺ:

ایک مومن کامل کی پوری زندگی حقیقی معنوں میں عشقِ رسول ﷺ سے عبارت ہوتی ہے

اور یہ جذبۂ عشق اُس کے قلب کو ایسا گداز عطا کرتا ہے اور شمع نبوت کا ایسا والہ وشیدا بنا دیتا ہے کہ پھر اُس کے نزدیک دنیائے فانی کی رعنائیاں گلشن ہستی کی رنگینیاں اور بہشت بریں کی عقل وقیاس سے ماوراز یبائیاں سب کی سب بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس کے لئے یہ ساری دل رُبا و دل کش چیزیں اپنی کشش کھو بیٹھتی ہیں۔ اسے اگر سکون ملتا ہے تو مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے ذکر وتذکرہ میں، اُسے اگر کسی چیز میں کشش محسوس ہوتی ہے تو گلزارِ طیبہ کے خاروں میں، اگر وہ بربطِ ہستی پر کوئی نغمہ چھیڑتا ہے تو وہ نغمہ صرف رسولِ اقدس ﷺ کی مدحت سرائی کا آبشار ہوتا ہے۔ اُس کا خانۂ دل اگر کسی کے جلووں سے معمور ہوتا ہے تو صرف پیارے نبی ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کے جلووں سے۔ اُسے اگر کسی شے پر فخر وناز ہوتا ہے تو وہ صرف سرمایۂ عشق رسول ﷺ ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہی سرمایۂ عشق دنیا میں بھی اس کے کام آنے والا ہے، قبر و حشر میں بھی، میزان و پل صراط پر بھی اگر وہ تڑپتا ہے تو صرف محبوب خدا ﷺ کی یاد میں کیونکہ یہ تڑپ ایسی لذت بخش اور رُوح پرور ہوتی ہے کہ وہ ایک لمحہ بھی اس لذت حیات بخش سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ اُستاذِ زمن ایک ایسے عاشق رسول تھے کہ تاجدار نبوت ﷺ کا عشق آپ کے سینے میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غالباً یہی سبب ہے کہ آپ کے نعتیہ کلام کا ایک ایک شعر صداقت، سادگی اور جوش کے ساتھ آپ کے اَنیس بے کساں ﷺ سے والہانہ لگاؤ اور وارفتگی شوق کا مظہر بھی ہے۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر ایک مکمل نعت پیش کی جارہی ہے جس میں کیف وسُرور بھی ملے گا، جذبۂ عشق کی حرارت بھی ملے گی، اور صحرا نوردانِ عشق رسول کے زخمی دِلوں کی تسکین کا سامان بھی ملے گا۔ ملاحظہ فرمائیں:

سیر گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے دَر تمہارا چھوڑ کر

سر گزشتِ غم کہوں کس سے تیرے ہوتے ہوئے
کس کے دَر پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر

کون کہتا ہے دلِ بے مدعا ہے خوب چیز
میں تو کوڑی کو نہ لوں اُن کی تمنا چھوڑ کر

کس تمنا پر جیئں یا ربّ اسیرانِ قفس
آ چکی بادِ صبا باغِ مدینہ چھوڑ کر

بخشوانا مجھ سے عاصی کا رَوا ہو گا کسے
کس کے دامن میں چھپوں دامن تمہارا چھوڑ کر

حشر میں ایک ایک کا منہ تکتے پھرتے ہیں عدو
آفتوں میں پھنس گئے اُن کا سہارا چھوڑ کر

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے دَر پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

خلاصۂ کلام "ذوقِ نعت" اُستاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کیف ونشاط سے معمور نعتوں، دل کش و دل آویز سلاموں، ایمان اَفروز حمد ومنقبت اور چند بلند پایہ قطعات و رُباعیات پر مشتمل ایک ایسا گراں قدر اور بیش بہا مجموعۂ نعت ہے جو فنّی وشعری اَوصاف ومحاسن کا مکمل آئینہ دار ہونے کے باعث قابل قدر ادبی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کی ادبی اہمیت وافادیت سے صَرفِ نظر کرنا کسی بھی انصاف پسند مؤرخ یا نقاد کے لئے ممکن نہیں۔

☆

اُستاذِ زمن کی نعتیہ شاعری کی ایک جھلک[1]

جس طرح چمن میں رنگ برنگ کے پھول کھلتے ہیں اور رونق چمن کے ضامن ہوتے ہیں، اسی طرح گلشن شعر وسخن میں بھی نوع بہ نوع اور قسم ہائے قسم کے پھول کھلے جو اپنی عطر بیزی، دل فریبی، دلکشی، دل آویزی اور پاکیزہ خوشبو سے پورے ماحول کو معطر کرتے رہے۔

حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور نظم میں مدح وستائش اور تعریف وتوصیف کی روایت بہت پرانی ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت حسنؔ بریلوی تک شعراء ذوی الاحترام کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے جو اپنے اپنے عہد گرامی میں آفتاب وماہتاب بن کر اُفق شاعری پر جگمگاتے رہے اور نعت کی شکل میں عشق وعقیدت، اُلفت ومحبت اور لب ولہجہ کی انفرادیت کے ساتھ کیف وسُرور نغمہ وترنم کا وجد آفریں انقلاب برپا کرتے رہے۔

حسنؔ بریلوی اپنے وقت کے جیّد عالم وفاضل، صاحبِ تصانیف کثیرہ اور اپنے عہد کے معروف ومقبول شاعر بھی تھے۔ بہت ہی جگر کاوی اور جان سوزی سے ایک مدت تک شعر وادب کے گیسو سنوارتے رہے۔ ''ثمر فصاحت'' اور ''ذوقِ نعت'' کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپ کو تمام اَصناف سخن پر یکساں مہارت وقدرت حاصل تھی۔ حسنؔ بریلوی کی شاعری اُن کی فکری توانائی، فن کی پختگی اور تخیل کی پاکیزگی کی غماز اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عشق ووَارفتگی کی مکمل ترجمان ہے۔ حسین کنایات، خوب صورت اِستعارات وبلیغ تشبیہات، زبان کی سادگی وپُرکاری، اُسلوبِ بیان کی رَعنائی، الفاظ کی موزونیت اور مضامین کی جامعیت آپ کے کمالِ فن کا بیّن ثبوت ہیں۔

پروردگارِ عالم نے جہاں آپ کو بہت سی خوبیاں بخشی تھیں وہیں عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] مقالہ نگار: مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفرپوری، مدیر مسئول ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ

وافر دولت بھی حصہ میں آئی تھی۔ عشق کے سوز کو جب زبان مل گئی تو شعر کے پیکر میں ڈھلتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری رِوایتی نہیں بلکہ مکمل عشق کی زبان اور دل کی آواز ہے جو سوزشِ محبت بن کر عمر بھر یادِ رسول میں تڑپنے کا مزہ دیتی رہی۔ آپ نے اس تڑپ کو نہ صرف جان سے زیادہ عزیز رکھا بلکہ سینے سے لگا کر اس سے آخرت کا سامان فراہم کرتے رہے۔ یہ ان کا عشق ہی تو ہے کہ کوئے نبی سے دُور رہ کر انھیں اپنی زندگی پھیکی اور بے نور معلوم ہو رہی ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

اُن کے دَر پہ موت آجائے تو جی جاؤں حسنؔ　　اُن کے دَر سے دُور رہ کر زندگی اچھی نہیں

اُس گلی سے دُور رہ کر کیا مریں ہم کیا جیئں　　آہ ایسی موت ایسی زندگی اچھی نہیں

بلا شبہ آپ کی شاعری تصنع اور بناوٹ سے منزّہ اور پاک ہے۔ آپ کے کلام میں صداقت کی خوشبو اور رسول ہاشمی ﷺ سے سچی محبت وشیفتگی اور حقیقی سوز وگداز کا اہم عنصر ہر جگہ موجود ہے۔ زبان وبیان کی دلبری، فکر وخیال کی بلندی اور تقدیس ذہن کی شیفتگی کے ساتھ رُموز واَسرار، حقائق ومعارِف اور عشق ومحبت کے چشمے اُبلتے ہیں۔ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں: ؎

نمازیں سب اَدا ہو جائیں گی اُس ایک سجدہ میں
نمازِ عشق سے سر اُٹھنے نہ پائے پائے جاناں سے

یہ سچ ہے کہ نعت گوئی کی راہ کانٹوں کا فرش ہے جس پر حسن وخوبی کے ساتھ چلنا اُسی شاعر کا حصہ ہے جس کا کمالِ فن شعور وآگہی کی توانائیوں سے لبریز ہو۔ شریعت پر گہری نظر ہو طبع مستقیم اور ذوقِ سلیم کا مالک ہو۔ شاعری کی جملہ اَصناف پر عمق نگاہی کے ساتھ ساتھ عشق رسول اُس کے ضمیر کی آواز اور دل کی دھڑکن ہو۔

شرعی نقطۂ نظر سے اُستاذِ زمن کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو آپ کی شاعری ہر شرعی گرفت سے محفوظ اور ہر طرح کے سُقم سے پاک ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''حسنؔ میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔ ان کو میں نے نعت گوئی کے اُصول بتا دیئے تھے۔ اُن کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رَچا کہ

ہمیشہ کلام اسی معیارِ اعتدال پر صادِر ہوتا۔ جہاں شبہ ہوتا مجھ سے دریافت کر لیتے۔"

ایک غزل میں یہ شعر خیال میں آیا: ؎

خدا کرنا ہوتا جو تحت مشیت خدا ہو کے آتا یہ بندہ خدا کا

میں نے کہا ٹھیک ہے یہ شرطیہ ہے جس کے لئے مقدم اور تالی کا امکان ضروری نہیں۔ اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اوّل العابدین'' (الزخرف، ۸۱:۴۳)

''اے محبوب تم فرمادو کہ اگر رحمٰن کے لئے کوئی بچہ ہوتا تو اسے سب سے پہلے میں پوجتا۔''

ہاں شرط وجزاء میں علاقہ چاہئے۔ وہ آیت کریمہ کی طرح یہاں بھی بروجہ حسن حاصل ہے۔[۱]

یہ تحریر پُرتنویر علم وفضل کے اُس مہر منیر کی ہے جس کی علمی شوکت اور فکری جلالت کا ڈنکا عجم سے لے کر عرب تک بج رہا ہے جن کی شخصیت دیگر علوم وفنون کی طرح میدانِ شاعری میں پیشوا اور امام کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی اس مبارک تحریر کے اُجالے میں اُستاذِ زمن علامہ حسنؔ بریلوی کی ذات شعر وسخن کے میدان میں بہت ہی بلند وبالا نظر آتی ہے۔

آپ اپنے نعتیہ کلام کی اصلاح اپنے برادرِ گرامی امام احمد رضا سے لیا کرتے تھے۔ ایک جگہ مقطع میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

بھلا ہے حسنؔ کا جنابِ رضاؔ سے بھلا ہو الٰہی جنابِ رضاؔ کا

آپ غزل کی اصلاح مرزا داؔغ دہلوی سے لیا کرتے تھے۔ مولانا حسرتؔ موہانی لکھتے ہیں کہ ''شاگردانِ مرزا داؔغ میں حسنؔ مرحوم بریلوی کا پایۂ شاعری بہت بلند تھا۔ وہ بجائے اُستاد خود اُستادِ مستند تھے۔'' (اُردوئے معلی، علی گڑھ)

اس تحریر سے بھی حضرت حسنؔ بریلوی کی شاعرانہ صلاحیت، فنی بصیرت، ادبی لطافت اور علمی کرّ وفر کی خوب خوب تائید ہوتی ہے۔

---

[۱] الملفوظ حصہ دوم، ص ۴۴

آپ کا غزلیہ دیوان ہو یا نعتیہ، ان میں سے ہر ایک آپ کے سوز و کرب، درد و اضطراب کا غماز، جذباتِ صادقہ کا بہترین مرقع اور وارداتِ عشق کا ایک پُر بہار چمن ہے جس میں آپ نے رسولِ گرامی ﷺ سے بے پناہ عشق و عقیدت اور والہانہ محبت کے ایسے ایسے پھول کھلائے ہیں کہ جس کی خوب صورتی، زیب و زینت اور حسن و دلبری پر تاج محل کی رعنائی سو جان سے قربان ہوا چاہتی ہے۔ ان کے عشق کا بانکپن آپ بھی ملاحظہ کیجئے:

خارِ صحرائے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے آ مری جان میرے دل میں ہے رستہ تیرا

اس شعر میں جہاں تغزل کی بھرپور چاشنی موجود ہے وہیں اُسلوبِ بیان کی دلکشی، زبان کی سادگی، عقیدت کی سرشاری، محبت کی لالہ کاری اور عشق کی نغمگی کی ایک دنیا آباد ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث لکھتے ہیں:

"نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اُتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا ساز گار ملے گی بھی یا نہیں اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو اُڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیے کہ وہ اور کامیابی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے۔"[1]

اس تحریر کے تناظر میں جب ہم اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی شخصیت ہر زاویے سے کامل و مکمل و اکمل نظر آتی ہے اور ایک بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے اُبھر کر نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عشق کے بہاؤ میں فن شاعری کا کوئی اُصول مجروح ہوا یا شریعت کے تقدس کو جراحت پہنچی ہو بلکہ آپ کی شاعری عشق رسول کی مکمل شرح و بیان ہونے کے باوجود حدِّ شرع کو متجاوز بھی نہیں ہے اور ہر شعر میں فن عروض کی کامل جلوہ گری بھی موجود ہے۔ عروض و قوافی کی روشنی میں اگر آپ کی شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو صنعت تلمیح بھی دیکھنے کو ملتی ہے اور صنعت تضاد بھی اور صنعت اقتباس بھی۔

صنعت تلمیح:

متکلم کا اپنے کلام میں کسی آیت، حدیث، کسی مشہور واقعہ یا کسی کہاوت کی طرف اشارہ کرنا

---

[1] لکھنو کا دبستان شاعری، ص ۴۹۷

مقصود ہو۔ اُستاذِ زمن فرماتے ہیں:

جو رکھتا ہے جمالِ مَن رَّانِی — اُسی منہ کی صفت ہے وَالضُّحٰی خاص
جو کچھ تری رِضا ہے خدا کی وہی رِضا — جو کچھ تری خوشی ہے خدا کو وہی عزیز
وہ گریۂ اُستن حنانہ کا آنکھوں میں پھرتا ہے — حضوری نے بڑھایا تھا جو پایہ اَوجِ منبر کا

....

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے — شام کو صبح بناتا ہے اُجالا تیرا
الٰہی تشنہ کام ہجر دیکھیں دشت محشر میں — برسنا اَبر رحمت کا، چھلکنا حوضِ کوثر کا
حسنؔ کیوں پاؤں توڑے بیٹھے ہو طیبہ کا رستہ لو — زمین ہند سرگرداں رکھے گی آسماں ہو کر

صنعت تلمیع:

کلام میں کسی دوسری زبان کا استعمال کرنا یا شعر کا ایک مصرعہ ایک زباں میں ہو، اور دوسرا مصرعہ دوسری زبان میں ہو۔ حسنؔ بریلوی فرماتے ہیں:

من رأنی فقد راء الحق — حسن یوں حق نما ہوا تیرا
سبقت رحمتی علیٰ غضبی — تُو نے جب سے سنا دیا یا ربّ
ہے اَنَا عِند ظنِّ عبدی بی — میرے ہر دَرد کی دَوا یا ربّ

صنعت اقتباس:

قرآن کی ایک آیت یا اُس کا جزو یا حدیث کا ٹکڑا لایا جائے۔

حسنؔ بریلوی لکھتے ہیں:

گدا خوش ہوں خیر لک کی صدا سے — کہ دن دُونی ہے بڑھتی دولت کسی کی
فترضٰی نے ڈالی ہیں باہیں گلے میں — کہ ہو جائے راضی طبیعت کسی کی
رفعنا لك ذکرك پر تصدق — سب اُونچوں سے اُونچی ہے رِفعت کسی کی
اُترنے لگے ما رمیت ید اللّٰہ — چڑھی ایسی زوروں پہ طاقت کسی کی
و رفعنا لك ذکرك کے چمکتے خورشید — لامکاں تک ہیں اُجالے تیری زیبائی کے
کشفِ رازِ من رأنی یوں ہوا — تم ملے تو حق تعالیٰ مل گیا

کہیں گے اور نبی اذھبوا الیٰ غیری   میرے حضور کے لب پر انا لھا ہو گا

صنعت تضاد:

ایک ہی شعر میں دو لفظ ایک جنس کے ہوں مگر معنی میں تضاد ہو۔ مثلاً اُستاذِ زمن فرماتے ہیں:

نمازیں سب اَدا ہو جائیں گی اُس ایک سجدہ میں
نیازِ عشق سر اُٹھنے نہ پائے پائے جاناں سے

اس شعر میں تلمیذ دؔاغ نے "پائے" کا استعمال دو بار فرمایا ہے مگر ہر ایک یہاں الگ الگ معنی میں ہے۔

اب اگر آپ کو مضامین کی آفرینی، جمال کی دلفریبی، تخیل کا بانکپن، جذبۂ عشق کی بے ساختگی، تغزل کی رعنائی، حسن سراپا کی تصویر کشی، جذبات کا تلاطم اور محبت کا والہانہ پن دیکھنا ہو تو ان اشعار کو پڑھئے، حسنؔ بریلوی عشق کے ساگر میں نہاتے، تیرتے اور ڈوبتے فرماتے ہیں:

بزم حشر میں بھی پیارے بے ترے رونق نہیں   انجمن آراء ہو اب اے انجمن آرائے عشق
بزم جاناں میں ہوئی ذلت تو کیا شکوہ حسنؔ   آبرو سے کچھ غرض رکھتا نہیں رُسوائے عشق

....

اُس چہرۂ پُر نور کی وہ بھیک تھی جس نے   مہر و مہ و انجم کو پُر اَنوار بنایا
دینی تھی جو عالم کے حسینوں کو ملاحت   تھوڑا سا نمک اُن کے نمکداں سے نکالا
کیا مہک ہے کہ معطر ہے دماغِ عالم   تختۂ گلشن فردوس ہے روضہ تیرا

مضامین کی بلندی اور فصاحت و بلاغت کی رعنائی ہر لمحہ قاری کو اپنی طرف لبھاتی نظر آرہی ہے۔ ہر ہر شعر سے عشق کا چشمہ اُبل رہا ہے۔ کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی زبان، نغمہ و ترنم اور موسیقیت میں ڈوبا ہوا عارفانہ کلام پڑھنے اور سننے والوں کے تارِ دل کو چھیڑ کر مست و بے خود بنا رہا ہے:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆

حضرت حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری ''ذوقِ نعت'' کے آئینہ میں [1]

حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا دیوان ''ذوقِ نعت'' کے نام سے ۱۹۰۷ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا، اُس وقت وہ حیات تھے۔[2] ظاہر ہے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا مطبوعہ دیوان دیکھ کر انھیں خوشی ضرور ہوئی ہوگی۔ ورنہ بہت سے شعراء اس کا ارمان دل میں لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ ابھی میرے سامنے ''ذوقِ نعت'' کا ایک نسخہ موجود ہے۔ میں شروع سے آخر تک اسے دیکھ گیا ہوں۔ اسے دیکھ کر ان کی فنی مہارت، قادرُ الکلامی اور فکر کی پختگی کا دل سے قائل ہونا پڑا۔ گلشنِ اَفکار اور چمنستانِ خیال کے اس مجموعہ میں ایک بندۂ مومن کے قلب ونظر کی تسکین کا سبھی سامان موجود ہے۔ شاعر محترم نے اپنی نعتیہ شاعری میں جن اَفکار وخیالات کا اظہار کیا ہے اور جس انداز میں اپنے قلبی تاثرات کو سطحِ قرطاس پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، ہر ایک کی جلوہ نمائی تو ممکن نہیں پھر بھی جو باتیں نمایاں نظر آتی ہیں اُن کا عکسِ جمیل سامنے رکھنے کی سعی تو ضرور کروں گا۔ اللہ کامیاب فرمائے۔

حمد باری تعالیٰ:

''ذوقِ نعت'' میں نعتوں سے پہلے دو حمد موجود ہیں جن میں شاعر نے خلاقِ کائنات اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تعریف وثنا کے کچھ پھول پیش کئے ہیں لیکن حمد کے شعروں میں بھی عام شاعروں سے ان کا انداز جداگانہ نظر آتا ہے۔ قدیم روِش سے ہٹ کر نیا اُسلوب اختیار

---

[1] مولانا شبنم کمالی (بہار، انڈیا) کا یہ مقالہ ماہنامہ سُنی دنیا کے مولانا حسن رضا نمبر میں شائع ہوا تھا، ضروری ترامیم و اختصار و تصحیحات کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ مرتبین

[2] یہ درست نہیں۔ حضرت حسنؔ بریلوی سفرِ حج سے واپسی پر اپنے نعتیہ دیوان کی ترتیب واشاعت میں مصروف ہوئے لیکن اسی دوران اُن کا وصال ہوگیا اور آپ کے غزلیہ اور نعتیہ دونوں دیوان بعد از وصال تقریباً ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئے۔ مرتبین

کر کے بعد والے لوگوں کو ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ دونوں سے صرف تین تین شعر حاضر ہیں۔

اِس بے کسی میں دل کو مرے ٹیک لگ گئی — شہرہ سنا جو رحمتِ بے کس نواز کا
مانند شمع تیری طرف لَو لگی رہے — دے لطف میری جان کو سوز و گداز کا
تُو بے حساب بخش کہ ہیں بے شمار جرم — دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا

....

فکر اَسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا — وصف کیا خاک لکھے خاک کا پُتلا تیرا
پھر نمایاں جو سر طور ہو جلوہ تیرا — آگ لینے کو چلے عاشق شیدا تیرا
چار اَضداد کی کس طرح گرہ باندھی ہے — ناخن عقل سے کھلتا نہیں عقدہ تیرا

آگ، ہوا، پانی، مٹی یہ چار عناصر ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں پھر ان چاروں ضدوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یکجا کر کے انسان کی تخلیق فرمائی۔ عقل انسانی اس ترکیب اور حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسی بات کی طرف آخری شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

تقسیم عنوانات:

نعتیہ شاعری کا مرکزی خیال اور محور خصوصی حضور سرور کونین ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اسی مرکز کے گرد اور اسی دائرہ میں پوری نعتیہ شاعری بقدر ظرف نظر، تجلیوں کا اکتساب کرتی رہتی ہے۔ ''ذوقِ نعت'' میں بھی یہی باتیں اپنے رنگ خصوصی اور اندازِ خاص کے ساتھ موجود ہیں۔ ہم ان کو تقریب فہم کے لئے چند عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر عنوان کے تحت چند اشعار نقل کریں گے:

حسن و جمالِ حضور ﷺ:

حضور ﷺ کے حسن و جمال کے بیان میں بھی ان کا انفرادی رنگ نمایاں ہے ؎

جو اک گوشہ چمک جائے تمہارے ذرّۂ دَر کا
ابھی ''منہ دیکھتا رہ جائے'' آئینہ سکندر کا

اگر جلوہ نظر آئے کف پائے منور کا
ذرا سا ''منہ نکل آئے'' ابھی خورشید محشر کا

پہلے شعر میں ''منہ دیکھتے رہ جانا'' محاورہ ہے اور ''آئینہ سکندر'' تلمیح ہے۔ دوسرے شعر میں ''ذرا سا منہ نکل آنا'' محاورہ ہے۔ محاوروں اور تلمیح کے ساتھ جو اندازِ بیان میں طمطراق اور دبدبہ کا اظہار ہے وہ بھی لائق ستائش ہے۔

سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے — شام کو صبح بناتا ہے اُجالا تیرا
آسماں گر ترے تلوؤں کا نظارہ کرتا — روز اِک چاند تصدق میں اُتارا کرتا
واہ اے عطر خدا ساز مہکنا تیرا — خوبرو ملتے ہیں کپڑوں میں پسینہ تیرا

یہاں بھی پہلے شعر میں تلمیح ہے پھر حسن حضور کی عکاسی دونوں شعروں میں واضح ہے تیسرے مصرع میں ''عطر خدا ساز'' ایک نئی اور نادر تشبیہ ہے۔ دو شعر اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بزم خوباں کو خدا نے پہلے دی آرائشیں — پھر مرے دولہا کو سوئے بزم خوباں لے چلا
تُو نے ہی تو مصر میں یوسف کو یوسف کر دیا — تُو ہی تو یعقوب کی آنکھوں کا تارا ہو گیا

اگر نورِ محمدی کا صدقہ اور حسن حضور کا جلوہ نہ ہوتا تو حسن و جمال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس مضمون کو دلکش انداز میں باندھنے کی سعی جمیل کی گئی ہے۔

ذکر سراپائے حضور:

مندرجہ ذیل اشعار میں جن اعضائے مقدسہ کا ذکر کیا گیا ہے، ہر ایک کی تشریح طویل ہو جائے گی، ان پر میں نے وضاحتی نشان لگائے ہوئے پہلو میں تحریر بھی کر دیا ہے۔ ہر ایک شعر پر توجہ کر کے شعر کی خوبیوں اور حسن بیان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

گلزار کو آئینہ کیا منہ کی چمک نے — منہ
آئینہ کو رُخسار نے گلزار بنایا — رُخسار
روئے مولیٰ سے اگر اُٹھتا نقاب — رُو (چہرہ)

چرخ کھا کر غش میں گرتا آفتاب
دیکھنے والوں کے دل ٹھنڈے کئے
عارِض انور ہے ٹھنڈا آفتاب — عارض
سر سے پا تک ہر اَدا ہے لاجواب — سراپا
خوبرویوں میں نہیں تیرا جواب
اُن کے دُرِّ دنداں کا وہ صدقہ تھا کہ جس نے — دنداں
ہر قطرۂ نیساں دُرِّ شہوار بنایا
یہ گردن پُر نور کا پھیلا ہے اُجالا — گردن
یا صبح نے سر اُن کے گریباں سے نکالا
ابروئے پُرخم سے پیدا ہے ہلالِ ماہِ عید — ابرو
مطلع عارض سے روشن بدرِ تابانِ جمال — عارض
تصور لطف دیتا ہے دہانِ پاک سرور کا — دہان
بھرا آتا ہے پانی میرے منہ میں حوضِ کوثر کا
یا خدا دیکھوں بہارِ خندۂ دنداں نما — دنداں
برسے کِشتِ آرزو پر اَبر نیسانِ جمال
لبِ جاں بخش کی قربت حیاتِ جاوداں دیتی — لب
اگر ڈورا نفس کا ریشۂ مسواک ہو جاتا
اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے — گیسو
اُن کے اَبرو نہیں دو قبلوں کی یکجائی ہے — ابرو
زلفِ حضور و عارِضِ پُر نور پر نثار — زلف
کیا نور بار شام ہے کیا جلوہ بار صبح — عارض

مذکورا شعار میں تشبیہات دل کش بھی ہیں اور جدید بھی۔ مثلاً آفتاب کا چرخ کھا کر غش میں

گرنا۔عارضِ اَنور کو ’’ٹھنڈا آفتاب‘‘ کے ساتھ تشبیہ دینا۔دُرِّ دندان کے صدقے ہر قطرۂ نیساں کا دُرِّ شہوار بن جانا۔حضور ﷺ کے گریبان سے صبح کے سر نکالنے، گردنِ پُر نور کے پھیلتے ہوئے اُجالا سے تشبیہ دینا۔ابروئے پُرخم کی ہلال ماہِ عید کے ساتھ تشبیہ دینا۔دَہانِ پاک کے تصور سے منہ میں حوضِ کوثر کا پانی بھر آنا۔خندۂ دندان نما کی بہار سے ؎کشتِ آرزو پر اَبر نیسانِ جمال کی بارش کی تمنا کرنا۔پھر یہ آرزو کتنی نادِر اور جدید ہے کہ میری رُوح کا تار، نفس کا ڈورا اگر حضور ﷺ کی مسواک کا ریشہ (تنکا) ہو جاتا تو حضور ﷺ کے جان بخشنے والے لب کی قربت حیاتِ جاوداں عطا کرتی۔دونوں اَبرو کو دو قبلوں کی یکجائی سے تشبیہ دینا، سب بڑی پیاری پیاری تشبیہات ہیں۔اس سلسلہ کا ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

جلوۂ موئے محاسن چہرۂ اَنور کے گرد آبنوسی رِحل پہ رکھا ہے قرآنِ جمال

یہ ایسی نادِر اور جاں فزا تشبیہ ہے کہ پڑھتے جائیے، ساتھ ہی دل، دماغ اور زبان کو ذکرو تصور سے شاد کام بناتے جائیے۔چہرۂ اَنور کی ’’قرآنِ جمال‘‘ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور چہرہ کے گرد حضور ﷺ کے خوبصورت بالوں کو ’’آبنوسی رِحل‘‘ سے مشابہ کیا گیا ہے۔رِحل وہ بھی آبنوسی، سیاہ لیکن سفیدی کی پوری چمک دمک لئے ہوئے کتنی پیاری تشبیہ ہے جس رِحل پر قرآن رکھا ہوا ہو اُس کا لطف صحیح معنوں میں وہی حاصل کر سکتے ہیں جنہوں نے کتاب روئے احمد کی تلاوت فرمائی ہو۔

ذکرِ ولادت حضور ﷺ:

حضرت حسنؔ بریلوی نے اس عنوان کے تحت تین مکمل نعتیں بھی کہیں ہیں اور بعض نعتوں میں ولادت کا ذکر آیا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر حضور ﷺ کی ولادت باسعادت نہیں ہوتی تو کائنات کو خلقت کا وجود نہیں ملتا۔اس لئے ولادت کے بعد سب کچھ ہے اور حضور سرورِ عالم ﷺ کی ذات گرامی ہی اصل وجود ہے۔حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’بوستان‘‘ میں حضور ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

حسنؔ بریلوی کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دونوں جہاں کی شاہی ناکتخدا دولہن تھی پایا دولہن نے دولہا صبح شب ولادت
چاندی ہے مفلسوں کی باندی ہے خوش نصیبی آیا کرم کا داتا صبح شب ولادت
قرباں اے دوشنبہ تجھ پر ہزار جمعے وہ فضل تُو نے پایا صبح شب ولادت

ان تین اشعار میں ندرتِ فکر اور جودتِ خیال پر نگاہِ خاص کے بعد آپ بھی تعریف کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ پھر دوشنبہ پر ہزار جمعوں کا قربان کرنا بھی ایک خاص رنگ ہے جس کی اہمیت سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں۔ پھر یہ اشعار اور اُن میں فصاحت و بلاغت کا انداز دیکھئے:

کیا مژدۂ جاں بخش سنائے گا قلم آج کاغذ پہ جو سو ناز سے رکھتا ہے قدم آج
نذرانہ میں سر دینے کو حاضر ہے زمانہ اُس بزم میں کس شاہ کے آتے ہیں قدم آج
تعظیم کو اُٹھے ہیں مَلک تم بھی کھڑے ہو پیدا ہوئے سلطانِ عرب شاہِ عجم آج

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ بارہویں ربیع الاوّل ہے جو متحقق بھی ہے اور مسلّم بھی۔ اس کی اہمیت کو شاعر عالی وقار اس طرح واضح کرتے ہیں۔

عدو ولادتِ شیطاں کے دن منائے خوشی کہ عید عید ہماری ہے بارہویں تاریخ
حسنؔ ولادتِ سرکار سے ہوا روشن مرے خدا کو بھی پیاری ہے بارہویں تاریخ

ان مذکورہ اشعار میں بدعقیدوں اور منکرین تعظیم نبی پر زجر و توبیخ مقصود ہے۔ انداز دلکش ہے، پھر یہ دو شعر بھی زیب نظر بنایئے۔

پیدائش محبوب کی شادی میں خدا نے مدت کے گرفتاروں کو زِنداں سے نکالا
صدقے ترے اے مردمک دیدۂ یعقوب یوسف کو تری چاہ نے کنعاں سے نکالا

رِفعت مدارِج و مقام حضور ﷺ:

اس عنوان پر چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

اُونچے اُونچوں کو ترے سامنے ساجد پایا کس طرح سمجھے کوئی رُتبۂ اعلیٰ تیرا

اُونچی ہو کر نظر آتی ہے ہر اک شے چھوٹی جا کے خورشید بنا چرخ پہ ذرّہ تیرا
جو ذرّے آتے ہیں پائے حضور کے نیچے چمک کے مہر کو وہ شرمسار کرتے ہیں
حسن یوسف دم عیسیٰ پہ نہیں کچھ موقوف جس نے جو پایا ہے پایا ہے بہ دولت اُن کی

اختیاراتِ حضور ﷺ:

اس عنوان کے تحت جو اشعار پیش کئے جار ہے ہیں وہ سلاستِ بیان اور سادگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان اشعار سے شاعر محترم کے حسن عقیدہ کا علم بھی ہوتا ہے۔

اللہ اللہ شہ کونین جلالت تیری فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری
یہ نہیں ہے کہ فقط ہے یہ مدینہ تیرا تُو ہے مختار، دو عالم پہ ہے قبضہ تیرا
کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے محبوب کیا مالک و مختار بنایا
عالم کے سلاطین بھکاری ہیں بھکاری سرکار بنایا تمہیں سرکار بنایا
کیوں نہ ہو تم مالک ملکِ خدا ملک خدا سب تمہارا ہے خدا ہی جب تمہارا ہو گیا

سخاوتِ حضور ﷺ:

مندرجہ ذیل اشعار میں سادگی بلاغت کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہے۔

کیوں اپنی گلی میں وہ روادارِ صدا ہو جو بھیک لئے راہِ گدا دیکھ رہا ہو
آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو
مرادوں سے تمہیں دامن بھرو گے نامرادوں کے غریبوں بےکسوں کا اور پیارے کون والی ہے
مرادیں مانگنے سے پہلے ملتی ہیں مدینہ میں ہجوم جُود نے روکا ہے بڑھنا دستِ حاجت کا

ذکر محشر در اُمید کرم:

حشر اور محشر کا ذکر دوسرے شاعروں کی طرح ان کے کلام میں بھی آیا ہے۔ مگر یہاں ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے یہاں نہ خوف واضطراب کا ذکر ہے اور نہ اپنی پریشانی اور بدحالی کا تذکرہ، نہ آہ و بکا کی صدائیں ہیں اور نہ یاس و نا اُمیدی کا انداز ہ بلکہ یہاں ایک ایسے بندۂ مومن

کا انداز ہے جسے اپنے آقا کی شفاعت پر یقین کامل ہو۔ اپنے لئے اور دوسرے صحیح العقیدہ مومن گناہ گاروں کے لئے بھی۔ اس یقین کے بعد وہ خوف محشر سے بے فکر نظر آتے ہیں اور عرصۂ محشر کو وہ سب سے الگ تھلگ ایک دوسرے ہی انداز سے دیکھتے ہیں۔ ذکر محشر میں اُن کا جو شعر بھی نظر آئے گا وہ اپنے اُسلوبِ بیان اور نظریۂ فکر کے اعتبار سے بڑا ہی پیارا تسلی بخش اور مطمئن سا دکھائی دے گا۔ ملاحظہ فرمائیے:

فقط اِتنا سبب ہے اِنعقاد بزم محشر کا
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

چین پائیں گے تڑپتے ہوئے دِل محشر میں
غم کسے یاد رہے دیکھ کے صورت تیری

ہوا دل سوختوں کو چاہیے تھی اُن کے دامن کی
الٰہی صبح محشر کا گریباں چاک ہو جاتا

مجمعِ حشر میں گھبرائی ہوئی پھرتی ہے
ڈھونڈنے نکلی ہے مجرم کو شفاعت تیری

روزِ محشر کے اَلم کا دشمنوں کو خوف ہو
دُکھ ہمارا آپ کو کس دن گوارا ہو گیا

بزم محشر منعقد کر مہرِ سامانِ جمال
دل کے آئینوں کو مدت سے ہے ارمانِ جمال

بزم محشر میں حسینانِ جہاں سب جمع ہیں
پر نظر تیری طرف اُٹھتی ہے اے جانِ جمال

آپ نے ان مذکورہ اشعار کو دیکھنے کے بعد خود ہی یہ اندازہ کرلیا ہوگا کہ حضرت حسنؔ بریلوی کا محشر اور انعقاد محشر کے بارے میں کیسا نظریہ اور کیسا خیال ہے۔ یہ نظریہ وفورِ محبت اور عقیدت کی بنا پر ہے۔ اسی عقیدت ومحبت نے دل کو خوفِ محشر سے دُور اور اطمینان وسکون سے بھرپور کر دیا

ہے۔اس ضمن میں چار اشعار اور بھی پیش نظر رکھیں ان میں محشر کا نقشہ نہایت سادگی کے ساتھ کھینچا گیا ہے جو حقیقت پر مبنی ہے اور حدیث حضور ﷺ کے مطابق ہے ۔

تمہارا نام مصیبت میں جب لیا ہو گا ۔۔۔ ہمارا بگڑا ہوا کام بن گیا ہو گا
عزیز بچہ کو ماں جس طرح تلاش کرے ۔۔۔ خدا گواہ یہی حال آپ کا ہو گا
کہیں گے اور نبی اذھبوا الی غیری ۔۔۔ مرے حضور کے لب پر انا لھا ہو گا
غلام اُن کی عنایت سے چین میں ہوں گے ۔۔۔ عدو حضور کا آفت میں مبتلا ہو گا

شاعر کی تمنائے دل:

تمنا کس دل میں نہیں ہوتی۔شاعر کا دل بھی تمناؤں سے خالی نہیں ہوتا۔مگر بارگاہ رسول ﷺ میں شاعر کی تمنا عام انسانوں کے ساتھ خواہش وآرزو سے الگ ہوتی ہے۔حضرت حسنؔ بریلوی بھی دربارِ رسالت میں اپنی دِلی آرزو اور خواہش قلبی کا اظہار کرتے ہیں لیکن انداز نہایت پاکیزہ اور قابل قدر ہے۔ان کی آرزو کا جان کر ہر بندۂ مومن کا دل بھی یہی آرزو کرنے کا مشتاق بن جاتا ہے۔اس آرزو میں وسعت اَفکار اور طہارتِ خیال کا عنصر غالب ہے۔تمنائیں ملاحظہ کیجئے۔

اِتنی مدت تک ہو دید مصحفِ عارِض نصیب ۔۔۔ حفظ کرلوں ناظرہ پڑھ پڑھ کے قرآنِ جمال
میں تصدّق جاؤں اے شمس الضحیٰ بدرالدجیٰ ۔۔۔ اِس دل تاریک پر بھی کوئی لمعانِ جمال
جلوۂ یار اِدھر بھی کوئی پھیرا تیرا ۔۔۔ حسرتیں آٹھ پہر تکتی ہیں رَستہ تیرا
جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور ۔۔۔ تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں
دل درد سے بسمل کی طرح لَوٹ رہا ہو ۔۔۔ سینہ پہ تسلی کو ترا ہاتھ دَھرا ہو
گر وقت اَجل سر تری چوکھٹ پہ جھکا ہو ۔۔۔ جتنی ہو قضا ایک ہی سجدہ میں اَدا ہو

اظہارِ عجز:

بارگاہِ سیّد الابرار ﷺ میں ہر بندۂ مومن جو صاحب دل بھی ہو اپنے آپ کو عاجزانہ اور گدایانہ پیش کرتا ہے۔عاجزی اور انکساری کا جو انداز سرور کائنات ﷺ کے دربارِ عالی وقار میں

حضرت حسنؔ نے پیش کیا ہے وہ بھی ادب واحتیاط کے ساتھ محاسن شاعری سے خالی نہیں، یہاں جدّت بھی ہے اور ندرت خیال بھی، فصاحت بھی ہے اور بلاغت بھی ملاحظہ کیجئے:

خدا تارِ رَگِ جاں کی اگر عزت بڑھا دیتا
شراکِ نعل پاکِ سیّد لولاک ہو جاتا

ہمیشہ رَہروانِ طیبہ کے زیر قدم آئے
الٰہی کچھ تو ہو اعزاز میرے کاسۂ سر کا

رُو سیہ ہوں منہ اُجالا کر دے اے طیبہ کے چاند
اس اندھیرے پاکھ کی یہ تیرگی اچھی نہیں

ترے صدقے جائے شاہا یہ ترا ذلیل منگتا
ترے دَر پہ بھیک لینے سبھی شہر یار آئے

خدا سگانِ نبی سے یہ مجھ کو سنوا دے
ہم اپنے کتوں میں تجھ کو شمار کرتے ہیں

دو عالم میہماں تُو میزباں خوانِ کرم جاری
اِدھر بھی کوئی ٹکڑا میں بھی کتا ہوں ترے دَر کا

شہرِ محبوب اور دشت مدینہ سے محبت:

محبوب کی ہر شے محبوب ہوتی ہے، چاہے وہ اُس کی ذات ہو یا اُس سے متعلق کوئی بھی چیز، صحرا ہو یا دشت، گھر ہو یا در، گلی ہو یا شہر، پھول ہو یا خار، ہر ایک کا ذکر اور سب سے محبت اس کے لئے قرار وسکون کا سبب ہوتی ہے۔ حضرت حسنؔ کی شاعری میں شہر محبوب اور دیارِ حبیب سے محبت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ ہر ایک کا ذکر بڑے ہی دل کش اور بڑے ہی پیارے انداز میں فرماتے ہیں۔ چند شعر اس ضمن میں بھی پیش نظر رکھیں ؎

مطافِ کعبہ کا عالم دِکھایا تُو نے طیبہ میں
ترا گھر بیچ میں چاروں طرف اللہ کا گھر ہے

قریب طیبہ بخشے ہیں تصور نے مزے کیا کیا
مرا دل ہے مدینہ میں مدینہ دل کے اندر ہے

نصیب دوستاں اُن کی گلی میں گر سکونت ہو
مجھے ہو مغفرت کا سلسلہ ہر تار بستر کا

ذرّہ کوئے حبیب اللہ رے تیرے نصیب
پاؤں پڑ کر عرش کی آنکھوں کا تارا ہو گیا

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے
اُٹھا لے جائے تھوڑی خاک اُن کے آستانے سے

ان مذکورہ اشعار میں جودت خیال، جدید اُسلوبِ فکر اور حسن مضامین کے ساتھ حقیقت بیانی بھی واضح اور نمایاں ہے۔ اس ضمن میں کچھ اور اشعار بھی زینت نگاہ بنائیں۔ ؎

کیا کہے وصف کوئی دشت مدینہ تیرا
پھول کی جان نزاکت میں ہے کانٹا تیرا

خارِ صحرائے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے
آ مری جان مرے دل میں ہے رستہ تیرا

خاکِ طیبہ کی اگر دل میں ہو وقعت محفوظ
عیب کوری سے رہے چشم بصیرت محفوظ

غور کیجیے عقیدت مندی، نیاز کیشی کے ساتھ اندازِ سخن، تخاطب حسیں اور حقیقت بیانی کا منظر ان اشعار میں واضح ہے۔ یہاں تصنّع اور الفاظ کی جادوگری ہرگز نہیں بلکہ عقیدت ومحبت کا والہانہ اظہار ہے۔ دو شعر اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

سیر گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے دَر تمہارا چھوڑ کر

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے دَر پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

اصلاح عقیدہ:

اصلاح عقیدہ کے متعلق صرف چار شعر ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ترے رُتبہ میں جس نے چون و چرا کی ــــ نہ سمجھا وہ بد بخت رُتبہ خدا کا

اُس بد لگام کو خرِ دجال جانیے ــــ منہ آئے ذکر پاک کو سن کر جو خر دماغ

یہ عبادت زاہدو بے حبّ دوست ــــ مفت کی محنت ہے سب برباد ہے

بندۂ سرکار ہو پھر کر خدا کی بندگی ــــ ورنہ اے بندے خدا کی بندگی اچھی نہیں

کشف رازِ نجدیت:

اس عنوان سے ایک نظم ہے جس میں پہلے تو نجدیوں وہابیوں سے خطاب فرما کر اُن کی اصلیت کو بے نقاب کیا ہے۔ اس کے بعد آخر میں صحیح العقیدہ سُنّی مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے اور بد عقیدوں کی صحبت سے اجتناب کی تاکید کی ہے۔ اس طویل نظم سے چند شعروں کا انتخاب پیش ہے۔ ؎

نجدیا سخت ہی گندی ہے طبیعت تیری
کفر کیا شرک کا فضلہ ہے نجاست تیری

علم شیطاں کا ہوا علم نبی سے زائد
پڑھوں لاحول نہ کیوں دیکھ کے صورت تیری

اُن کی تعظیم کرے گا نہ اگر وقت نماز
ماری جائے گی ترے منہ پہ عبادت تیری

کھلے لفظوں میں کہے ''قاضیٔ شوکاں مددے''
یا علی سن کے بگڑ جائے طبیعت تیری

....

مرے پیارے، مرے اپنے، مرے سُنّی بھائی
آج کرنی ہے مجھے تجھ سے شکایت تیری

حشر کا دن نہیں روز کسی کو کوئی
اس قیامت میں جو فرمائیں شفاعت تیری
اُن کے دشمن کو اگر تُو نے نہ سمجھا دشمن
وہ قیامت میں کریں گے نہ رفاقت تیری

تمہید ذکر معراج:

اس ''ذوقِ نعت'' میں معراج نبی ﷺ کی تمہید کے طور پر ایک نظم کے چند بند موجود ہیں۔ نظم نہایت مرصع ہے۔ اس میں شوکت الفاظ اور معنویت کے ساتھ زور بیانی حقیقی پیرایہ میں واضح نظر آتی ہے۔ صرف ایک بند حاضر ہے۔

معراج کی یہ رات ہے رحمت کی رات ہے
فرحت کی آج شام ہے عشرت کی رات ہے
تم تیرہ اختروں کی شفاعت کی رات ہے
اعزازِ ماہِ طیبہ کی رُویت کی رات ہے
پھیلا ہوا ہے سرمۂ تسخیر چرخ پر
یا زلف کھولے پھرتی ہیں حوریں اِدھر اُدھر

ذکر شہادت:

اس عنوان پر بھی چند نظمیں ہیں۔ فصاحت و بلاغت کا کیا کہنا وہ تو اپنی جگہ مسلّم ہے مگر الحمدللہ اَفراط وتفریط کے عیب سے بھی یہ نظمیں بالکل پاک ہیں۔ حق گوئی اور درست بیانی ان نظموں کا عنصر خاص ہے۔ میر انیسؔ لکھنوی (۱۸۰۳ء/ ۱۸۷۴ء) اور مرزا دبیرؔ لکھنوی (۱۸۰۳ء/ ۱۸۷۵ء) کے لئے آئینۂ اصلاح بھی ہے۔ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنہوں نے مرثیہ میں اس قدر زور بیانی اور کہیں کہیں اس قدر مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے کہ حقیقت کا دامن کوسوں دُور چھوٹا ہوا نظر آتا ہے لیکن حسنؔ بریلوی کے یہاں مستند رِوایتوں سے حقیقت کا اظہار ہی

مقصد اوّل ہے۔ایک نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

رَزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہل بیت

پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے
خون سے سینچا گیا ہے گلستانِ اہل بیت

اے شبابِ فصل گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستانِ اہل بیت

سر شہیدانِ محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اُونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہل بیت

بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہل بیت

اسی ''ذکر شہادت'' کے عنوان پر دوسری نظم کے چند شعر اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔تشبیہات نئی اور عمدہ ہیں۔زخموں کی تشبیہ ان کھڑکیوں سے دینا جن سے جنت کی ہوائیں آتی ہوں، فرشتوں کے پَر کا پنکھا بننا، زخموں کے پھولوں کو رنگین گلدستوں سے تشبیہ دینا بڑی ہی عمدہ تشبیہات ہیں۔پھر فصاحت و بلاغت اور اندازِ بیان کی نوعیت و دل کشی بھی تسلیم شدہ ہے۔

گلا کٹوا کے بیڑی کاٹنے آئے ہیں اُمت کی
کوئی تقدیر تو دیکھے اسیرانِ مصیبت کی

شہید ناز کی تفریح زخموں سے نہ کیونکر ہو
ہوائیں آتی ہیں ان کھڑکیوں سے باغِ جنت کی

ہوائے یار نے پنکھے بنائے پَر فرشتوں کے
سبیلیں رکھی ہیں دیدار نے خود اپنے شربت کی

سجے ہیں زخم کے پھولوں سے وہ رنگین گلدستے
بہار خوشنمائی پر ہے صدقے رُوحِ جنت کی

اُدھر چلمن اُٹھی حسنِ ازل کے پاک جلووں سے
اِدھر چمکی تجلی بدرِ تابانِ رِسالت کی

حسنؔ سُنّی ہے پھر اَفراط و تفریط اس سے کیونکر ہو
ادب کے ساتھ رہتی ہے روِش اربابِ سنت کی

رباعیات:

''ذوقِ نعت'' کے آخری دوصفحات میں بارہ رُباعیاں بھی موجود ہیں۔ رُباعی کہنا بھی ایک خاص فن ہے۔ اس فن میں حسنؔ بریلوی بہ درجۂ احسن کامیاب ہیں صرف ایک رُباعی ذوقِ نظر کی تسکین کے لئے پیش ہے۔ ؎

جو لوگ خدا کی ہیں عبادت کرتے — کیوں اہل خطا کی ہیں حقارت کرتے
بندے جو گناہ گار ہیں وہ کس کے ہیں — کچھ دیر اُسے ہوتی ہے رحمت کرتے

نظم استغاثہ

ص ۴۱ سے ص ۴۳ تک ایک نظم موجود ہے جس کے قوافی تاباں، دنداں، دوراں وغیرہ ہیں اور اس کی ردیف ''الغیاث'' ہے۔ اس نظم کی خوبی یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے سراپا کا از اوّل تا آخر ذکر کر کے اسے وسیلہ بنا کر مدد طلب کی گئی ہے۔ زلف سے شروع کر کے قدم پر ختم کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد لباس، عمامہ، عبا، قبا، نعل پاک، شانہ، سرمہ، مسواک اور آئینہ وغیرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

غمزدوں کی شام ہے تاریک رات
اے جبیں اے ماہ تاباں الغیاث — جبیں
<u>ابروئے</u> شہ کاٹ دے زنجیر غم — ابرو

تیرے صدقے تیرے قرباں الغیاث
دل کے ہر پہلو میں غم کی پھانس ہے
میں فدا مژگانِ جاناں الغیاث — مژگاں
اے کرم کی کان اے گوشِ حضور — گوش
سن لے فریادِ غریباں الغیاث
جاں بہ لب ہوں جاں بہ لب پہ رحم کر
اے لبِ اے عیسائے دوراں الغیاث — لب
دُرِّ مقصد کے لیے ہوں غرقِ غم
گوہر شادابِ دنداں الغیاث — دنداں
چاہِ غم میں ہوں گرفتارِ اَلم
چاہِ یوسف اے زنخداں الغیاث — زنخداں (ٹھنڈی)
اے گلو اے صبح جنت شمع نور — گلا
تیرہ ہے شام غریباں الغیاث
اے بغل اے صبح کافورِ بہشت — بغل
مہر بر شام غریباں الغیاث
بہر حق اے ناخنِ عقدہ کشا — ناخن
مشکلیں ہو جائیں آساں الغیاث
اے شکمِ بھر پیٹ صدقہ نور کا — شکم
پیٹ بھر اے کانِ احساں الغیاث
مہر پشت پاک میں تجھ پر فدا — مہر پشت
دے دے آزادی کا فرماں الغیاث

پائے انور اے سر افرازی کی جاں پائے انور
میں شکستہ پا ہوں جاناں الغیاث

طویل نظم سے صرف چند شعروں کا انتخاب حضرت حسنؔ بریلوی کی مہارتِ فن وشاعرانہ کمال کو جاننے کے لئے کافی ہے۔ ہر ایک شعر میں آپ نادر تشبیہات کو بھی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ پھر اپنے مقصد اور اپنی تمنا کی تکمیل کے لئے فریاد اور دعا پر بھی غور کرنے کے بعد ایک نتیجۂ خاص پر پہنچا جاسکتا ہے۔ بہر کیف پوری نظم قابل قدر اور ادب کا ایک شاہکار ہے۔

مناقب:

''ذوقِ نعت'' میں منقبتوں کی بھی کمی نہیں ہے۔لیکن اس ضمن میں الگ سے ایک مضمون تحریر کرنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب فرمائے.

نقش آخر:

مجھے اس بات کا واقعی اعتراف ہے کہ میں نے اس مضمون میں انتہائی اختصار سے کام لیا ہے۔ پھر بھی میں نے اشارہ کنایہ میں حسنؔ بریلوی کے شاعرانہ فکر وفن کی نشاندہی کر دی ہے۔ اسے دیکھ کر اصحابِ نقد ونظر کو یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ نعتیہ شاعری کو محض رِوایتی اور مذہبی شاعری کا نام دے کر اس سے بے اِعتنائی کسی بھی حال میں مناسب نہیں۔عام شاعروں کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن جو اہل ایمان صاحب علم وفضل اَساتذۂ فن گزرے ہیں انھوں نے نعتیہ شاعری کے معیار کو اس قدر بلند کر دیا ہے کہ محض غزل گو یا علوم دینیہ سے بے بہرہ شعراء منہ تکتے ہی رہ جائیں گے۔اس مقام تک اُن کی رَسائی تو درکنار، پروازِ خیال بھی ممکن نہیں۔ان ہی ممتاز شعراء میں بے شک وشبہ حضرت حسنؔ بریلوی بھی ہیں جن کی نعتیہ شاعری، فنی، فکری، علمی، مذہبی، ادبی اور معنوی اعتبار سے ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے۔شاعری کے جملہ فنون پر حاوی ہے اور بعد والے تمام شاعروں کے لئے نمونۂ عمل اور قابل تقلید بھی ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا لجزاء

☆

اُستاذِ زمن اور اُن کی نعتیہ شاعری[1]

اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی فطرتاً پاکیزہ نفس، طہارت پسند، روشن خیال، زندہ دل اور شگفتہ مزاج واقع ہوئے تھے۔ ذہانت وفطانت، سنجیدگی ومتانت، لطافت وسلاست اور فصاحت وبلاغت میں وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ اُن کی زبان بامحاورہ، دلکش اور اندازِ بیان دلنشیں اور پُر کشش تھا۔

حسنؔ بریلوی کی عالمگیر شہرت کی وجہ اُن کی نعتیہ شاعری ہے۔ نعت گوئی کا جذبہ اور شعر وسخن کا شوق اُن کو ابتدا ہی سے تھا۔ اُن کی نعتیہ شاعری حشو وزوائد سے خالی اور معنی ومفہوم سے بھرپور ہے۔ حسنؔ بریلوی نے ایک عرصے تک مرزا داؔغ دہلوی کے گلستانِ شعر وسخن سے گل چینی کی، اس لئے اُن کے اشعار میں داؔغ کے کلام کی خصوصیات مثلاً مضمون کی شوخی اور رنگینی، معاملہ بندی، زبان کی صفائی، تشبیہات کا حسن، زبان کی لطافت، محاورات کا چٹخارا اور بے باکانہ اندازِ بیان بکثرت پائے جاتے ہیں۔

حسنؔ بریلوی کے اندر شاعری رَچی بسی تھی:

دوسرے شعراء کی طرح وہ نقال نہیں جو دوسروں کی نعت وغزل کا چربہ اُتار کر اپنے اشعار کے قالب میں رکھتے۔ الفاظ تو اپنے اور معنی ومفہوم دوسرے کے کلام سے چرایا ہوا ہو۔ بلکہ اُن کی نعتیہ شاعری میں متانت وشائستگی، سوز وگداز، درد وکسک کے ساتھ ہی ساتھ خیال میں وسعت ورِفعت اور اُسلوب میں جدّتِ بیان پائی جاتی ہے وہ اپنے ہر شعر میں ایک نیا خیال، جدید مفہوم اور نئی بات پیش کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:

---

[1] یہ مقالہ مولانا محمد رفیق عالم رضویؔ مصباحیؔ (مدرس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف) نے ماہنامہ سُنّی دنیا (بریلی) کے حسن رضا نمبر کے لیے تحریر کیا تھا۔ پیش نظر کتاب میں ضروری ترامیم کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ ثاقب قادری

الٰہی دھوپ ہو اُن کی گلی میں مرے سر کو نہیں ظِلِ ہما خوش

اور فرماتے ہیں:

جنت بھی لینے آئے تو چھوڑیں نہ یہ گلی منہ پھیر بیٹھیں ہم تیری دیوار کی طرف

پہلے شعر میں ''سایہ'' کو ناپسند کرنے اور ''دُھوپ'' کو اختیار کرنے اور دوسرے شعر میں ''جنت'' کو پس پُشت ڈالنے اور ''سرکار کی گلی'' کو اختیار کرنے میں جو ندرت بیان اور جدّت پسندی کا اظہار کیا ہے وہ شعراء تو شعراء عام فہم لوگوں کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں۔

دَورِ حاضر میں نادِرُ الوجود:

الفاظ کی شائستگی، خیال کی بلند پروازی، معنی میں وسعت نظری اور جدید طرزِ بیان اُن کی نعتیہ شاعری میں ایسی پائی جاتی ہے کہ جس سے دوسرے شعراء کے کلام اگر چہ خالی نہیں لیکن نادِرُ الوجود ضرور ہیں چنانچہ حاضر خدمت ہے اُن کا ایک شعر۔

الٰہی بعد مُردن پردہ ہائے حائل اُٹھ جائیں
اُجالا میرے مرقد میں ہو اُن کی شمع تربت کا

تشبیہات واستعارات کا برمحل استعمال:

حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری بے حد پاکیزہ اور صاف ہے۔ پُرشکوہ الفاظ، بامعنی ترکیبیں اور ظرافت کی چاشنی کے ساتھ ہی ساتھ تشبیہات و اِستعارات کی خوبی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے اگر چہ اپنے کلام میں تشبیہات و اِستعارات کا استعمال کم کیا ہے لیکن جہاں اس کی ضرورت محسوس کی برجستہ اس کا استعمال کر کے شعر کے حُسن ونکھار میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ؎

اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے اُن کے اَبرو نہیں دو قبلوں کی یکجائی ہے

اس شعر میں سرکار ﷺ کے گیسوئے پاک کو ''رحمت کی گھٹا'' سے اور اَبرو کو ''دو قبلوں کی یکجائی'' سے تشبیہ دے کر شعر کے معنی میں کتنا حسن پیدا کر دیا ہے۔

ندرت کلام کا آئینہ دار:

نعتیہ شاعری ہو یا غزل گوئی، مرثیہ گوئی ہو یا قصیدہ گوئی ہر ایک میں محاورات کا استعمال شعراء کی نگاہ میں بہتر سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہر غزل اور مرثیہ وقصیدہ پُر لطف اور با اَثر ہو جاتے ہیں، سامعین کی رَسائی اُس مفہوم ومقصود تک ہو جاتی ہے اور وہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ایک شعر ملاحظہ فرمائیں ۔

کیوں تمنا میری مایوس ہو اے اَبر کرم　　سُوکھے دھانوں کا مددگار ہے چھینٹا تیرا

مندرجہ بالا شعر میں ''سُوکھے دھانوں'' کے استعمال نے شعر کے مفہوم میں نکھار پیدا کر دیا ہے۔

فن شعر وسخن میں متضاد الفاظ کا استعمال بھی ایک کمال ہے لیکن یہ کمال اس وقت اور دُو بالا ہو جاتا ہے جب کہ متضاد الفاظ کے ساتھ الفاظ مختصر، معنی وسیع اور خیال جدید ہو۔حسنؔ بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام میں دونوں خوبیوں کا خاصا لحاظ رکھا ہے۔متضاد الفاظ کا استعمال اس حسن اُسلوب سے دوسرے شعراء کے کلام میں اگرچہ نایاب نہیں ہے لیکن کامیاب ضرور ہے چنانچہ ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں ۔

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

اُستاذِ زمن کے اشعار قرآن وحدیث کا ترجمہ:

حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری میں ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن کے اشعار میں یا تو قرآن کی کسی آیت کی ترجمانی ہوتی ہے یا پھر کسی حدیث کے مضمون کی اَدائیگی۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

کہیں گے اور نبی اذھبوا الیٰ غیری　　میرے حضور کے لب پر انا لھا ہو گا
عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے　　خدا گواہ یہی حال آپ کا ہو گا

کوئی کہے گا دُہائی ہے یا رسول اللہ ﷺ تو کوئی تھام کے دامن لپٹ گیا ہو گا
کسی کو لے کے چلیں گے فرشتے سوئے جحیم وہ اُن کا راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہو گا

اِرتقائی منازل:

حسنؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری میں اس بات کا حد درجہ التزام ہے کہ اشعار میں اَز اِبتدا تا اختتام اِرتقائی منازل طے کرنے میں رَوانی اور بیان کی سلاست برقرار رہتی ہے جس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ کس وارفتگی اور سرشاری میں یہ اشعار گوشۂ ذہن سے نکل کر قرطاس کی زینت بنے ہیں۔ پیش خدمت ہیں دو شعر ؂

باغِ فردوس کھلا، فرش بچھا، عرش سجا اک ترے دَم سے یہ سب انجمن آرائی ہے
کھیت سرسبز ہوئے، پھول کھلے، مَیل دُھلے اور پھر فضل کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے

حسنؔ کی شاعری میں اشارات کا استعمال:

فن شعر وسخن میں اِستعارہ کے بعد اشارے کی منزل ہوتی ہے۔ اور استعارہ تشبیہ کے بعد کا درجہ ہے۔ تشبیہ میں جب جدید خیال اور نئی فکر کی آمیزش از اوّل تا آخر برقرار رہتی ہے اور شائستہ الفاظ، سلیس اندازِ بیان اور معنوی وسعت سے ہمکنار ہوتی ہے تو اِستعارہ منصۂ شہود پر آتا ہے۔ یہی اِستعارہ تہذیب وتمدن کی بنیادوں میں پیوست ہوتا، فکر وفن کی بھٹی میں تپتا، زمانے کو کچھ دیتا اور لیتا، تصنّع وتکلف کی منازِل سے دو چار ہوتا، بتدریج نشوونما پاتا، پختہ سے پختہ تر ہوتا اور نوک و پلک کو سنوارتا ہے تو مدتوں بعد کہیں جا کر اشارہ بنتا ہے۔ اُستاذِ زمن کی نعتیہ شاعری میں اشارات کی بہتات ہے جو شعراء کے نزدیک دل نشیں چیز سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک شعر پڑھئے اور اُن کی نعتیہ شاعری کو داد دیجئے۔

نہ کوئی دوسرا جہاں میں تجھ سا ہے نہ کوئی دوسرا ہوا تیرا
نہ ہو گا دو قدم کا فاصلہ بھی الہ آباد سے احمد نگر تک

سہل زبان کا مالک:

حسنؔ بریلوی کے اشعار اُن کے مذہبی لگاؤ، ایمانی ذہن، حکمتوں پر اُن کی نظر، ان کے حسن اور ان کے شاعرانہ نقطۂ نظر کے غماز ہیں۔ ان کے اشعار نہ گنجلک ہیں نہ پوشیدہ بلکہ سادہ اور معنی سے بھرپور ہیں۔

غزل گوئی و مرثیہ گوئی سے مشکل و دُشوار نعت گوئی ہے۔ اس کی حدود کی رِعایت کی جاتی ہے۔ اَفراط وتفریط پر گہری نظر رکھی جاتی ہے۔ تھوڑی سی کمی اور زیادتی سے آدمی اِدھر سے اُدھر اور ایمان جیسی دولت سے تہی دست ہوجاتا ہے۔ اس لئے شعراء نعت گوئی کے لئے آسان سے آسان ترین ردیف وقوافی پر ذہن وفکر کے جواہر پروتے ہیں۔ چند ہی شعراء ایسے ہیں جو سنگلاخ اور مشکل ردیف وقوافی پر نعتیہ اشعار کہتے ہیں لیکن اُستاذِ زمن نے تو مشکل وسنگلاخ زمینوں میں بھی ایسے نعتیہ اشعار کے گل کھلائے ہیں کہ اُن کی نعتیہ شاعری پر وسیع مہارت اور اُستادانہ کمال جھلکتا ہے۔ پیش خدمت ہے اس سے متعلق دوشعر ؎

ہند ہے ہم کو قفس، ہم ہیں اسیرانِ قفس پائیں صحرائے مدینہ تو گلستاں مل جائے
کیسی حسرت سے تڑپتے ہیں اسیرانِ قفس قافلہ دیکھتے ہیں جب سوئے طیبہ جاتے

مختصر یہ کہ حسنؔ بریلوی کے اشعار، فن شعر وسخن کی تمام خصوصیات وکمالات کے حامل ہیں۔ ان کو اگر ''اُستاذِ زمن'' کے بجائے ''اُستاذِ فن'' کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

☆

فن نعت گوئی میں حسنؔ بریلوی کا مقام [1]

اُردو نعت گوئی کی رِوایت اُتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ خود اُردو شاعری کی۔ آج تک لاکھوں اشعار محبوب خدا ﷺ کی شانِ اَقدس میں اظہارِ محبت اور نذرانۂ عقیدت کے طور پر کہے جا چکے ہیں اور نہ جانے کتنے اور کہے جائیں گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کہا جانا تھا وہ پھر بھی نہیں کہا جا سکا۔ شاعروں نے عجز کا اعتراف کیا تو کہا کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ یہی اعتراف عجز نعت گوئی کی جان اور نعت گوئی کا جواز ہے۔

''ذوقِ نعت'' میں حسنؔ بریلوی نے طرح طرح سے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے اور اس طور پر کیا ہے کہ بہت کم شعراء نے ایسا کیا ہوگا لیکن قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کی پیاس اور اِظہار کی تشنگی اسی طرح منہ کھولے 'العطش العطش' پکار رہی ہے۔ حقیقت میں یہی عشق رسول ﷺ کا کرشمہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو حُبِ رسول سے سرشار ہیں وہ زندہ و تابندہ ہیں، آزاد ہیں اور جو حبّ رسول ﷺ سے نا آشنا ہیں وحشی ہیں، تہذیب سے دُور ہیں، انسانیت سے محروم ہیں۔ عشق رسول ﷺ 'فصل' کو 'وصل' میں تبدیل کر دیتا ہے اور نعتیہ شاعری معیارِ آدمیت کو فلک اَفلاک تک لے جاتی ہے۔

''ذوقِ نعت'' کے بارے میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس کلام الہامی کو اپنے پاس رکھیے اور ہر روز کوئی نہ کوئی نعت پاک ہلکی دھیمی آواز میں اس کی کیفیات کو اپنے ذہن وفکر میں بساتے ہوئے پڑھیے تو رفتہ رفتہ محسوس کریں گے کہ کلام نہیں بلکہ خود صاحب کلام آپ

---

[1] مولانا محمد نجف القادری الرضوی (نائب شیخ الحدیث مدرسہ الجامعۃ السلامہ، گنج قدیم رام پور) کا یہ مقالہ ماہنامہ سُنّی دنیا، بریلی کے مولانا حسن رضا نمبر میں شائع ہوا تھا، پیش نظر کتاب میں کچھ ضروری ترامیم واختصار کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ مرتبین

سے ہم کلام ہے اور رُوحِ عشق ومحبت آپ کے اندر جلوہ گر ہو رہی ہے۔ حسنؔ بریلوی کی آواز میں ایک جادو ہے، ایک سحر اور ایک عجیب کشش ہے اور انہیں زبان و بیان پر ایسی قدرت حاصل ہے کہ دیگر شعراء کو شاذ ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ دراصل ان کا کلام اپنے اندر ایک والہانہ پن اور ایک ایسی خوبی لیے ہوئے ہے جو پڑھنے والے کو محبوب کی ہر ہر اَدا سے ایک دم قریب کر دیتا ہے۔ اُن کی پوری نعت ترنم کے ڈھانچے میں ڈھلی اور سنوری ہوئی نکلتی ہے اور فردوسِ گوش بن کر دلدادۂ نعت کے دل پر بجلی کی طرح گرتی ہے اور دائمی اَثرات مرتب کر دیتی ہے۔

حسنؔ بریلوی میری نظر میں آسمانِ نعت کے اُفق پر آفتاب و ماہتاب بن کر جگمگاتے ہیں، اُن کی تابانی، ضوفشانی اور چمک دمک سے لوگوں کی نظریں خیرہ ہیں۔ اُن کی شہرت ومقبولیت دوسرے ہم عصر شعراء سے کم نہیں۔ نعت گو شعراء کی کہکشاں میں حسنؔ بریلوی نہ صرف منفرد وممتاز ہیں بلکہ آبروئے شعراء بھی ہیں۔ انہوں نے کلام کو خوب سے خوب تر اور اُس کے حسن کو حسین تر بنانے میں اپنا سب کچھ تج دیا۔ حضرت حسنؔ کی شاعری کا مطالعہ اگر ہم وسیع وعمیق تناظر میں کریں تو ہمیں اُن کی بنیادی صنعت اُن کی شاعری میں بآسانی مل جائے گی۔

یوں تو اُردو کے تقریباً سبھی شاعروں کے کلام میں اُن کے اپنے دَور کے محاورے مل جاتے ہیں لیکن اس سلسلے میں حسنؔ بریلوی کی شاعری اپنے اندر قدیم وجدید محاوروں کا سنگم ہے۔ اُن کے کلام کو محاوروں کا دریا بھی کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

حسنؔ بریلوی نے محبوب کی زندگی کے ہر لطیف ونازک پہلو پر نظر ڈالی اور زندگی کی نزاکت و سنجیدگی پر خوب خوب غور وخوض کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں گہرائی اور گیرائی حد درجہ کی پائی جاتی ہے جو ہر ایک کو دعوتِ فکر دیتی ہے۔ اُن کا کلام زبان و بیان کے جملہ رُموز ونکات سے آراستہ ہے اور اس میں لہجے کا بانکپن اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔ محبوب ومحبّ کے درمیان راز ونیاز کی جھلکیاں دِکھانا، کلام میں عشقِ محبوب کا انوکھا رنگ بھرنا، حسنؔ بریلوی کا طرّۂ امتیاز ہے۔ ان کا رنگِ سخن دراصل ان کے اُستاد دَاغ دہلوی کے رنگِ کلام کی توسیع ہے۔ حسنؔ بریلوی کے نعتیہ کلام پر نظر ڈالنے کے بعد یہ نتیجہ آسانی سے اَخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ زبان و بیان کی رِوایت

کے امین ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے وسیلۂ اظہار کے لئے محبوب کی محبت کے نئے نئے گو شے تلاش کئے اور اس جہانِ معانی میں عشق کی باریکیوں اور رمز ہائے اُلفت کی تزئین سے جدید رنگ و آہنگ کا خوشگوار ماحول پیدا کیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مرادیں مل رہی ہیں شاد شاد اُن کا سوالی ہے
لبوں پر اِلتجا ہے ہاتھ میں روضہ کی جالی ہے

تری صورت تری سیرت زمانے سے نرالی ہے
تری ہر ہر اَدا پیارے دلیل بے مثالی ہے

وہ جگ داتا ہو تم سنسار باڑے کا سوالی ہے
دیا کرنا کہ اس منگتا نے بھی گدڑی بچھا لی ہے

حسنؔ کے درد و دُکھ موقوف فرما کر بحالی دو
تمہارے ہاتھ میں دنیا کی موقوفی بحالی ہے

حضرت حسنؔ بریلوی نے اپنے خداداد کمالاتِ علمیہ سے فن نعت گوئی کو نئی جہتوں سے رُوشناس کرایا۔ اربابِ علم وفکر کو آگہی کے نئے سورج دِکھائے۔ اہل دل کی سُونی بستیوں میں آج بھی ایسے عشاق کے تذکروں سے روشنی ہوتی ہے جنہوں نے اپنی متاعِ زیست کو حضور سرکار مدینہ ﷺ کی مقدس چوکھٹ پر نثار کر دیا اور اہل محبت کے واسطے یقین آفرینی کے نئے دروازے کھول دیئے۔ یہ سبق عشاقِ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے نصابِ محبت میں ہمیشہ کے لئے رقم کر دیا کہ محبوبِ خدا ﷺ کی محبت و عظمت ہی جانِ ایمان ہے۔

عربی گو شعراء کے یہاں مدحِ رسول ایک محبوب دل پسند اور پُرکشش موضوع رہا ہے مگر اُردو شاعری میں بعض شعراء نے مدحِ رسول اور فنِّ نعت گوئی کو اپنے لئے حرزِ جاں اور توشۂ آخرت بنا کر اسے ہر صنف سخن سے زیادہ شیریں اور آسان بنا دیا ہے۔ ان شعراء میں حسنؔ بریلوی کو ایک طرح کی اِمتیازی شان حاصل ہے۔

☆

مولانا حسن رضا خان اپنے وقت کے حسّان تھے[1]

حسن رضا خان بہترین شاعر تھے شعر و شاعری میں اپنے زمانے کے حسان تھے۔ آپ کی شاعری نے مسلمانوں کے قلوب عظمت محبوب ﷺ کی طرف پھیر دیئے۔ آپ کا نعتیہ دیوان بنام ''ذوقِ نعت''، مشہور ہے جو حدودِ شرع سے مزین ہے جو حقیقت حقیقت ہے۔ آپ کا کلام جھوٹ، بناوٹ، مبالغہ، رِیا، تصنّع اور تکلف سے پاک ہے اور عقائد اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت اور محبت رسول کی تلقین جبکہ باطل پرستوں کی تردید کرتا ہے۔ آپ کے کلام یعنی ''ذوقِ نعت''، میں حضور شافع یوم نشور ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کو استعمال نہیں کیا ہے۔ آپ کے کلام میں سوز و گداز، فصاحت و بلاغت، حلاوت و ملاحت، لطافت و نزاکت، تشبیہات و استعارات، ندرت، تخیل، جدّت، تمثیل، تنوع مضامین، والہانہ عقیدت و اِرادت سب پائی جاتی ہیں۔

نعتیہ شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس سے شاعر کے کمال عشق کا سکّہ دل پر بیٹھ جائے۔ یہ سب فیضان محمدی ﷺ ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نعتیہ کلام کے بڑے بڑے شعراء معترف ہیں۔ ان کے یہاں جذبۂ دل کی بے ساختگی، خیال کی رَعنائی، الفاظ کی شان و شوکت اور عشق رسول کی جھلکیاں قدم قدم پر معطر ہیں۔

میرے والد ماجد مولانا شاہ منور حسین داتا گنجوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''کلامِ حسنؔ میں خلوص کی جو مہک ہے وہ ذاتی مشاہدے اور تجربے پر مبنی ہے۔ آپ نے اپنی ہر سانس میں بوئے محبوب کو محسوس کیا اور اسی سے اپنی شاعری کو عطر بیز کیا۔''

---

[1] مولانا مظفر احمد قادری (جامعہ مظفریہ برکات العلوم داتا گنج ضلع بدایوں شریف) کا یہ مقالہ ماہنامہ سُنّی دنیا، بریلی کے مولانا حسن رضا نمبر میں شائع ہوا تھا، پیش نظر کتاب میں کچھ ضروری ترامیم و اختصار کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ مرتبین

علماءِ شعر و ادب نے نعت گوئی کی مشکل پسندی کے سلسلے میں ہمہ خامہ فرسائی کی ہے۔ حمد باری تعالیٰ کہنا آسان ہے مگر نعت مصطفیٰ ﷺ کہنا اتنا مشکل جیسے تلوار کی دھار پر چلنا بلکہ اس سے بھی مشکل ترین مرحلہ ہے۔ اس منزل میں بڑے بڑے تاج وَرانِ سخن اپنی اپنی قادرُ الکلامی کے باوجود لرزیدہ و ترسیدہ نظر آتے ہیں۔ حضرت عرفی شیرازی (۱۵۵۵ء/ ۱۵۹۱ء) جیسے باکمال شاعر بھی نعت کی اس مقدس راہ کو ''بر دم تیغ'' ہی تصور کرتے ہیں۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رو بر دم تیغ است قدم را

دراصل نعت گوئی وہ منزل ہے جہاں ایک مدّاحِ رسول کے لئے اُلوہیت و رِسالت کی حدود شناسی اور عبودیت و محبوبیت کے نازک ترین مقام کا عرفان ہونا لازمی مانا گیا ہے۔ اس مقام پر جذبات و احساسات میں حد درجہ توازن اور اِستدلال اور اَفکار و نظریات میں بے پناہ پاکیزگی و طہارت نہایت ضروری ہے۔

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

یہی وہ کٹھنائیاں ہیں جہاں بہت سے شعراءِ نعت محبوب کبریا ﷺ لکھنے میں خوف کرتے ہیں کیونکہ مدحت محبوب خدا ﷺ کے اظہار میں ذرّہ برابر چُوک سب کچھ کھو دیتی ہے اور عذاب الٰہی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس راہ میں بعض عظیم المرتبت شعراء بھی گزرے ہیں جو نعت گوئی کے رُموز و اَسرار سے واقف بلکہ حقیقی علم و شعور رکھتے ہیں اور جنھوں نے نعت کو ایک مکمل صنف اور شعری اُصول و ضوابط کے ساتھ ایک مستقل فن کی حیثیت سے فروغ بخشا اور اس سعادتِ اَبدی کو عبادت سے تعبیر کیا۔ ان میں ایک نام تو سرفہرست ہمارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا ہے اور دوسرا نام حضرت حسنؔ بریلوی کا آتا ہے۔

محبت و اطاعت اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعر کہنا آسان بات نہیں ہے لیکن حضرت حسنؔ کے کلام میں ادب و احترام و نیاز مندی بدرجۂ اَتم و اَحسن ملتی ہے۔ آپ آقا ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں۔ ؎

واہ کیا مرتبہ ہوا تیرا　　تُو خدا کا خدا ہوا تیرا

واہ اے عطر خدا ساز مہکنا تیرا　　خوبرو مَلتے ہیں کپڑوں میں پسینہ تیرا

سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے　　شام کو صبح بناتا ہے اُجالا تیرا

ایک جگہ یوں عرض کرتے نظر آتے ہیں۔ ؎

آستانے پہ ترے سر ہو اَجل آئی ہو　　اور اے جانِ جہاں تُو بھی تماشائی ہو

اُس کی قسمت پہ فدا تختِ شہی کی راحت　　خاکِ طیبہ پہ جسے چین کی نیند آئی ہو

اپنے آقائے کریم ﷺ کے سایۂ بے سایہ سے متعلق نغمہ سنج ہیں۔ ؎

یہی منظور تھا قدرت کو کہ سایہ نہ بنے　　ایسے یکتا کے لیے ایسی ہی یکتائی ہو

آگے چل کر اپنے عقیدے و مسلک کا اظہار فرماتے ہیں۔ ؎

تمہارا نام مصیبت میں جب لیا ہو گا　　ہمارا بگڑا ہوا کام بن گیا ہو گا

خدا کا لطف ہوا ہو گا دستگیر ضرور　　جو گرتے گرتے ترا نام لیا ہو گا

حضور سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہِ عالی میں نغمہ سرا ہوتے ہیں۔ ؎

تری طلعت سے زمیں کے ذرّے مہ پارہ بنے
تری ہیبت سے فلک کا مہ دوپارہ ہو گیا

ترے صانع سے کوئی پوچھے ترا حسن و جمال
خود بنایا خود بنا کر خود ہی پیارا ہو گیا

کیوں نہ ہو تم مالک مُلک خدا ملک خدا
سب تمہارا ہے خدا ہی جب تمہارا ہو گیا

حضور محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ کے بے مثل و بے مثال ہونے پر عرض کرتے ہیں۔ ؎

سر سے پا تک ہر اَدا ہے لاجواب　　خوبرویوں میں نہیں تیرا جواب

حسن ہے بے مثل صورت لاجواب بس خود تم آپ ہو اپنا جواب

دیارِ محبوب مدینہ پاسکینہ سے متعلق یوں نغمہ سرا ہیں۔ ؎

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے دَر تمہارا چھوڑ کر

مر ہی جاؤں میں اگر اُس دَر سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمارِ غم قربِ مسیحا چھوڑ کر

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

اللّٰھم ارزقنا زیارۃ حرمك وحرم النبی ﷺ

بلاشبہ حضرت حسنؔ بریلوی کی شاعری زندہ وجاوید ہے وہ خود بھی زندہ وجاوید ہیں۔

"ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم"

(الحدید ۵۷:۲۱)

☆

''ذوقِ نعت'' پر ناقدانہ نظر[1]

شاعری میں نعت شریف کا آغاز آج سے چودہ سو سال پہلے اس وقت ہوا جب کہ ابو طالب عم نامدار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے گرامی قدر برادر زادہ کی شان میں محبت بھرے دل سے چند اشعار کہے تھے، اُن میں ایک شعر یہ بھی تھا:

اشق له من اسمه ليجلّهٗ

فذو العرش محمود و هٰذا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ان اشعار کے بعد تاریخ نعت گوئی میں وہ اشعار ملتے ہیں جو حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کہے تھے۔ جب آپ نے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں نزول فرمایا تو اُس وقت آپ کے خیر مقدم میں یہ شعر دف پر بنی نجار کی لڑکیوں نے گایا:

نحن جوارٍ من بنی نجارٍ

یا حبّذآ محمّد من جارٍ

انصار کی عورتوں کی زبان پر آپ کی نعت اس طرح تھی:

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا ما دعا الله داع

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدنی زندگی میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعت بھی قابل ذکر ہے، ان کا قصیدہ ''بانت سعاد'' اس سلسلے میں مشہور ہے، اس کے بعد حضرات تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان کے گلستانِ دلفروز میں یہ نکہت بیزیاں کرتے رہے تا آنکہ ایران کی

---

[1] علامہ شمسؔ بریلوی کا یہ تحقیقی مقالہ ''ذوقِ نعت'' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی (کراچی) کے ساتھ بطور تقدیم شائع ہوا تھا، بعد ازاں رسالہ مدحت (لاہور) نے ''گوشۂ حسن رضا'' کی خصوصی اشاعت میں بھی اسے شائع کیا۔ مرتبین

سر زمین پر پرچم اسلام لہرایا اور زرتشت کی زمین کا چپّہ چپّہ اسلامی قدموں کے تلے آ گیا اور اس سر زمین کا گوشہ گوشہ نعت پاک کے گلہائے مشک بُو سے مہک اُٹھا۔

دوسری صدی ہجری کے اکابر دین اور حضرات صوفیائے کرام نے نعت رسول ﷺ کی شمع ایماں افروز کو فروزاں رکھا۔ حضرت عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا طاہر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ، جیسے بزرگان دین وملت نے نعت رسول ﷺ سے سرمایۂ محبت فراہم کیا۔

رودکی فارسی شاعری کا بابا آدم ہے لیکن اُس کے دَور میں ملوکیت کی بساط ہر طرف بچھ چکی تھی۔ شعرائے کرام انعام واکرام کے لیے سلاطین وقت کی مدح سرائی میں سرگرم تھے اور رفتہ رفتہ سلاطین کی مدح سرائی اُس دَور میں شاعری کا مقصد اور مطمع نظر بن گئی۔ چنانچہ قصیدے کی صنف وجود میں آئی اور اس نے وہ زور پکڑا کہ مشکل ہی سے کوئی شاعر ایسا ہو جو اس لعنت سے محفوظ رہا ہو۔ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں صوفیانہ شاعری کو فروغ ہوا، حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدیقہ'' اور ''منطق الطیر'' جیسی عارفانہ کتابیں لکھیں۔ مثنوی کی صنف وجود میں آچکی تھی اور مثنوی کا آغاز حمد ونعت ہی سے کیا جاتا تھا۔ ''مثنوی مولانا روم'' کا آغاز اگرچہ اس رِوایتی انداز میں نہیں ہوا لیکن ''خمسۂ نظامی'' اور ''جامی'' میں یہ التزام وجود ہے۔

صنف قصیدہ کو نعت کے لئے مخصوص کرنے میں حکیم افضل الدین خاقانی کا نام سرفہرست ہے۔ جناب خاقانی نے بڑے حکیمانہ انداز میں قصیدے کہے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

دل من پیر تعلیم است و من طفل زبان دانش
سر تسلیم سر عشر و سر زانو دبستانش

اس قصیدے میں ان کی نعت کا انداز دیکھئے:

زہے عزت کہ بے نعت تو لوح معصیت گردد
ہر آں نامہ کہ بسم اللہ بود تذہیب عنوانش

حکیم خاقانی کا یہ نعتیہ قصیدہ تو بہت ہی مشہور ہے:

صبحدم چوں کلہ نبد آہِ دود آسائے من
در شفق چوں خوں نشیند چشم شب پیمائے من

حکیم خاقانی، نظامی گنجوی، حضرت جامی کا نعتیہ کلام آج بھی موجود ہے خصوصاً حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ غزلیں تو آج بھی ہمارے سوز دل کا مرہم ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے نعت پاک میں قلم اُٹھایا ہے۔ حضرت سعدی شیرازی کے یہ مصرعے تو بلاغت میں آپ اپنا جواب ہیں:

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدُّجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلّوا علیہ و آلہٖ

دیارِ ہند میں حضرت خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام اور آپ کے معاصر حسنؔ دہلوی کی نعتیہ شاعری دلوں کو گرماتی رہی۔ دَورِ مغلیہ ہند میں فارسی شاعری کا دَورِ عروج ہے۔ عرفی شیرازی اس دَور کا مشہور شاعر ہے۔ اکبر و جہانگیر کے دربار سے وابستہ رہا اور جہانگیر کی مدح میں بڑے شاندار قصیدے کہے۔ جہانگیر کی مدح میں کہتا ہے:

صباح عید کہ شد تکیہ گاہ ناز و نعیم کلاہ کج بنہادہ گدا و شہ دیہیم

عرفی بڑا خود دار و خود نگر شاعر تھا۔ وہ اپنی نازک خیالی میں اپنے معاصرین سے ممتاز ہے وہ اس دور کے نعت گو شعراء میں بھی منفرد و ممتاز ہے۔ اس نے نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عجیب اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے، کہتا ہے:

تقدیر بیک ناقہ نشانید و محمل سلمائے حدوث تو دلیلائے قدم را

اسے نعت گوئی کے دشوار گزار راستے کا بخوبی اندازہ ہے کہتا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا ہشیار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

عرفی کے معاصرین میں نظیریؔ نیشاپوری اور ظہوریؔ ترشیزی ہیں، ان کے ہاں نعت گوئی مستقل عنوان کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ غزلوں میں کہیں کہیں نعتیہ اشعار مل جاتے ہیں۔ دَورِ شاہجہانی میں حاجی جان محمد مقدسیؔ اور ابو طالب حکیمؔ قابل ذکر ہیں لیکن ان کے یہاں بھی نعت

شریف کو مستقل عنوان کی حیثیت حاصل نہیں ہیں بلکہ غزل میں خال خال مضمون پایا جاتا ہے غرضیکہ جب تک ہندوستان میں فارسی زبان حکومت اور دفاتر کی زبان رہی، فارسی شاعری کا زور شور رہا۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اُنیسویں صدی عیسوی میں جب اُردو نے فارسی کی جگہ لی تو شعراء کی توجہ بھی اس طرف مبذول ہوئی۔ اگرچہ معاملات ومراسلات میں فارسی زبان ہی سے کام لیا جاتا تھا لیکن اُردو میں شعر کا رواج شاہ حاتم کے دور سے ہوا۔ شاہ حاتم، شاہ مبارک، ولی دکنی اُردو کے متقدمین شعراء ہیں۔ ان کے یہاں نعتیہ اشعار اس طرح خال خال پائے جاتے ہیں قدیم طرزِ شاعری میں اُردو شاعری کا جب دَورِ اوّل شروع ہوا تو سوداؔ کے قصیدوں نے دُھوم مچادی اور حقیقت یہ ہے کہ سوداؔ نے قصیدہ نگاری میں جو گلکاریاں کی ہیں اور جو کمال دکھایا ہے وہ ان سے غزل میں سرانجام نہ ہوسکا۔ سوداؔ نے اپنی شاعری میں نعت سرور کائنات ﷺ کو بھی ایک مستقل عنوان بنایا اور بڑے پُرشکوہ قصیدے کہے اور ان قصیدوں میں سب سے زیادہ پُرشکوہ قصیدہ وہ ہے جس کا مطلع ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی ۔۔۔ نہ ٹوٹی شیخ سے زُنّار تسبیح سلیمانی

سوداؔ کے بعد ذوقؔ قصیدہ گوئی میں مشہور ہیں لیکن انہوں نے اپنا تمام زورِ طبع بہادر شاہ ظفرؔ کے حضور میں نذر کر دیا اور دولت دنیا کو دولت سرمدی پر ترجیح دی۔ غالبؔ غزل نگار شاعر ہیں، فارسی میں کچھ نعتیہ غزلیں موجود ہیں، اُردو میں کوئی مستقل غزل نعت میں نہیں کہی۔ غالبؔ کی فارسی زبان میں یہ نعتیہ غزل مشہور ہے۔ جس کا مقطع ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم ۔۔۔ کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

غالبؔ کے مشہور ہم عصر حکیم مومن خاں مومنؔ نے جن کا قلم کبھی سلاطین کی تعریف میں نہیں اُٹھا، نعت میں اپنی نزاکت طبع کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ نعت پاک میں ان کا یہ قصیدہ بہت مشہور ہے:

زبان لال کہاں اور مدیح تاج خروس ۔۔۔ گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسرِ کاوس

لیکن اُن کے نعتیہ قصیدے بھی اُن کی غزلوں کی طرح زبان زدِ عوام وخواص نہ ہوسکے۔

متاخرین شعراء میں منشی امیر اللہ تسلیمؔ اور محسنؔ کاکوروی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔
منشی امیر اللہ تسلیم کا یہ نعتیہ قصیدہ بڑا پُرشکوہ اور پُرکیف ہے:

فقر میں تقدیر دیتی ہے لباسِ اغنیا　　جسم عریاں پر اُتو ہوتا ہے نقشِ بوریا
گھر میں بیٹھا عالم ایجاد کی کرتا ہوں سیر　　دل مرے پہلو میں ہے آئینۂ قدرت نما

متاخرین شعراء میں محسنؔ کاکوروی نے نعت گوئی کو اپنا موضوع شاعری بنایا اور نعت شریف میں بڑے شاندار قصیدے لکھے۔ خصوصاً آپ کے اس قصیدے نے تو دنیائے ادب میں بہت شہرت حاصل کی کہ آج بھی اس کا لطف اسی طرح زندہ ہے اور اس کی شہرت قائم ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل　　برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

برصغیر میں جب تک دہلی اور لکھنؤ کے دربار موجود رہے، قصیدہ گوئی کا زور رہا۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی شعراء کی قدرداں تھیں۔ دربار رام پور سے بہت سے شعراء وابستہ رہے اور وہ شعراء کی سرپرستی کرتا رہا اس طرح دیگر چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی شعراء کی سرپرستی کو لازمۂ اَمارت سمجھتی رہیں۔ جب ان ادب پرور والیان ریاست کے بعد یہ ادب پروری ختم ہوگئی۔ یہ اچھا ہوا یا بُرا یہ دوسری بات ہے۔ مجھے یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ صنف قصیدہ پر زوال آ گیا۔ درباروں میں قصیدہ گوئی کی محفلیں جب گرم ہونا شروع ہوگئیں تو مشاعروں کا زور ہوا اور مشاعرے کس شان سے ہوتے تھے، اس کا اندازہ آپ کو مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کی تصنیف لطیف ''دہلی کے آخری مشاعرے'' سے ہو جائے گا۔

بیسویں صدی کے مشاعروں میں وہ شاہانہ ٹھاٹ تو پیدا نہ ہوئے لیکن گرمیٔ محفل کے سامان بلند پایۂ کلام فراہم کرنے لگے۔ ان مشاعروں سے قصیدہ گوئی اور قصیدہ خوانی کو قطعی تعلق نہ تھا۔ مشاعرہ نام تھا، صرف غزل خوانی کا۔ مصرع طرح دیا جاتا اور اُس پر شعر آزمائی کر کے غزلیں کہتے اور مشاعروں کو گرماتے۔

دَورِ جدید اپنے آغاز میں نظموں کا دَور تھا اور نظم نگاری کے بڑھتے ہوئے طوفان کے سامنے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ غزل گوئی کا سفینہ غرق ہو کر رہے گا لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ خود نظم گوئی کا بازار

سرد پڑ گیا۔ سرورؔ، بے نظیرؔ، دردؔ کاکوروی، سیمابؔ اکبر آبادی، حفیظؔ اور جوشؔ نے اپنی نظم نگاری سے نظم کے ایوان کو فلک سا بنا دیا اور جناب جوشؔ کی بدولت آج بھی اس میں آن بان موجود ہے لیکن غزل کی شان ہی کچھ اَور رہے اور آج بھی اس سربلندی کے ساتھ بزم ادب میں جلوہ گر ہے۔ بہر حال قصیدہ نگاری کے زوال کے ساتھ ساتھ جب غزل کا عہدِ عروج شروع ہوا تو جہاں شعراء نے غزل کو اپنا منتہائے فکر قرار دیا اور گل وبلبل، زلف ورخسار، جور وجفا، عتاب و عقاب، ہجر ووصل اور فراق یار کی صعوبات کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیا۔ وہاں چند اہل درد ایسے بھی تھے جنہوں نے سرورِ عالم ﷺ کی محبت کو حرزِ جان بنایا اور اس متاعِ ایمان پر اپنے اَفکار کے دُرہائے آبدار کو نثار کیا۔

صہبائے عشق رسول ﷺ سے سرشار رہنے والی ہستیوں میں والامرتبت حضرت محسنؔ کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ، عظیم المرتبت امام اہل سنت حضرت مولانا مولوی احمد رضاؔ خان صاحب قدس سرہ العزیز، حضرت شہیدیؔ، حضرت بیدمؔ اور جناب حسنؔ بریلوی کے اَسمائے گرامی خواہ تاریخ ادب میں مذکور نہ ہوں لیکن عاشقانِ رسول ﷺ کی فہرست میں سرفہرست قیامت تک رہیں گے۔

تاریخ ادب کی یہ چشم پوشی بے وجہ نہیں ہے کہ ان حضرات کی شاعری دوسرے شعراء کی طرح عزت ومنتہائے کمال یا سرمایۂ فضل ومرتبت نہیں تھی، بلکہ ان برگزیدہ ہستیوں کے پاس دلوں میں جب محبت رسول ﷺ کا جوش فراواں ضبط کی حدوں کو توڑ ڈالتا تو ان کے دل کے راز شعر کا لباس پہن کر جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ حضرت شہیدیؔ کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے کس جذبہ کی ترجمانی کر رہا ہے:

تمنا ہے درختوں پہ ترے روضے کے جا بیٹھے　　قفس جس وقت ٹوٹے طائر رُوحِ مقیّد کا

اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا یہ شعر:

اِدھر مخلوق میں شامل، اُدھر اللہ سے واصل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرف مشدّد کا

اور جناب محسنؔ کاکوروی کا یہ فرمانا:

گل خوشرنگ رسول مدنی العربی　　زیب دامانِ ابد طرّۂ دَستارِ اَزل

مہر توحید کی ضو، اَوجِ شرف کا مہِ نو　　　شمع ایجاد کی لَو، بزمِ رِسالت کا کنول

یہ جذبات اور یہ مضامین اور یہ حقیقت آفریں خیالات ان دلوں کی آواز ہوسکتی ہے جس کے دل محبت نبی ﷺ سے گرمائے ہوئے اور جن کے سر سودائے محبت مصطفوی ﷺ سے معمور ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضؔا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور جناب محسنؔ کاکوروی کے ''کلیات'' ملاحظہ کیجئے۔ ہر شعر سے عقیدت چھلکتی ہے اور ہر مصرعہ سے والہانہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ ''نوریہ'':

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا　　　صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

محبت مصطفوی ﷺ کا ایسا چشمہ ہے جس سے آج تک تشنگان محبت اپنی پیاس بجھاتے رہے ہیں۔ ان کشتگان محبت اور شیدائیان نبی ﷺ میں اعلیٰ حضرت الحاج شاہ احمد رضؔا خان صاحب بریلوی کے برادرِ گرامی قدر حضرت حسن رضا خان صاحب المتخلص ''بہ حسنؔ'' بھی ہیں جن کی یہ غزل آج بھی بچے بچے کی زبان پر ہے

حسن جب مقتل کی جانب تیغ برّاں لے چلا　　　عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

بے مروّت ناوک افگن آفریں صد آفریں　　　دل کا دل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں لے چلا

حسنؔ مرحوم نے اپنے والد ماجد حضرت گرامی مولانا نقی علی خان صاحب سے اِکتساب علم کیا اور اعلیٰ حضرت الحاج شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہٗ العزیز کی صحبت میں ذوق شاعری پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔ نعت گوئی کے ساتھ ساتھ غزل گوئی پر بھی آپ کو پوری پوری قدرت حاصل تھی۔ چنانچہ آپ کا ایک دیوان غزلیات بھی موجود ہے۔

حضرت حسنؔ بریلوی کو اُستاذِ وقت جناب دآغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا اور وہ مدّتوں تک رام پور میں دآغ کے دامن سے وابستہ رہے۔ زبان کی لطافت اور بیان کی سادگی جو ان کے اُستاد کا خاص رنگ ہے ان کے ہاں بھی بدرجۂ اَتم موجود ہے۔ یہ اَمر متحقق نہ ہوسکا کہ نعت شریف پر مبنی کلام بھی اُستاد دآغ کی اصلاح سے آراستہ ہوا یا نہیں؟

خود راقم الحروف جس زمانے میں دارالعلوم ''منظر اسلام'' بریلی میں شعبۂ فارسی کا صدر تھا

اور میرا تمام دن وہاں کی علمی اور ادبی فضاؤں میں گزرتا تھا خصوصاً محبِ صادق مولوی ابرار حسین صدیقی تلہری مرحوم کے یہاں مجمع احباب ہوتا اور جناب حسنؔ بریلوی کے خلف جناب حکیم حسین رضا خان صاحب بھی اس صحبت دل نشین میں شریک ہوتے تو اکثر اُن کی زبان سے یہی سنا کہ آپ کا نعتیہ کلام جناب داؔغ کی اصلاح سے حک آشنا نہیں ہوا بلکہ آپ اپنا نعتیہ کلام اپنے برادرِ گرامی اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کو سناتے وہ جو کچھ اصلاح مناسب تصور فرماتے، دے دیتے۔ یہی سبب ہے کہ جناب حسنؔ کے کلام میں شکوہِ الفاظ، بندش تراکیب اور جدّت مضامین کا جہاں تک تعلق ہے اُس کا رنگ اعلیٰ حضرت کے کلام سے ملتا جلتا ہے آپ کا مجموعہ کلام نعتیہ موسوم بہ ''ذوقِ نعت'' کا مطالعہ کیجئے اس میں یہ خصائص آپ کو نظر آئیں گے۔ پیش نظر اَوراق میں حضرت حسنؔ بریلوی کے کلام کا ناقدانہ تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے تا کہ ان کے کلام کی خارجی اور داخلی خصوصیات نمایاں ہوسکیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان کے کلام کی خارجی خصوصیات پر نظر ڈالنا مقصود ہے کہ یہ اندازہ ہوسکے کہ زبان و بیان اور طرزِ اَدا کے اعتبار سے ان کا کلام کس پایہ کا ہے۔

خارجی خصوصیات:

کسی کلام کی خارجی خصوصیات میں سب سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ شاعر کا تعلق ادب کے کس دور سے ہے اور زبان و بیان میں اس نے اس عہد کی ترجمانی کس حد تک کی ہے۔ آغاز کلام میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب حسنؔ مرحوم حضرت داؔغ دہلوی کے شاگرد تھے اور جناب داؔغ کے قیام رام پور کی پوری مدت تک حسنؔ مرحوم اپنے اُستاد کے ساتھ رہے۔ داؔغ مرحوم کی زبان کا غلغلہ ایسا کون ہے جس کے کانوں تک نہ پہنچا ہو۔ داؔغ کا روز مرّہ اور اُن کی زبان خالص دلّی کی زبان اور اُس کا روز مرہ ہے۔ داؔغ کی شاعری کا اگر تجزیہ کیا جائے اور موضوع سے قطع نظر کر لی جائے تو بہت کم ایسے شاعر ہیں جو زبان کی صفائی اور صحت میں ان سے آگے نکل سکیں۔ اُستاد کی خصوصیت سے جناب حسنؔ مرحوم نے بھی پورا پورا اِکتساب کیا ہے اور یہ وصف ان کے ہاں بھی بدرجہ اَتم موجود ہے۔ نعت گوئی میں اگر چہ مضمون کو اوّلیت حاصل ہے

یعنی پہلے مضمون اور پھر اس مضمون کی اہمیت یا اس کی بلند پائیگی سے ہم آہنگ ہونے والے الفاظ یا زبان جناب داؔغ کا سرمایہ شاعری چونکہ غزل ہے اس لئے ان کے ہاں روز مرہ کا پاس اور زبان کی صفائی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے حسنؔ مرحوم نعت شریف میں اس قسم کے محاورات یا روزمرّہ تو استعمال نہیں کر سکے۔

چند دن میں داؔغ ہو گئے کامیاب　　　کیوں مرے جاتے ہو دو دن کے لئے

لیکن احترام نعت کے ساتھ جہاں اُن کو زبان کی سادگی برتنے کا موقع ملا ہے انہوں نے اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ موضوع کے اعتبار سے نعت شریف فن شاعری میں سب سے اہم موضوع ہے اور بقول عرؔفی:

عرؔفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا　　　ہشیار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

ایک ذرا سی لغزش یا فن کی ایسی رعایت جو حدودِ ادب سے بے نیاز بنانے والی یا بے خبر کر دینے والی ہے 'متاعِ ایمان' کو 'متاعِ کاسدٔ' بنا کر رکھ دیتی ہے۔ حسنؔ مرحوم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں کی فضا عشق رسول ﷺ اور محبت نبوی ﷺ کے ایمان پرور نغمات رچے بسے تھے جس برادرِ گرامی کی صحبت اُن کو نصیب ہوئی وہ رسول مکرم ﷺ کے ایسے گدائے غاشیہ بر دوش تھے کہ کیا مجال ہے کہ سوئے ادب تو معاذ اللہ بڑی بات ہے شانِ رسالت کے غیر شایان کلمات کی اَدائیگی کس کی مجال تھی کہ اُن کے حضور میں کر سکے! وہ عظیم ہستی جس کے وِردِ زبان ہمیشہ یہ رہا:

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں　　　خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

اس عظیم ہستی نے آدابِ نعت سے جناب حسنؔ کو واقف کیا اور محبت رسول ﷺ میں شائستگی گفتار کے انداز سکھائے۔ ظاہر ہے اس اُستاد کی محبت میں بھی جس کی زبان کی دُھوم تمام ہندوستان میں تھی جناب حسنؔ کبھی ان آداب کو نہیں بُھولے! زبان کی لذّت کی ساتھ شائستگی گفتار اور اندازِ بیان ملاحظہ فرمایئے:

جلوۂ یار اِدھر بھی کوئی پھیرا تیرا　　　حسرتیں آٹھ پہر تکتی ہیں رستہ تیرا

دیکھئے! ادب انہیں محبوب ربّ العالمین کو اس طرح مخاطب نہیں کرنے دیتا بلکہ وہ جلوۂ یار کو مخاطب کر رہے ہیں اور اس کے پھیرے کے طلب گار ہیں۔

وہ جس کی نظر میں صحرائے مدینہ کا یہ احترام ہو کہ

خارِ صحرائے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے　　آ مری جان مرے دل میں ہے رستہ تیرا

وہ عالم دیوانگی میں بھی ان حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا جو اربابِ ایمان نے اس راہ میں معیّن کر دی ہیں اور اس روزمرہ کو ملاحظہ کیجئے اور تمنائے دل کی داد دیجئے:

موت اُس دن کو جو پھر نام وطن کا لیتا　　خاک اُس سر پہ جو اس دَر سے کنارا کرتا

گرمیِٔ بازار مولیٰ بڑھ چلی　　نرخِ رحمت خوب سستا ہو گیا

اُن کے جلوؤں میں ہیں یہ دلچسپیاں　　جو وہاں پہنچا وہیں کا ہو گیا

اُن کے صدقے میں عذابوں سے چھٹے　　کام اپنا نام اُن کا ہو گیا

سلطان وگدا سب ہیں ترے دَر کے بھکاری　　ہر ہاتھ میں دروازے کا بازو نظر آیا

ظاہر ہیں حسنؔ احمد مختارؐ کے معنیٰ　　کونین پہ سرکار کا قابو نظر آیا

یہ بیٹھا ہے سکّہ تمہاری عطا کا　　کبھی ہاتھ اُٹھنے نہ پایا گدا کا

سہارا دیا جب مرے ناخدا نے　　ہوئی ناؤ سیدھی، پھرا رُخ ہوا کا

اے آہ مرے دل کی لگی اور نہ بجھتی　　کیوں تُو نے دُھواں سینۂ سوزاں سے نکالا

مونھ مانگی مرادوں سے بھری جیب دو عالم　　جب دستِ کرم آپ نے داماں سے نکالا

محاورات کا استعمال:

نعت شریف میں زبان کی پابندیاں بڑا دشوار گزار مرحلہ ہے لیکن جناب حسنؔ کے یہاں جس طرح روزمرّہ اور اس کی بے ساختگی ہے اسی طرح حضرت داؔغ کی مانند انہوں نے محاورے بھی اس طرح استعمال کیے ہیں کہ آمد ہی آمد معلوم ہوتے ہیں آورد کا گمان نہیں ہوتا اور یہ دلیل ہے زبان پر قادر ہونے کی۔ فرماتے ہیں:

اُمت کے کلیجے کی خلش تم نے مٹائی　　ٹوٹے ہوئے نشتر کو رَگِ جاں سے نکالا

اگر قسمت سے میں اُن کی گلی میں خاک ہو جاتا   غم کونین کا سارا بکھیڑا پاک ہو جاتا

محاورے کے ساتھ اس معنیٰ آفرینی اور علو شان رسالت کو ملاحظہ فرمایئے:

اگر پیوند ملبوس پیمبر کے نظر آتے   ترا اے حلّہ شاہی کلیجہ چاک ہو جاتا

حسنؔ اہل نظر عزت سے آنکھوں میں جگہ دیتے   اگر یہ مشت خاک اُن کی گلی میں خاک ہو جاتا

دشمن ہے گلے کا ہار آقا   لٹتی ہے مری بہار آقا

ہاتھ خالی کوئی پھرا نہ پھرے   ہے خزانہ کھلا ہوا تیرا

حسن ہے بے مثل صورت لاجواب   میں فدا، تم آپ ہو اپنا جواب

حشر میں ایک ایک کا منہ تکتے پھرتے ہیں عدو   آفتوں میں پھنس گئے اُن کا سہارا چھوڑ کر

مختصر یہ کہ اس قبیل کی بیبیوں مثالیں اُن کے کلام سے پیش کی جا سکتی ہیں مگر اس تبصرے اور نقد کی تنگ دامانی اس کی اجازت نہیں دیتی۔

خارجی خصوصیات میں زبان کے بعد 'انداز بیان' اور 'طرز ادا' کو بڑی اہمیت ہے۔ حضرت داغؔ دہلوی کے کلام کی شہرت بہت کچھ اُن کے اندازِ بیان کی طرفگی پر مبنی ہے۔ غزل میں اندازِ بیان کو شوخی و بانکپن سے بہت پُر کیف بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ جناب داغؔ کے یہاں یہ خصوصیت ہر جگہ نمایاں ہے لیکن نعت کا محدود و وقیع موضوع اس کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ وہاں مبالغہ کی گنجائش ہے نہ استعارے و کنائے کو آزادہ رَوِی کا موقع دیا جا سکتا ہے اور نہ شوخی و بانکپن کا اس راہ میں گزر ہے۔ شریعت کے حدود قدم کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں۔ حدودِ ادب بیباکی کی اجازت نہیں دیتے۔ ان قیود کے ہوتے ہوئے اگر نعت گو شاعر اندازِ بیان میں طرفگی پیدا کر دکھائے تو یہ اُس کا کمالِ شاعری ہے۔ جناب حسنؔ مرحوم نے اس راہ میں بہت دیدہ وری کے ساتھ قدم اُٹھایا ہے، فرماتے ہیں:

بہاریں تازہ رہتیں کیوں خزاں میں دھجیاں اُڑتیں
لباس گل جو اُن کی ململگی پوشاک ہو جاتا

اندازِ بیان کی شوخی آداب نعت کے ساتھ ملاحظہ کیجئے:

کماندارِ نبوت قادر اندازی میں یکتا ہیں
دو عالم کیوں نہ اُن کا بستۂ فتراک ہو جاتا
تجلی گاہِ جاناں تک اُجالے سے پہنچ جاتے
جو تو اے توسن عمر رَواں چالاک ہو جاتا
کانٹا غم عقبیٰ کا حسنؔ اپنے جگر سے
اُمت نے خیال سرِ مژگاں سے نکالا
اُمت کے کلیجے کی خلش تم نے مٹائی
ٹوٹے ہوئے نشتر کو رگِ جاں سے نکالا
قیدیوں کی جنبشِ اَبرو سے بیڑی کاٹ دو
ورنہ جرموں کا تسلسل سوئے زنداں لے چلا
گل نہ ہو جائے چراغِ زینت گلشن کہیں
اپنے سر میں مَیں ہوائے دشتِ جاناں لے چلا
کہوں کیا حال زاہد گلشن طیبہ کی نزہت کا
کہ ہے خلد بریں چھوٹا سا ٹکڑا میری جنت کا
شب اسریٰ ترے جلوؤں نے کچھ ایسا سماں باندھا
کہ اب تک عرش اعظم منتظر ہے تیری رخصت کا
گرمیٔ بازار مولیٰ بڑھ چلی
نرخ رحمت خوب سستا ہو گیا
دیکھ کر اُن کا فروغ حسن پا
مہر ذرّہ، چاند تارا ہو گیا
ہمیشہ رہروانِ طیبہ کے زیر قدم آئے
الٰہی کچھ تو ہو اعزاز میرے کاسۂ سر کا

اُجالا طور کا دیکھیں جمالِ جانفزا دیکھیں
کلیم آ کر اُٹھا دیکھیں ذرا پردہ ترے دَر کا

ہمارے دل کی لگی بھی وہی بجھا دیں گے
جو دم میں آگ کو باغ و بہار کرتے ہیں

ہوائے دامن جاناں کے جاں فزا جھونکے
خزاں رسیدوں کو باغ و بہار کرتے ہیں

دے ڈالئے اپنے لبِ جاں بخش کا صدقہ
اے چارۂ دل، دردِ حسنؔ کی بھی دَوا ہو

بہارِ خلد صدقے ہو رہی ہے روئے عاشق پر
کھلی جاتی ہیں کلیاں دل کی تیرے مسکرانے سے

زبان کی سادگی، طرزِ اَدا اور اندازِ بیان کی مثالیں آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خامۂ حسنؔ نے اس میدان میں کیسی گلکاریاں کی ہیں جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ صفائی زبان میں اُنہوں نے اپنے اُستاد کی پوری پوری تقلید کی ہے اور یہ اُن کا کمالِ شاعری ہے کہ نعت شریف میں انہوں نے سادگی زبان اور محاورے کی چاشنی کو برقرار رکھا ہے ورنہ نعت گوئی کے لئے شکوہِ الفاظ اور جدّتِ تراکیب ضروری لوازم ہیں۔ جناب حسنؔ کے برادر گرامی قدر والا مرتبت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا کلام دیکھئے، اُن کے خامۂ رنگین بیان اور فکرِ رَسا نے شکوہِ الفاظ سے ایک ایک شعر کو اس طرح آراستہ کیا ہے کہ مضمون کی اَدائیگی کے لئے اس سے بہتر الفاظ کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جناب حسنؔ کے یہاں خارجی خصوصیات میں یہ خصوصیت بھی موجود ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ اس التزام نے اُن کے کلام کی بے ساختگی کو ختم کر دیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

فروغ اختر بدر آفتاب جلوۂ عارض
ضیائے طالع بدر اُن کا اَبروئے ہلالی ہے

ہے کس کے گیسوئے مشکبو کی شمیم عنبر فشانیوں پر
کہ جائے نغمہ صفیر بلبل سے مُشکِ اَذفر ٹپک رہا ہے

ہر سمت سے بہار نوا خانیوں میں ہے　　نیسانِ جودِ ربّ، گُہر افشانیوں میں ہے
چشم کلیم جلوے کے قربانیوں میں ہے　　غل آمد حضور ﷺ کا روحانیوں میں ہے

اک دُھوم ہے حبیب کو مہماں بلاتے ہیں
بہرِ براق خلد کو جبریل جاتے ہیں

اگر اُس خندہَ دنداں نما کا وصف موزوں ہو　　ابھی لہرا چلے بحر سخن سے چشمہ گوہر کا

آستیں نقد عطا در آستیں　　بے نوا ہیں اَشک ریزاں الغیاث
نقش پا اے نو گل گلزار خلد!　　ہو یہ اُجڑا بَن گلستان الغیاث

دل صباحت یوسف میں سوزِ عشق حضور ﷺ　　بنات و قند ہوئے ہیں کباب حسن ملیح
عسل ہو آب بنیں کوزہائے قند حباب　　جو بحر شور میں ہو عکس آب حسن ملیح

لیکن اس طرح کے اشعار خال خال ہیں ورنہ جس قدر اشعار ہیں اُن میں زبان کا لطف، طرزِ اَدا کی بے ساختگی اور سادگی و پُرکاری موجود ہے جس کا نعت گوئی میں اِلتزام بہت مشکل ہے لیکن جناب حسنؔ نے ان خصوصیات کو بڑی خوبی سے قائم رکھا ہے۔

اب آئیے آپ کو جناب حسنؔ کی نعتیہ شاعری کی داخلی خصوصیات سے بھی رُوشناس کراؤں۔

ندرت خیال:

شاعری کی داخلی خصوصیات میں ندرت خیال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ندرت فکر و خیال کا میدان جس قدر کشادہ و وسیع ہے اُسی قدر اس کو طے کرنا دُشوار ہے، اس راہ میں ذرا سی بے اعتدالی کلام کو چیستاں اور معمہ بنا دیتی ہے۔ کسی اچھوتے خیال کو اگر طرزِ اَدا کی شائستگی کے بغیر نظم کر دیا جائے تو کلام میں نہ بیساختگی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ صفائی، ان دونوں باتوں کے بغیر اَثر

آفرینی کا وصف اُس میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ مدحیہ اور عشقیہ شاعری میں ندرت خیال اور جدّت مضامین کے لئے بہت زیادہ مواقع ہیں لیکن نعتیہ شاعری یا نعت گوئی میں ندرت خیال کے لئے ہر طرف سے بندشیں اور پابندیاں ہیں، حدودِ ادب متعین ہیں۔ قیود شرعی ہیں جو جولانیٔ قلم کی مانع ہیں۔

جناب محسنؔ کاکوروی نے قصیدے کی تشبیب میں ندرت فکر و خیال کے وہ جوہر دکھائے کہ آج بھی اُن کے قصیدے لامیہ:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل　　　　برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

کی شاعر بے ساختہ داد دیتے ہیں۔ لیکن یہ تشبیب بہاریہ تھی اس میں اُن کا اَشہب قلم بے ساختہ چلا ہے البتہ گریز کے موقع پر اُن کی طبع بہارِ آفرین نے کمال دکھایا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی عالمانہ فکر اور محققانہ طبیعت نے فلسفہ و منطق، علم اُصول و کلام کی رِعایت کے ساتھ جب ندرت آفرینیاں کیں تو کلام کے معانی عوام کے ذہنوں کی کمند سے شکار نہ ہوسکے۔ ہاں عالموں کے اَذہان نے اُن تک رَسائی پائی اور اُن کی طبائع نے لطف اُٹھایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی فکر رَسا کی ندرت کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے:

وہ گراں سنگیٔ قدرِ مَس وہ اَرزانیٔ جُود　　　　نوعیہ بدلا کیے سنگ وِلائی ہاتھ میں

''نوعیہ'' سے مراد صورتِ نوعیہ ہے اور دست گرامی میں کنکریوں کا ناطق ہو جانا اور اُن کا کلمہ پڑھنا اُن کی صورت نوعیہ کا بدل جانا تھا۔

جس نے بیعت کی بہارِ حسن پہ قرباں رہا
ہیں لکیریں نقش تسخیر جمالی ہاتھ میں

اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم، اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرتِ کوثر میں زمزم کی طرح کم کم نہیں

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیران ہوں یہ بھی خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

زبانِ فلسفی سے اَمن و خرق و التیام اَسرا
پناہ دَورِ رحمت ہائے یک ساعت تسلسل کو

شش جہت سمت مقابل، شب و روز ایک ہی حال
دُھوم والنّجم میں ہے آپ کی بینائی کی

نہ عرش ایمن نہ اِنِّی ذَاھِب میں میہمانی ہے
نہ لطف اُدنُ یا احمد! نصیب لن ترانی ہے

میں انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتا ہوں۔ مدعا یہ ہے کہ جب ندرتِ تخیّل، اُسلوب و سادگی بیان کی گرفت سے نکل جاتی ہے تو اشعار غالبؔ کے ان اشعار کی طرح ہو جاتے ہیں۔

نیم رنگی ہائے محفل جوششِ خوباں سے ہے — پیچک کہ صرفِ چاک پردۂ فانوس و بس
ہے تصور میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں — کاسۂ زانو ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس و بس

عموماً ایسے کلام کو لوگ بے معنی کہہ دیا کرتے ہیں۔ جدّتِ فکر و ندرتِ تخیّل، اُسلوب و سادگی بیان دُشوار گزار مرحلہ خصوصاً نعت میں اس کا اِدراک اَور بھی تنگ ہے۔ جناب حسنؔ کے یہاں یہ معنوی خوبی موجود ہے لیکن اُن کی فہم رَسا نے کسی نئے مضمون کے لئے ایسا اُسلوب بیان اختیار کیا ہے کہ فہم کو دامن معنی میں دُشواری نہیں ہوتی ہاں ایسے مقامات پر اَثر آفرینی ضرور کم ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

ہو اگر مدح کفِ پا سے منور کاغذ — عارضِ حور کی زینت ہو سراسر کاغذ
قیدیوں کی جنبش اَبرو سے بیڑی کاٹ دو — ورنہ جرموں کا تسلسل سوئے زِنداں لے چلا
دل حیراں کو کبھی ذوق تپش پہ لاتا — تپش دل کو کبھی حوصلہ فرسا کرتا
ہمیشہ رہروانِ طیبہ کے زیر قدم آئے — الٰہی کچھ تو ہو اعزاز مرے کاسۂ سر کا
قرآں کے حواشی پہ جلالین لکھی ہے — مضموں یہ خط عارضِ جاناں سے نکالا
اُس ماہ نے جب مہر سے کی جلوہ نمائی — تاریکیوں کو شامِ غریباں سے نکالا
چمک جاتا مقدر جب دُرِ دنداں کی طلعت سے — نہ کیوں رشتہ گہر کا ریشۂ مسواک ہو جاتا

حال سے کشف رازِ قال نہ ہو قال سے کیا عیاں ہو حالِ حضور
کمند رشتۂ عمر خضر پہنچ نہ سکے بلند اِتنا ہے ایوانِ بارگاہِ رفیع
جاں بخشیاں مسیح کو حیرت میں نہ ڈالتیں چپ بیٹھے دیکھتے تری رفتار کی طرف
کر گیا آخر لباسِ لالہ و گل میں ظہور خاک میں ملتا نہیں خونِ شہیدانِ جمال

مندرجہ بالا اشعار کو دیکھئے۔ اُسلوب بیان اور طرزِ اَدا نے فہم معانی کو دُشوار تو نہیں بنایا لیکن کیف اور اَثر آفرینی کا وہ عالم نہیں جو ان غزلوں میں ہے جن کے چند اشعار میں سلاستِ زبان اور طرزِ اَدا کی مثالوں میں پیش کر آیا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ خیال کی ندرت، فکر کی جدّت اور مضمون آفرینی شکوہِ الفاظ کی متقاضی ہے اور اس کے لئے جس قسم کی تراکیب اور الفاظ کی تراش خراش سے کام لیا جاتا ہے وہ سادگی کی دشمن ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ ایسے اشعار سے اَثر آفرینی اور سوز و گداز رخصت ہو جاتا ہے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ غزل میں تو ایک گونہ مضمون آفرینی کی گنجائش بھی ہے لیکن نعت شریف میں مضمون آفرینی سے کلام پُر کیف نہیں ہوتا۔

کسے نہیں معلوم کہ مومنؔ دہلوی تغزل کے بادشاہ تھے۔ لیکن اسی ایک مضمون آفرینی کی بدولت اُن کا کلام کیف اور اَثر آفرینی سے خالی ہو گیا۔

دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کے لئے سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے
ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لئے

جناب حسنؔ بریلوی کو اس مضمون آفرینی کی ضرورت دیوان کے تکملہ کے لئے حروف تہجی کی ردیفیں مکمل کرنے کی صورت میں پیش آئی ورنہ جہاں اس قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں ہے وہاں جناب حسنؔ کے یہاں زبان کی سادگی روز مرّہ کا لطف، کیف اور اَثر بدرجۂ اَتم موجود ہے اس قبیل کی مثالیں میں روز مرّہ وغیرہ کے تحت پیش کر چکا ہوں۔

واردات محبت اور جذبات نگاری:

تغزل میں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ عاشق اپنی تمام کیفیات اور واردات کو نہایت آسانی اور وضاحت کے ساتھ ہر قسم کی پابندی سے الگ تھلگ رہ کر بیان کرتا ہے لیکن نعت

پاک میں ایسا ممکن نہیں۔ آنحضرت ﷺ سے تعلق ان تمام خطوط و وساوس میں سے پاک و معرا ہے جو تغزل کی جان ہیں۔ پھر یہ کہ یہاں بے باکی کا شائبہ بھی نہیں۔ حبیب پاک ﷺ کا نام نامی لینا بھی ہو تو اس کے لئے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

نعت پاک کی نزاکتوں، آداب عشق نبوی ﷺ اور اس کی کڑی شرطوں سے عہدہ برآ ہونا ہر ایک کا کام نہیں اس کے لئے بڑے سلیقے اور قرینے کی شرط ہے۔ عشق مصطفوی ﷺ کا احترام علامہ اقبال کے یہاں دیکھئے:

بمصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

عشق مصطفوی ﷺ وہ عشق ہے جو جسم کی غذا نہیں بلکہ روح کی غذا ہے جس کی تشریح مولانا روم یوں یوں فرماتے ہیں:

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علّت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

اس عشق کی تشریح کامل آپ کو علامہ اقبالؔ کے کلام میں ملے گی اور اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوگا کہ عشق ایمانی نقطۂ نظر سے اور مابعد الطبیعاتی اعتبار سے کیا چیز ہے اور اس کے کتنے مراحل ہیں اور وہ کس طرح طے ہو سکتے ہیں۔ نعتیہ شاعری میں عشق مصطفوی ہر بوالہوس کا شعار نہیں بلکہ یہ خاصانِ بارگاہِ الٰہی کا حصہ ہے یہ اللہ کی دَین ہے جس کے حصے میں آئے۔ جناب حسنؔ کو بھی بارگاہِ نبوت سے یہ شرف حاصل ہوا تھا، ان کے یہاں منزل عشق کے تمام مدارِج موجود ہیں لیکن اس راہ کو انہوں نے بڑی احتیاط سے طے کیا ہے ان کے یہاں فراق کا بیان ہے۔ شب فراق کی ستم رانیوں کا بھی ذکر ہے۔ دیارِ محبوب کا اشتیاق بھی موجود ہے۔ دَرِ محبوب پر عرضِ حال بھی کرنا چاہتے ہیں۔ غرض کہ وہ تمام مراحل ہیں جو اس راہ میں ایک محبِ صادق کو پیش آتے ہیں لیکن تقدیس و تکریم کا دامن ہاتھ سے کہیں چھوٹنے نہیں پاتا۔

انہوں نے محبوب کا سراپا بھی بیان کیا ہے اور فکر رَسا نے وہ مضمون آفرینی کی ہے کہ بے

ساختہ داد دینے کو دل چاہتا ہے۔ اب میں ان موضوعات پر ان کے اشعار پیش کرتا ہوں تا کہ ان کی طبع وقاد کی بلندی اور اُپچ آپ خود ملاحظہ کرسکیں۔

حسن محبوب، اس کی رِفعتیں اور اس کی شان:

لامکاں میں نظر آتا ہے اُجالا تیرا دُور پہنچایا ترے حسن نے شہرا تیرا
خوبرویانِ جہاں تجھ پہ فدا ہوتے ہیں وہ ہے اے ماہِ عرب حسنِ دل آرا تیرا
بہر دیدار جھک آئے ہیں زمیں پہ تارے واہ اے جلوۂ دلدار چمکنا تیرا
آسماں گر ترے تلووں کا نظارہ کرتا روز اک چاند تصدّق میں اُتارا کرتا
دُھوم ذرّوں میں اناالشّمس کی پڑ جاتی ہے جس طرف سے ہے گزر چاند ہمارا کرتا
دیکھ کر اُن کا فروغِ حسن پا مہر ذرّہ، چاند تارا ہو گیا
حسن یوسف پر زلیخا مٹ گئیں آپ پر اللہ پیارا ہو گیا
اگر جلوہ نظر آئے کف پائے منور کا ذرا سا منہ نکل آئے ابھی خورشید خاور کا
دیواروں کو آئینہ بناتے ہیں وہ جلوے آئینوں کو جن جلووں نے دیوار بنایا
اُس چہرۂ پُر نور کی وہ بھیک تھی جس نے مہر و مہ و انجم کو پُر انوار بنایا

سراپائے محبوبِ ربُّ العالمین ﷺ ملاحظہ کیجئے اور مضمون آفرینی کی داد دیجئے:

یہ گردنِ پُر نور کا پھیلا ہے اُجالا یا صبح نے سر اُن کے گریباں سے نکالا
قرآں کے حواشی پہ جلالین لکھی ہے مضموں یہ خطِ عارضِ جاناں سے نکالا
ہے حسن گلوئے مہ بطحا سے یہ روشن اب مہر نے سر ان کے گریباں سے نکالا
اُن ہاتھوں کے قربان کہ اُن ہاتھوں سے تم نے خارِ رہِ غم پائے غریباں سے نکالا
اُن کے دُرِّ دَنداں کا وہ صدقہ تھا کہ جس نے ہر قطرۂ نیساں دُرِ شہوار بنایا
تصور لطف دیتا ہے دہانِ پاک سرور کا بھرا آتا ہے پانی میرے منہ میں حوضِ کوثر کا

محبوب کا کمال حسن یہ ہے کہ:

تیرے صانع سے کوئی پوچھے ترا حسن و جمال خود بنایا اور بنا کر آپ پیارا ہو گیا

تصور اُس لب جاں بخش کا کس شان سے آیا　　دلوں کا چین ہو کر جان کا آرام جاں ہو کر

جناب حسنؔ نے ''الغیاث'' کی ردیف میں ایک پچاس شعر کی غزل کہی ہے جس میں سراپائے نبوی ﷺ کمال خوبی سے پیش کیا ہے۔اس غزل کا مطلع ہے:

جاں بلب ہوں آ مری جاں الغیاث　　ہوتے ہیں کچھ اور ساماں الغیاث

پوری غزل یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں لہٰذا اس سراپا کو ملاحظہ کیجئے:

فراق محبوب ﷺ آرزوئے دیدار:

دیدار کی بھیک کب بٹے گی　　منگتا ہے اُمیدوار آقا

جاں بلب ہوں آ مری جاں الغیاث　　ہوتے ہیں کچھ اور ساماں الغیاث

بیقراری چین لیتی ہی نہیں　　اے قرارِ بے قراراں الغیاث

غمزدوں کی شام ہے تاریک رات　　اے جبیں اے ماہِ تاباں الغیاث

بلائے جاں ہے اب ویرانیٔ دل　　چلے آؤ کبھی اس اُجڑے گھر میں

غرضیکہ داخلی اعتبار سے جناب حسنؔ کی شاعری میں وہ تمام پہلو آپ موجود پائیں گے جن کی موضوع نعت اجازت دے سکتا ہے۔جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں یہ میدان نعت پاک کا ہے کسی مجازی محبوب کا نہیں کہ وہاں بے باکانہ قدم اُٹھائے دَر آئیں اور بوالہوسی جو کچھ تقاضہ کرے اُس کو سپرد خامہ کرتے چلے جائیں۔

جناب حسنؔ نے اپنے جذباتِ محبت کی اَدائیگی کے بعد بکثرت ایسے اشعار پیش کئے ہیں جن میں سرورِ دو عالم و عالمیاں مختار کل ﷺ کے اَوصاف بے مثال کو پیش کیا ہے۔خصوصیت سے اس شفیع المذنبین ﷺ کی شانِ شفاعت، رِفعت رِسالت اور آپ کی جلالت کو بڑے پاکیزہ اور بلند انداز میں پیش کیا ہے اور یہی نعت ہے۔چند اشعار ملاحظہ کیجئے ان اشعار میں بیان و زبان دونوں کا لطف موجود ہے۔

عاصیوں کو دَر تمہارا مل گیا　　بے ٹھکانوں کو ٹھکانہ مل گیا

ناخدائی کے لئے آئے حضور ﷺ　　ڈوبتو نکلو سہارا مل گیا

رَبِّ سَلِّم وہ اِدھر کہنے لگے	اُس طرف پار اپنا بیڑا ہو گیا
مجرم ہیبت زدہ جب فردِ عصیاں لے چلا	لطف شہ تسکین دیتا پیش یزداں لے چلا
کوئی قریب ترازو، کوئی لب کوثر	کوئی صراط پر اُن کو پکارتا ہو گا
چکرا گئی ناؤ بے کسوں کی	آنا مرے غم گسار آقا
روزِ محشر ایک تیرا آسرا	سب سوالوں کا جواب لاجواب

زیارت مدینہ منورہ کا اشتیاق بے حد، راہ طیبہ، راستے کی صعوبتیں جو راہی کے لئے عین راحت ہیں، ان کا اندازِ بیان، دشت مدینہ اور خارِ بیاباں کی عظمتیں، بہارِ مدینہ اور رضوان کی جنتیں۔ یہ وہ عام موضوعات ہیں جو دوسرے نعت گو شعراء کی طرح جناب حسنؔ کی نعتیہ شاعری کے بھی موضوعات ہیں اور انھوں نے ان موضوعات پر بھی اس چابکدستی سے قلم اُٹھایا ہے جو اُن کی شاعری کا خاصہ ہے۔ اندازِ بیان کی پاکیزگی وہی ہے، زبان کا لطف وہی ہے اور پھر سادگی و سلالت ہے جو جناب حسنؔ کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ محاسن کلام بھی اس طرح آپ کے یہاں موجود ہیں جس طرح دوسری خصوصیات، تشبیہ اور مجاز مرسل شاعری کے زیور ہیں۔ صنائع بدائع خواہ وہ لفظی ہوں یا معنوی محاسن کلام میں شمار ہوتی ہیں۔ نعتیہ شاعری میں ان محاسن کلام کا پیش کرنا بہت مشکل ہے اور ان کے بے ساختہ بیان یا اَدائیگی کے لئے بڑی قادرُ الکلامی کی ضرورت ہے۔ جناب حسنؔ کے یہاں یہ تمام چیزیں موجود ہیں اور لطف یہ ہے کہ ان کی موجودگی سے کلام کی بے تکلفی اور سادگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا ورنہ صنائع اور بدائع کا اِلتزام کلام کو اکثر چیتاں بنا دیا کرتا ہے۔ آیئے میں آپ کے سامنے چند ایسے اشعار بھی پیش کر دوں جن میں یہ خصوصیات موجود ہیں۔

اِستعارے کا لطیف استعمال:

میں یہاں استعارے کی بحث چھیڑ کر یا اس کی قسمیں بیان کر کے کلام کو طول نہیں دوں گا بلکہ آپ کے سامنے صرف چند ایسے اشعار پیش کئے دیتا ہوں جن میں استعارے کی لطافت اور خوبی موجود ہے۔

دیکھ رِضواں دشتِ طیبہ کی طرف مری جنّت کا نہ پائے گا جواب
جلوہ فرما ہے جو میرا آفتاب ذرّہ ذرّہ سے ہو پیدا آفتاب
سُوکھے دھانوں کی بھی خبر لے کہ ہے بادِل گھرا ہوا تیرا
صدقے ترے اے مردمک دیدۂ یعقوب یوسف کو تری چاہ نے کنعاں سے نکالا
دینی تھی جو عالم کے حسینوں کو ملاحت تھوڑا سا نمک اُن کے نمکداں سے نکالا
اگر اس خندۂ دنداں نما کا وصف موزوں ہو ابھی لہرا چلے بحرِ سخن سے چشمہ گوہر کا
سجدے کو جھکا، جائے براہیم میں کعبہ جب قبلۂ کونین کا اَبرو نظر آیا

اب چند تشبیہات لطیف ملاحظہ کیجئے!!!

صبح محشر ہر اَدائے عارِضِ روشن میں وہ شمع نور افشاں پئے شام غریباں لے چلا
قبلہ کا بھی کعبہ رُخِ نیکو نظر آیا کعبہ کا بھی قبلہ خم اَبرو نظر آیا
چمکتا ہوا چاند غارِ حرا کا اُجالا ہوا برُجِ عرش عُلا کا
ہے حسنِ گلوئے مہ بطحا سے یہ روشن اب مہر نے سر اُن کے گریباں سے نکالا
یہ گردنِ پُر نور سے پھیلا ہے اُجالا یا صبح نے سر اُن کے گریباں سے نکالا
اے نظم رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع تُو نے ہی اُسے مطلع اَنوار بنایا
قرآں کے حواشی پہ جلالین لکھی ہے مضمون یہ خطِ عارِضِ جاناں سے نکالا
ہے خاک پہ نقش پا تمہارا آئینہ ہے بے غبار آقا
دیکھنے والوں کے دل ٹھنڈے کئے عارِضِ اَنور ہے ٹھنڈا آفتاب
تلوے اور تلوے کے جلوے پر نثار پیارا پیارا نور، پیارا آفتاب
نقش پا، اے نو گل گلزار خلد! ہو یہ اُجڑا بَن گلستاں الغیاث

ایسی لطیف و پاکیزہ تشبیہوں سے آراستہ بکثرت اشعار ''ذوقِ نعت'' میں موجود ہیں، یہاں میں چند مثالوں پر اکتفاء کرتا ہوں۔

صنائع لفظی میں جناب حسنؔ نے صنعت عکس یا بالفاظ دیگر ''ردّ العجز علی الصدر و ردّ

الصدر علی العجز" کو زیادہ استعمال کیا ہے ذیل کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

دیواروں کو آئینہ بناتے ہیں وہ جلوے　　آئینوں کو جن جلووں نے دیوار بنایا
کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر　　کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا
جو بندہ خدا کا وہ بندہ تمہارا　　جو بندہ تمہارا وہ بندہ خدا کا

اسی طرح "مراعاۃ النظیر" کی بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

اللہ اللہ صرصر طیبہ کی رنگ آمیزیاں　　ہر بگولا نزہت مردِ گلستاں لے چلا
اُس چہرۂ پُر نور کی وہ بھیک تھی جس نے　　مہر و مہ و انجم کو پُر انوار بنایا

صنعتِ اشتقاق دیکھئے:

بیکسوں پر مہرباں ہے رحمتِ بیکس نواز　　کون کہتا ہے کہ ہماری بیکسی اچھی نہیں

صنعت تجنیس دیکھئے:

خارہائے دشتِ طیبہ چبھ گئے دل میں مرے　　عارضِ گل کی بہارِ عارضی اچھی نہیں

صنعتِ تضاد یا طباق تو بہت ہی عامۃ الورود ہے اس لئے میری نظر میں اس کی خاص اہمیت نہیں۔ اس طرح صنعت اقتباس، صنعت تلمیح صنائع لفظی کے اشعار جناب حسنؔ کے یہاں کافی موجود ہیں۔ صنائع معنوی میں صنعت تلمیح کی کثرت ہے اور ظاہر ہے کہ نعت پاک میں صنعت تلمیح کے بیان کی بہت گنجائش ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ صنائع لفظی کے مقابلہ میں صنائع معنوی کم ہیں۔

اب میں اس تبصرے کو مزید طول دینا نہیں چاہتا۔ میں نے مختصراً جناب حسنؔ بریلوی کے نعتیہ کلام "ذوقِ نعت" کے چند پہلو تنقیدی نقطۂ نظر سے آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ حسنؔ صاحب کا دیوان ملاحظہ فرمایئے تا کہ آپ پورا پورا لطف اُٹھا سکیں اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں جناب حسنؔ مرحوم کی عقیدت کیشیاں آپ کے لئے بھی ثمر خیر و برکات بن سکیں۔

(آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ)

☆

حسنؔ بریلوی کا ذوقِ نعت گوئی[1]

مولانا حسن رضا خان بریلوی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''ذوقِ نعت''، معروف بہ ''صلۂ آخرت'' کے تاریخی نام سے شائع ہوا تھا۔ ''ذوقِ نعت'' کی ترتیب میں عام اساتذہ کے دیوانوں کی طرح حروف تہجی کی ترتیب کا التزام ہے۔ اس طرح ہر ردیف میں نعتیں کہی گئی ہیں بلکہ بعض سنگلاخ زمینوں میں بھی جن میں نعتیہ مضامین اَدا کرنا آسان نہ تھا، کامیاب نعتیں کہی ہیں۔ میں نے آئندہ صفحات میں ان کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا ہے۔

ان کے کلام کی بڑی خوبی مضمون آفرینی ہے عموماً نعت گو شعراء کے کلام میں وہی چند گنے چنے مضامین ہوتے ہیں جو مختلف الفاظ کے ذریعے جلوہ آرا ہوتے رہتے ہیں لیکن مولانا حسن کی نعتوں میں ندرت خیال بھی ہے اور حقیقت آرائی بھی۔ نعت گو شعراء کو محبوب کے حسن و جمال اور حسن سیرت کے بیان میں عموماً کذب اور مبالغے سے اجتناب کرنا پڑتا ہے اور محبوب کے حقیقی صفات ہی کی نقاب کشائی کرنا پڑتی ہے۔ مولانا حسن نے حقیقت کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا۔ مولانا ہر شعر میں موقع کی اہمیت اور نزاکت کے مطابق نہایت مناسب اور موزوں الفاظ اور برمحل محاورات استعمال کرتے ہیں۔ تشبیہات نہایت لطیف اور عام فہم ہیں۔ اس لئے ان کا کلام فصاحت اور بلاغت کا خزینہ بن گیا ہے، لفظی رعایات ہر شعر میں موجود ہیں۔ بعض اشعار میں الفاظ کو مقدم موخر کر کے یا الفاظ کے ہیر پھیر سے بے ساختہ مضمون پیدا کر لیا ہے، بعض اشعار میں آیات اور احادیث کے نگینے باصرہ افروز ہیں۔ اب ہم مولانا کی نعتوں کی خصوصیات پر فرداً فرداً نظر ڈالتے ہیں۔

---

[1] یہ مقالہ معروف شاعر و ادیب و تذکرہ نگار اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی کی کتاب ''شعر حسن'' سے لیا گیا ہے۔

مضمون آفرینی:

مولانا نعت گوئی میں دوسرے نعت گو شعراء کے نقال نہیں کہ میلاد شریف کا ذکر کریں تو وہی بات پر الفاظ دِگر کہہ دیں جو دوسرے شعراء کہہ چکے ہیں یا معراج کا مضمون ہو تو وہی رسمی باتیں بیان کردیں جو دوسرے نعت گو بھی بیان کر چکے ہیں۔ مولانا ہر مقام اور ہر جگہ پر نئی بات کہنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے بہت سے اشعار میں نئے نئے مضامین ہیں۔ میں ذیل میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں، جن میں ندرت خیال موجود ہے اور مضمون آفرینی کا حق ادا کیا گیا ہے۔

"قل" کہہ کے اپنی بات بھی لب سے تیرے سنی
اللہ کو ہے اتنی تیری گفتگو پسند

کرے تعظیم میری سنگ اسود کی طرح مومن
تمہارے دَر پر رہ جاؤں جو سنگِ آستاں ہو کر

مرزا غالب کا ایک شعر ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

غالبؔ کا خیال ہے کہ کچھ حسینوں کی شکلیں تو لالہ وگل کی صورت میں ظاہر ہو گئیں اور بہت سی مٹی ہی میں دب کر رہ گئیں۔ لیکن مولانا کو اس سے اتفاق نہیں، انہوں نے اس سے ایک نیا مضمون پیدا کیا ہے، فرماتے ہیں:

کر گیا آخر لباس لالہ و گل میں ظہور خاک میں ملتا نہیں خونِ شہیدانِ جمال

امیر مینائی کا شعر ہے:

حور بن کر تیرے کشتے کی قضا آتی ہے دامن تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

مولانا حسن فرماتے ہیں:

جب تیری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی جان لینے کو دولہن بن کے قضا آئی ہے

اور پھر کہا:

شہیدِ ناز کی تفریح زخموں سے نہ ہو کیوں کر ہوائیں آتی ہیں ان کھڑکیوں سے باغِ جنت کی

ندرت خیال کی رنگا رنگ جلوہ آرائی دیکھئے:

الٰہی دھوپ ہو اُن کی گلی کی
میرے سر کو نہیں ظلِّ ہما خوش

جنت بھی لینے آئے تو چھوڑیں نہ یہ گلی
منہ پھیر بیٹھیں ہم تیری دیوار کی طرف

اسے قسمت نے اس کے جیتے جی جنت میں پہنچایا
جو دم لینے کو بیٹھا سایۂ دیوارِ جاناں میں

جو لگائے آنکھ میں محبوب ہو
خاکِ طیبہ سرمۂ تسخیر ہے

غبارِ بے کساں کو کوئی پہنچا دے مدینے میں
لپٹتا ہے ہر اک دامن سے سب کے پاؤں پڑتا ہے

ملائکہ کو بھی ہیں کچھ فضیلتیں ہم پر
کہ پاس رہتے ہیں طوفِ مزار کرتے ہیں

جس بات میں مشہور جہاں ہے لب عیسیٰ
اے جانِ جہاں وہ تیری ٹھوکر سے اَدا ہو

عیسیٰ کی زباں میں ہیں جو برکات
اس ہاتھ کے سامنے ہے اک بات

نقشِ پا سے جو ہوا ہے سرفراز
دل بدل ڈالیں گے اس پتھر سے ہم

کیا پروانوں کو بلبل نرالی شمع لائے تم
گرے پڑتے تھے جو آتش پہ وہ پہنچے گلستاں میں

اتنی مدت تک ہو دیدِ مصحف عارِض نصیب
حفظ کر لوں ناظرہ پڑھ پڑھ کے قرآنِ جمال

مولانا حسنؔ کی نعتوں کے بعض اشعار میں بالکل نئے خیالات ہیں جو پیشتر از یں کہیں سننے میں نہیں آئے۔ مثلاً فرمایا ہے:

الٰہی بعد مُردَن پردہ ہائے حائل اُٹھ جائیں
اُجالا میرے مرقد میں ہو اُن کی شمع تُربت کا

دونوں جہاں کی شاہی ناکتخدا دُلہن تھی
پایا دُلہن نے دولہا صبح شب ولادت

بت خانوں میں وہ قہر کا کُہرام پڑا ہے
مل مل کے گلے روتے ہیں کفار و صنم آج

نورِ ولادت مہ طیبہ کا فیض ہے
رہتی ہے جنّتوں میں جو لیل و نہار صبح

بس چل سکے تو شام سے پہلے سفر کرے
طیبہ کی حاضری کے لئے بے قرار صبح

تیرے دامن کا سایہ اور دامن کتنے پیارے ہیں
وہ سایہ دشت محشر کا یہ حامی دیدۂ تر کا

اُتر سکتی نہیں تصویر بھی حسن سراپا کی
کچھ اس درجہ ترقی پر تمہاری بے مثالی ہے

عالم رُوح کو ہے عالم اجسام پہ ناز
چوکھٹے میں جو عناصر کے ہے صورت تیری

پھر ایک اور دلفریب شعر ہے:

گردن تسلیم خم کرنے کے ساتھ پھینکتے ہیں بارِعصیاں سر سے ہم

حسن الفاظ:

مولانا حسنؔ بریلوی کو چونکہ زبان او رمحاورے پر بہت قدرت حاصل ہے اس لئے بسا اوقات الفاظ کے تقدم وتاخر سے مضمون پیدا کر لیتے ہیں، ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ مثلاً

جو بندہ خدا کا وہ بندہ تمہارا — جو بندہ تمہارا وہ بندا خدا کا
خدا کا وہ طالب، خدا اُس کا طالب — خدا اُس کا پیارا وہ پیارا خدا کا
جو ترا ہو گیا خدا کا ہوا — جو خدا کا ہوا، ہوا تیرا
یوں گموں میں کہ تجھ سے مل جاؤں — یوں گما اس طرح ملا یا ربّ
تیری نعمت کے سائل خاص تا عام — تیری رحمت کے طالب عام تا خاص
اللہ کا محبوب بنے جو تمہیں چاہے — اُس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

دیکھ آنکھیں نہ دِکھا مہرِ قیامت ہم کو
جن کے سائے میں ہیں ہم، دیکھی ہے صورت اُن کی

متضاد الفاظ:

بیشتر اشعار میں الفاظ کے تضاد سے مضمون پیدا کیا ہے:

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے دَر پر جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

نکالا کب کسی کو بزم فیض عام سے تم نے
نکالی ہے تو آنے والوں کی حسرت نکالی ہے

حسنؔ کا درد دُکھ موقوف فرما کر بحالی دو
تمہارے ہاتھ میں دنیا کی موقوفی بحالی ہے

بلاتے ہیں اُسی کو جس کی بگڑی یہ بناتے ہیں
کمر بندھنا دیارِ طیبہ کو کھلنا ہے قسمت کا

قربان ہوا بندگی پہ لطف رِہائی
یوں بندہ بنا کر ہمیں زِنداں سے نکالا

جو وہ اَبر کرم پھر آبروئے خاک ہو جاتا
تو اُس کے دو ہی چھینٹوں سے زمانہ پاک ہو جاتا

تاج والے ہوں اِس میں یا محتاج
سب نے پایا دیا ہوا تیرا

کیوں کر نہ چاہیں تیری گلی میں ہوں مٹ کے خاک
دنیا میں آج کس کو نہیں آبرو پسند

گر وقت اَجل سر تیری چوکھٹ پہ جھکا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں اَدا ہو

سو جا سے گناہگار کا ہو رخت عمل چاک
پردہ نہ کھلے گر تیرے دامن کی ہوا ہو

تکرارِ الفاظ:

بیشتر الفاظ میں تکرارِ الفاظ سے اچھوتے مضمون نکالے ہیں:۔

خدا مدح خواں ہے، خدا مدح خواں ہے — میرے مصطفی کا میرے مصطفی کا
تیرا دردِ اُلفت جو دل کی دَوا ہو — وہ بے درد ہے نام لے جو دَوا کا
وہ سراپا لطف ہیں شانِ خدا — وہ سراپا نور کی تصویر ہیں
خدا ہے اُس کا مالک یہ خدائی بھر کا مالک ہے — خدا ہے اُس کا مولیٰ یہ خدائی بھر کا مولا ہے
چل ہند سے چل ہند سے چل ہند سے غافل — اُٹھ سوئے نجف سوئے نجف سوئے نجف جا
اے طلعتِ رُخ آ تجھے مولیٰ کی قسم آ — اے ظلمتِ دل جا تجھے اُس رُخ کی قسم جا
فانی فانی ہستی فانی — باقی باقی، باقی فانی

میرا تیرا کب تک پیارے میں بھی فانی، تُو بھی فانی
قول حسنؔ سن قول حسنؔ سن باقی باقی، فانی فانی

مترادف الفاظ:

حضرت حسنؔ بریلوی نے بعض اشعار میں مترادف الفاظ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ یا ذومعنی الفاظ لا کر اچھے اچھے مضمون پیدا کئے ہیں، مثالیں حاضر ہیں:

ٹوپیاں تھام کے گر عرش بریں کو دیکھیں اُونچے اُونچوں کو نظر آئے نہ رِفعت تیری
رنگِ چمن آرائی اُڑانے کی ہوا میں چلتی ہے ہوا دامن مولیٰ سے لپٹ کر
سلطان وگدا سب ہیں تیرے دَر کے بھکاری ہر ہاتھ میں دروازے کا بازو نظر آیا
بال بیکا کبھی نہ ہو ان کا بول بالا ہو دائما یا رب
نہ کوئی دو سَرا میں تجھ سا ہے نہ کوئی دوسرا ہوا تیرا
نہ ہو گا دو قدم کا فاصلہ بھی اللہ آباد سے احمد نگر تک

تواتر وتقسیم:

حسنؔ بریلوی کو زبان پر اس قدر قابو اور بیان پر اتنی قدرت حاصل ہے کہ اشعار میں جابہ جا صنعت تواتر اور صنعت تقسیم کا لطف پیدا کر دیا ہے، مثلاً

ہوا بدلی گھرے بادل کھلے گل بلبلیں چہکی
تم آئے یا بہارِ جاں فزا آئی گلستاں میں

باغِ فردوس کھلا، فرش بچھا، عرش سجا
اک تیرے دَم کی یہ سب انجمن آرائی ہے

کھیت سرسبز ہوئے پھول کھلے میل دُھلے
اور پھر فضل کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے

تیری ہیبت سے ملا تاج سلاطیں خاک میں
تیری رحمت سے گدا تخت سلیماں لے چلا
قطرہ قطرہ اُن کے گھر سے بحر عرفاں ہو گیا
ذرّہ ذرّہ اُن کے دَر سے مہر تاباں ہو گیا
ترے زیر پا مسند ملک یزداں
ترے فرق پر تاج ملک خدا کا
تم عرش کے تاج دار مولیٰ
تم فرش کے با وقار آقا
بندے ہیں گناہ گار بندے
آقا ہیں کرم شعار آقا
ہر اَدا دل نشیں بنی تیری
ہر سخن جاں فزا ہوا تیرا
تمہارے دَر سے جھولی بھر مرادیں لے کے اُٹھیں گے
نہ کوئی بادشاہ تم سا نہ کوئی بے نوا ہم سا
انہیں کا جلوہ سر بزم دیکھتے ہیں پتنگ
انہیں کی یاد چمن میں ہزار کرتے ہیں
ٹھکانہ بے ٹھکانوں کا، سہارا بے سہاروں کا
غریبوں کی مدد، بے کس کا یاور آنے والا ہے
مبارک درد مندوں کو ہو مژدہ بے قراروں کو
قرارِ دِل، شکیب جانِ مضطر آنے والا ہے
سہارے نے ترے گیسو کے پھیرا ہے بلاؤں کو
اشارے نے ترے اَبرو کے آئی موت ٹالی ہے

نگہ نے تیر زحمت کے دل اُمت سے کھینچے ہیں
مژہ نے پھانس حسرت کی کلیجے سے نکالی ہے

چاندی ہے مفلسوں کی، باندی ہے خوش نصیبی
آیا کرم کا داتا صبح شب ولادت

رِعایاتِ لفظی:

حسنؔ بریلوی نے کلام میں رِعایاتِ الفاظ سے معنوی خوبیاں پیدا کی ہیں۔ اب تک جتنی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں رِعایاتِ لفظی کا حسن قابل داد ہے۔ اہل فن اسے ''صنعت مراعات النظیر'' کہتے ہیں، اس کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں:

چار اَضداد کی کس طرح گرہ باندھی ہے
ناخن عقل سے کھلتا نہیں عقدہ تیرا

وحشیٔ عشق سے کھلتا ہے تو اے پردۂ یار
کچھ نہ کچھ چاک گریباں سے ہے رشتہ تیرا

رکھ دیا جب اُس نے پتھر پر قدم
صاف اک آئینہ پیدا ہو گیا

اُس ماہ نے جب مہر سے کی جلوہ نمائی
تاریکیوں کو شام غریباں سے نکالا

ہے خاک پر نقشِ پا تمہارا
آئینہ ہے بے غبار آقا

میں یدِ بیضا کے صدقے اے کلیم
پر کہاں اُن کی کفِ پا کا جواب

گرمیوں پر ہے وہ حسن بے زوال
ڈھونڈتا پھرتا ہے سایہ آفتاب

چاندی ہے مفلسوں کی، باندی ہے خوش نصیبی
آیا کرم کا داتا صبح شب ولادت

ظلمت کے سب رجسٹر حرفِ غلط ہوئے ہیں
کاٹا گیا سیاہا صبح شب ولادت

وَرق مہر اسے خط غلامی لکھ دے
ہو جو وصف رُخِ پُر نور سے انور کاغذ

نبی ہم پایہ ہوں کیا تو نے پایا
نبوت کی طرح ہر معجزہ خاص

بن پڑی نفس کافر کیش کی
کھیل بگڑا، لو خبر، فریاد ہے

بعض اشعار میں کئی کئی صنعتیں اور رِعایتیں ہیں۔ میں صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کرتا ہوں باقی کی تلاش مذاق سلیم پر چھوڑتا ہوں۔ فرمایا ہے:

جودِ دریا کے صدقے سے بڑھے بڑھتے بادل کو گھٹا کہنا خطا

''بڑھتے بڑھتے'' اور ''گھٹا'' میں تضادِ الفاظ ہے ''دریادل'' اور ''بادل'' میں حرفی مماثلت ہے۔ ''گھٹا'' اور ''خطا'' ہم قافیہ ہیں ''بادل'' اور ''گھٹا'' سے جو لطف پیدا ہوا ہے وہ ظاہر ہے ''دریا'' اور ''دل'' میں بھی مناسبت ہے اوپر جو مختلف ضمنوں میں اشعار نقل کئے گئے ہیں ان میں بھی بعض اشعار کے کئی کئی پہلو ہو سکتے ہیں۔

محاورات:

حسنؔ بریلوی کے کلام میں زبان اور محاورے کی چاشنی عام ہے۔ شاید ہی کوئی شعر محاورے سے خالی ہوگا اوپر جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے اکثر اشعار میں محاورات بھی ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں اور درج کرتا ہوں:

کیوں تمنا میری مایوس ہو اے ابرِ کرم سُوکھے دھانوں کا مددگار ہے چھینٹا تیرا
سر صبح سعادت نے گریباں سے نکالا ظلمت کو ملا عالم امکاں سے نکالا
جو بات لب حضرت عیسیٰ نے دکھائی وہ کام یہاں جنبش داماں سے نکالا
اگر پیوند ملبوس پیمبر کے نظر آتے تیرا اے حلۂ شاہی کلیجہ چاک ہو جاتا
جسے تُو نے دِیا خدا نے دِیا دَین ربّ کی دِیا ہوا تیرا
خوفِ وزنِ عمل کسے ہو کہ ہے دل مدد پر تُلا ہوا تیرا
سُوکھے گھاٹوں میرا اُتار ہو کیوں؟ کہ ہے دریا چڑھا ہوا تیرا
سُوکھے دھانوں کی بھی خبر لے کہ ہے بادل گھرا ہوا تیرا
ڈوبتوں کا یا نبی کہتے ہی بیڑا پار تھا غم کنارے ہو گئے پیدا کنارا ہو گیا
کیوں نہ دم دیں مرنے والے مرگ عشق پاک پر جان دی اور زندگانی کا سہارا ہو گیا
تم سے اُس بیمار کو صحت ملے جس کو دے دیں حضرت عیسیٰ جواب
وہ مہر مہر فرما، وہ ماہِ عالم آرا تاروں کی چھاؤں آیا صبح شب ولادت
پھر پھر گئے منہ ستم گروں کے اُٹھ اُٹھ گئے پاؤں لشکروں کے

بے ساختگی:

ان کے بلبیوں اشعار بے ساختہ ہو گئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف باتیں کر رہے ہیں نثر نے شعر کا رُوپ دھار لیا ہے ایسے اشعار نثر بھی ہیں شعر بھی ہیں، چند مثالیں پیش کرتا ہوں:

ہزاروں جرم کرتا ہوں شب و روز خوشا قسمت نہیں وہ پھر بھی ناخوش
دشت طیبہ کی جو دیکھ آئیں بہار ہو عنادِل کو نہ گلزار سے ربط
سر شوریدہ کو ہے دَر سے میل کمر خستہ کو دیوار سے ربط
مجرمو! اُن کے قدم پر لوٹ جاؤ بس رِہائی کی یہی تدبیر ہے
روکے گی حشر میں جو مجھے پا شکستگی دوڑیں گے ہاتھ دامن دلدار کی طرف

زمین کوئے نبی کے جو لیتے ہیں بوسے　فرشتگانِ فلک اُن کو پیار کرتے ہیں
کون سے دل میں نہیں یادِ حبیب　قلب مومن مصطفی آباد ہے
نہ ہو گا دو قدم کا فاصلہ بھی　الہ آباد سے احمد نگر تک
بیٹھتے اُٹھتے، جاگتے سوتے　ہو الٰہی میرا شعار درود
بے یارو مددگار جنہیں کوئی نہ پوچھے　ایسوں کا تجھے یار و مددگار بنایا

ایک نعت میں مسلسل ایسے ہی بے ساختہ اشعار آئے ہیں، فرماتے ہیں:

خدائے پاک کی چاہیں گے اگلے پچھلے خوشی　خدائے پاک خوشی اُن کی چاہتا ہو گا
پکڑ کے ہاتھ کوئی حالِ دل سنائے گا　تو رو کے قدموں سے کوئی لپٹ گیا ہو گا
کوئی قریب ترازو کوئی لب کوثر　کوئی صراط پہ اُن کو پکارتا ہو گا
ہزار جان فدا نرم نرم پاؤں سے　پکار سن کے اسیروں کی دوڑتا ہو گا
عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے　خدا گواہ یہی حال آپ کا ہو گا
بنی ہے دَم پہ دُہائی ہے تاج والے کی　یہ غل یہ شور یہ ہنگامہ جا بہ جا ہو گا
کہیں گے اور نبی اذھبوا الی غیری　میرے حضور کے لب پر انا لھا ہو گا
غلام اُن کی عنایت سے چین میں ہوں گے　عدو حضور کا آفت میں مبتلا ہو گا
سرکار میں کون سی نہیں شے　ہاں ایک 'نہیں' یاں نہیں ہے
ہیں تیرے آستاں کے خاک نشیں　تخت پر خاک ڈالنے والے

تصدّق ہو رہے ہیں لاکھوں بندے گرد پھر پھر کر
طواف خانۂ کعبہ عجب دل چسپ منظر ہے

تشبیہات:

حسنؔ بریلوی نے حتی الامکان تشبیہات اور اِستعارات کا استعمال کم کیا ہے لیکن جہاں کہیں کیا ہے۔ اِستعارے عام فہم اور تشبیہات نہایت لطیف ہیں جن سے شعر پُر اثر اور لطف دو بالا ہو

گیا ہے، فرماتے ہیں:

اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے
اُن کے اَبرو نہیں دو قبلوں کی یک جائی ہے

چمک جاتا مقدر جب دُرِّ دنداں کی طلعت سے
نہ کیوں رشتہ گُہر کا ریشۂ مسواک ہو جاتا

کانٹا غم عقبیٰ کا حسنؔ اپنے جگر سے
اُمت نے خیال سر مژگاں سے نکالا

مژہ نے تیر زحمت کے دل اُمت سے کھینچے ہیں
نگہ نے پھانس حسرت کی کلیجے سے نکالی ہے

خدا تارِ رگِ جاں کی اگر عزت بڑھا دیتا
شراکِ نعل پاک سیّد لولاک ہو جاتا

اے چمن بھیک ہے تبسم کی
غنچہ غنچہ کھلا ہوا تیرا

جلوۂ موئے محاسن چہرۂ انور کے گرد
آبنوسی رِحل پر رکھتا ہے قرآنِ جمال

بہارِ خلد صدقے ہو رہی ہے روئے عاشق پر
کھلی جاتی ہیں کلیاں دل کی تیرے مسکرانے سے

تیرے محتاج نے پایا ہے وہ شاہانہ مزاج
اُس کی گدڑی کو بھی پیوند ہوں دارائی کے

اصلیت وحقیقت:

عام طور سے نعتوں میں حضور رسالت مآب ﷺ کے ظاہری حسن و جمال کی تعریف زیادہ ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت اخلاق و رحمت سے متعلق حقائق شاذ و نادر ہی بیان ہوتے ہیں۔

نعت میں کذب و دروغ کی تو گنجائش ہی نہیں۔ مبالغے کی بھی کوئی حد ہے اس لئے نعت میں زیادہ تر حضور ﷺ کی زندگی سے متعلق حقائق اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی ہونی چاہیے۔ حسنؔ بریلوی کی نعتوں میں بہت سے حقائق بھی بیان ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال نے ''مثنوی اَسرار و رُموز'' کے ایک شعر میں اُسطوانۂ حنانہ کا حوالہ دیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ خطبہ دیتے ہوئے ایک لکڑی کا سہارا لیتے تھے جو زمین میں گاڑی ہوئی تھی جب حضور ﷺ کے لئے منبر تعمیر کیا گیا تو اُس لکڑی کو جو کھجور کے درخت کا خشک تنا تھا۔ نکال دیا گیا تو وہ لکڑی چیخ چیخ کر روئی اسی لئے اسے ''حنانہ'' (نوحہ کرنے والی) کہا گیا ہے، حضور ﷺ نے اس پر دست مبارک رکھا تو وہ خاموش ہوئی، پھر اسے دفن کر دیا گیا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

من چہ گویم از تولائش کہ چیست　　　خشک چو بے در فراق او گریست

راقم الحروف نے ''مثنوی اَسرار و رُموز'' کے منظوم ترجمے میں اس شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے:

کیا کہوں کیا ہے تولائے نبی　　　آپ کی فرقت میں لکڑی رو پڑی

حسنؔ بریلوی نے اسی واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

تمہارے ہجر کے صدموں کی تاب کس کو ہے
یہ چوب خشک کو بھی بے قرار کرتے ہیں

پھر دوسری جگہ فرمایا:

تو وہ محبوب ہے اے راحتِ جاں دل کیسے
ہیزم خشک کو تڑپا گئی فرقت تیری

راقم الحروف نے گراموفون پر نظم میں اس کے ریکارڈوں سے متعلق ایک شعر میں اس حقیقت کو فہم کے زیادہ قریب کر دیا ہے:

نغمہ پیرا صورت مرغِ چمن ہے خشک چوب
یا فراق مصطفی میں نالہ زن ہے خشک چوب

ایک اور حقیقت کا اظہار یوں ہوا ہے:

نعمتیں ہم کو کھلائیں اور آپ	جَو کی روٹی پہ قناعت کر لی
فاقہ مستوں کو شکم سیر کیا	آپ فاقے پہ قناعت کر لی
خسروِ کون و مکاں اور تواضع ایسی	ہاتھ تکیہ تیرا اور خاک بچھونا تیرا
لگائے ہیں پیوند کپڑوں میں اپنے	اوڑھائے فقیروں کو تم نے دو شالے

ذیل کے اشعار میں مختلف حقائق بیان کئے گئے ہیں:

شریک اس میں نہیں کوئی پیغمبر	خدا سے ہے جو تجھ کو واسطہ خاص
نہ ہو جب تک تمہارا نام شامل	دعائیں جا نہیں سکتیں اثر تک
پیش یوسف ہاتھ کاٹے ہیں زنانِ مصر نے	تیری خاطر سر کٹا بیٹھے فدایانِ جمال
کبھی وہ تاجورانِ زمانہ کر نہ سکیں	جو کام آپ کے خدمت گزار کرتے ہیں
حسنِ یوسف، دَم عیسیٰ پہ نہیں کچھ موقوف	جس نے جو پایا ہے، پایا ہے بدولت تیری
یاد کرتے ہیں عدو کو بھی دعا ہی سے وہ	ساری دنیا سے نرالی ہے یہ عادت اُن کی
میں ہوں، میں ہوں، اپنی اُمت کے لئے	کیا ہی پیارا پیارا یہ ارشاد ہے
حشر میں ہم گنہگار پریشاں خاطر	عفو رحمن و رحیم اور شفاعت اُن کی
شرف مکے کی بستی کو ملا طیبہ کی بستی سے	نبی والی ہی کے صدقے میں وہ اللہ والی ہے
بڑھے کیوں کر نہ پھر شکل ہلال اسلام کی رونق	ہلال آسمان دیں تیری تیغ ہلالی ہے
زہے شوکت آستانِ معلی	یہاں سر جھکاتے ہیں سب تاج والے
یہ عبادت زاہدو بے حبّ دوست	مفت کی محنت ہے سب برباد ہے
سارے عالم کو تو مشتاق تجلی پایا	پوچھنے جائیے اب کس سے ٹھکانا تیرا
برقِ دیدار ہی نے تو یہ قیامت توڑی	سب سے ہے اور کسی سے نہیں پردہ تیرا
وہ دیکھ لے کربلا میں جس نے	دیکھے نہ ہوں جاں نثار آقا
عالم الغیب نے ہر غیب سے آگاہ کیا	صدقے اس شان کی بینائی و دانائی کے

دیکھنے والے تم ہو رات کی تاریکی میں　　کان میں سمع کے اور آنکھ میں بینائی کے

معراج:

معراج شریف[1] کا واقعہ بھی نعت گو شعراء کا خاص موضوع ہے بعض شعراء نے تو معراج کا پورا قصہ نظم میں بیان کر دیا ہے اور نعتوں میں معراج سے متعلق جستہ جستہ شعر بھی کہے ہیں۔ معراج شریف کا جب بھی ذکر آئے مجھے آغا حشر کاشمیری کے یہ دو شعر یاد آجاتے ہیں:

ہے دلِ جبریل شوقِ ہم عنانی کا شہید　　دامن زخم تمنا جلوۂ پرواز ہے
کس قدر نظارہ پرور جلوۂ معراج تھا　　آج تک شوقِ لقا میں چشم انجم باز ہے

مگر حضرت حسؔن بریلوی حشؔر سے زیادہ اُونچے گئے ہیں، فرماتے ہیں:

شب اسریٰ تیرے جلوؤں نے کچھ ایسا سماں باندھا
کہ اب تک عرش اعظم منتظر ہے تیری رخصت کا

پھر ایک اور نعت میں کہا:

شب معراج تھے جلوے پہ جلوے　　شبستانِ دنیٰ سے اُن کے گھر تک

اُن کی غزلیات کے دیوان میں بھی معراج سے متعلق ایک شعر آیا ہے، کہا ہے:

وہ جلوے اُس نے دیکھے ہیں، نہ دیکھے جو ملائک نے
کہاں پہنچا، کسے دیکھا، حسؔن اَوجِ بشر دیکھا

علامہ اقبال کا بھی ایک ایسا ہی شعر ہے:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفی سے مجھے　　کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

سراپا:

بعض نعت گو شعراء نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپا بھی لکھا ہے اور سر سے پائے مبارک تک حضور کے ایک ایک عضو کی صفت و ثنا کی ہے اور خوب خوب زورِ طبع دکھایا ہے۔

---

[1] حسؔن بریلوی نے ''تمہید ذکر معراج'' کے عنوان سے ایک مسدّس لکھی ہے جو کہ ''کلیات حسن'' کے صفحہ ۲۱۲ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ نظیر لدھیانوی نے یہاں اس مسدّس کا ذکر نہیں کیا۔ ثاقب قادری

حسنؔ بریلوی نے بھی حضور ﷺ کا سراپا لکھا جس کے چند اشعار نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

اے سرِ پُر نور اے سرِّ خدا ہوں سراسیمہ پریشاں الغیاث
چشم رحمت آ گیا آنکھوں میں دم دیکھ حالِ خستہ حالاں الغیاث
اے دہن، اے چشمۂ آب حیات گوہر شاداب دنداں الغیاث
رِیش اَطہر، سنبل گلزارِ خلد رِیش غم سے ہوں پریشاں الغیاث
غم سے ہوں ہم دوش اے دوش المدد دوش پر ہے بارِ عصیاں الغیاث

پھر آخر میں کہا:

اے سراپا اے سراپا لطف حق ہوں سراپا جرم وعصیاں الغیاث

پھر لباس کی تعریف مستزاد ہے:

اے عمامہ دَورِ گردش دُور کر گرد پھر پھر کر ہوں قرباں الغیاث
نیچے نیچے دامنوں والی عبا خوار ہے خاکِ غریباں الغیاث
عیب کھلتے ہیں گدا کے روزِ حشر دامنِ سلطانِ خوباں الغیاث
ہے پھٹے حالوں میرا رختِ عمل اے لباسِ پاکِ جاناں الغیاث
نعل شہ عزت ہے میری تیرے ہاتھ اے وقارِ تاجِ شاہاں الغیاث

مشکل زمینیں:

چونکہ نعت گوئی عام شعر گوئی سے کچھ مشکل فن ہے اس لئے نعتیں عموماً سادہ اور آسان زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں نعتیہ مضامین نکالنا بہت مشکل کام ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حسنؔ بریلوی نے بعض مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں بھی کامیاب نعتیں کہی ہیں اور اس طرح اُردو ادب میں نعتیہ مضامین کا دائرہ زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ ذیل میں ان کی چند ایسی ہی نعتوں کا انتخاب پیش کرتا ہوں:

پائیں صحرائے مدینہ تو گلستاں مل جائے
ہند ہے ہم کو قفس ہم ہیں اسیرانِ قفس

قافلہ دیکھتے ہیں جب سوئے طیبہ جاتے
کیسی حسرت سے تڑپتے ہیں اسیرانِ قفس

دشت طیبہ میں ہمیں شکل وطن یاد آئی
بدنصیبی سے ہوا باغ میں ارمانِ قفس

ہند کو کون مدینہ سے پلٹنا چاہے
عیش گلزار بھلا دے جو نہ دورانِ قفس

خاکِ طیبہ کی اگر دل میں ہو وقعت محفوظ
عیب کوری سے رہے چشم بصیرت محفوظ

دل میں روشن ہو اگر شمع وِلائے مولیٰ
دُزدِ شیطاں سے رہے دین کی دولت محفوظ

سلسلہ زلف مبارک سے ہے جس کے دل کو
ہر بَلا سے رکھے اللہ کی رحمت محفوظ

اے نگہبان مرے تجھ پہ صلوٰۃ اور سلام
دو جہاں میں ترے بندے ہیں سلامت محفوظ

تیرے قانون میں گنجائش تبدیل نہیں
فسخ و ترمیم سے ہے تری شریعت محفوظ

جسے آزاد کرے قامتِ شہ کا صدقہ
رہے فتنوں سے وہ تا روزِ قیامت محفوظ

ایک اور سنگلاخ زمین میں نعتیہ اشعار کہے ہیں:

زمین عجز پہ سجدہ کرائیں شاہوں سے — فلک جناب غلامانِ بارگاہِ رفیع
کمند رشتۂ عمر خضر پہنچ نہ سکے — بلند اِتنا ہے ایوانِ بارگاہِ رفیع
وہ کون ہے جو نہیں فیض یاب اس دَر سے — سبھی ہیں بندۂ احسانِ بارگاہِ رفیع

حسنؔ نے ان مشکل زمینوں میں جو نعتیں کہی ہیں اُن میں رَسمی اشعار نہیں بلکہ زبان اور بیان اور فن کی خوبیوں کے ساتھ خیالات میں ندرت بھی ہے اور بعض حقائق بھی بیان ہوئے ہیں، ایسے چند اشعار اور حاضر ہیں:

آباد کر خدا کے لئے اپنے نور سے　　ویران دل ہے دل سے زیادہ کھنڈر دماغ
ہر خارِ طیبہ زینت گلشن ہے عندلیب　　نادان ایک پھول پر اِتنا نہ کر دماغ
اے عندلیب خارِ اَلم سے مثال گل　　بک بک کے ہرزہ گوئی سے خالی نہ کر دماغ
شاید کہ وصف پائے نبی کچھ بیاں کرے　　پوری ترقیوں پہ رَسا ہو اگر دماغ
اس بد لگام کو خرِّ دجال جانئے　　منہ آئے ذکر پاک کو سن کر جو خر دماغ
طور نے تو خوب دیکھا جلوۂ شانِ جمال　　اس طرف بھی اک نظر اے برقِ تابانِ جمال
عاشقوں کا ذکر کیا معشوق عاشق ہو گئے　　انجمن کی انجمن صدقہ ہے اے جانِ جمال
خوبرویانِ جہاں کو بھی یہی کہتے سنا　　تم ہو شانِ حسن، جانِ حسن، ایمانِ جمال
سب سے پہلے حضرت یوسف کا نام پاک لوں　　میں گناؤں گر ترے اُمیدوارانِ جمال
نہ فرش کا یہ تجمل نہ عرش کا یہ جمال　　فقط ہے نور و ظہورِ حضور کی رونق
سجی ہے جس سے شبستانِ عالم امکاں　　وہی ہیں مجلس روزِ نشور کی رونق
جو نور بار ہوا آفتابِ حسنِ ملیح　　ہوئے زمین و زماں کامیابِ حسنِ ملیح
زوال مہر کو ہو، ماہ کا جمال گھٹے　　مگر ہے اَوجِ اَبد پر جمالِ حسنِ ملیح

آیات کا حوالہ:

حسنؔ بریلوی کی نعتوں میں آیات و احادیث بھی نہایت خوش اُسلوبی سے نظم ہوئی ہیں ایسے اشعار کو جن میں کسی واقعے یا قصے یا آیت یا حدیث یا کسی مقولے کی طرف اشارہ ہو، اہل فن صنعت تلمیح کہتے ہیں۔

مولانا کے ذیل کے اشعار میں آیات کے حوالے ہیں:

میں نے سبحان ربی الاعلیٰ[1]
خاک پر رکھ کے سر کہا یا ربّ

کر کے گسترده خوان ادعونی[2]
تُو نے بندوں کو دی صلا یا ربّ

نعمت اِستجب سے پائے بھیک
ہاتھ پھیلا ہوا میرا یا ربّ

فترضٰی کی محبت کے تقاضے | کہ جس سے آپ خوش اُس سے خدا خوش
تمہاری انجمن آرائیوں کو | ہوا ہنگامۂ قالوا بلیٰ خوش
و رفعنا لك ذکرك پر تصدّق | سب اونچوں سے اونچی ہے رفعت کسی کی
اُترنے لگے ما رمیت ید اللّٰہ | چڑھی ایسی زوروں پہ طاقت کسی کی
فترضٰی نے ڈالی ہیں باہیں گلے میں | کہ ہو جائے راضی طبیعت کسی کی

و رفعنا لك ذکرك کے چمکتے خورشید
لا مکاں تک ہیں اُجالے تیری زیبائی کے

ذیل کے تین شعر غزلیات کے دیوان (ثمر فصاحت) سے لئے ہیں:

کنج خلوت میں کبھی ہیں وہ کبھی جلوت میں
کل یوم ھو فی شان کا جلوہ دیکھا

لا تقنطوا کے سائے میں میرا مقام ہو
جب آفتاب گرم ہو اُمید و بیم کا

ان بعض الظن اثم کا نہ ہو ڈر تو کہوں
میں نے دیکھا ہے حسنؔ تم کو جہاں جاتے ہوئے

---

[1] یہاں تبصرہ نگار سے سہو ہوا کیونکہ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' قرآن پاک کی آیت نہیں ہے۔ثاقب قادری
[2] مومن،۴۰:۶۰ (وقال ربکم ادعونی استجب لکم اور تمہارے ربّ نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔)

بعض اشعار میں احادیث کا حوالہ دیا ہے:

انا لھا سے وہ بازارِ کسم پُرساں ہیں — تسلیٔ دل بے اختیار کرتے ہیں
کہیں گے اور نبی اذھبوا الی غیری — میرے حضور کے لب پر انا لھا ہو گا
اصحابی کالنجوم کالمعان نقش پا — ظلمت میں راہبر ہے رہِ مستقیم کا

تشریح: حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا ''میرے صحابی رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں جو کوئی ان میں سے کسی کے پاس پہنچے گا، ہدایت پائے گا۔'' یہ تو ظاہر ہے کہ رات کو صحرا سمندر اور فضا میں مسافر ستاروں سے رہبری حاصل کرتے ہیں۔

آخری شعر دیوان غزلیات سے لیا گیا ہے۔

رحمت وشفاعت:

وہ شاعر جو نعت محض عشق رسول ﷺ کے تقاضے سے کہتے ہیں انہیں نعت کے صلے کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ انہیں نعت گوئی میں روحانی حظ اور تسکین قلب حاصل ہوتی ہے۔ انہیں یہی صلہ ہے اگر وہ صلہ مانگتے بھی ہیں تو صرف رحمت وشفاعت یا حسن عمل طلب کرتے ہیں جیسا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ابتدائی دور کی ایک نعت کے مقطع میں کہا ہے:

خیال راہِ عدم سے اقبالؔ تیرے دَر پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ میری نعت کا عطا کر

اسی نعت میں ایک اور شعر ہے:

یہ پردہ داری تو پردہ دَر ہے مگر شفاعت کا آسرا ہے
دبک کے محشر میں بیٹھ جاتا ہوں دامن تر میں منہ چھپا کر

نعت کا صلہ حصول دنیا یا حصول جاہ ومنصب نہیں ہونا چاہیے ورنہ نعت گداگروں کی صدا بن کر رہ جائے گی بہر حال نعت گو اساتذہ نے رحمت وشفاعت کی صفت وثنا میں بہت کچھ کہا ہے۔ امیر مینائی کا شعر ہے:

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اُٹھا ہر بے گناہ، میں بھی گناہگاروں میں ہوں

بے گناہوں میں چلا زاہد اُس کو ڈھونڈھنے
مغفرت بولی اِدھر آ میں گناہگاروں میں ہوں

حسنؔ بریلوی نے بھی اس ضمن مین اچھے اچھے شعر نکالے ہیں۔ رحمت کے باب میں کہتے ہیں:

ابھی پار ہوں ڈوبنے والے بیڑے — سہارا لگا دے جو رحمت کسی کی
ہم ایسے گناہگار ہیں زہد والو — ہماری مدد پر ہے رحمت کسی کی
یہ کریم ہیں وہ سرور کہ لکھا ہوا ہے دَر پر — جسے لینے ہوں دو عالم، وہ اُمیدوار آئے
نا اُمیدو تمہیں مژدہ کہ خدا کی رحمت — انہیں محشر میں ہمارے ہی لئے لائی ہے
جو ہیبت سے رُکے مجرم تو رحمت نے کہا بڑھ کر — چلے آؤ، چلے آؤ یہ گھر رحمان کا گھر ہے
لکھا ہے خامۂ رحمت نے دَر پر خط قدرت سے — جسے یہ آستانہ مل گیا سب کچھ میسر ہے
تیری رحمت کے بھوکے اہل دولت — تیری رحمت کا پیاسا ابر تر تک

شفاعت کی تعریف میں فرماتے ہیں:

مجمع محشر میں گھبرائی ہوئی پھرتی ہے — ڈھونڈنے نکلی ہے مجرم کو شفاعت تیری
حشر میں ہم سے گناہ گار پریشاں خاطر — عفوِ رحمان و رحیم اور شفاعت ان کی

دیوان غزلیات کا ایک شعر ہے

یہ چاہتی ہیں عفو و شفاعت کی لذّتیں — سب کے گناہ کاش ہوں میرے حساب میں

رُباعیات:

نعتوں کے دیوان کے آخر میں دو مسدّسیں دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں اور تیرہ

رُباعیات ہیں۔ایک مسدّس معراج سے متعلق ہے اور ایک مثنوی میں پیرانِ پیر حضرت غوث اعظم کی زندگی کے بعض واقعات نظم کیئے ہیں۔

رُباعیات مختلف مضامین پر ہیں۔رُباعی کہنا ذرا مشکل فن ہے۔بعض نافہم لوگ ہر چار مصرع کی نظم کو رُباعی کہہ دیتے ہیں۔حالانکہ رُباعی کے اَوزان مخصوص ہیں۔رُباعی کا مخصوص وزن میں ہونا ضروری ہے۔اگر چومصرعی رُباعی کے وزن میں نہیں تو اُسے ''رُباعی'' کی بجائے ''قطعہ'' کہنا چاہیے۔

حسنؔ بریلوی کی رُباعیات رُباعی کے اوزان میں ہیں۔ایک رُباعی میں فرماتے ہیں:

یارانِ نبی کا وصف کس سے ہو اَدا ۔۔۔ ایک ایک ہے ان میں ناظم بزم ہدا
پائے کوئی کیوں کر اس رُباعی کا جواب ۔۔۔ اے اہل سخن جس کا مصنف ہو خدا

یا پھر بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم:

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بو بکر و عمر، عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

حسنؔ بریلوی کی ایک رُباعی ہے:

جو لوگ خدا کی ہیں عبادت کرتے ۔۔۔ کیوں اہلِ جفا کی ہیں حقارت کرتے
بندے جو گنہگار ہیں وہ کس کے ہیں ۔۔۔ کچھ دیر اُسے ہوتی ہے رحمت کرتے

ایک مثنوی میں حمد یوں بیان کی ہے:

تیرا ثانی کوئی نہ پایا ۔۔۔ ساتھی ساجھی کوئی نہ پایا
تُو ہی دے اور تُو ہی دِلائے ۔۔۔ تیرے دیے سے عالم پائے
تُو ہی اوّل تُو ہی آخر ۔۔۔ تُو ہی باطن تُو ہی ظاہر
کوئی تیرا کیا بھید بتائے ۔۔۔ تُو وہ نہیں جو فہم میں آئے
تجھ پر ذرّہ ذرّہ ظاہر ۔۔۔ نیت ظاہر، ارادہ ظاہر

تجھ سے بھاگ کے جانا کیسا　　کوئی اور ٹھکانا کیسا

ان سب اشعار میں کسی نہ کسی آیۂ قرآنی کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ ولادت حضور رسالت مآب ﷺ کے بارے میں کہا:

فدا جس کے شرف پر سب نبی ہیں　　یہی ہیں وہ یہی ہیں وہ یہی ہیں
یہی والی ہیں سارے بے کسوں کے　　یہی فریاد رَس ہیں بے بسوں کے
یہی ٹوٹے دلوں کو جوڑتے ہیں　　یہی بندِ اَلم کو توڑتے ہیں
اسیروں کے یہی عقدہ کشا ہیں　　غریبوں کے یہی حاجت رَوا ہیں
یہی ہیں بے کلوں کی جان کی کل　　انہیں سے ٹھیک ہے ایمان کی کل
یہی ہیں جو عطا فرمائیں دولت　　کریں خود جَو کی روٹی پر قناعت
فزوں رُتبہ ہے صبح و شام ان کا　　محمد مصطفی ﷺ ہے نام ان کا

دیکھئے زبان کتنی سہل اور سادہ ہے کہ بچے بھی بآسانی پڑھ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مدحیہ مثنوی میں بہار کا نقشہ کھینچا ہے۔ چند اشعار پیش کرتا ہوں:

جوبن ہے بہارِ جاں فزا پر　　بادل کا مزاج ہے ہوا پر
ہر پھول دُلہن بنا ہوا ہے　　نکھرے ہوئے حسن میں سجا ہے
ہے سرو الف کی شکل بالکل　　اور صورتِ لام زلف سنبل
صانع کی صنع سے نمودار　　اللہ لکھا بخطِّ گلزار

پھر صبح کا منظر ہے:

ہے آفت ہوش موسم گل　　پھر اس پہ یہ صبح کا تجمل
مرغانِ چمن کی خوش نوائی　　شوخانِ چمن کی دل رُبائی
پروانہ طیورِ آشیاں سے　　اور بارِش نور آسماں سے
عشرت کا سماں بندھا ہوا ہے　　ہر پیڑ نہال ہو رہا ہے

آنکھوں میں بسا ہے جلوۂ گل
کیوں کر نہ ہو باغ باغ بلبل
شبنم نے اُٹھائے ہیں جو گوہر
ہے شاہد گل کی یہ نچھاور

برسات کا سماں یوں باندھا ہے:

خوب گھریں گھنگھور گھٹائیں
کرنے لگیں غل شور مچائیں
لہریں کرتی نہریں آئیں
موجیں کرتی موجیں آئیں
سبزہ لہریں لیتا نکلا
مینہ کو دعائیں دیتا نکلا
چپّے چپّے ہوائیں گھومیں
پتلی پتلی شاخیں گھومیں
گل پر بلبل، سرو پہ قمری
بولے اپنی اپنی بولی
چٹکی کچی کچی کلیاں
خوشبو نکلی مہکی گلیاں
آئیں گھٹائیں کالی کالی
جگنو چمکے ڈالی ڈالی
حسن سراپا نور کا عالم
سر سے پا تک حور کا عالم
مست جوانی محو تجمل
ابر سیہ سے کھولے کاکل
پھول کا سر سے پا تک زیور
شکل عروس تازہ، معطر
غل ہے باد بہاری آئی
شاید گل کی سواری آئی
پھولے پھول عنادِل چہکے
گلشن مہکے، صحرا مہکے

☆

مولانا حسن رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری [1]

حسن نعت و چنیں شیریں بیانی تو خوش باشی کہ کردی وقت ما خوش

نعت گوئی اپنے آپ میں ایک مکمل صنف ہے اور اس کا میدان بھی کافی وسیع ہے لیکن اُردو تنقید نگاروں نے جتنی بے اِعتنائی اس صنف کی طرف سے برتی ہے وہ قابل افسوس ہے۔ مانا کہ وہ ایک مخصوص حلقے کی چیز ہے لیکن مرثیہ جس حلقے سے تعلق رکھتا ہے نعت کا حلقہ اُس کے مقابلے میں وسیع تر ہے۔ شاید یہ کہا جائے کہ مرثیے میں مذہبیت کے علاوہ کچھ دیگر خصوصیات ایسی ملتی ہیں جنھوں نے لکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ لیکن اُردو نعتوں میں ادبی خوبیاں اگر مرثیے کے برابر نہیں ہیں تو اس سے کم سہی، ہیں ضرور۔ بہر حال یہ صنف ادبیت سے اس قدر تہی داماں نہیں ہے کہ اس کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے۔

عرف عام میں ''نعت'' اس نظم کو کہا جاتا ہے جو اسلام کے پیغمبر حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کی مدح میں کہی جائے لیکن قاعدے میں مدح مذکورہ نظم میں ہو یا نثر میں، نعت ہی کہی جائے گی۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ سے منسوب ہونے کے باعث یہ صنف اپنے اندر تقدس تو رکھتی ہی ہے لیکن اس کی تاریخ بھی طویل ہوگئی ہے جو چودہ سو برس سے زیادہ عرصے میں پھیلی ہوئی

---

[1] ڈاکٹر صابر سنبھلی کا یہ مقالہ ڈاکٹر مشاہد رضوی (مالیگاؤں، انڈیا) نے ۲۰۱۲ء میں ای میل کیا تھا، اس کی اشاعتی تفصیلات دستیاب نہ ہوسکی تھیں، بعد اَزاں رسالہ مدحت (لاہور) نے گوشۂ حسن رضا والے شمارہ میں اسے شائع کیا۔ ڈاکٹر صابر حسین بن جعفر حسین ۳۰/جولائی ۱۹۴۲ء کو سیف خاں سرائے، سنبھل ضلع مراد آباد (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ اُردو زبان و ادب میں ایم۔اے اور پھر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد شعبۂ تدریس سے تاعمر وابستہ رہے۔ متعدد کتب و تحقیقی مقالات تحریر کیے جن میں ذیل کے نام نمایاں ہیں؛ ادبی تجزیے، تحقیق نما، اوراق العروض، توضیح فنون ادب، شعارِ زبان دانی، آرزوئے بخشش (دیوان صابرؔ) وغیرہ۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی ۲۸/دسمبر ۲۰۲۱ء مطابق ۲۳/جمادی الاوّل ۱۴۴۳ھ کو وصال فرما گئے۔ ثاقب قادری

ہے ۔حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اچھے شاعر تھے وہ نعتیں کہہ کہہ کر حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سنایا کرتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کو پسند فرماتے تھے ۔حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہے ہوئے نعتیہ اشعار آج بھی موجود ہیں ۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سے آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا جس میں نعت گوئی نہ کی جاتی رہی ہو ۔بعض اوقات تو شعراء نے بڑے شدومد کے ساتھ نعتیں کہی ہیں ۔گیارہویں صدی ہجری کے اختتام تک شاید ہی کوئی مسلمان شاعر ایسا ہو جس نے اپنی زبان سے نعت رسول نہ کہی ہو ۔بعض شعراء نے اپنی ساری عمریں ہی نعت گوئی میں صرف کردیں ۔علامہ بوصیری کا قصیدہ بُردہ شریف اس فن کی معراج ہے ۔روایت کے مطابق اس کو (امام صاحب کے خواب میں ہی) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنا اور پسند فرمایا۔امام صاحب کے مفلوج جسم پر شفا کے لیے ہاتھ پھیرا اور چادر انعام میں عطا فرمائی ۔جس کو امام صاحب نے جاگنے پر اپنے اوپر پڑا ہوا پایا اور جسم حیرت انگیز طور پر صحت مند ہوگیا۔مولوی معنوی کی مثنوی شریف بھی نعتوں کا خوشنما گلدستہ ہے ۔اگرچہ مثنوی شریف پندوموعظت کی حکایات پر مشتمل ہے مگر وہ حکایات بھی نعت گوئی سے خالی نہیں ۔ایرانی شعراء نے نعت گوئی میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ حسان العجم کہلائے ۔حسنؔ غزنوی، نظامیؔ گنجوی، عرفیؔ، سعدیؔ، جامیؔ نے بھی اس صنف میں کافی طبع آزمائی کی ۔مولانا جامیؔ کی نعت کا شعر

بہر ایں جان مشتاقم بآنجا　　　فدائے روضۂ خیر البشر کن

آج بھی اہل حال کی مجلس میں پڑھا جاتا ہے تو سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ۔

اُردو نعت گوئی کے جسد میں عربی کے بجائے فارسی نعت گوئی کا خمیر پڑا ہے ۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ عربی میں نعت گوئی چلتی تو رہی لیکن اس فن کو جو ترقی فارسی زبان میں میسر آئی چند مستثنیات کے علاوہ عربی نعتیہ شاعری مقابلتاً پیچھے ہی رہی ۔جہاں تک اُردو میں نعت گوئی کا سوال ہے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے، اُردو کا سب سے پہلا نعت گو شاعر کون تھا؟ اس کا جواب ایسی حالت میں دینا انتہائی مشکل ہے جب کہ ہنوز اس پر کوئی

تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ البتہ اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اُردو کی ابتداء کے ساتھ ہی نعت گوئی کی ابتداء کا دامن بھی بندھا ہوا ہے۔ اُردو صوفیہ اور عرفاء کے ملفوظات کے ساتھ پروان چڑھی اس لیے ابتداء میں بھی اس کا دامن نعت سے خالی ہونا نا قابل تسلیم ہے۔ ہمارے ادب کی ابتداء دکن سے مانی جاتی ہے اور دکنی ادب میں نعتیں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ اس لیے اُردو میں بھی اس کی قدامت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

اُردو زبان میں نعت گوئی پھلتی پھولتی رہی آگے بڑھتی رہی۔ میلاد خواں جماعتیں اس کی ترقی کے لیے برابر کوشاں رہیں۔ میلاد ناموں کے مصنف اپنے اَشہبِ فکر کی تمام تر قوت پرواز نعت گوئی کے مضامین پر صرف کرتے رہے لیکن انیسویں صدی عیسوی میں چند ایسی شخصیتیں اُفق نعت پر نمودار ہوئیں کہ یہ فن نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ ان شخصیتوں کی فہرست یوں تو طویل بھی ہوسکتی ہے مگر اہم نام ہیں: حسان الہند مولانا محمد محسنؔ محسنؔ کاکوروی (۱۸۲۶ء۔۱۹۰۵ء)، اعلیٰ حضرت مولانا مولوی امام احمد رضا خان رضاؔ بریلوی اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسن رضا خان حسنؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہم۔ آج کی صحبت میں حضرت مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی پر اِجمالی گفتگو مقصود ہے۔

مولانا حسن رضا خان مشہور زمانہ اور شہرۂ آفاق عالم دین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ ایک علمی اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ نسباً قندھاری پٹھان تھے۔ مولانا کے مورث اعلیٰ مولانا سعید اللہ خان عہد مغلیہ میں صاحب جاہ شخص تھے۔ ان کے صاحبزادے سعادت یار خان ایک جنگ کے سلسلے میں روہیل کھنڈ تشریف لائے تھے۔ سعادت یار خان کے صاحبزادے مولانا اعظم خان اچھے عہدے پر فائز تھے مگر بعد میں تارک الدنیا ہوگئے تھے۔ ان کے صاحبزادے حافظ کاظم علی خان شہر بدایوں کے تحصیلدار تھے۔ حافظ کاظم علی خان کے صاحبزادے اور مولانا حسن میاں کے دادا حضرت مولانا شاہ رضا علی خان بہت بڑے عالم باعمل تھے مولانا محمد حسین علمی جن کا لکھا ہوا ''خطبۂ علمی'' آج ہند و پاک کی بیش تر مساجد میں ہر جمعے کو منبروں پر خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، انہیں کے

شاگرد تھے۔ حسن میاں کے والد مولانا شاہ حکیم نقی علی خان بھی بڑے عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ ان کے صاحبزادے اور حسن میاں کے بڑے بھائی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کا نام محتاج تعارف نہیں۔ ان کی ہمہ دانی بے نظیر تھی۔ حضرت کے تبحر علمی کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ تقریباً سات سو کتابوں کے مصنف، مرتب، محشی اور مترجم ہیں جن میں فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں ہی بلحاظ ضخامت، تحقیق اور علمیت کئی مفتیوں کے تمام زندگی کے کاموں پر بھاری ہیں۔ دونوں بھائیوں کے قلب مئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے۔ نعت گوئی کو جس بلندی پر ان دونوں بھائیوں نے پہنچایا ہے اس کو اس وقت تک نقطۂ عروج ہی کہا جائے گا۔

نعت کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہے، غزل، مثنوی، مخمس، مسدّس، ترکیب بند اور ترجیع بند حتی کہ مستزاد تک تمام ہیئتوں میں کہی جاسکتی ہے بلکہ کہی جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ مقبول ہیئت غزل کی ہے گویا غزل کا جامہ زیبا اس کے قدموزوں پر بالکل درست آیا ہے۔ دوسرے نمبر پر مخمس اور اس کے بعد ترجیع بند کو پسند کیا جاتا ہے۔ اُستاد شاعروں نے مثنوی میں بھی نعتیں کہی ہیں جن میں مولانا محسنؔ کاکوروی کی ''صبح تجلی''، ''چراغ کعبہ'' وغیرہ اور ''شاہنامۂ اسلام'' میں ابوالاثر حفیظؔ جالندھری (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۸۲ء) کے نعتیہ اشعار خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

نعت گوئی ایک انتہائی مشکل فن ہے۔ علم دین خصوصاً، قرآن وحدیث اور عقائد کی گہری واقفیت کے بغیر اس راہ کے راہرو کو قدم قدم پر ٹھوکروں سے ہی واسطہ پڑتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ایک قول کا مفہوم ہے کہ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر تعریف میں ذرا غلو ہوا تو اُلوہیت کی سرحد شروع ہوجاتی ہے اور اگر ذرا کمی ہوئی تو تنقیصِ شان کا احتمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نعت گو شعراء نعت گوئی کے فرض سے صحیح طور پر عہدہ برآ نہیں ہوسکے۔ مگر چونکہ مولانا حسنؔ عالم دین تھے اور عشق رسول بھی رَگ رَگ میں سمایا ہوا تھا اس لیے وہ اس کوچے سے نہایت کامیابی کے ساتھ گزر گئے۔ اور ان کے نقش قدم آج بھی رہروانِ رہِ نعت کے لیے رہنما بنے ہوئے ہیں۔ مولانا کی نعت گوئی چند قابل لحاظ

وجوہ کی بنا پر اہمیت کی حامل ہے:

اوّل: یہ کہ ان کے یہاں عام میلاد ناموں کے مصنفین کی طرح محض چند مضامین کی تکرار نہیں ہے۔

دوم: اپنی نعتوں میں انہوں نے ایسے الفاظ کے استعمال سے بھی عام گریز کیا ہے جن سے ان کے ممدوح کی توصیف کا کوئی پہلو نہیں نکلتا جیسے ''کالی کملی والے'' ''گلہ بان'' ''حلیمہ کے پالے'' وغیرہ وغیرہ۔

سوم: یہ کہ عام نعت گو شعراء عموماً اللہ ربّ العزت کو ایسے ناموں سے بھی یاد کر جاتے ہیں جن کا استعمال ممنوع ہے لیکن مولانا کا علم اُن کو اس قسم کی تمام غلطیوں سے بچائے رہا۔

چہارم: نعت گوئی میں ایک عام غلطی یہ ہو جاتی ہے کہ حضور پاک ﷺ کا تعلق یا تقابل جب انبیاء ماسبق سے دکھایا جاتا ہے تو کہیں کہیں نبی آخر الزماں ﷺ کی توصیف کے پردے میں انبیائے سابقین کی تنقیص شان کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ مولانا نے حتی الامکان اس غلطی سے اپنے آپ کو بچائے رکھا ہے۔

پنجم: یہ کہ وہ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط ہیں مثلاً ایک لفظ ''شیدا'' جو عاشق کے معنیٰ میں آتا ہے علمائے محتاط کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شان میں اس کا استعمال گستاخی قرار پاتا ہے۔ اسی لیے مولانا نے اس لفظ کا استعمال اللہ ربّ العزت کے لیے کہیں نہیں کیا بلکہ وہ مجبور ہو کر اُس کی جگہ لفظ ''پیارا'' استعمال کرتے ہیں جو کانوں کو عجیب اور نامانوس تو لگتا ہے مگر شاعر اور نعت خواں کو شانِ اُلوہیت میں گستاخی کے اِرتکاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ نمونے کے دو شعر نقل ہیں۔

حسن یوسف پر زلیخا مٹ گئیں   آپ پر اللہ پیارا ہو گیا
تیرے صانع سے کوئی پوچھے ترا حُسن و جمال   خود بنایا اور بنا کر خود ہی پیارا ہو گیا

''ذوقِ نعت'' سے از روئے جُمل ۱۳۲۶ھ ہاتھ آتا ہے۔ یہی شاعر کا سالِ وفات بھی ہے گویا نعتیہ دیوان کا سال طباعت یا سال ترتیب اور مصنف کا سال وفات ایک ہی ہے۔ ''ذوقِ نعت'' کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ یہ نعت خواں، میلاد خوانوں اور نعت گوئی سے شغف

رکھنے والے حضرات میں کافی مقبول ہے۔کلام کی ترتیب ردیف وار ہوئی ہے۔''الف'' سے لیکر ''یا'' تک ہر ردیف کی نعتیں دیوان میں موجود ہیں۔''الف'' کی ردیف میں پہلے دو حمدیں شامل کی گئی ہیں اس کے بعد نعتیں شروع ہوجاتی ہیں۔ردیف کی ترتیب کے مطابق نعت کے علاوہ جو دیگر اصناف سخن آتی گئی ہیں وہ بھی ساتھ ساتھ شامل ہوتی رہی ہیں۔جیسے منقبت حضرت خواجہ غریب نواز،مناقب خلفائے راشدین،ذکر شہادت،منقبت حضرت غوث اعظم،منقبت حضرت اچھے میاں مارہروی،حاضری حرمین طیبین وغیرہم۔خاتمہ دیوان کے بعد تین مسدسات ہیں،پہلی ذکر معراج شریف کے باب میں،دوسری حضرت بڑے پیر صاحب سے طلب استمداد میں موسوم باسم تاریخی نغمۂ روح (۱۳۰۹ھ) اور تیسری مناقب حضرت شاہ سیّد بدیع الدین مدار قدس سرہ میں۔پہلی مسدّس ترکیب بند میں ہے اور بقیہ دو ترجیع بند میں۔نغمۂ رُوح میں جس بیت کی تکرار کی گئی ہے وہ یہ ہے ؎

روئے رحمت بر متاب اے کام جاں از روئے من
حرمتِ رُوحِ پیمبر یک نظر کن سوئے من

اس ترجیع بند میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے بند حروف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار درج ہوئے ہیں اور ''الف'' سے لے کر ''یا'' تک کوئی ردیف ایسی نہیں ہے جس میں بند نہ کہا گیا ہو۔عقیدت واحترام اور ادبیت وشعریت کا حسین اِمتزاج اس ترجیع بند میں جلوہ گر ہے۔

مسدّسات کے بعد ایک سلام (بر رُوحِ نبی) اور کچھ رُباعیات ہیں۔اس کے بعد شاعر کی وقتاً فوقتاً کہی گئی تاریخیں ہیں۔کتاب کے آخر میں چند مثنویات اور قصائد ہیں۔اس حصے کا تاریخی نام ''وسائل بخشش'' ہے۔جس سے ۱۳۰۹ھ ہاتھ آتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب کا یہ حصہ جو آخر میں شامل ہوا ہے دیوان کی طباعت وترتیب سے سترہ سال قبل تخلیق یا طبع ہوگیا تھا۔پہلی تین مثنویات حمدیہ اور نعتیہ ہیں جن میں عشق ومحبت کے جذبات کی تیز آنچ کے ساتھ اَشہب فکر کی وہ جولانیاں بھی نظر آتی ہیں جو مولانا کو عاشق سے زیادہ شاعر اور شاعر سے زیادہ عاشق ثابت کرتی ہیں۔اس کے بعد کچھ مختصر مثنویات ہیں جن میں حضرت غوث پاک کے حالات اور اُن کی

کرامات سے متعلق روایات کو نظم کیا گیا ہے۔ بیچ میں ایک منقبتی غزل شامل ہوگئی ہے جو بڑے پیر صاحب کی شان میں ہی ہے۔ ایک مثنوی میں ولادت خاتم النبیین ﷺ کا شاعرانہ حال اور آخر میں ایک ناتمام مثنوی ہے جس کا عنوان ہی 'مثنوی نا تمام' ہے۔ حصہ قصائد میں مولانا فضل رسول قادری مجیدی بدایونی کی مدح میں کہا گیا طویل قصیدہ کافی اہم ہے۔ تین نیم ہجویہ قصائد ہیں، سب کی ردیف ''باقی'' ہے۔ ڈھائی صفحات میں متفرق کلام اور سب کے آخر میں طبع دیوان کی تاریخیں، مولانا کا مختصر تعارف اور تاریخ وفات درج ہے۔

''ذوقِ نعت'' کی نعتیں فکر وفن اور جذبہ وتخیل کا حسین امتزاج ہیں۔ جذبۂ عشق رسول کی تیز آنچ قاری کے دل میں احساس کی گرمی پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ اپنے ممدوح کی شان اَرفع واعلیٰ کو شاعر نے جس انداز سے اُجاگر کیا ہے وہ قابل تعریف ہے اور وہ اس لیے کہ اس کا دائرہ صرف جذبات حُبِّ نبی کے حصار تک ہی محیط نہیں بلکہ وہ عمدہ شاعری کا نمونہ بھی ہے۔ اگر ''ذوقِ نعت'' کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ اس کے مذہبی جذبات کو نظر انداز کر کے صرف اس کی ادبیت کو ہی ملحوظ رکھیں تو اس میں فصیح الملک حضرت دآغ دہلوی کے اندازِ شاعری کی بھرپور چھوٹ دکھائی دیتی ہے۔ حضرت دآغ کی شاعری کا اتنا واضح اور نمایاں رنگ ان کے دوسرے شاگردوں کی شاعری میں نظر نہیں آتا جتنا کہ حسَن میاں کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے بھی جن کو متقدمین بیان کر گئے ہیں مولانا کی قدرتِ بیان، طرزِ اَدا، اور تخیل کی بلند پروازی نئے نئے گوشے ڈھونڈ نکالتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نعت میں سینکڑوں نئے مضامین داخل کیے اور عظمت مصطفی ﷺ کے اظہار میں سینکڑوں نئے نکات کو اپنے اچھوتے انداز میں بیان کیا۔ مولانا نے بہت سی جگہوں پر اپنے عقائد ونقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے عقلی دلائل سے بھی کام لیا ہے۔ اگر قاری کے دل میں ذرا بھی عشق رسول ﷺ کی حرارت ہے تو ''ذوقِ نعت'' کا مطالعہ اس حرارت کو شعلوں میں تبدیل کر کے رُوح وایمان کو تپا کر تازگی اور جلا بخش دیتا ہے۔ اکثر اشعار کی اثر آفرینی سے پڑھنے والے کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور جسم میں سنسنی دوڑ جاتی ہے۔ اثر آفرینی تو خیر نعت کی داخلی خصوصیت ہے

ہی مگر مولانا کی نعتوں کو دلکش بنانے میں اُن کی خلاّقی مضمون کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ انہوں نے سینکڑوں نئے مضامین کو اپنی نعتوں میں راہ دی اور نہ جانے کتنے نئے نکات جو نظروں سے نہاں تھے اپنے مخصوص انداز میں بیان کیے۔ کچھ اشعار پیش ہیں۔ مضامین کے ساتھ ساتھ طرزِ اَدا پر بھی نظر رکھی جائے تو شاعر کی قادرُ الکلامی کا لوہا مانے بغیر چارۂ کار نہیں۔

صدق نے تجھ میں یہاں تک تو جگہ پائی ہے
کہہ نہیں سکتے اُلش کو بھی تو جھوٹا تیرا

اگر قسمت سے میں اُن کی گلی میں خاک ہو جاتا
غمِ کونین کا سارا بکھیڑا پاک ہو جاتا

اور میں کیا لکھوں خدا کی حمد
حمد اسے وہ خدا ہوا تیرا

مجھ سے کیا لے سکے عدو ایماں
اور وہ بھی دیا ہوا تیرا

ہیں دعائیں سنگ دشمن کا عوض
اس قدر نرم ایسے پتھر کا جواب

میں ید بیضاء کے صدقے اے کلیم
پر کہاں اُن کی کفِ پا کا جواب

ناخدائی سے نکالا آپ نے
چشمۂ مغرب سے ڈوبا آفتاب

"قل" کہہ کر اپنی بات بھی لب سے ترے سنی
اللہ کو ہے اِتنی تری گفتگو پسند

کریں تعظیم میری سنگ اَسود کی طرح مومن
تمہارے دَر پہ رہ جاؤں جو سنگِ آستاں ہو کر

بے لقائے یار اُن کو چین آ جاتا اگر
بار بار آتے نہ یوں جبریل سدرہ چھوڑ کر

اُس دَر کی خاک پر مجھے مرنا پسند ہے
تختِ شہی پہ کس کو نہیں زندگی عزیز

الٰہی دھوپ ہو اُن کی گلی کی
مرے سر کو نہیں ظلِ ہما خوش

تھی جو اُس ذات سے تکمیل فرامیں منظور
رکھی خاتم کے لئے مہر نبوت محفوظ

جلوۂ موئے محاسن چہرۂ انور کے گرد
آبنوسی رِحل پر رکھا ہے قرآنِ جمال

سفر کر خیالِ رُخِ شہ میں اے جاں
مسافر نکل جا اُجالے اُجالے

منور دل نہیں فیضِ قدومِ شہ سے روضہ ہے
مشبک سینۂ عاشق نہیں روضہ کی جالی ہے

ترے محتاج نے پایا ہے وہ شاہانہ مزاج
اس کی گدڑی کو بھی پیوند ہوں دارائی کے

ہیں ترے آستاں کے خاک نشیں
تخت پر خاک ڈالنے والے

''ذوقِ نعت'' میں حمد و مناقب، ذکرِ شہادت اور قصائد وغیرہ چھوڑ کر کل اُناسی (۷۹) نعتیں ہیں جن میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ مولانا طویل نعتیں لکھنے کے عادی تھے اُناسی نعتوں میں سے صرف ایک نعت میں چھ شعر، دو میں نو نو شعر، آٹھ میں گیارہ گیارہ شعر ہیں۔ باقی

اشعار کی تعداد ان سے زیادہ ہی ہے۔ یہاں تک کہ کسی کسی نعت میں اشعار کی تعداد پچاس بلکہ ساٹھ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ بیس سے زیادہ شعر بہت سی نعتوں میں ہیں ؎

دردِ دل کر مجھے عطا یا ربّ　　　　دے مرے درد کی دَوا یا ربّ

اس نعت میں پچپن شعر ہیں ؎

جاں بلب ہوں آمری جاں الغیاث　　　　ہوتے ہیں کچھ اور ساماں الغیاث

اس نعت میں چھیاسٹھ شعر ہیں اس سے صرف یہی نہیں سمجھنا چاہئے کہ آسان ردیف اور قافیہ ہونے کے سبب زیادہ شعر نکالنے میں کامیابی ہوئی ہوگی۔ انہوں نے اَدق زمینوں میں بھی طویل نعتیں کہی ہیں ؎

پُر نور ہے زمانہ صبح شب ولادت　　　　پردہ اُٹھا ہے کس کا صبح شب ولادت

اس نعت میں اکیاون اشعار ؎

دشمن بنے گلے کا ہار آقا　　　　لٹتی ہے مری بہار آقا

اس نعت میں اکتالیس شعر اور ؎

سرِ صبح سعادت نے گریباں سے نکالا　　　　ظلمت کو ملا عالم امکاں سے نکالا

میں پچیس شعر ہیں۔ جو مولانا کی قادر الکلامی اور ذوقِ نعت گوئی کی بیّن دلیل ہیں۔

قدیم شعراء میں غزل کے درمیان قطعہ بند شعر لانے کا خاص رواج تھا۔ مولانا کا رجحان بھی اسی طرف پایا جاتا ہے مولانا کی بارہ نعتوں میں تقریباً ۱۴۰ قطعہ بند شعر ملتے ہیں۔ ایک نعت میں جس کا مطلع ہے۔

تمہارا نام مصیبت میں جب لیا ہو گا　　　　ہمارا بگڑا ہوا کام بن گیا ہو گا

دو مطلعے اور ایک شعر کے بعد قطعہ بند اشعار شروع ہوتے ہیں اور مقطع تک چوبیس اشعار کا ایک ہی قطعہ ہے جس میں قیامت کی پُر ہول منظر کشی اور حضورِ پاک ﷺ کے طفیل گناہ گاروں کو راحت ملنے کا بیان ہے۔

''ذوقِ نعت'' کا یہ سب سے زیادہ طویل قطعہ ہے جس میں عقیدت کے ساتھ ساتھ

ادبیت کی ہلکی سی چاشنی بھی موجود ہے۔ ''ذوقِ نعت'' کے مطالعے سے ایک بات کا اور بھی پتہ چلتا ہے اور وہ یہ کہ مولانا نے اپنے بڑے بھائی فاضل بریلوی کی نعتوں کی زمین میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ فاضل بریلوی کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' (۱۳۲۵ھ) اور ''ذوقِ نعت'' میں چار زمینوں میں کہی گئی نعتیں مشترک ہیں۔ خدا جانے کہ یہ نعتیں کسی طرحی نعتیہ مشاعرے کے لیے کہی گئی تھیں یا مولانا نے بغیر کسی طرحی اِلتزام کے احتراماً اور تقلیداً کہی ہیں۔ طرحی مشاعروں کے لئے کہے جانے کا کوئی ثبوت ہمارے سامنے نہیں ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ مولانا نے یہ نعتیں کسی طرحی مشاعرے کی طرح پر نہیں کہیں بلکہ اصل مقصود برادرِ مکرم کی پیروی ہی تھا۔ ہم طرح نعتوں کے مطلعے حسب ذیل ہیں:

واہ کیا جُود و کرم ہے شہ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
(فاضل بریلوی)

جن و انسان و ملک کو ہے بھروسا تیرا — سروَرا مرجعِ کُل ہے دَرِ وَالا تیرا
(حسنؔ بریلوی)

غم ہو گئے بے شمار آقا — بندہ تیرے نثار آقا
(فاضل بریلوی)

دشمن ہے گلے کا ہار آقا — لٹتی ہے مری بہار آقا
(حسنؔ بریلوی)

محمد مظہر کامل ہے حق کی شانِ عزت کا — نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
(فاضل بریلوی)

کہوں کیا حال زاہد گلشن طیبہ کی نزہت کا
کہ ہے خلد بریں چھوٹا سا ٹکڑا میری جنت کا
(حسنؔ بریلوی)

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دل بے کس کا اس آفت میں آقا تُو ہی والی ہے
(فاضل بریلوی)

مرادیں مل رہی ہیں شاد شاد اُن کا سوالی ہے
لبوں پر اِلتجا ہے ہاتھ میں روضے کی جالی ہے
(حسنؔ بریلوی)

ان کے علاوہ دونوں مجموعوں میں کچھ کلام ایسا بھی ہے جس کو ہم زمین تو نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن اس کا امکان ضروری ہے کہ نعتیں کہتے وقت حسنؔ میاں کے سامنے یا اُن کے ذہن میں فاضل بریلوی کی نعتوں کی طرحیں موجود تھیں۔ حضرت غوث پاک کی مدح میں ایک ہی طرح میں فاضل بریلوی نے چار منقبتیں کہی ہیں۔ حسنؔ میاں نے بھی اس بحر میں منقبت کہی ہے۔ ردیف وہی ہے مگر قافیے بدل گئے ہیں۔

ترا ذرہ مہ کامل ہے یا غوث ترا قطرہ یم سائل ہے یا غوث
(فاضل بریلوی)

جو تیرا طفل ہے کامل ہے یا غوث طفیلی کا لقب واصل ہے یا غوث
بدل یا فرد جو کامل ہے یا غوث ترے ہی دَر سے مستکمل ہے یا غوث
طلب کا منہ تو کس قابل ہے یا غوث مگر تیرا کرم شامل ہے یا غوث
پڑے مجھ پر نہ کچھ اُفتاد یا غوث مدد پر ہو تری اِمداد یا غوث
(حسنؔ بریلوی)

دونوں مجموعوں کی دو نعتوں کے ہم طرح ہونے میں ذرا سی کمی رہ گئی ہے حسنؔ بریلوی نے فاضل بریلوی کی ردیف کو قافیہ بنالیا ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
(فاضل بریلوی)

نہ مایوس ہو میرے دُکھ درد والے دَرِ شہ پہ آ ہر مرض کی دَوا لے
(حسنؔ بریلوی)

اسی طرح دو نعتوں میں حسنؔ میاں نے فاضل بریلوی کی ایک نعت کی ردیف میں خفیف سا

فرق کر دیا ہے یعنی آخر میں یائے معروف کے بجائے یائے مجہول لے آئے ہیں بحر اور قوافی وہی ہیں۔

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی ۔۔۔ مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی
(فاضل بریلوی)

جان سے تنگ ہیں قیدی غم تنہائی کے ۔۔۔ صدقے جاؤں میں تری انجمن آرائی کے
(حسنؔ بریلوی)

پردے جس وقت اُٹھیں جلوۂ زیبائی کے ۔۔۔ وہ نگہبان رہیں چشم تمنائی کے
(حسنؔ بریلوی)

ایک نعت میں بحر بدلی ہوئی ہے مگر ردیف قافیے وہی ہیں:

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رَسائی ہے ۔۔۔ گر اُن کی رَسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
باغ جنت میں نرالی چمن آرائی ہے ۔۔۔ کیا مدینے پہ فدا ہو کے بہار آئی ہے

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے مولانا کو فصیح الملک حضرت نواب مرزا داؔغ دہلوی سے تلمذ تھا اور شاید اُردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ انکشاف حیرت کا باعث ہو کہ حضرت داؔغ کے شاگردوں میں کسی نے اُستاد سے اِتنا اِستفادہ نہیں کیا جتنا مولانا نے کیا۔ وہ ایک مدت تک رام پور میں رہ کر داؔغ مرحوم سے اِکتسابِ فیض کرتے رہے لیکن زمانے کی نیرنگی کہیے یا کچھ اور ہمارے مؤرخین ادب جب حضرت داؔغ کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو دیگر شاگردوں مثلاً احسنؔ مارہروی، ڈاکٹر سر محمد اقبال، جگر مرادآبادی، سیمابؔ اکبرآبادی، نوح ناروی، نظام حیدر آباد نواب میر محبوب علی خاں آصفؔ، سائلؔ دہلوی، بیخودؔ دہلوی، بیخودؔ بدایونی نعیم بھرت پوری اور آغا شاعرؔ دہلوی کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر حضرت مولانا کا نام بھی فہرست تلامذہ میں نہیں ہوتا، جب کہ پختگی اور اُستاد کے رنگ کو کامیابی سے برتنے کے سبب مولانا کو بجا طور پر ''جانشین داؔغ'' کہا جاسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس بے اِعتنائی کا سبب دیوان غزلیات کا کمیاب ہوجانا ہو مگر اُن کا نعتیہ دیوان بھی کسی طرح نظرانداز کر دینے کے لائق نہیں۔

اس لئے وہ اہم چیز جو حسنؔ بریلوی کو سابق نعت گو شعراء پر فوقیت دیتی ہے اُن کی نعتوں میں ادب کی شیریں چاشنی کا وافر مقدار میں پایا جانا ہے ۔مولانا کی نعتوں میں ادبیت کا صحیح اندازہ تو دیوان کے مطالعے سے ہی ممکن ہے لیکن اشعار کے مناسب انتخاب سے بھی اس کی ہلکی سی جھلک مل سکتی ہے۔

مولانا کے نعتیہ اشعار میں ادب العالیہ کی جھلکیاں پورے طور پر اس طرح واضح ہو سکتی ہیں کہ ان کا ایک مبسوط انتخاب پیش کر دیا جائے لیکن اس کی گنجائش نہیں نکل سکتی ۔اس لئے مضمون کے خاتمے تک کل ملا کر ایک مختصر انتخاب پیش کیا جا رہا ہے ۔

اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے
اُن کے اَبرو نہیں دو قبلوں کی یکجائی ہے

اگر چمکا مقدر خاک پائے رَہرواں ہو کر
چلیں گے بیٹھے اُٹھتے غبارِ کارواں ہو کر

دشتِ ایمن ہے سینۂ مومن
دل میں ہے جلوۂ خیالِ حضور

آسماں گر ترے تلووں کا نظارہ کرتا
روز اک چاند تصدق میں اُتارا کرتا

وکیل اپنا کیا ہے احمد مختار کو میں نے
نہ کیوں کر پھر رِہائی میری منشاء ہو عدالت کا

مجھے بھی دیکھنا ہے حوصلہ خورشید محشر کا
لئے جاؤں گا چھوٹا سا کوئی ذرّہ ترے دَر کا

جو اک گوشہ چمک جائے تمہارے ذرّۂ دَر کا
ابھی منہ دیکھتا رہ جائے آئینہ سکندر کا

کیا مژدہ جاں بخش سنائے گا قلم آج
کاغذ پہ جو سو ناز سے رکھتا ہے قدم آج

دشت مدینہ کی ہے عجب پُر بہار صبح
منہ دھو کے جوئے شیر میں آئے ہزار صبح

ہر ذرّے کی چمک سے عیاں ہیں ہزار صبح
شام حرم کی پائے نہ ہرگز بہار صبح

رنگِ چمن پسند، نہ پھولوں کی بُو پسند
صحرائے طیبہ ہے دلِ بلبل کو تُو پسند

خوشبوئے دشتِ طیبہ سے بس جائے گر دماغ
مہکائے بوئے خلد مرا سربسر دماغ

طور نے تو خوب دیکھا جلوۂ شانِ جمال
اس طرف بھی اک نظر اے برقِ تابانِ جمال

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو
سینے پہ تسلی کو ترا ہاتھ دھرا ہو

عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ
کہ سب جنتیں ہیں نثارِ مدینہ

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے
اُٹھا لے جائے تھوڑی خاک اُن کے آستانے سے

تمہارے دَر کے ٹکڑوں سے پڑا پلتا ہے اِک عالم
گزارا سب کا ہوتا ہے اسی محتاج خانے سے

میرا خیال ہے کہ قارئین کو کسی شاعر کے رنگ شاعری سے متعارف کرانے کے لیے اختصار کے پیشِ نظر اُس کے اشعار کا انتخاب پیش کر دینا ایک ایک شعر کی شرح کرنے سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

جہاں تک شاعری میں مضامین و موضوعات کی اَدا کا تعلق ہے ہر صنف کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے اس کو دوسری صنف کے ساتھ ترازو میں رکھ کر نہیں تولا جا سکتا۔ اگر ہم بعض ادبی خصوصیات کو نعت میں مرثیہ یا مثنوی کے انداز میں دیکھنے کے خواہش مند ہوں تو ہمیں اس میں مایوسی تو ہوگی ہی ہماری یہ خواہش بھی طفلانہ اور بے جا ہی کہی جائے گی۔ محاکات اور مرقع نگاری جیسی چیزیں اپنے اندر تسلسل رکھنے والی اصنافِ سخن مرثیہ، مثنوی اور نظم جدید کے لیے خاص ہیں۔ مگر شاید میرا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں ''ذوقِ نعت'' میں بھی کم ہی سہی مگر موجود ضرور ہیں۔ جہاں تک محاکات کا سوال ہے وہ پیش کردہ اشعار میں سے بھی کچھ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا کی نعتیں اپنے ظرف کے مطابق اس سے خالی نہیں ہیں۔ مرقع نگاری کا موقع اگرچہ نعتوں میں (کھل کر) نہیں مل سکتا تھا مگر مولانا نے ''ذوقِ نعت'' میں اپنے اس ذوق کا بھی ثبوت دے دیا ہے۔ حضرت بڑے پیر صاحب سے طلب اِستمداد کی نظم ''نغمۂ رُوح'' میں مرقع نگاری کے مواقع پیدا کر ہی لیے ہیں۔ مثلاً

اک جہاں سیراب فیض ابر ہے اب کی برس
تر نوا ہیں بلبلیں پڑتا ہے گوشِ گل میں رَس

ہے یہاں کشت تمنا خشک و زِندانِ قفس
اے سحابِ رحمت حق سُوکھے دھانوں پر برس

روئے رحمت برمتاب اے کام جاں از روئے من
حرمت رُوح پیمبر یک نظر کن سوئے من

فصل گل آئی عروسانِ چمن ہیں سبز پوش
شادمانی کا نواسنجانِ گلشن میں ہے جوش

جوبنوں پر آ گیا حسن بہارِ گل فروش
ہائے یہ رنگ اور میں یوں دام میں گم کردہ ہوش

صبح صادق کا کنارِ آسماں سے ہے طلوع
ڈھل چکا ہے صورتِ شب حسن رُخسار شموع

طائروں نے آشیانوں میں کیے نغمے شروع
اور نہیں آنکھوں کو اب تک خوابِ غفلت سے رُجوع

روئے رحمت بر متاب اے کام جاں از روئے من
حرمت رُوحِ پیمبر یک نظر کن سوئے من

''ذوقِ نعت'' کا دوسرا حصہ ''وسائل بخشش'' بھی کافی دلکش ہے جو محاسن شعری سے بھرا پڑا ہے، مگر ہمارا مقصد صرف مولانا کی نعتوں پر ایک نظر ڈالنا ہے۔ اس لیے اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے مولانا کے کافی نعتیہ اشعار پیش کیے جا چکے ہیں لیکن ایک نعت کے دو شعر سے زیادہ کہیں نقل نہیں ہو سکے ہیں اس وجہ سے مولانا کی نعتوں کی خوبیوں کا مکمل اِدراک نہیں ہو سکتا، دوسرے ایک نعت میں ایک دو شعر کا بہت اچھا ہو جانا اس کی خوبی کی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے ان کے رنگ شاعری کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے کچھ نعتوں کے چھ چھ، سات سات اشعار اور ایک طویل نظم ذکر شہادت کے اشعار مناسب تعداد میں نقل ہیں۔

اگر چہ یہ طوالت کا باعث ہو گا مگر اب تک کے اختصار سے اس طوالت کی تلافی ہو سکتی ہے۔

نعت نمبر ۱:

معطی مطلب تمہارا ہر اشارہ ہو گیا
جب اشارہ ہو گیا مطلب ہمارا ہو گیا

اللہ اللہ محو حسنِ روئے جاناں کے نصیب
بند کر لیں جس گھڑی آنکھیں نظارہ ہو گیا

یوں تو سب پیدا ہوئے ہیں آپ ہی کے واسطے
قسمت اُس کی ہے جسے کہہ دو ہمارا ہو گیا

تیری طلعت سے زمیں کے ذرّے مہ پارہ بنے
تیری ہیبت سے فلک کا مہ دوپارا ہو گیا

تُو نے ہی تو مصر میں یوسف کو یوسف کر دیا
تُو ہی تو یعقوب کی آنکھوں کا تارا ہو گیا

ہم بھکاری کیا ہماری بھیک کس گنتی میں ہے
تیرے دَر سے بادشاہوں کا گزارہ ہو گیا

نعت نمبر ۲:

ہو اگر مدحِ کفِ پا سے منور کاغذ
عارضِ حور کی زینت ہو سراسر کاغذ

صفت خارِ مدینہ میں کروں گلکاری
دفتر گل کا عنادِل سے منگا کر کاغذ

عارِضِ پاک کی تعریف ہو جس پرچے پر
سو سیہ نامہ اُجالے وہ منور کاغذ

شام طیبہ کی تجلی کا کچھ اَحوال لکھوں
دے بیاضِ سحر اک ایسا منور کاغذ

یادِ محبوب میں کاغذ سے تو دل کم نہ رہے
کہ جدا نقش سے ہوتا نہیں دم بھر کاغذ

وَرقِ مہر اُسے خط غلامی لکھ دے
ہو جو وصف رُخِ پُر نور سے اَنور کاغذ

نعت نمبر ۳:

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے دَر تمہارا چھوڑ کر

سر گزشتِ غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے دَر پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر

خلد کیسا نفس سرکش جاؤں گا طیبہ کو میں
بد چلن ہٹ کر کھڑا ہو مجھ سے رستہ چھوڑ کر

ایسے جلوے پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار
کیا غرض کیوں جاؤں جنت کو مدینہ چھوڑ کر

بخشوانا مجھ سے عاصی کا رَوا ہو گا کسے
کس کے دامن میں چھپوں دامن تمہارا چھوڑ کر

حشر میں ایک ایک کا منھ تکتے پھرتے ہیں عدو
آفتوں میں پھنس گئے اُن کا سہارا چھوڑ کر

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے دَر پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

نعت نمبر ۴:

کون کہتا ہے کہ زینت خلد کی اچھی نہیں
لیکن اے دل فرقت کوئے نبی اچھی نہیں

تیرہ دل کو جلوۂ ماہِ عرب درکار ہے
چودھویں کے چاند! تیری چاندنی اچھی نہیں

اُس گلی سے دُور رہ کر کیا مریں ہم کیا جئیں
آہ ایسی موت ایسی زندگی اچھی نہیں

اُن کے دَر کی بھیک چھوڑیں سروری کے واسطے
اُن کے دَر کی بھیک اچھی سروری اچھی نہیں

خاک اُن کے آستانے کی منگا دے چارہ گر
فکر کیا حالت اگر بیمار کی اچھی نہیں

اُن کے دَر پر موت آ جائے تو جی جاؤں حسنؔ
اُن کے دَر سے دُور رہ کر زندگی اچھی نہیں

ذکرشہادت:

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت

اُن کے گھر میں بے اجازت جبرائیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہل بیت

مصطفیٰ بائع خریدار اُس کا اللہ اشتریٰ
خوب چاندی کر رہا ہے کاروانِ اہل بیت

رَزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہل بیت

جمعے کا دن ہے کتابیں زِیست کی طے کرکے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگانِ اہل بیت

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اَندھیر ہے
دن دھاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہل بیت

خشک ہو جا خاک ہو کر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو سُوکھی زبانِ اہل بیت

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدّت سے تڑپے بے زبانِ اہل بیت

وقتِ رُخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلام آخری اے بیوگانِ اہل بیت

سر شہیدانِ محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اُونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہل بیت

دولتِ دیدار پائی پاک جانیں بیچ کر
کربلا میں خوب ہی چمکی دکانِ اہل بیت

اپنا سودا بیچ کر بازار سُونا کر گئے
کون سی بستی بسائی تاجرانِ اہل بیت

میرا خیال ہے کہ مولانا کے اس قدر کلام کی روشنی میں اُن کے رنگِ شاعری، عظمت شاعری اور قادرُ الکلامی کا کچھ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے لیکن اُن کی نعت گوئی کا مکمل اِدراک ''ذوقِ نعت'' کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

☆

علامہ حسنؔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری[1]

سخن کے مقابلے میں سب سے زیادہ طاقت وَر، معظّم، محترم اور محبوب و پاکیزہ صنف نعت ہے۔ اس کا آغاز یومِ میثاق ہی سے ہو چکا تھا۔ قادرِ مطلق جل شانہٗ نے قرآنِ عظیم میں جا بجا اپنے محبوبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف و کمالات کو بیان فرما کر نعت گوئی کا سلیقہ و شعور بخشا ہے۔ صحابۂ کرام، اَزواجِ مطہرات، اہلِ بیتِ اطہار، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، سلف صالحین، اَغواث، اَقطاب، اَبدال، اَولیا، صوفیہ، علما اور بلا تفریق مذہب و ملّت شعرا و ادبا کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جنہوں نے اس پاکیزہ صنف کا استعمال کرتے ہوئے بارگاہِ محبوبِ کردگار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اپنی عقیدت و محبت کے گل و لالہ بکھیرے ہیں۔

ہندوستان میں نعتیہ شاعری کے باضابطہ طور پر آغاز کے آثار سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں ملتے ہیں۔ طوطیٔ ہند حضرت امیر خسروؔ کو ہندوستان میں نعتیہ شاعری کے میدان کا مستند شاعر کہا جاتا ہے۔ امیر خسروؔ فارسی زبان و ادب کے ماہر تھے۔ آپ کا کلامِ بلاغت نظام بھی فارسی ہی میں موجود ہے۔ بعد اَزاں جب اُردو زبان کا وجود ہوا تب ہی سے اُردو میں نعتیہ شاعری کا بھی آغاز ہوا۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، فخر دین نظامیؔ، غلام امام شہیدؔ، لطف علی لطفؔ بدایونی، کفایت علی کافیؔ، کرامت علی شہیدیؔ، احمد نوریؔ مارہروی، امیر مینائیؔ، بیدمؔ شاہ وارثی، نیازؔ بریلوی، آسیؔ غازی پوری، محسنؔ کاکوروی اور امام احمد رضاؔ بریلوی سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ اُستاذِ زَمن علامہ حسن رضا خان حسنؔ بریلوی تک پہنچا اور اُردو نعت گوئی کا یہ نا ختم ہونے والا مقدس سفر

---

[1] ڈاکٹر مشاہد رضوی مالی گاؤں انڈیا سے ہے۔ تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ متعدد کتابیں تحریر کر چکے ہیں جو کہ پاک و ہند میں یکساں مقبول ہیں۔ ان کا پی ایچ ڈی مقالہ ''مفتی اعظم کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ'' پاکستان میں والضحیٰ پبلشرز (لاہور) سے شائع ہو چکا ہے۔

ہنوز جاری و ساری ہے۔

امام احمد رضا بریلوی بلاشبہ بیسویں صدی کے سب سے عظیم نعت گو شاعر گزرے ہیں آپ حسّان الہند ہیں۔نعتیہ شاعری کے سرتاج اور اُس فن کی عزت و آبرو کے ساتھ ساتھ سخنورانِ عجم کے امام بھی......

اسی طرح حسنؔ رضا بریلوی کے دیوان کے مطالعہ کے بعد انھیں بھی بلا تردّد اُردو کا ممتاز نعت گو شاعر قرار دیا جاسکتا ہے۔آپ کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' میں جہاں کلاسیکیت کے عناصر اور تغزّل کے رنگ کی بھرپور آمیزش ہے وہیں پیکر تراشی، اِستعارہ سازی، تشبیہات، اقتباسات، فصاحت و بلاغت، حُسنِ تعلیل و حُسنِ تشبیب، حُسنِ طلب و حُسنِ تضاد، لف ونشر مرتب ولف و نشر غیر مرتب، تجانیس، تلمیحات، تلمیعات، اشتقاق، مراعاۃ النظیر وغیرہ صنعتوں کی جلوہ گری بھی......

اس دیوان میں نعت کے ضروری لوازم کے استعمال سے مدحِ سرورِکائنات ﷺ کی انتہائی کامیاب ترین کوششیں ہیں۔حسنؔ رضا بریلوی کی بعض نعتوں کو اُردو ادب کا اعلیٰ شاہ کار قرار دیا جاسکتا ہے۔آپ کا پورا کلام خود آگہی، کائنات آگہی اور خدا آگہی کے آفاقی تصور سے ہم کنار ہے۔مگر کیا کہا جائے اُردو ادب کے اُن مؤرخین و ناقدین اور شعرا کے تذکرہ نگاروں کو جنھوں نے گروہی عصبیت اور جانبداریت کے تنگ حصار میں مقید ومحبوس ہو کر اُردو کے اس عظیم شاعر کے ذکرِخیر سے اپنی کتابوں کو یکسر خالی رکھا نیز یہ شاعر جس قادِرُ الکلام شاعر کی بارگاہ میں اپنے نعتیہ کلام کو زیورِاصلاح سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے لیے پیش کرتا تھا اُس (یعنی امام احمد رضا بریلوی) کا بھی ذکرِخیر اپنی کتابوں میں نہ کرکے اُردو ادب کے ساتھ بڑی بددیانتی اور سنگین ادبی جُرم کا ارتکاب کیا ہے۔وہ تو بھلا ہو لالہ سری رام کا جنھوں نے ''خمخانۂ جاوید'' جلد دوم کے صفحہ ۴۵۰ پر علامہ حسن رضا بریلوی کا تذکرہ کرکے اپنے آپ کو متعصب مؤرخین اُردو ادب سے جدا کرلیا ہے۔موصوف لکھتے ہیں:

''سخنورِ خوش بیاں، ناظمِ شیریں زباں مولانا حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسنؔ بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علی خان صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خان

صاحب عالم اہلِ سنت و شاگردِ رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داؔغ دہلوی......نعت گوئی میں اپنے برادرِ بزرگ مولوی احمد رضا خان سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبلِ ہندوستان داؔغ سے تلمذ تھا۔‘‘

یہاں یہ اَمر باعث حیرت و اِستعجاب ہے کہ’’خمخانۂ جاوید‘‘ جیسے ضخیم تذکرے میں امام احمد رضا بریلوی کا ذکر محض اس مقام کے علاوہ کہیں اور نہیں ہے جبکہ آپ کا ذکر بحیثیتِ شاعر الگ سے ہونا چاہیے تھا، یہاں پر آپ کا تذکرہ صرف علامہ حسن رضا بریلوی کے بڑے بھائی کی حیثیت سے ہے اس موقع پر ماہرِ غالبیات کالی داس گپتا رضاؔ کی اس تحریر کو نقل کرنا غیر مناسب نہ ہوگا، گپتا صاحب رقم طراز ہیں:

’’تاہم حیرت ہے کہ اس ضخیم تذکرے میں اِن (حسنؔ رضا بریلوی) کے بڑے بھائی عالم اہلِ سنت اور نعت گوئی میں اُن کے اُستاذ جناب احمد رضا خان کے ذکر نے جگہ نہ پائی۔‘‘[1]

اُستاذِ زمن علامہ حسن رضا بریلوی کا کلام بلاغت نظام معنی آفرینی کے لحاظ سے جس قدر بلند و بالا ہے اس پر اس قدر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا ہے۔غالباً آپ کی شاعری پر پہلا مقالہ رئیس المتغزلین سید فضل الحسن قادری رضوی رزّاقی مولانا حسرتؔ موہانی کا تحریر کردہ ہے جو کہ’’اُردوئے معلی‘‘، علی گڑھ کے شمارہ جون ۱۹۱۲ء میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔

اس مسلمہ حقیقت سے قطعاً انکار ممکن نہیں کہ محبت و اُلفتِ رسول ﷺ خانوادۂ رضا کا طرۂ امتیاز ہے۔حدائق بخشش (از: امام احمد رضا بریلوی) اور’’ذوقِ نعت‘‘ کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دونوں بھائیوں کو محبت و اُلفتِ رسول ﷺ گھٹی میں گھول کر پلائی گئی ہے۔’’حدائق بخشش‘‘، محبت و اُلفت رسول ﷺ کا ایک ایسا میخانہ ہے جہاں کی پاکیزہ شراب سے آج ساری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان سیراب ہو رہے ہیں۔اسی طرح’’ذوقِ نعت‘‘ بھی

---

[1] ماہنامہ قاری (دہلی)، امام احمد رضا نمبر۔اپریل ۱۹۸۹ء، مضمون’’امام احمد رضا بہ حیثیت شاعر، از کالی داس گپتا رضاؔ ص ۴۵۶

محبت واُلفت رسول ﷺ کا ایک حسین مجموعہ ہے جس کا وَرق وَرق محبتِ رسول ﷺ سے تابندہ وفروزاں اور سطر سطر میں تعظیم وادبِ رسالت کی جلوہ گری ہے۔

نام تیرا، ذکر تیرا، تُو ترا پیارا خیال
ناتوانوں بے سہاروں کا سہارا ہو گیا

یہ پیاری اَدائیں، یہ نیچی نگاہیں
فدا جانِ عالم ہے اے جانِ عالم

یہ کس کے روئے نکو کے جلوے زمانے کو کر رہے ہیں روشن
یہ کس کے گیسوئے مشک بُو سے مشامِ عالم مہک رہا ہے

رہے دل کسی کی محبت میں ہر دَم
رہے دل میں ہر دم محبت کسی کی

تیری عظمت وہ ہے کہ تیرا
اللہ کرے وقار آقا

میرے خیال میں ''حدائق بخشش'' کے اشعارِ آبدار کے معنی ومفہوم کے فہم میں ''ذوقِ نعت'' کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ''حدائق بخشش'' جہاں فکر وتخیل کا ایک بحرِ بیکراں اور معنی آفرینی میں اپنی مثال آپ ہے وہیں ''ذوقِ نعت'' اس بحرِ بیکراں کی غواصی کے ذریعہ حاصل کردہ صدف سے نکالے گئے قیمتی موتیوں سے پرویا ہوا خوشنما ہار ہے اور اس کے اشعار فکرِ رضا کے سہل انداز میں شارح وترجمان ہیں ؎

قرآن کھا رہا ہے اسی خاک کی قسم
ہم کون ہیں خدا کو ہے تیری گلی عزیز

کس کے دامن میں چھپے کس کے قدم پر لوٹے
تیرا سگ جائے کہاں چھوڑ کے ٹکڑا تیرا

ذات بھی تیری انتخاب ہوئی
نام بھی مصطفی ہوا تیرا

قمر اک اشارے میں دو ٹکڑے دیکھا
زمانہ پہ روشن ہے طاقت کسی کی

وہی سب کے مالک انھیں کا ہے سب کچھ
نہ عاصی کسی کے نہ جنت کسی کی

علامہ حسن رضا بریلوی کا نعتیہ کلام شاعری کی بہت ساری خوبیوں اور خصوصیات سے سجا سنورا اور تمام تر فنّی محاسن سے مزیّن اور آراستہ ہے، موضوعات کا تنوع، فکر کی ہمہ گیری، محبتِ رسول ﷺ کے پاکیزہ جذبات کی فراوانی کے اثرات جا بجا ملتے ہیں۔ آپ کے کلام میں اندازِ بیان کی ندرت بھی ہے اور فکر و تخیل کی بلندی بھی، معنی آفرینی بھی ہے، تصوّفانہ آہنگ بھی، استعارہ سازی بھی ہے، پیکر تراشی بھی، طرزِ اَدا کا بانکپن بھی ہے، جدّت طرازی بھی، کلاسیکیت کا عنصر بھی ہے، رنگِ تغزل کی آمیزش بھی، اِیجاز و اختصار اور ترکیب سازی بھی ہے، عربی اور فارسی کا گہرا رَچاؤ بھی ۔

لبِ جاں بخش کی تعریف اگر ہو تجھ میں
ہو مجھے تارِ نفَس ہر خط مسطر کاغذ

کریں تعظیم میری سنگِ اسود کی طرح مومن
تمہارے دَر پہ رہ جاؤں جو سنگِ آستاں ہو کر

آستانے پہ ترے سر ہو اَجل آئی ہو
اور اے جانِ جہاں تُو بھی تماشائی ہو

اُونچی ہو کر نظر آتی ہے ہر اک شَے چھوٹی
جا کے خورشید بنا چرخ پہ ذرّہ تیرا

شاعری میں اِیجاز و اختصارِ کلام کی ایک بڑی اور اہم خوبی ہے۔ اس میں علامہ حسن رضا بریلوی کو کافی ملکہ حاصل تھا۔ مشکل اور طویل مضامین کو سہل انداز میں ایک ہی شعر میں کہہ کر گزر جانا آپ کے مسلّم الثبوت شاعر ہونے کی واضح اور روشن دلیل ہے، مثالیں خاطر نشین ہوں: ؎

گناہ گار پہ جب لطف آپ کا ہو گا
کِیا بغیر کِیا بے کِیا کیا ہو گا

کیا بات تمہارے نقشِ پا کی
ہے تاج سرِ وقار آقا

بت خانوں میں وہ قہر کا کہرام پڑا ہے
مل مل کے گلے روتے ہیں کفار و صنم آج

گر وقتِ اجل سر تری چوکھٹ پہ جھکا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں اَدا ہو

اسی طرح کم سے کم لفظوں میں مفہوم کی اَدائیگی اور شعر میں بلاغت بھرنے کے لیے ترکیب سازی کی بڑی اہمیت ہے۔ شاعری میں محبوب یا ممدوح کے اوصافِ بلیغ کے اظہار میں تراکیب اہم کردار اَدا کرتی ہیں۔ علامہ حسن رضا بریلوی کے نعتیہ کلام میں جہاں تمام ادبی وفنّی محاسن موجود ہیں وہیں ترکیب سازی کے بہت ہی دل کش اور نادر نمونے ملتے ہیں ؎

اس مہک پر شمیم بیز سلام
اس چمک پر فروغ بار دُرود

زخم دل پھول بنے آہ کی چلتی ہے نسیم
روز افزوں ہے بہارِ چمنستانِ قفس

زمیں کے پھول گریباں دریدہ غمِ عشق
فلک پہ بدر، دل افگارِ تابِ حسنِ ملیح

صبیح ہوں کہ صباحتِ جمیل ہوں کہ جمال
غرض سبھی ہیں نمک خوارِ بابِ حسنِ ملیح

اگر دودِ چراغِ بزمِ شہ چھو جائے کاجل کو
شبِ قدرِ تجلّی کا ہو سرمہ چشمِ خوباں میں

علامہ حسنؔ رضا بریلوی کے کلام کی خصوصیات پر اگر قلم کو جنبش دی جائے تو اس متنوع خوبیوں اور محاسن سے لبریز کلام کا اِحاطہ اس مختصر سے مقالے میں ناممکن ہے۔ کیوں کہ آپ کی شعری کائنات کے کماحقہٗ تعارف کے لیے ایک عظیم دفتر درکار ہے۔ اسی لیے اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف اِجمالی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

مالکِ کون ومکاں باعث کن فکاں ﷺ کو خالق مطلق جل شانہٗ نے مجبورو بےکس نہیں بلکہ مالِک ومختار بنا کر اس خاک دانِ گیتی پر مبعوث فرمایا ہے۔ آقا ومولا صاحبِ اختیار ہیں اور آپ کے کمالات اَرفع واعلیٰ ہیں، اس طرح کے اظہار سے "ذوقِ نعت" کے اَوراق مزین و آراستہ ہیں ۔

ملا جو کچھ جسے وہ تم سے پایا
تمہیں ہو مالکِ مِلکِ خدا خاص

وہی سب کے مالک انھیں کا ہے سب کچھ
نہ عاصی کسی کے نہ جنت کسی کی

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے
محبوب کیا مالک و مختار بنایا

کیوں نہ ہو تم مالکِ مِلکِ خدا مُلکِ خدا
سب تمہارا ہے، خدا ہی جب تمہارا ہو گیا

سرورِ کائنات ﷺ افضل الانبیاء والمرسلین ہیں۔ آپ کے اوصاف وکمالات، شمائل و فضائل اس قدر اَرفع واعلیٰ، افضل وبالا ہیں کہ اس میں دوسرے انبیا آپ کے شریک نہیں اور خداوندِ قدوس سے آپ کو سب سے زیادہ قربت حاصل ہے ۔

شریک اس میں نہیں کوئی پیمبر   خدا سے ہے جو تجھ کو واسطہ خاص

تمام بندگانِ خدا ہر ہر کام میں اپنے خالق و مالک جل شانہٗ کی مرضی و مشیت کے طلب گار ہیں، مگر سرورِ عالم ﷺ کی جو مرضی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بھی خوشنودی و رضا ہے۔ نقاشِ اَزل جل شانہٗ نے سرورِ کائنات ﷺ کی تابندہ پیشانی پر یہ بات بہ خطِّ قدرت اَزل ہی میں تحریر فرمادی تھی۔

قدرت نے اَزل میں یہ لکھا اُن کی جبیں پر   جو اُن کی رِضا ہو وہی خالق کی رِضا ہو

ایک عاشق کی یہ سب سے بڑی آرزو اور خواہش ہوتی ہے کہ اسے محبوبِ رعنا ﷺ کے رُوئے منور کی زیارت نصیب ہو جائے۔ علامہ حسنؔ رضا بریلوی جامِ روئے جاناں کی تشنگی رکھتے ہیں اور آپ کی یہ تشنگی اتنی فزوں تر ہے کہ اگر نزع کے وقت حورانِ خلد آ کر آپ کے آگے جام پر جام لنڈھائیں بھی تو آپ اُن کی طرف نگہِ اِلتفات کرنے کی بجائے اپنا رُخ دوسری جانب پھیر لیں گے۔

دے اُس کو دمِ نزع اگر حور بھی ساغر   منھ پھیر لے جو تشنۂ دیدار ترا ہو

عاشق چاہتا ہے کہ سرورِ اِنس و جاں ﷺ کے جلووں سے دل منور و مجلا ہو جائے اور ہمہ وقت اس میں مدینے کی یاد رَچی بسی رہے۔

رہیں اُن کے جلوے بسیں اُن کے جلوے   مرا دل بنے یادگارِ مدینہ

لالہ و گل کی نکہتوں اور گلستانوں کے رنگ و بہار پر صحرائے مدینہ کو اس طرح فوقیت دی جا رہی ہے۔

رنگِ چمن پسند نہ پھولوں کی بُو پسند   صحرائے طیبہ ہے دلِ بلبل کو تُو پسند

علامہ حسنؔ رضا بریلوی آقا و مولا ﷺ کے شہر پاک کی خواہش و تمنا کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ ربّ میں دعا گو ہیں۔

مرادِ دلِ بلبلِ بے نوا دے   خدایا دکھا دے بہارِ مدینہ

صحرائے مدینہ کے حصول کے بعد جنت اور بہارِ گلشن کی حیثیت پر سوالیہ نشان لگاتے

ہوئے ان کو صحرائے مدینہ کے آگے یوں ہیچ بتایا ہے ؎

خلد کیسا کیا چمن کس کا وطن　　　ہم کو صحرائے مدینہ مل گیا

جب زاہد عاشق کو جنت کے باغوں کا پھول دے کر اُسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ جنت کے لالہ وگل کو محبوبِ دل نواز ﷺ کے شہر رعنا کے خوش نما کانٹوں کے آگے بے وقعت سمجھتے ہوئے زاہد کو اس طرح خطاب کرتا ہے کہ ؎

گل خلد لے کے زاہد تمہیں خارِ طیبہ دے دوں
مرے پھول مجھ کو دیجئے بڑے ہوشیار آئے

علامہ حسنؔ رضا بریلوی کو مدحتِ مصطفی ﷺ کی اِتنی تڑپ اور لگن ہے کہ اس دنیا سے جاتے وقت بھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی زبان پر ترانۂ نعت جاری رہے ؎

خدا سے دعا ہے کہ ہنگامِ رخصت　　　زبانِ حسنؔ پر ہو مدحت کسی کی

موت کے بعد مدینۂ طیبہ کا غبار بننے اور سرورِ کائنات ﷺ کے مقدس کوچہ میں دفن ہونے کی ایمانی خواہش کا یوں اظہار کرتے ہیں ؎

مری خاک یاربّ نہ برباد جائے　　　پسِ مرگ کر دے غبارِ مدینہ
مٹی نہ ہو برباد پس مرگ الٰہی　　　جب خاک اُڑے میری مدینے کی ہوا ہو

زمیں تھوڑی سی دے دے بہرِ مدفن اپنے کوچے میں
لگا دے میرے پیارے میری مٹی بھی ٹھکانے سے

عاشق کی نظر میں روزِ محشر کا انعقاد صرف اسی لیے ہوگا کہ اس دن محبوبِ خدا ﷺ کی شانِ محبوبی دکھائی جائے گی کیوں کہ آپ اُس روز عصیاں شعاروں اور گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے ؎

فقط اِتنا سبب ہے اِنعقادِ بزمِ محشر کا　　　کہ اُن کی شانِ محبوبی دِکھائی جانے والی ہے

عاشق کہتا ہے کہ مجھے میدانِ محشر میں کوئی خوف نہیں ہوگا کیوں کہ یہ آقا و مولا میرا شفیع ہے ؎

خدا شاہد کہ روزِ حشر کا کھٹکا نہیں رہتا مجھے جب یاد آتا ہے کہ میرا کون والی ہے

جب کہ اس کے برعکس منکرین شفاعت اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے گستاخ ایک ایک کا منھ تکتے اِدھر اُدھر بھٹکتے رہیں گے ۔

حشر میں اک ایک کا منھ تکتے پھرتے ہیں عدو
آفتوں میں پھنس گئے تیرا سہارا چھوڑ کر

سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت کی محافل میں پڑھے جانے والے بہت سارے میلاد نامے "ذوقِ نعت" ہی کے ہیں وہ تمام کے تمام شعری کمال کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ چند اشعار خاطرنشین ہوں ۔

فلک پہ عرش بریں کا گمان ہوتا ہے
زمین خلد کی کیاری ہے بارہویں تاریخ

جھکا لائے نہ کیوں تاروں کو شوقِ جلوۂ عارض
کہ وہ ماہِ دل آرا اَب زمیں پر آنے والا ہے

وہ مہر مِہر فرما وہ ماہِ عالم آراء
تاروں کی چھاؤں آیا صبحِ شبِ ولادت

خوشبو نے عنادِل سے چھڑائے چمن و گل
جلوے نے پتنگوں کو شبستاں سے نکالا

علامہ حسنؔ رضا بریلوی کا یہ کمالِ شاعری ہے کہ آپ ایک لفظ کو ایک معنی پر ایک شعر میں اس پُر کاری اور ہنر مندی سے استعمال کرتے ہیں کہ تکرار کا نقص نہیں بلکہ تخیل کا حسن پیدا ہو جاتا ہے مثلاً ۔

ہمیں ہیں کسی کی شفاعت کی خاطر ہماری ہی خاطر شفاعت کسی کی
رہے دل کسی کی محبت میں ہر دم رہے دل میں ہر دم محبت کسی کی

نکالا کب کسی کو بزمِ فیضِ عام سے تم نے نکالی ہے تو آنے والوں کی حسرت نکالی ہے

علامہ حسنؔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری میں کلاسیکیت اور تغزل کا رنگ حد درجہ غالب ہے۔ نعت کے اعلیٰ ترین تقدس اور غزل کی رنگینیٔ بیان دونوں کو یک جا کر کے سلامت روی کے ساتھ گزر جانا علامہ حسنؔ رضا بریلوی کی قادرُ الکلامی کی بیّن دلیل ہے۔ ذیل میں برنگِ تغزل آپ کے چیدہ چیدہ اشعار خاطر نشین فرمائیں ؎

مرے دِل کو دردِ اُلفت، وہ سکوں دے الٰہی
مری بے قراریوں کو نہ کبھی قرار آئے

کرے چارہ سازی زیارت کسی کی
بھرے زخم دل کے ملاحت کسی کی

روشن ہے اُن کے جلوۂ رنگیں کی تابشیں
بلبل ہیں جمع ایک چمن میں ہزار صبح

ہوا بدلی، گھرے بادِل، کھلیں گل، بلبلیں چہکیں
تم آئے یا بہارِ بے خزاں آئی گلستاں میں

کیا مزے کی زندگی ہے زندگی عشاق کی
آنکھیں اُن کی جستجو میں دل میں ارمانِ جمال

جمال والوں میں ہے شورِ عشق اور ابھی
ہزار پردوں میں ہے آب و تابِ حسنِ ملیح

اپنا ہے وہ عزیز جسے تُو عزیز ہے
ہم کو تو وہ پسند جسے آئے تُو پسند

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو
سینے پہ تسلی کو ترا ہاتھ دھرا ہو

بے چین رکھے مجھ کو ترا دردِ محبت
مٹ جائے وہ دل پھر جسے ارمانِ دَوا ہو

تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے
پڑے ہوئے تو سرِ رہ گزار ہم بھی ہیں

''ذوقِ نعت'' میں نعتیہ کلام کے علاوہ قابلِ لحاظ حصہ مناقب پر بھی مشتمل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت امام حسین وشہدائے کربلا رضی اللہ عنہم حضرت غوثِ اعظم، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت شاہ اچھے میاں وشاہ بدیع الدین مدار قدست اسرارہم کی شانِ اَقدس میں منقبتیں جہاں ایک طرف شعری وفنی کمال کا نمونہ ہیں وہیں علامہ حسنؔ رضا بریلوی کی اپنے ممدوحین سے بے پناہ عقیدت ومحبت کا مظہرِ جمیل بھی۔

علاوہ ازیں ''ذوقِ نعت'' میں شامل ایک نظم بہ عنوان ''کشفِ رازِ نجدیت'' لطیف طنز و ظرافت کا بے مثال فنّی نمونہ ہے، اسی طرح اس دیوان میں مسدّس منظومات، نعتیہ رُباعیات اور سلامیہ قصائد بھی موجود ہیں۔ جہانِ لوح وقلم اور دنیائے سُنّیت میں اُستاذِ زمن علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی کے نام چند صفحات تحریر کر کے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اُن کی وسیع تر شعری کائنات کے تعارف کا حق اَدا کر رہا ہوں، بلکہ خدائے لم یزل کی طرف سے ملنے والی اس رحمتِ بے پایاں اور ثوابِ عظیم میں خود کو شریک کر رہا ہوں جو اُلفتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ڈوبے ہوئے ''ذوقِ نعت'' کے اشعارِ آب دار کو پڑھ کر گناہ گاروں کی قسمت میں اَرزاں کر دیا جاتا ہے۔

☆

حضرت حسنؔ بریلوی کی فکری تگ وتاز [1]

حضرت حسنؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' حمد باری تعالیٰ سے شروع ہوتا ہے۔جس کا پہلا شعر ہے۔

ہے پاک رُتبہ فکر سے اُس بے نیاز کا کچھ دخل عقل کا ہے نہ کام امتیاز کا

اس شعر کا مفہوم بالکل واضح ہے جن لوگوں نے منطق کی معیاری کتاب ''مُلّاحسن'' کا مطالعہ کیا ہے اور اُن کے گوشۂ ذہن میں ''ولایُحدُّ و لایتصور'' کی بحث کا اگر معمولی بھی حصہ محفوظ ہو گا تو وہ اچھی طرح سے اس شعر کے مفہوم،اس کی گہرائی وگیرائی تک پہنچ سکتے ہیں جس کا آسان سا مفہوم یہ ہو گا کہ مالک بے نیاز کی ذات ایسی اَرفع و اعلیٰ ہے کہ آدمی اُس کا خیال نہیں لا سکتا۔اس لئے کہ آدمی جو اپنے ذہن میں تصور کرے گا وہ محیط ہو گا۔کیوں؟ اس لئے کہ انسان کی قوت فکر خود ہی محیط ہے۔جب کسی محیط میں کسی چیز کا وجود ہو گا تو ایسا غیر ممکن ہے کہ وہ محیط نہ ہو۔لہٰذا آدمی اس کا تصور کر نہیں سکتا۔اور اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیوں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا؟ تو عقلی طور پر اُس کی مقدس بارگاہ میں اس طرح کا سوال بے کار ہے۔اس لئے کہ وہ ذات ایسی ذات ہے جہاں کم وکیف کا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔وہاں تو صرف آمنّا و صدّقنا ہے۔حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ یوں
کیف کے پَر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

(رضاؔ بریلوی)

---

[1] ڈاکٹر سراج احمد القادری بستوی کا یہ مقالہ ماہنامہ سُنّی دنیا(بریلی) کے مولانا حسن رضا نمبر میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ ضروری ترامیم واختصار کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔مرتبین

اُس مقدس بارگاہ کا یہ عالم ہے کہ جہاں کم وکیف کے پَر خود جلا کرتے ہیں۔اس کے بعد پھر ایک اور حمد ہے۔جس کا پہلا شعر ہے:

فکر اَسفل ہے میری مرتبہ اعلیٰ تیرا　　وصف کیا خاک لکھے خاک کا پُتلا تیرا

اس کا مطلب بایں طور ہے کہ اے مالک بے نیاز! اگر ہم تیرا تصور وخیال ہی فرمائیں تو میری فکر اور تیرے بلند وبالا مرتبے میں کوئی یکسانیت نہیں ہے۔اور اگر ہم تیرا تصور فرما کر تیری مدح وستائش میں کوئی کلمہ لکھیں بھی تو کماحقہٗ نہیں لکھ سکتے۔ہماری تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور مٹی کی خصلت اُس کے مرتبہ اُس کے مزاج میں نیچے کی طرف جھکاؤ ہے جیسا کہ کلیہ ہے ''کل شئ یرجع الیٰ اصلہ'' تو جو ہمارے مزاج میں جھکاؤ ہے اُس کی بنا پر ہم تیری عظمت شان کے لئے جن بھی کلماتِ رفیعہ کا استعمال فرمائیں گے وہ غیر موزوں اور غیر مناسب ہی ہوں گے اور تیری ذات اس سے بہتوں گنا بلند و برتر ہے۔اس کے بعد آگے چل کر اسی حمد پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

طور ہی پر نہیں موقوف اُجالا تیرا　　کون سے گھر میں نہیں جلوۂ زیبا تیرا
خیرہ کرتا ہے نگاہوں کو اُجالا تیرا　　کیجئے کون سی آنکھوں سے نظارہ تیرا
سات پردوں میں نظر اور نظر میں عالم　　کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ معمّا تیرا
سچ ہے انسان کو کچھ کھو کے ملا کرتا ہے　　آپ کو کھو کے تجھے پائے گا جویا تیرا

مضمون کی طوالت کے خوف سے اس کے بعد آپ کی نعت اور منقبت کے چند اور اشعار پیش کر رہا ہوں۔حضرت حسنؔ بریلوی کی رِفعت فکر ملاحظہ ہو۔

لامکاں میں نظر آتا ہے اُجالا تیرا　　دُور پہنچایا تیرے حسن نے شہرہ تیرا
کس کے دامن میں چھپے کس کے قدم پہ لوٹے　　تیرا سگ جائے کہاں چھوڑ کے ٹکڑا تیرا
پاؤں مجروح ہیں منزل ہے کڑی بوجھ بہت　　آہ اگر ایسے میں پایا نہ سہارا تیرا
نیک اچھے ہیں کہ اعمال ہیں اُن کے اچھے　　ہم بدوں کے لئے کافی ہے بھروسا تیرا
خارِ صحرائے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے　　آمری جان مرے دل میں ہے رستہ تیرا

اے مدینے کی ہوا دل میرا افسردہ ہے سُوکھی کلیوں کو کھلا جاتا ہے جھونکا تیرا

اور آخر میں کتنا ہی پیارا رویہ اختیار کیا ہے جو ایک آقا اور بندے کے مابین ہوا کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

مرے آقا ہیں وہ اَبر کرم، سوزِ اَلم ایک چھینٹے کا بھی ہو گا نہ یہ دُہرا تیرا

اور اسی نعت پاک کے بعد سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کی شان میں ایک بڑی پیاری منقبت ہے۔ جس کی رقم طرازی سے متعلق حضرت اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی نے خود اس نعت پاک کے مقطع میں ارشاد فرمایا ہے۔ پہلے مقطع ملاحظہ ہو، اُس کے بعد منقبت:

اب حسنؔ منقبت خواجۂ اجمیر سنا طبع پُر جوش ہے رُکتا نہیں خامہ تیرا

اس منقبت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

خاص کر اس شعر میں اُستاذِ زمن حسنؔ بریلوی کی فکری تگ وتاز ملاحظہ ہو۔

خفتگانِ شب غفلت کو جگا دیتا ہے سالہا سال وہ راتوں کا نہ سونا تیرا

میری عقل حیران ہے اور فیصلہ نہیں کر پا رہی ہے کہ آپ کے کلام سے کسے ترک کیا جائے اور کسے نقل کیا جائے اگر دل کی کوئی پوچھے تو اس وقت میرا دل یہی کہہ رہا ہے کہ آپ کا پورا پورا دیوان نقل کر دوں لیکن ایسا کر نہیں سکتا۔ آہا! کیا ہی پیارا شعر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا مہک ہے کہ معطر ہے دماغِ عالم تختۂ گلشن فردوس ہے روضہ تیرا

اس منقبت کے بعد پھر نعتیہ کلام شروع ہو گئے ہیں۔

بلا لیتے ہیں اُس کو جس کی بگڑی یہ بناتے ہیں کمر بندھنا دیارِ طیبہ کو کھلنا ہے قسمت کا

الٰہی بعدِ مُردَن پردہ ہائے حائل اُٹھ جائیں اُجالا مرے مرقد میں ہو اُن کی شمع تربت کا

وجودِ پاک باعث خلقتِ مخلوق کا ٹھہرا
تمہاری شانِ وحدت سے ہوا اظہار کثرت کا

بالکل منہ بولتا ہوا شعر:

اگر دم بھر تصور کیجئے شانِ پیمبر کا
زباں پر شور ہو بے ساختہ اللہ اکبر کا

وہ شفاعت کو چلے ہیں پیش حق
عاصیو! تم کو مبارک باد ہے

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو، نہ خدا ہو
اللہ کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

یوں جھک کے ملے ہم سے کمینوں سے وہ جس کو
اللہ نے اپنے ہی لئے خاص کیا ہو

حدیث کے مفہوم کی جلوہ فرمائی ملاحظہ فرمائیں:

اپنا عزیز وہ ہے جسے تُو عزیز ہے　　ہم کو وہی پسند جسے آئے تُو پسند
قبر میں خوب کام آتی ہے　　بے کسوں کی ہے یارِ غار درود

نیک آرزوؤں وخواہشوں کا اندازہ دیکھئے کتنا پیارا اور دلفریب انداز ہے۔ فرماتے ہیں:

بیٹھتے اُٹھتے جاگتے سوتے　　ہو الٰہی مرا شعار درود
جان نکلے تو اس طرح نکلے　　تجھ پر اے غمزدوں کے یار درود

آخر میں اُستاذِ زمن حضرت حسنؔ بریلوی کی ایک بہت ہی مشہور نعت پاک کے چند اشعار پیش کر کے اپنی گفتگو کا سلسلہ تمام کرنا چاہتا ہوں۔

سیر گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے دَر تمہارا چھوڑ کر

سر گزشت غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے دَر پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر

ایسے جلوے پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار
کیا غرض کیوں جاؤں جنت کو مدینہ چھوڑ کر

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے دَر پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

یقیناً حضرت حسنؔ بریلوی نے جب اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا تو وہ زندہ جاوید ہو گئے اور ہمیشہ کی زندگی پا گئے اور آنے والی نسلیں اسی طرح اُن کی مقدس رُوح کو خراج عقیدت پیش کرتی رہیں گی۔ آپ نے یہاں ان کے نعتیہ دیوان سے متعدد اشعار کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے خود محسوس کر لیا ہوگا کہ اُستاذِ زمن حضرت حسنؔ بریلوی کی فکری تگ وتازعروج وارتقاء کی کس منزل پر گامزن ہے۔ ایک سے ایک نازک مقام سے اتنی چابک دستی کے ساتھ گزر گئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ مگر ان نازک مراحل کے طے کرنے میں آپ کی قوت فکر کا بہت بڑا دخل ہے۔

☆

حسنؔ بریلوی کی غزلیہ شاعری

حسنؔ بریلوی کی شاعری میں ''عشق'' کا تصور[1]

حسن وعشق اُردو شاعری کی وہ بنیاد ہے جس پر شعر وسخن کی عمارت مدت ہائے دراز سے سر اُٹھائے کھڑی ہے۔ خاص طور پر غزل کا تو حسن وعشق سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بقول آل احمد سرور غزل ایک وحشی صنف سخن ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ غزل کے وجود کی باعث عربی قصائد کی تشبیب ہے جس میں شعراء اپنے افسانۂ عشق کو بیان کرتے تھے۔ اس لئے یہ کہنے میں مجھے قطعی عار نہیں کہ غزل حسن وعشق کے امتزاج واتصال سے عالم وجود میں آئی۔ اُردو غزل سے ان دو کو الگ کر دیجئے تو غزل کا وجود ہی ختم ہو جائے۔ غزل کو جنسیات سے الگ کر کے سوچا ہی نہیں جاسکتا جس سے متاثر ہونا ہر فرد کی میراث ہے۔ حساس انسان جسے پروردگار عالم نے تخلیقی صلاحیت بھی عطا کی ہے وہ حسن سے بہ نسبت اُن لوگوں کے جو تخلیقی صلاحیت کے مالک نہیں ہیں کچھ زیادہ ہی متاثر ہوتا ہے اور جس طرح سے وہ اظہار کرتا ہے دوسرے اس انداز میں اپنے تاثرات کے اظہار سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ حساس انسان شاعر ہے جو اپنے خیالات، اپنے تصورات، اپنے جذبات اور اپنے تجربات کو بہتر سے بہتر انداز میں اپنی تخلیق میں پیش کرتا ہے۔ یہ بات صرف اُردو شاعری تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کی شاعری میں حسن وعشق کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور ان دونوں کا ایک دوسرے سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ انھیں جزوِلاینفك کی حیثیت حاصل ہے۔

غزل کے خلاف بہت سی تحریکیں وجود میں آئیں جن سے متعلق شعراء نے غزل کو حسن وعشق کی فضا سے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ نہ ان کی شاعری کو کوئی بڑا

---

[1] مولانا سید اکمل اجملی (نائب سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل الہ آباد) کا یہ مقالہ ماہنامہ سُنّی دنیا (بریلی) کے حسن رضا نمبر میں پہلی مرتبہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔ ضروری ترامیم واختصار کے ساتھ شامل کتاب کیا گیا۔ مرتبین

مقام حاصل ہو سکا۔ صرف تصوف ایک ایسی تحریک ہے جس سے غزل سب سے زیادہ متاثر ہوئی اور جس نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا اور عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف غزل کے دھارے موڑے مگر وہ غزل کی اس روایت کو بدل نہ سکا بلکہ اس کو ایک اور رُخ عطا کر دیا۔ سارے معاملات وہی رہے مگر ان اشعار کی تشریح کچھ ایسے انداز میں کی اور ایسے ایسے نکات غزل کے پیکر کو عطا کئے جو تصوف یا عشق حقیقی کی طرف ذہن انسانی کو متوجہ کر سکیں۔ مگر جہاں تک فضا کا تعلق ہے وہ جوں کی توں موجود رہی۔ وہی ہجر و وصال، وہی رندی، سرمستی، وہی وارداتِ قلبیہ کا اظہار مگر ساتھ ہی کچھ ایسے نکات بھی رہے جنھوں نے اسے صوفیانہ رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی اور ایسے شعراء کامیاب بھی ہوئے۔ میرؔ، دردؔ اور اصغرؔ گونڈوی ایسے شعراء میں اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی بھی شاعر اس تحریک سے اپنا دامن نہیں بچا پایا۔ غرض شعراء صرف عشق مجازی سے ہی اپنی غزل کو سجاتے رہے۔ اُن ہی میں داؔغ دہلوی بھی ہیں۔

داؔغ دہلوی کی شاعری بھی ہمیں اسی تناظر میں سوچنے کی دعوت دیتی ہے۔ ان کی شاعری میں حسن مجازی کے جلوے ہیں۔ انھوں نے غزل کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا جس انداز سے صوفی شعراء دیکھتے تھے۔ جیتے جاگتے انسان اور گوشت و پوست والے معشوق کی قربت کے قائل تھے۔ اُن کا معشوق اسی دنیا کا فرد تھا۔ چنانچہ ان کے یہاں وہ سارے لوازمات موجود ہیں جو عشق مجازی کی طرف ہی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ بات صرف داؔغ کے یہاں ہی نہیں بلکہ کم وبیش ہر شاعر کے یہاں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اگر ہم ساری اُردو شاعری کا محاسبہ کریں تو ہمیں ہر شاعر کے یہاں وافر تعداد میں ایسے اشعار ملیں گے جو اس کی حسن پرستی بوالہوسی، اذیت کوشی، کچھ پالینے کی خاطر دھینگا مشتی، بوس وکنار، وصال وقربت کی خواہش کا اظہار کریں گے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر شاعر کسی نہ کسی صورت میں بوالہوس ہے، اذیت کوش ہے، اَوچھے پن اور شعلہ مزاج کا مالک ہے۔ یہیں پر ہمیں حالیؔ کی وہ بات یاد آتی ہے کہ شاعری کے لئے عشق ومحبت کا ہونا ضروری ہے۔ کسی کے عشق میں گرفتار ہونا ناگزیر ہے اور اگر اس کے یہاں ان جذبات کے سوتے سوکھ گئے ہیں تو شاعری کے لئے ضروری ہے کہ وہ مصنوعی عشق

کرے اور تصوراتی طور پر وہ ساری فضا اپنے اوپر طاری کرے جو ایک عاشق کے یہاں پائی جاتی ہے۔ ہمیں دؔاغ دہلوی کے یہاں یہ فضا اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دَور کے بوالھوس، اذیت کوش اور شعلہ مزاج کے مالک تھے۔ حالانکہ ان کی زندگی کا مطالعہ ان تمام باتوں کی نفی کرتا ہے۔ یہ بات صرف دؔاغ دہلوی تک ہی محدود نہیں بلکہ اکثر شاعروں کی حیات اور شاعری ایک دوسرے کا تضاد ہے۔ مثلاً ریاضؔ خیر آبادی کی شاعری اُن کو رِندوں اور سر مستوں کا امام بنا کر پیش کرتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اس کمبخت کو منہ ہی نہیں لگایا۔ کبھی چکھا ہی نہیں لیکن خمریات کے سارے لوازمات اور ساری فضا اُن کی شاعری میں موجود ہے۔

دؔاغ دہلوی کے تلامذہ میں ایسے شعراء کی تعداد کافی ہے جو بہت مشہور ہوئے ان میں ڈاکٹر اقبالؔ، سائلؔ دہلوی، نوحؔ ناروی اور حسنؔ بریلوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ اقبال فطری طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ چونکہ فلسفہ ان کا خاص موضوع تھا اس لئے ان کی شاعری کی ہیئت ہی دوسری ہے۔ وہ شاعر کم اور مبلغ زیادہ نظر آتے ہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ اقبالؔ کے یہاں غزل اپنی اس صورت میں موجود نہیں جس صورت میں دؔاغ کے یہاں یا دؔاغ کے دوسرے تلامذہ کے یہاں ہو سکتی ہے۔ میری اس رائے سے اختلاف کیا جائے کہ اقبالؔ بین الاقوامی حیثیت کے شاعر ہیں ان کی شاعری عظیم ہے، اس میں کوئی دو رائے نہیں لیکن غزل کے جو فطری تقاضے ہیں وہ نسبتاً اُن کے یہاں کم نظر آتے ہیں۔ سائلؔ دہلوی کے یہاں بھی دؔاغ اسکول کی پیروی نہیں ملتی لیکن کافی حد تک وہ اس اسکول کے قریب ہیں۔ نوحؔ ناروی نے صرف زبان کا خیال رکھا اس لئے فکری گہرائی ہمیں اُن کے یہاں نہیں ملتی مگر زبان کے سلیقہ میں نوحؔ کی حیثیت مستند ہے۔ جہاں تک حسنؔ بریلوی کا تعلق ہے وہ دؔاغ دہلوی کے شاگرد اور دؔاغ اسکول کے مستند شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دؔاغ اسکول کے سارے لوازمات بھی حسنؔ بریلوی کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ ان کا معشوق بھی اسی گوشت پوست کا انسان ہے۔ حسنؔ اسی گوشت پوست کے انسان سے محبت کرتے ہیں مگر ان کے یہاں دؔاغ کا چلبلا پن نہیں بلکہ ایک متانت و سنجیدگی

پائی جاتی ہے اور وقار کی کارفرمائی نظر آتی ہے جو اوّل تا آخر قائم رہی۔ ان کا معشوق انھیں کسی منزل پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ خود حسنؔ بریلوی کی زبانی سنیے: ؎

دیکھو تو حسنؔ لوگ تمہیں کہتے ہیں کیا کیا
کیوں عشق کیا آپ نے اُس دشمن دیں سے

بات غزل کی اپنی ایک مخصوص فضا کی چل رہی تھی۔ حسنؔ بریلوی بھی اس فضا سے پہلو نہیں بچا پائے۔ یہ بات صرف حسن ہی تک محدود نہیں بلکہ بڑے بڑے شعراء اس فضا سے اپنے کو نکال نہ سکے۔ بہت سی مثالیں غزل کے اشعار میں آپ کو مل جائیں گی جہاں جتنی بوالہوسی ہے اذیت کو اتنی ہی پیش دستی بھی ہے اور کچھ حاصل کر لینے کی خواہش بھی۔ ؎

ہم سے کھل بھی جاؤ وقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن
دُھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایک دن

(غالب)

وصل کی رات میرے بستر پر — مثل چیتے کے وہ مچلتے ہیں
یاں گرہ کھل گئی دل کی وہاں انگیا مسکی — اب نازک سے صدا آنے لگی ’بس بس‘ کی

حسنؔ بریلوی بھی اسی رو میں بہے مگر آخرالذکر شاعر تک نہیں گرے بلکہ اعتدال میں رہ کر بوس و کنار سے دو چار ہوئے۔

بولے وہ بوسہ ہائے تبسم پر — ارے ظالم کوئی حساب بھی ہے

(حسنؔ بریلوی)

یہ تمام اشعار شعراء کے ہیں جو داغؔ اسکول کے نہیں مگر ان کے یہاں بھی وہ فضا موجود ہے۔ حسنؔ بریلوی کے یہاں بھی وہی فضا ملتی ہے اور میرا خیال ہے کہ بہت کافی ملتی ہے مگر اس کے اظہار میں اعتدال ہے۔ ان کے یہاں وصل کی خواہش بھی ہے اور وصال کے بعد کی چاشنی

بھی، گستاخی بھی ہے اور معشوق کی عشوہ طرازی بھی، شوخی بھی ہے اور شرارت بھی، دعوت بھی ہے اور خود سپردگی بھی۔ معشوق کی جانب سے ہلکا سا احتجاج بھی ہے اور دعوت پیش دستی بھی۔ ان کے بہت سے اشعار ان کے عشق کو مجازی رنگ دینے میں اس شارح کے ساتھ ہیں جو ان کے اشعار کی شرح کرے۔ چند نمونوں سے تیسری بات کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ ؎

کسی کا شعر ہے: ؎

حائل تھی بیچ میں جو رضائی تمام شب　　　اس غم میں ہم کو نیند نہ آئی تمام شب

....

(حسنؔ بریلوی کہتے ہیں)

تم مجھے کہتے ہو بے حیا گستاخ　　　دھری رہیں گی یہ باتیں جو میں ہوگیا گستاخ

ان کی غزل میں صنف نازک بھی پوری آب وتاب سے موجود ہے اور ہندوستانی فضاء بھی اس لئے کہ گھونگھٹ صرف ہندوستان کی دَین ہے۔

وصل میں جب ہاتھ گھونگٹ کو لگایا اے حسنؔ　　　شرم بولی منہ چھپا کر یہ سعی ابھی نہیں

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حسنؔ کے یہاں تصوف موجود ہے، حسنؔ کے یہاں تصوف ضرور موجود ہے وہ بھی اس لئے کہ وہ بہر حال ایک صوفی گھرانے سے متعلق تھے۔ عشق حقیقی نے حسنؔ کو بھی متاثر کیا ہے۔ حسنؔ نے اسے برتا بھی ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ جتنا وہ عشق مجازی میں کامیاب ہیں اور دوسری دنیا جسے ہم تصوف کہتے ہیں وہ وہاں اس مقام پر نظر نہیں آتے جس مقام پر دردمند یا اس قبیل کے دوسرے شعراء نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ جس اسکول سے متعلق تھے اس اسکول کے لوازمات سے اپنے آپ کو بچا نہیں پائے۔ تصوف کی چند مثالیں میری بات کی وضاحت کرتی ہیں۔

جب آنکھ کھلی تو بے خودی سے　　　پردہ تھا جمالِ خود نما کا

....

اس قدر یک رنگ ہوں ہم تم کہ کچھ کھلنے نہ پائے
جلوہ فرما کون ہے محو تماشا کون ہے

حسنؔ بریلوی کا تصورِ عشق بہتوں سے مختلف ہے وہ اعتدال پسندی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اُن کے یہاں متانت وسنجیدگی کے ساتھ اورکسی حدتک شوخی وبے باکی جھلکتی ہے۔ وہ جیسا محسوس کرتے ہیں ویسی ہی تصویر اپنے معشوق کی پیش کر دیتے ہیں۔حسنؔ بریلوی کا معشوق اگرشوخ ہے،چلبلا ہےتو ایسی شوخی کا مالک ہے جس میں سفلہ پن نہیں بلکہ ایک وقار ایک متانت اور ایک سنجیدگی ہے۔ حالانکہ دونوں متضاد کیفیتیں ہیں مگر عامیانہ پن ان کے معشوق سے سرزد نہیں ہوتا جبکہ داؔغ کے یہاں عامیانہ پن واضح ہو جاتا ہے۔حسنؔ کی غزل کا عاشق عشق میں مخلص ہے،موقع پرست نہیں لیکن تمام بشری تقاضوں سے مملو ہے۔اسے قدم قدم پر وصالِ یار کی خواہش ہے وہ بہت بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیتا ہے۔ان کا عاشق سفلہ مزاج یا عامیانہ جذبات کا مالک نہیں۔شعراءعموماً معشوق کو ایسی شکل میں پیش کرتے ہیں جیسے وہ صرف ظالم وجابر انسان ہے مگرحسنؔ کا معشوق ایسا نہیں۔نہ وہ ظالم ہے نہ ستم گر بلکہ محتاط ہے مگر اکثر بوس وکنار پر راضی بھی ہو جاتا ہے۔اور کبھی عاشق کی جرأت وگستاخی پر اور بے شمار بوسہ بازی پر اسے تنبیہ بھی کرتا ہے۔ ؎

تم چپکے سے اک بوسۂ عارض ہمیں دے دو کہتے ہیں قسم کھا کے کہیں گے نہ کسی سے

....

بولے وہ بوسہ ہائے پیہم پر ارے ظالم کوئی حساب بھی ہے

....

کیا کہوں کیا ہے میرے دل کی خوشی تم چلے جاؤ گے خفا ہو کر

حسنؔ بریلوی داؔغ اسکول کے نمائندہ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ان کے کلام سے چند اور مثالیں پیش خدمت ہیں تا کہ قاری حسنؔ کی اُردو غزل میں کیا حیثیت تھی اور کیا مقام ہے۔ اسے متعین کر سکے۔ ؎

اے مست مئے ناز ذرا دیکھ کے چلنا پس جائے کہیں دل نہ کسی خاک نشیں کا

....

حضرتِ دل مزاج کیسا ہے پھر بھی اس کوچہ میں گزر ہو گا

....

اُلفت اُن کی نہیں چھوڑی جاتی   حال دِل کا نہیں دیکھا جاتا

....

کیا کہوں کیا کہہ رہی ہے یہ گھٹا یہ فصل گل
کیا کہوں کیا چاہتے نہیں شیفتہ و میخانہ آج

....

صفائے حسن ہے محرومیٔ دیدار کی باعث   نظر آتی ہے اپنی شکل ہم کو روئے جاناں میں

....

ہائے دشمن دیکھیں اُن کے اُٹھتے جوبن کی بہار
ہائے میں کوئی نہ ہوں میری نظر کوئی نہ ہو

....

پوچھتے کیا ہو دل میں کون ہے   تو کہا یہ آئینہ اُلٹا کر دیکھ لو

....

جان اگر ہو جان تو کیوں کر نہ ہو تجھ پر نثار
دل اگر ہو دل تری صورت پہ شیدا کیوں نہ ہو

....

میں کس گنتی میں ہوں، اور اک مرے دل کی حقیقت کیا
ہزاروں جان دیتے ہیں وہ صورت ہی کچھ ایسی ہے

....

بَلا سے اک دلِ مضطر اگر گیا تو کیا   مزے تو ہم نے تری شوخیٔ نظر کے لئے

....

ترے دَر سے کوئی پھرا ہو گا   رہ گئے ہم تو خاک میں مل کے

☆

شاعری میں حسنؔ کا مقام اور منصب [1]

شاعری کی ابتداء عموماً عشقیہ ومجازی محرکات کی روشنی میں ہی ہوتی ہے۔حضرت حسنؔ بریلوی کا شعری سفر بھی مجازی رنگ وآہنگ سے شروع ہوا۔اس وقت اُستاد داؔغ دہلوی کی شاعری واُستادی کی ہر طرف دُھوم مچی ہوئی تھی۔حسنؔ بریلوی کی نظرِ انتخاب بھی داؔغ پر گئی اور ایک سال تک رام پور میں رہ کر حضرت داؔغ سے اِستفادہ کیا اور ان کی شاگردی اختیار کی۔لیکن مصنف ''خمخانۂ جاوید'' لالہ سری رام لکھتے ہیں: ''جس زمانے میں حضرت داؔغ رام پور تھے آپ اُن کے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک دو مہینے ان کی خدمت میں رہ کر صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔

''شاعری کی ابتداء چونکہ مجازی ورُومانی فضاء میں ہوئی اس لئے حسنؔ بریلوی نے داؔغ کی ضرورت محسوس کی وگرنہ بقول مصنف ''خمخانۂ جاوید''، نعت گوئی میں اپنے برادر اور بزرگ مولوی احمد رضا خان صاحب سے مستفیض ہیں۔''

رضا بریلوی کا شاعر:

حضرت فاضل بریلوی خود لکھتے ہیں:

''مولانا کافیؔ اور حسنؔ میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔ان کو میں نے نعت گوئی کے اُصول بتادیئے تھے۔اُن کی طبیعت میں اُن کا ایسا رنگ رَچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیارِ اِعتدال پر صادِر ہوتا جہاں شبہ ہوتا مجھ سے دریافت

---

[1] ڈاکٹر سیّد شمیم گوھر (چک نیا حجرہ، الٰہ آباد) کا یہ مقالہ ماہنامہ سُنّی دنیا (بریلی) کے مولانا حسن رضا نمبر مطبوعہ ۱۹۹۴ء سے لیا گیا ہے۔مرتبین

کرلیتے۔''

حسنؔ اور رام پور:

ثابت ہوا کہ مجازی رنگ کے ساتھ ساتھ نعت گوئی سے بھی بالکل ابتدائی دلچسپی تھی۔ ایسی صورت میں مصنف ''خمخانۂ جاوید'' کا یہ کہنا کہ ''ہر سال ایک دو مہینے ان کی خدمت میں رہ کر مستفیض ہوتے رہے۔'' یہ تحقیق مبہم معلوم ہوتی ہے، ہر سال کی وضاحت نہ ہونے پر یا تو زیادہ سے زیادہ دو تین سال تک سلسلۂ استفادہ کا گمان کیا جاسکتا ہے یا پھر اس روایت پر بھی اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ وہ مستقل سال بھر تک استفادہ کرنے کے بعد رام پور سے لوٹے ہوں کیونکہ حضرت حسنؔ بریلوی یوں بھی برابر رام پور جایا کرتے تھے۔ اُن کے اپنے پھوپھا جناب فضل حسن خان صاحب راج دوارہ رام پور ہی میں رہتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا ہر سفر استفادہ کے لئے نہیں ہوتا ہوگا یہ اور بات ہے کہ اُستاد داغؔ سے تعلقات اور رسم و راہ زیادہ دنوں تک بنے رہے ہوں کیونکہ یہ مشہور واقعہ اسی زمانے کا ہے کہ حضرت حسنؔ بریلوی نے اپنے اُستاد مرزا داغؔ دہلوی کو جب اپنے بڑے بھائی حضرت رضاؔ بریلوی کی نعت کا یہ مطلع سنایا۔ ؎

ترے دن اے بہار پھرتے ہیں وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تو داغؔ پھڑک اُٹھے اور تعریف کرتے ہوئے کہا:

''مولوی ہو کے ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔''

اس واقعہ کا ذکر اپنے ایک تاثراتی مضمون میں جناب ماہرؔ القادری نے بھی کیا ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ فاران کراچی شمارہ ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴) مگر یہ حقیقت ہے کہ اُستاد داغؔ سے اصلاح و استفادہ کا سلسلہ اس قدر ضرور رہا کہ مجازی و رُومانی شاعری کی ابتداء پختگی و بالیدگی تک پہنچی۔

مقام و منصب:

''ثمر فصاحت'' کے نام سے باقاعدہ ان کا غزلیہ دیوان مرتب ہوا، اور اس میدان میں بھی انہوں نے ایسے ایسے فکری و فنی جوہر دکھائے کہ مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلیف نہیں کہ ''ثمرِ فصاحت'' کے سینکڑوں اشعار اساتذۂ فن سے بہتر ہیں اور فکر و فن کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت حسنؔ

بریلوی کی پوری عشقیہ شاعری پر اپنے اُستاد کا رنگ غالب ہے، اُسلوب اور لب ولہجہ بھی ملتا جلتا ہے۔ خود کہتے ہیں۔ ؎

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذّتِ سوز وگداز　　اے حسنؔ شاگرد ہوں میں داؔغ سے اُستاد کا

خصوصیات وفن:

''ذوقِ نعت'' میں حمد، مسدّس نعتیہ غزل، سلام، منقبت، قصیدہ، مثنوی، شہادت نامہ، رُباعی اور قطعہ سب کچھ موجود ہے۔ ان کا ضخیم نعتیہ دیوان ہر صنف سخن کی طبع آزمائی اور فنّی عظمتوں سے معمور نظر آتا ہے۔ مگر وہ بنیادی طور پر غزل ہی کے شاعر تھے۔ اس کے بعض قابل قدر جدید ہیئتی تجربوں اور فنّی پیکروں نے دنیائے نعت کو ایک دَورِ زرّیں سے رُوشناس کرایا ہے۔ چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں حضرت رضاؔ بریلوی کے بعد حسنؔ بریلوی ہی وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے کئی اعتبار سے نعتیہ شعر وادب کی زلفیں سنواریں، وسیع امکانات پیدا کئے، اور ساتھ ہی معنی خیزی، مضمون آفرینی اور فکری بلندیوں کی تابانیوں سے مجلّیٰ کر کے اپنی آواز کو ممتاز بنایا۔ جس کے تحت یہ حقیقت سامنے آئی کہ حسنؔ بریلوی کی عظیم نعتیہ شاعری اصحاب فکروفن کے لئے مشعل راہ بنی۔ ذوقِ شعری کو ایمان افروز حوصلوں کی آنچ میں کس طرح تپایا جاسکتا ہے ایسے حوصلہ شناسوں میں حسنؔ بریلوی کا بڑا انفرادی مقام ہے۔ وہ اگر ایک طرف عظمت رسالت، اظہارِ معصیت، التجائے مغفرت اور احساسِ ندامت جیسے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی شاعری کا حق اَدا کرتے ہیں تو دوسری طرف عمیق معنویت، فنی تہہ داری، فصاحت و بلاغت اور لطیف طرزِ اُسلوب پر بھی خصوصی زور دیتے ہیں۔ قدم قدم پر منصب رِسالت کی رِعایت، نزاکت ونفاست اور احتیاط و پابندی کے باوجود آزادفکروں کو متاثر کردینے والی فنّی بلاغتوں اور فکری کاوشوں کے قیمتی موتی بکھیر دینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا مگر کچھ کرگزرنے کے ایمانی حوصلے نے حسنؔ بریلوی کو ہر اعتبار سے سرخرو کیا۔

نعت گوئی کا عظیم شاعر:

اُردو کا کوئی بھی عظیم نعت گو ہو حضرت حسنؔ بریلوی نہ کسی سے مرعوب ہوتے نظر آتے ہیں

اور نہ ہی کسی شاعر کے سامنے اُن کا شعری وقار ہلکا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری قرآن و احادیث، تاریخ وسیر، واقعات و کردار اور تہذیبی عوامل کی ترجمانی سے منور ہے اور پورا دیوان عشق ومحبت میں رَچے بسے اور مہکتے اشعار سے معطر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے رُخسار پر ڈھلکے ہوئے سارے آبگینے ان کے دیوان کے صفحات پر بکھر کر رہ گئے ہوں۔ نعت گوئی کو انھوں نے ایک فریضہ ایک عبادت کے طور پر اپنایا اور جذبۂ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ''الشعراء تلامیذ الرحمٰن'' کی صف میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ گنبد خضریٰ کی بھینی بھینی چھاؤں میں دَم بھرتا ہوا حضرت حسنؔ کا بے لوث عشق، عظمت حبیب کردگار کو کس والہانہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

دِکھائی جائے گی محشر میں شانِ محبوبی ۔۔۔ کہ آپ ہی کی خوشی آپ کا کہا ہو گا
عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے ۔۔۔ خدا گواہ یہی حال آپ کا ہو گا
جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور ۔۔۔ تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

....

ہوا دل سوختہ کو چاہئے تھی اُن کے دامن کی ۔۔۔ الٰہی صبح محشر کا گریباں چاک ہو جاتا

خوبیاں ہی خوبیاں:

حضرت حسنؔ بریلوی کی شاعری میں مضمون آفرینی کا وقار بہت اعلیٰ ہے اور ان کی شاعری کا یہ وصف نمایاں اور اہم ہے۔ داخلی محرکات وکوائف میں غضب کی بے ساختگی ہے۔ وہ تقدس مآب مشاہدات وتخیلات کو ترتیب دے کر بڑی آسانی سے اشعار کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ آورد کی زور آزمائی سے مبرا ان کے جذبات میں ہر جگہ آمد آمد کا بہاؤ ہے۔ اس جذباتی بہاؤ نے اپنی قدر و قیمت کو کہیں بھی ہلکا نہیں ہونے دیا۔ انتخابِ الفاظ یا شوکت الفاظ کی آب وتاب کے ساتھ ساتھ اِستعارہ وکنایہ اور تمثیلات وتشبیہات کی جلوہ گری بھی ان کی شعری عظمتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ زبان و بیان اگرچہ صاف وسلیس ہے مگر فارسی وعربی کی آمیزش کا زور ایک نئی کیفیت ومعیار کا تعین کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مشکل سے مشکل زمین کو آسان بنا کر اعلیٰ افکار وتخیلات کی دولت سے نواز دینا یہ بھی حسنؔ بریلوی کی پختہ کاری کا نمایاں ثبوت ہے۔

محاوروں کے ماہرانہ استعمال پر تو گویا انھیں مہارت حاصل تھی، ویسے جدّت نوازی اور معنی آفرینی ان کی شاعری کا سب سے قیمتی جوہر ہے جو عشق رسالت کی تابانیوں سے مجلیٰ ہے۔ چنانچہ ان جملہ مرکزی و بنیادی اوصاف ومحاسن کی روشنی میں انھوں نے اپنے شعری وفنّی منصب کوکہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔اور نعتیہ شعروادب کے دامن کو وسیع کرنے میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

ایک عظیم محقق کا تاثر:

ایک سوال کے جواب میں معروف محقق قاضی عبدالودود نے ۱۹۸۲ء میں مجھے انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

''حسنؔ بریلوی نعت کے بہترین شاعر تھے۔انھوں نے حضرت حسنؔ کے دو اشعار سنانے کے بعد یہ بھی کہا تھا کہ رضاؔ بریلوی صاحب بھی نعت کے اچھے شاعر تھے۔''

اس تاثر سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی عبدالودود جیسے مشہور ومعروف محقق اور ادیب اپنے دل میں حضرت رضاؔ اور حضرت حسنؔ کے نعتیہ فکروفن کی کتنی قدر وقیمت رکھتے تھے۔

دیگر صنف سخن:

نعتیہ غزلوں کے علاوہ یہی فنی کیفیت دیگر اصناف سخن میں بھی سلامت نظر آتی ہے۔مثلاً ''مسدّس در ذکر معراج'' اور ''نغمۂ رُوح''، ''مثنوی وسائل بخشش'' اور ''مثنوی ولادت حضور سرور ﷺ'' میں اُن کی زور بیانی، فکر آفرینی اور سلاست ورَوانی پوری طرح نکھری دکھائی دیتی ہے۔انہیں شعری محاسن سے ''شہادت نامہ'' سلام اور مناقب بھی آراستہ ہیں۔ان کے متعدد مناقب شعری حسن اور عظمتوں کے حامل ہیں۔گویا حضرت حسنؔ جس صنف سخن کی طرف بھی ملتفت ہوئے اپنی پختہ کاری، بالغ نظری، دیدہ وَری اور تلاش وجدّت کی غیر معمولی چھاپ چھوڑ گئے۔

☆

حسنؔ بریلوی کی غزلیہ شاعری[1]

مولانا حسن رضا خان (۱۸۵۹ء۔ ۱۹۰۸ء) مولانا احمد رضا خان بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کا خاندان دہلی سے آ کر بریلی میں آباد ہوا۔ تدین اور علم و فضل کے ساتھ ساتھ سلیقۂ شاعری اس خانوادے کا طرۂ امتیاز رہا۔ مولانا حسن رضا خاں بھی اس ورثے کے امین تھے۔ نظم و نثر کی دس سے زیادہ تصانیف آپ کے قلم سے یادگار ہیں۔ شاعری میں طبیعت اُردو اور فارسی دونوں میں رَواں تھی تاہم بیشتر توجہ اُردو پر مبذول رہی۔ نعت میں اپنے برادرِ بزرگ مولانا احمد رضا خان صاحب کا اتباع پیشِ نظر رہا۔ انہی سے نعت گوئی کے اُصول اخذ کئے۔ غزل گوئی میں میرزا داؔغ دہلوی سے تلمذ رہا جن کی طرف سے از روئے محبت، ''پیارے شاگرد'' کا لقب ارزانی ہوا۔ خود فرماتے ہیں:

''پیارے شاگرد'' تھا لقب اپنا　　　کس سے اس پیار کا مزا کہئے

داؔغ کے شیوہ اسلوب سخن کا شہرہ اس وقت سارے ہندوستان میں تھا۔ علامہ اقبال نے بھی ابتدا میں ان سے اصلاح لی جس کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

نسیمؔ و تشنہؔ ہی اقبالؔ، کچھ نازاں نہیں اس پر　　　مجھے بھی فخر ہے شاگردیٔ داؔغ سخن داں کا

حسن رضا خان صاحب نے بھی اسی لہجے میں کہا ہے:

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذت سوز و گداز　　　اے حسنؔ شاگرد ہوں میں داؔغ سے استاد کا

داؔغ کے اُسلوب کی برجستگی، صفائی اور محاورہ بندی ان کے تلامذہ کے کلام میں بھی جھلکتی

---

[1] یہ مقالہ ڈاکٹر خورشید رضوی جی سی یونیورسٹی لاہور نے پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری کی فرمائش پر تحریر کیا تھا جسے پروفیسر صاحب نے ثمر فصاحت کی جدید اشاعت میں بطور مقدمہ شائع کیا۔

ہے جن میں سائلؔ اور بےخودؔ وغیرہ کے ساتھ حسن رضا خان صاحب بھی امتیاز کے ساتھ لائق ذکر ہیں۔ غزلیات کا مجموعہ وفات سے سات برس پیشتر مرتب کیا جس کی تاریخ ۱۳۱۹ھ اس کے عنوان ''ثمر فصاحت'' سے برآمد ہوتی ہے۔ مولانا حسن کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی وسیع ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے ان میں برکت علی نامیؔ، دوارکا پرشاد حلمؔ، وہاج احمد محشرؔ، محمود علی عاشق، منشی برج موہن کشور فیروزؔ وغیرہ ایک درجن نام گنوائے ہیں۔

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں مولانا حسن مع اہل وعیال حج کو گئے اور اس کے بعد غزل گوئی ترک کرتے ہوئے ساری توجہ نعت ومنقبت پر مرکوز کر دینے کا فیصلہ کیا۔ نعتیہ دیوان ''ذوق نعت'' کے تاریخی نام سے مرتب کیا جس سے سال ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء برآمد ہوتا ہے۔ اس کی طباعت کا کام جاری تھا اور بس آخری چند ورق چھپنے سے رہ گئے تھے کہ آپ نے داعی اَجل کو لبیک کہا اور یوں ''ذوق نعت'' کی تاریخ اشاعت آپ کی تاریخ وفات بھی بن گئی۔ لاہور کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس نعتیہ دیوان کی طباعت، دین محمدی پریس لاہور میں ہوئی۔

جیسا کہ ذکر ہوا ''ثمر فصاحت'' مولانا کی وفات سے سات برس قبل ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں مرتب ہوا۔ وفات کے ایک سال بعد آپ کے فرزند اکبر حکیم محمد حسین رضا خان کی فرمائش کی تعمیل میں مولانا کے شاگرد منشی اعجاز احمد قیصرؔ مراد آبادی کے زیر اہتمام مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے شائع ہوا۔ قیصرؔ مراد آبادی چونکہ خود خوشنویس تھے اس لئے گمانِ غالب ہے کہ یہ دیوان انہوں نے خود کتابت کیا ہوگا۔ چنانچہ املا اگرچہ طرز قدیم پر ہے مگر اغلاط سے پاک ہے۔ دیوان کے آخر میں مولانا کے تلامذہ و احباب کے کہے ہوئے بہت سے قطعہ ہائے تاریخ درج ہیں جن میں طبع دیوان کا سال ۱۳۲۶ھ، ۱۳۲۷ھ، ۱۳۲۸ھ نکالا گیا ہے جو موجب التباس ہے ایسا کرتے ہوئے غالباً اس نارَوا رِعایت سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے جو بعض لوگوں نے تاریخ گوئی میں رَوا رکھی ہے۔ یعنی ایک سال کی کمی بیشی کو جائز تصور کرنا۔ حالانکہ ایسا کرنے سے فن تاریخ گوئی کا جواز ہی مجروح ہو جاتا ہے۔ بہرحال ان قطعہ ہائے تاریخ کا بنظر

غائر موازنہ کرنے نیز نواب ناظم علی خاں ہجرؔ شاہجہاں پوری کے صوری مادۂ تاریخ ؎

تاریخ برائے سال مسیحی گفت دل من حضرت ہجرؔ
در سال ہزار و نُہ صد و نُہ، ایں نسخہ زیب طبع شدہ

سے واضح ہو جاتا ہے کہ "ثمر فصاحت" کی یہ اشاعت ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔

تاریخ گوئی کا ذکر چھڑ گیا ہے تو یہ عرض کر دینا بھی برمحل نظر آتا ہے کہ "ثمر فصاحت" خود مولانا حسنؔ کی مہارت تاریخ گوئی کا غماز ہے۔ ان کے نکالے ہوئے ساٹھ سے قریب فارسی و اردو مادہ ہائے تاریخ جو آخر کتاب میں مندرج ہیں بیشتر سالم الاعداد بے کم و کاست ہیں اور اکثر برجستہ و ہموار اور بعض بعض تو تائید خاص کا آئینہ دار۔ مثلاً اپنے استاد نواب میرزا داغؔ کی تاریخ وفات خود انہیں کے نام سے برآمد کی ہے اور الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر کے حسب حال مضمون پیدا کر لیا ہے ؎

مرگ استاد کی حسنؔ تاریخ "داغؔ نواب میرزا" کہیے
۲۲ ھ ۱۳

اسی طرح فارسی میں محمد احسان خاں احسانؔ شاہجہاں پوری کے دیوان کی تاریخ طبع برجستگی اور تکرار بامعنی کی بہت خوبصورت مثال ہے ؎

چو مصر شد نداحساں پئے سال طبع دیواں سخن شگرف گفتم۔ "سخن شگرف" گفتم
۱۰ ھ ۱۳

تعمیہ اور تاریخ صوری و معنوی کی مثالیں بھی استادانہ ہیں۔ کہیں کہیں عربی کا ٹکڑا بھی نہایت صفائی سے کام میں لایا گیا ہے۔ مثلاً ؎

سن نقلش حسن بگوش رسید "نوّر اللّٰہ سرّہ المستور"
۲۴ھ ۱۳

عربی کے ٹکڑے کلام حسنؔ میں اور بھی جہاں کہیں آئے ہیں نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں اور عربی زبان پر ان کی مضبوط گرفت کا پتا دیتے ہیں۔ شب معراج پر فارسی مثنوی میں کہتے ہیں ؎

ہمی دادش عطیه بر عطیه ندائے اَدن یا خیر البریة

تاریخ گوئی کے علاوہ، رقعات تقریبات، سہرا وغیرہ بھی اس مجموعے میں ملتے ہیں اور ''قند پارسی'' کے عنوان سے ایک مختصر سا ضمیمہ، فارسی کلام پر مشتمل، آخر میں منسلک ہے۔ لیکن یہ مباحث تو ''ثمر فصاحت'' کی ضمنیات کے ہیں۔ اس مجموعے کا صلب تو اردو غزلیات سے عبارت ہے۔ ابتدا میں، دو غزلے کی طرز پر حمد اور پھر نعت کہی گئی ہے جس میں اصحاب و اہل بیت اور مقطع پیر دستگیر کا ذکر بھی لایا گیا ہے۔ پھر حرف حرف کی ردیف میں بھرپور غزلیں کہی گئی ہیں۔ ''اشعار متفرقات'' کے عنوان سے جو ضمیمہ لگایا گیا ہے اس میں بھی غزلیات شامل ہیں۔

مولانا حسن کی غزلیات داغ کے رنگ میں زبان دانی، محاورہ بندی اور قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ تنوع مضامین کا بھی نمونہ ہیں۔ طبیعت کی فراخی شوخ مضامین کو بھی خوب راہ دیتی ہے:

ایک بوسے پہ رنجش ہے الٰہی توبہ ۔۔۔ پہلی تقصیر تو سب بخش دیا کرتے ہیں

اس مے میں سوزِ دل سے ہے لطف کباب بھی ۔۔۔ بوتل دبی ہوئی مری آغوش کی پیو

مولانا کے ہاں غزل کی رنگا رنگی کا بھرپور جائزہ جناب اصغر حسین نظیر لدھیانوی اپنے مبسوط مقالے میں لے چکے ہیں جس میں شوخی، طنز، معاملہ بندی، بوسہ، وصل، نازک خیالی، حسن بیان، محاورات، رِعایات لفظی وغیرہ عنوانات باندھ کر بحث کی گئی ہے اور وافر نمونہ کلام بھی پیش کیا گیا ہے۔

یہاں ان کی تفصیلات سے کنارہ کرتے ہوئے ہم مجموعی اعتبار سے مولانا کے ہاں داغ کے اُسلوب تغزل کی نمائندگی کرنے والے چند اشعار نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے:

دل میں پھر درد اُٹھا، پھر وہی ساعت آئی ۔۔۔ پھر مرے سر پہ بلائے شب فرقت آئی

ہم تو آئے تھے انہیں حال سنانے اپنا ۔۔۔ وہ خفا ہو گئے، لو اور قیامت آئی

اور تو کوئی نہ تھا میرے جنازے پہ مگر ۔۔۔ بے کسی روتی ہوئی تا سر تربت آئی

حضرت عشق سلامت رہیں، آباد رہیں ۔۔۔ ساری آفت انہیں مرشد کی بدولت آئی

بلبلو! فصل بہاری کا بھروسہ کیا ہے خاک اُڑ جائے گی دو روز میں گلزاروں پر
تو نے اس شعلۂ عارض سے لگائی پھر لو دل پر سوز! لٹاؤں تجھے انگاروں پر

دشمن کی آنکھ اور ترا روئے پُر ضیاء اُس تیرہ بخت کا یہ چمکتا ہوا نصیب
اس خاک در کا کنگرۂ عرش پر دماغ اُس رہگزر کے ذروں کا چمکا ہوا نصیب

دست وحشت! چاک کرنا جیب و داماں سوچ کر
کیا مری رسوائیوں میں ان کی رسوائی نہیں
پردہ اُٹھتے ہی گرے غش کھا کے عشاقانِ دید
کیا تماشا ہے کہ اب کوئی تماشائی نہیں

کیا کہوں دردِ جدائی کی مصیبت اے دوست
تیرے آنے سے مری جان میں جان آئی ہے

کہتا ہے یہ ہر نقشِ قدم یار کا مجھ سے چل غیر کے گھر تک میں ترا راہنما ہوں

مولانا کی قدرت کلام کا ایک پہلو اُن زمینوں میں ظاہر ہوتا ہے جو اساتذہ نے پامال کر دیں اور جن میں طبع آزمائی بڑی مشاقی اور طباعی کا تقاضا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ناسخ کی زمین ہے

ہو جو تیرا روئے رنگیں پرتو افگن آب میں جائے ماہی، بلبلوں کا ہو نشیمن آب میں

استاد ذوقؔ نے بھی اسی میں زور مارا ہے

مے ملا کر ساقیانِ سامری فن آب میں کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں
پھرتا ہے سیل حوادث سے کہیں مردوں کا منہ شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

مومنؔ خاں کی غزل کا مطلع ہے:

سوزِ دل کے ہاتھ سے ڈھونڈوں جو مامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزائے گلخن آب میں

مولانا حسن نے بھی اس سنگلاخ زمین کو برتا ہے اور پورے چالیس شعر نکالے ہیں:

عکس افگن ہو جو اُن کا روئے روشن آب میں — جلوہ آرا ہو جمال دشت ایمن آب میں
ہجر میں رویا تو بھڑکی اور بھی دل کی لگی — وائے قسمت آ گئی تاثیر روغن آب میں
قطرے قطرے میں حیاتِ جاوداں کا جوش ہو — گرلب جاں بخش کا پڑ جائے دھوون آب میں

آخر میں اپنے شجرۂ سخن کا ذکر فخریہ لہجے میں کرتے ہیں ؂

ذوقؔ کے شاگرد کے شاگرد کا دیکھیں کلام — باحیا ہیں اب بھی گر ڈوبیں نہ دشمن آب میں

یہی حال ناسخ کی ایک اور زمین کا ہے ؂

مستوں کا عیش تلخ ہے دہر خراب میں — یہ رمز ہے جو ہوتی ہے تلخی شراب میں

اس میں غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، داغؔ سب نے غزلیں کہی ہیں۔ مولانا حسن نے سب کے بعد اس میں طبع آزمائی کی اور پچیس بیت کی غزل کہی ہے۔

آخر میں مولانا حسن کے کلام کی خالص لسانی اہمیت کی طرف اشارہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے الفاظ اور اسالیب جواب حافظوں سے اوجھل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اپنی تمام پہلو داری کے ساتھ ان کے ہاں لو دیتے نظر آتے ہیں۔ اہل ذوق جانتے ہیں کہ ابھی جو مقطع درج ہوا اس میں ''باحیا'' کا لفظ ''بے حیا'' کے معنی دے رہا ہے۔ ایک اور شعر دیکھئے ؂

مہنگا سستا بیچ ڈالا مال، اُٹھتی پینٹھ تھی — اک جھلک میں وہ دمِ آخر دل وجاں لے چلا

''پینٹھ'' بروزن ''اینٹھ'' ہفتہ وار بازار کے لئے بولا جاتا تھا جیسے ''بدھ کی پینٹھ''۔ انہی معنوں میں جن میں آج ''جمعہ کا بازار'' اور ''اتوار بازار'' بولا جاتا ہے۔ یہ بازار شام کے وقت جب قریب الاختتام ہوتے ہیں تو بیچنے والوں کو جانے کی جلدی ہوتی ہے اور وہ اپنا مال اونے پونے بیچ کر نکل جانا چاہتے ہیں۔ اسی کو ''اُٹھتی پینٹھ کا سودا'' کہا جاتا ہے۔

''ثمر فصاحت'' سے ۱۳۱۹ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں اور اب ۱۴۳۲ھ ہے۔ اگر رضا پبلی

کیشنز نے اسی ہجری سال کے اندر اندر اس کی اشاعت تازہ کا اہتمام کر لیا تو بطریق تخرجہ ''ثمر فصاحت رسید و تیغِ بلاغت کشید'' کا مادہ ہاتھ آسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ''بلاغت'' کے عدد ۱۴۳۳ھ ہیں اور تیغ کشیدن یعنی تلوار کھینچنے سے مراد الف کو نکالنا ہے جس کے نتیجے میں ایک عدد کا تخرجہ ہو جائے گا اور تاریخ اشاعت ۱۴۳۲ھ برآمد ہوگی۔ رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر۔

☆

''ثمرِ فصاحت'' کا محققانہ جائزہ[1]

حسنؔ بریلوی کا دیوان غزلیات ''ثمر فصاحت'' کے تاریخی نام سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے۔ اس کا ایک قدیم نسخہ جو مطبع اہل سنت و جماعت بریلی میں چھپا ہے جناب احسان دانش کے کتب خانے میں موجود ہے جو موصوف نے کمال مہربانی سے مجھے مطالعہ کے لئے عطا کیا۔ میں جنابِ ممدوح کا بے حد احسان مند ہوں کہ مجھے انہوں نے اس نسخے سے استفادہ کرنے کا موقع دیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں حسنؔ بریلوی نواب مرزا خاں داؔغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور اُن کی غزلوں میں تمام وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو داؔغ کے کلام کا طرّہ امتیاز ہیں۔ حسنؔ بریلوی نے خود بھی داؔغ کی شاگردی پر فخر کیا ہے ایک غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں:

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذّت سوز و گداز
اے حسنؔ شاگرد ہوں میں داؔغ سے اُستاد کا

پھر ایک اور غزل میں کہا:

اب کون ہے حسنؔ شعرا میں سوائے داؔغ
جس کو زمانہ ''بلبل ہندوستاں'' کہے

ایک اور شعر ہے:

اے حسنؔ گر کرم حضرتِ اُستاد نہ ہو
لطف ان ســست مضامیں میں کہاں سے آئے

ایک اور غزل میں ہے:

گر خدا پہنچا دے ہم کو 'مصطفیٰ آبادؑ میں
حضرتِ اُستاد کے دیکھیں قدم چل کر حسنؔ

---

[1] معروف شاعر و ادیب و تذکرہ نگار اصغر حسین خان نظیرؔ لدھیانوی مرحوم کا یہ تحقیقی مقالہ ان کی کتاب ''شعرِ حسن'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ مرتبین

''مصطفیٰ آباد'' رام پور کا اسلامی نام تھا ایک غزل میں داؔغ کا ایک مصرع تضمین کیا ہے:

حال اب یہ ہے حسنؔ کا کہ بقول اُستاد　　　رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

ایک غزل میں اُستاد کے دیوان ''گلزارِ داؔغ'' کا حوالہ دیا ہے:

یہ گل فشانیاں تو نہ ہوتیں کبھی حسنؔ　　　تم نے چنے ہیں پھول یہ ''گلزارِ داؔغ'' سے

داؔغ کے دوسرے دیوان ''ماہتاب داؔغ'' اور داؔغ کی وفات پر قطعات تاریخ بھی کہے ہیں جو قطعات تاریخ میں درج کروں گا۔

داؔغ کے کلام کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا کلام شوخی وطنز، شکوہ وشکایت، معشوق سے چھیڑ چھاڑ، معاملہ بندی، نازک خیالی اور ندرت خیال کا آئینہ دار ہے۔ حسن زبان، محاورہ بندی، لفظی رعایات، بے ساختگی اور سہل ممتنع کا اعلیٰ نمونہ ہے داؔغ کے چھوٹی زمینوں کے اشعار تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں اسی لیے علامہ اقبال نے داؔغ کی وفات پر کہا تھا۔

ہو بہو کھینچے گا لیکن حسن کی تصویر کون　　　مر گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

حسنؔ بریلوی کے تغزل میں داؔغ کی یہ تمام خصوصیات بکثرت پائی جاتی ہیں کسی زمانے میں مجھے بیخوؔد بدایونی کے کلام کے مطالعہ کا موقع ملا تھا بیخوؔد کے کلام میں بھی تمام خصوصیات داؔغ کی موجود ہیں۔ میں ذیل میں حسنؔ بریلوی کے کلام کی خصوصیات پر فرداً فرداً روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں۔

شوخی:

داؔغ کے کلام کا بڑا عنصر شوخی اور تیکھا پن ہے معشوق سے آزادانہ چھیڑ چھاڑ ان کا محبوب مشغلہ ہے اور بعض اوقات تو اخلاقی حدود کو بھی پھلانگ جاتے ہیں۔ حسنؔ بریلوی کے کلام میں بھی اپنے اُستاد کی سی شوخی اور تیزی ہے، فرماتے ہیں:

چڑھاؤ آستیں خنجر نکالو　　　یہ چپکے چپکے مجھ کو کوسنا کیا
ہمارے ہاتھ سے بھی کوئی ساغر　　　جو کھل کھیلے تو پھر شرم و حیا کیا

میں حاضر ہوں جو کرتے ہو مجھے قتل مگر کس بات پر میں نے کیا کیا
ستاؤ دل دُکھاؤ مار ڈالو نہ آئے گا کبھی روزِ جزا کیا

☆

وصل عدو کا حال سنانے سے فائدہ اللہ رحم کیجئے بس بس سنا سنا
آخر یہ آج کیا ہے کہ صبح شب وصال تم ہم سے بخشواتے ہو اپنا کہا سنا
تم نے ہمیں عقاب میں جو کچھ کہا کہا ہم نے ہجوم شوق میں جو کچھ سنا سنا

☆

کیا جواب اس کا نہیں دیجئے وہ پوچھتے ہیں کیا غم ہجر میں تم جاں سے بیزار نہیں
مجھ سے کرتے ہیں وہ تعریف وفائے دشمن وہ بھی اس طور سے گویا میں وفادار نہیں
طلب دل میں دیا اُس نے جوابِ مسکت کیوں جی کیا آپ کے نزدیک میں دلدار نہیں

☆

منہ بنائے ہوئے غصے میں جبیں پر سو بل آپ کیا آئے مرے گھر کوئی آفت آئی

مرزا غالب نے کہا تھا:

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر

مولانا حسن نے کہا:

ہم بھی تو اُٹھاتے ہیں مزے لطف و کرم کے کیا ظلم و ستم میں ہمیں لذت نہیں ملتی

مرزا غالب کا ایک اور شعر ہے:

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حسنؔ بریلوی کہتے ہیں:

جی میں شرمندہ ہوا کاٹ کے سر عاشق کا ہائے جلّاد کو کس وقت ندامت آئی

شوخی کے انداز میں کہتے ہیں:

تمہیں سچے سہی تم سے مجھے اُلفت نہیں لیکن
مرے دل میں تمنا کیوں ہے لب پر التجا کیوں ہے

کہا جب مبتلا تیرا اسیر ہجر ہے ظالم
تو فرمایا اسیر ہجر مرا مبتلا کیوں ہے

☆

یہ کہتی ہے جوبن سے شوخی کسی کی چھپیں تیرے دشمن تجھے کس کا ڈر ہے

☆

عشاق ہیں رُسوا سر بازارِ محبت ادنیٰ سا یہ اِک ناز ہے اُس پردہ نشیں کا
پھر صبر سکھائیں مجھے ناصح تو میں جانوں جلوہ نظر آ جائے مرے ماہ جبیں کا

شیخ ناسخ لکھنوی کا شعر ہے:

زمہکہ ہے جوش داغ ہجراں ہو میرا سینہ باغ رضواں
ہوائے گل گشت جائے غلاں خیال پھر آتا ہے اک حسیں کا

حسنؔ بریلوی نے فرمایا ہے:

جس میں ہے تمہارے رُخِ رنگیں کا تصور اُس دل کو لقب دیجئے فردوس بریں کا

پچھلے دَور میں ''آبِ رَواں'' ایک بہت باریک کپڑا تھا۔

حسنؔ بریلوی فرماتے ہیں:

جلوے کی روک تھام کرے گا حجاب کیا دریا کے آگے آبِ رَواں کی نقاب کیا
بے جا ہے فکر وصل، بجا ہے تمہیں کہو پھر چاہتا ہے حسن شب ماہتاب کیا

راقم الحروف کا ایک شعر ہے:

جو ستم کشوں کا مدفن سر رہگزر ہوتا اسی طرح تا قیامت غم انتظار ہوتا

حسنؔ بریلوی فرماتے ہیں:

تمہارے وعدے پہ اتنا تو اعتبار کیا کہ بعد مرگ بھی مدفن میں انتظار کیا
کیا کمال بڑا تیر آپ نے مارا کسی غریب کے دل کو اگر شکار کیا

☆

خود لگانا تاک کر دل پہ مرے تیر نظر
خود ہی کہنا بیٹھے بیٹھے کیوں یہ بسمل ہو گیا

☆

غیر پر پھول وہ یوں پھینکے ہمارے آگے　　ہائے یہ پھول نہ ہوتا کوئی پتھر ہوتا

☆

دیے جب ہاتھ اُٹھا کر کوسنے مجھ کو ستم گر نے
دل ناداں کو سمجھانے کو میں اس کو دعا سمجھا

☆

ہائے وہ وقت میں سنوں اور وہ　　کوسنے دے مجھے خفا ہو کر

☆

بات پوچھی نہ کبھی حال ہمارا دیکھا　　جائیے جایئے بس آپ کو دیکھا دیکھا

☆

ہزاروں خواہشیں دل میں چھپائے کس طرح کوئی
مری جاں تم سے اک جوبن کا پردہ ہو نہیں سکتا
جو میں نے بزم دشمن میں اجازت چاہی آنے کی
کہا پھر آئیں وہ اس وقت پردہ ہو نہیں سکتا

☆

یہ میرا ہی دل ہے جو تیوری چڑھانے پر ہے چپ
آئینے سے صاف سنیئے گا برابر کا جواب
چاک کر کے اُس نے خطِّ شوق قاصد سے کہا
بس ہمارے پاس یہ ہے اُن کے دفتر کا جواب
آپ کہتے ہیں حسنؔ کو دُور ہی سے ہے سلام
خیر میں کیا دوں سلام بندہ پرور کا جواب

☆

لڑنے بگڑنے کا تو مزا ہے وصال میں اس رُوٹھنے کا کون کرے اعتبار آج

☆

ہمیشہ کہتے ہو مجھ کو جو بے حیا گستاخ
دھری رہیں گی یہ باتیں جو میں ہوا گستاخ

☆

بزم عدو نہیں شب وصل عدو نہیں اب کس طرح سے ہو نگہ شرمگیں بلند

☆

بلائیں غیر کو، میں جاؤں تو وہ فرمائیں
مری گلی سے، مرے دَر، مرے مکاں سے دُور

☆

تمہیں خوش پا کے میں نے کر لیا پیار خوشی کی بات میں ہوتے ہو نا خوش

☆

اب تم بُرا کہو تو ہمیں بزم غیر میں تم سے گئی جو شرم تو ہم سے گیا لحاظ
اب بھی تمہیں لحاظ نہیں شرم چاہیے بے شرم بے لحاظ سنا اور کیا لحاظ

حسنؔ بریلوی کے اُستاد داؔغ دہلوی کا ایک شعر ہے:

اک چلّو ہی میں بس داؔغ بہک اُٹھتے ہیں آج سنتے ہیں نکالے گئے میخانے سے

حسنؔ کہتے ہیں:

گر یہی ہے شورِ فریاد و فغاں تو نکالے جائیں گے محشر سے ہم

☆

ہے ستم گر کی بات بات میں چھیڑ مجھ سے کہتا ہے تم پہ مرتے ہیں
دیکھ کر مجھ کو بولے دشمن سے ایک دلبر پہ یہ بھی مرتے ہیں
میری اُلفت کا حال سن کے کہا جن کی موت آتی ہے وہ مرتے ہیں
اس ڈراوے سے ہے غرض اتنی یا ملو ہم سے ورنہ مرتے ہیں

اے گردشِ اَفلاک کبھی یوں بھی تو ٹھہرے
قرباں ہوں وہ مجھ پہ میں اَوروں پہ فدا ہوں

☆

کہاں کا دل کسے کہتے ہیں بوسہ جان بھی دے دی
ہمیں لینے کے دینے پڑ گئے بزم حسیناں میں
بہار آئی گھٹا چھائی جھکے شیشے بھرے ساغر
گھڑی بھر کو چلو ہو آئیں زاہد بزم رِنداں میں

☆

سوال بوسہ پہ منہ پھیر کر جواب دیا
کہ ایسے ویسے میرے دشمنوں سے پیار کریں

☆

دل کا تنگ آ کر یہ دعا کرنا نہ ہو ایسوں سے میل
اس ستم آرا کا جھنجھلا کر یہ کہنا کیوں نہ ہو

☆

وہ کہتے ہیں کہ مکر تو عاشق کے دیکھئے　　جب دل نہیں بغل میں تو کیا بیقرار ہے

☆

وہ شکوہ آزار ہے بولے تو یہ بولے　　ہم کو بھی تیرے نالوں سے فرصت نہیں ملتی

☆

دشمن ہی کی آئی ہوئی آ جائے الٰہی
پوری کہیں مانی ہوئی منّت ہو کسی کی

☆

جب کہا اُن سے کہ مرتے ہیں مریضانِ فراق
بولے منہ پھیر کر ہم کیا کریں قسمت اُن کی

☆

طنز:

مرزا داغ کی دوسری بڑی خصوصیت طنز، شکوہ وشکایت اور حاضر جوابی ہے، مولانا کے کلام میں بھی طنز لطیف، حاضر جوابی اور شکایت محبوب کی صد ہا شاخیں موجود ہیں۔ داغ کی طرح ان کا محبوب، طنز اور حاضر جوابی میں جواب نہیں رکھتا۔ طنز کی ملی جلی مثالیں پیش کرتا ہوں:

مرے ہی نقش قدم ہیں یہ کوئے دشمن میں
قسم نہ کھائیے بس میں نے اعتبار کیا
عدو ہو دل ہو کوئی ہو تمہاری جان سے دُور
وہ بے قرار رہے جس نے بے قرار کیا

☆

غیر تھا منہ لگانے کے قابل جاؤ جی تم کو کس سے پیار ہوا
سچ تو ہے تم کو غیر سے کیا کام یہ میں بیٹھا ہوا شرمسار ہوا

☆

آپ سچے ہیں گیا تھا میں ہی بزم غیر میں
سر جھکائے میں ہی تو بیٹھا ہوں شرمایا ہوا

☆

آپ کہتے ہیں کہ جا دیکھ لیا دل تیرا کہیے تو اپنے سوا دل میں مرے کیا دیکھا

☆

رونے کی ہنسی میت عاشق پر اُڑائی دیکھو تو کوئی آنکھ میں آنسو نظر آیا

☆

مرا گھر غیر کا تو گھر نہیں کیونکر وہ کھل کھیلیں
نگاہیں اُٹھ نہیں سکتیں اشارہ ہو نہیں سکتا

☆

نیل ہو گا عدو کے بوسوں کا منہ چھپانے سے اور کیا مطلب

☆

یہ رات کون تھا دشمن کے گھر کہو تو سہی
مجھے تو کہتے ہو بے شرم بے حیا گستاخ

☆

میں تو خوش ہو کے یوں دعائیں دوں آپ کوسیں مجھے خفا ہو کر

☆

نازنیں پاؤں ہیں دُکھ جائیں گے مری میت پہ وہ آئیں کیونکر

☆

تمہیں تو شرم سے منہ کھولنا بھی مشکل ہے عدو کو رات مگر میں نے ہم کنار کیا
خطا معاف کرو مجھ کو پیار کر لو تم خطا ہوئی جو میرے دل نے تم کو پیار کیا

☆

بیانِ مرگِ عاشق سن کے وہ دشمن سے کہتے ہیں
بلانے کو مرے اُس نے اُڑائی کیا خبر دیکھا

☆

اپنی تصویر بھی لے جائیے اغیار کے گھر دل میرا چین سے ہے اب مجھے درکار نہیں

☆

بزم دشمن میں جو وہ پوچھتے ہیں ہنس کے مزاج
ہم بھی جھنجھلا کے یہ کہتے ہیں دعا کرتے ہیں

مرزا داؔغ کا ایک شعر ہے:

ہم بوسہ لے کے اُن سے عجب چال کر گئے یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا

حسنؔ بریلوی نے کہا:

ایک بوسے پہ یہ رنجش ہے الٰہی توبہ پہلی تقصیر تو سب بخش دیا کرتے ہیں

پھر کہتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں عدو سے دوستی اچھی نہیں
کیا یہ عادت آپ کے نزدیک بھی اچھی نہیں
سو بُری مجھ کو سنائیں وہ تو سو اچھی بتائیں
میں جو سو اچھی کہوں تو ایک بھی اچھی نہیں
سو کی سو اچھی اگر سو خواہشیں ہوں غیر کی
میری لاکھوں حسرتوں میں ایک بھی اچھی نہیں

☆

ہمارے نالہ وفریاد پر یہ شکوے ہیں　　وہ اپنے ظلم وستم تو ذرا شمار کریں

☆

تم نے عتاب میں جو نہ کہنا تھا کہہ لیا　　رہ جائے کتنی گر میں کہوں کچھ جواب میں

☆

یہ میرے سامنے اَغیار سے ہنسی کیسی　　پھر اُس پہ کہتے ہو بے باک میں نہیں تم ہو

☆

جو کچھ عدو نے مجھ کو کہا میں اگر کہوں　　تم کیوں خفا ہو تم کو وہ کیوں ناگوار ہو

☆

دشمن مجھے بُرا نہ کہیں گر تو کیا کہیں　　شکوہ یہ ہے کہ دوست کو کیوں اعتبار ہو

☆

ہم بھی ستائیں دل کو ہمیں بھی بتائیے　　بے کس پہ ظلم کرنے میں گر کچھ ثواب ہو
دشمن پہ لطف کیجئے مجھ کو ستائیے　　جس پر عنایتیں ہوں اُسی پر عتاب ہو

☆

کب غیر کی محفل سے اُٹھایا نہیں جاتا　　کب آپ کے گھر سے مجھے عزت نہیں ملتی

مرزا داغ ہی کا شعر ہے:

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے　　پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

حسنؔ نے کہا:

پریشاں حال رنگ رو پریدہ — کہو تو کچھ تم آئے ہو کہاں سے

پھر کہا:

جو دشمن نے کہا تم کو سر بزم — اُسے دہراؤں کیا اپنی زباں سے

☆

ہائے وہ دن کہ مرے عشق پہ تھے کیا کیا ناز
ہم بھی معشوق ہیں ہم پر بھی ہے مائل کوئی

☆

دشمن کی عداوت کو جو سمجھے ہیں محبت — کیا میری محبت کو عداوت نہ کہیں گے

☆

جب کہا ہے تمہارے نام سے عشق — بولے ہاں نام ہی کی اُلفت ہے
غیر کے پاس آتے جاتے ہو — جاؤ بھی تم کو کس سے اُلفت ہے

☆

اچھا کیا جو میں نے عدو کو بُرا کہا — تم کو تو واسطہ نہیں تم کیوں خفا ہوئے

☆

اُس بدگمان نے یہ کہا میری لاش پر — اللہ رے فریب کوئی جانے مر گیا
اپنا ہی ہے قصور ہمیں تم سے دُور ہیں — تم تو ہمارے ساتھ رہے ہم جدھر گئے

☆

ہم سے چھپ چھپ کر رقیبوں سے یہ ملنا کیسا
بس تیری شرم کو اے پردہ نشیں دیکھ لیا

☆

میری برائی آپ کریں وہ بھی غیر سے — میں بدگماں نہیں مجھے ایسا گماں نہیں

غرض محبوب طناز سے ہر وقت نوک جھوک اور تُو تُو میں میں جاری رہتی ہے بقول اکبر الہ آبادی ؎

بتوں سے عشق کرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

معاملہ بندی:

کہا جاتا ہے کہ معاملہ بندی کی ابتدا شیخ قلندر بخش جرأتؔ نے کی لیکن شیخ مصحفیؔ کے کلام میں بھی صدہا اشعار ایسے ہیں جو معاملہ بندی کے ضمن میں آتے ہیں مگر داغؔ اس فن کے بادشاہ ہیں کس دھڑلے سے کہتے ہیں:

حیا بولی اُبھرا جو جوبن کسی کا　　مٹادوں گی میں چلبلا پن کسی کا

حسنؔ بریلوی نے اس ضمن میں بھی اُستاد کی پوری پوری تقلید کی ہے کہتے ہیں

کہا یہ ضبط نے جوبن جو اُن کا جوش میں آیا
خبردار اے حیا اب ہم سے پردہ ہو نہیں سکتا

حیا بولی جو کھل کھیلا وہ گدرایا ہوا جوبن
انہیں اب تم چھپاؤ ہم سے پردہ ہو نہیں سکتا

اگر جلوہ دکھایا ہے تو سینے سے بھی مل جاؤ
کہ دِل آنکھوں کی ٹھنڈک سے تو ٹھنڈا ہو نہیں سکتا

میرے دُکھ دینے والے کیوں وہ قسمیں یاد ہیں تجھ کو
تیری تکلیف تیرا دُکھ گوارا ہو نہیں سکتا

☆

وہ دست شوق کی گستاخیاں وصال کی شب
وہ اُن کا شرم سے کہنا دبی زباں سے دُور

☆

سبب کیا جو قبضہ نہ بیٹھے دلوں پر　　یہ کہہ کر اُٹھی ہے جوانی تمہاری
سر بزم جوبن تمہیں کھینچ لایا　　گئی اب کہاں لن ترانی تمہاری

☆

بن پڑی ہے اُن کو دیکھا ہے جو شرمائے ہوئے
آج ہیں شوق و تمنا ہاتھ پھیلائے ہوئے
کیا مزے زلف پریشاں نے دکھائے صبح وصل
آئینہ دیکھا ہے بیٹھے ہیں وہ شرمائے ہوئے
جن کے ہاتھوں شب مجھے سرگشگی میں کٹ گئی
چین سے وہ سو رہے ہیں پاؤں پھیلائے ہوئے

☆

آپ ہی قصداً بلانا مجھ کو جاتا دیکھ کر
آپ ہی پھر چھیڑ سے کہنا مجھے دھوکا ہوا
آنکھوں آنکھوں میں مرے دل کو چرانا آپ ہی
آپ ہی پھر میری حیرت پر یہ کہنا کیا ہوا

☆

مرنے کا میرے رَنج نہیں اُن کو ضد یہ ہے — روئے مجھے جو بخشے نہ میرا کہا سنا
آخر حسنؔ وہ رُوٹھ گئے اُٹھ کے چل دیے — کم بخت اور حالِ دل مبتلا سنا

☆

اس بات پر خفا ہیں قتیل ہوا سے وہ — یہ کیوں کہا کہ میں تیرے قربان ہو گیا

☆

منہ پھیر کے بیٹھے ہو شب وصل — شوخی پہ مزاج ہے حیا کا

☆

کہا جب تم سے چارہ دردِ دل کا ہو نہیں سکتا — تو جھنجھلا کر کہا تیرا کلیجہ ہو نہیں سکتا

☆

اے دل وہ مجھ سے کہتے ہیں میری بلا ملے — ایسے میرے نصیب کہاں او بلا نصیب

☆

مجبور کر کے کوسنے کھائے ہیں لطف ہے — جی چاہتا ہے خوب کروں تم کو پیار آج

☆

بتوں کے نرم و نازک جسم میں کیا گدگدا پن ہے
مگر ان موم کے پتلوں کے دل پتھر نکلتے ہیں

☆

مرے رونے پہ رحم آیا انہیں جب بھی ستم ڈھایا
گلے میں باہیں بھی ڈالی ہیں اور ہنستے بھی جاتے ہیں

☆

ہنسی کی بات تھی وہ ایک بھی کچھ شے ہے
ہزار دل ہوں تو ہم آپ پر نثار کریں

☆

ابھی کا ماجرا ہے دل میرا میری بغل میں تھا
کوئی آیا ہو تو میں نام لوں یا میں ہوں یا تم ہو
مرا دل لے چکے ہو بوسہ دینے میں تامل ہے
کہو اب خود غرض میں ہوں کہ مطلب آشنا تم ہو

☆

جب اپنی ضد پہ آتے ہو پھر مانتے نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ تم آدمی ہو یا دل بے اختیار ہو

☆

امتحان غیر پر رنجش عبث ‏ ‏ ‏ ‏ خیر جی تم منہ لگا کر دیکھ لو

مرزا داغؔ نے کہا تھا:

اب حکم ہوا ہے کہ تمہیں قتل کریں گے ‏ ‏ ‏ ‏ پر یہ بھی ہے تاکید کہ کہنا نہ کسی سے

حسنؔ بریلوی فرماتے ہیں:

تم چپکے سے اک بوسۂ عارِض ہمیں دے دو
کہتے ہیں قسم کھا کے کہیں گے نہ کسی سے

☆

جھکی گردن اُٹھی اُٹھتی جوانی جوش پر آئی
حیا گھونگھٹ کیے شرما کے نکلی چشم جاناں سے

☆

جوبن اُبھار پر ہے اُمنگیں بہار پر　　　اے شوقِ دید صبر وہ اب خود نما ہوئے

بوسہ:

بوسہ درحقیقت معاملہ بندی ہی کی ایک کڑی ہے مگر اس کے بعض زیادہ دل فریب پہلو بھی ہیں مرزا غالب نے بہت سوچ سمجھ کر کہا تھا:

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بد گماں ہو جائے گا

پھر ایک اور جگہ کہا:

بوسہ کیسا، یہی غنیمت ہے　　　کہ نہ سمجھیں وہ لذّتِ دُشنام

پھر دوسری جگہ کہا:

بوسہ نہ دیجئے دُشنام ہی سہی　　　آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر وہاں نہیں

مگر مرزا داغ کے یہاں تو بات بات پر بوسے کی طلب ہے کہتے ہیں:

بے گنتی بوسے لیں گے رُخِ تاب دار کے　　　عاشق پڑھے ہوئے نہیں علم حساب کو

حسنؔ بریلوی نے اس باب میں بھی اُستاد کی خوب پیروی کی ہے معاملہ بندی کے ضمن میں بوسے کی کئی مثالیں درج ہو چکی ہیں چند اور حاضر ہیں:

بولے وہ بوسہ ہائے پیہم پر　　　ارے کم بخت کچھ حساب بھی ہے

☆

تصدق میں دو بوسے دیجئے　　　مرے دل کی تم نظر ہو گئی

☆

لیا میں نے بوسہ تو رُوٹھو نہ مجھ سے　　　خطا ہو ہی جاتی ہے بندہ بشر ہے

☆

بوسے ہمارے کم ہیں زیادہ ہیں گالیاں پھر جانچ لو اگر غلطی ہے حساب میں
میں نے سوال بوسہ کیا بلکہ لے لیا اب کوسنے سناتے رہیں وہ جواب میں

☆

تم رَنج مجھے دیتے ہو اک بوسے کی خاطر دل ہم نے تمہیں نذر کیا کیسی خوشی سے

☆

دل کے بدلے میں نہ دو بوسۂ رُخ بھیک میں دو
نہیں عاشق نہ سہی جان لو سائل مجھ کو

☆

نہ دیجئے مجھے بوسہ دل لیجئے کہ میں آپ سا بے مروّت نہیں

☆

سوال بوسہ پہ منہ پھیر کر جواب دیا کہ ایسے ویسے مرے دشمنوں کو پیار کریں

☆

لپٹ کے لے ہی لیے میں نے اے حسنؔ بوسے
وہ کہتے ہی رہے بے ادب بھلا گستاخ

وصل:

وصل بھی معاملہ بندی ہی کی ایک کڑی ہے شعراء نے لطف وصل کی کیفیتیں بیان کی ہیں مرزا غالبؔ کہتے ہیں:

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

حضرت امیر مینائیؔ نے کہا:

پس مرگ کاش یوں ہی مجھے وصل یار ہوتا وہ سر مزار ہوتا میں تہ مزار ہوتا

اسی زمین میں مرزا داؔغ نے کہا:

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

حضرت حسنؔ بریلوی نے اس ضمن میں اُستاد کا خوب تتبع کیا ہے کچھ مثالیں پہلے آچکی ہیں

چند اور حاضر ہیں:

سن کر سوالِ وصل نہ نکلا زباں سے کچھ تم کو تو لوگ کہتے تھے حاضر جواب ہو

☆

ردّ نہ فرمائیے سوالِ وصال نام کی بات ہے ثواب بھی ہے

☆

وصل میں جب ہاتھ گھونگھٹ کو لگایا ہے حسنؔ
شرم بولی منہ چھپا کر یہ سعی اچھی نہیں

پھر وصل غیر کا رونا بھی ہے:

عدو کے وصل کا انکار سچا ہی سہی لیکن
مسی چھوٹی ہوئی مسکی ہوئی اُن کی قبا کیوں ہے

وصل دشمن تمہیں مبارک ہو مجھ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے

☆

غیر کے گھر اسی باعث سے گئے تھے شب کو جاؤ بھی تم کو کس سے اُلفت ہے

☆

عدو لپٹائیں بوسے لیں یہ منہ سے کچھ نہیں کہتی
مرے بانکے تیری تصویر کیسی بات والی ہے

نازک خیالی اور ندرت خیال:

نازک خیالی اور ندرت خیال کی مثالیں مرزا غالبؔ کے کلام میں بھی ملتی ہیں لیکن غالبؔ میں مشکل پسندی کا زور بھی ہے لوگوں نے اس باب میں مومنؔ کو غالبؔ پر ترجیح دی ہے۔ داغؔ بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں۔ شوخی اور طنز نگاری کے باوجود اُن کے کلام میں نازک خیالی اور ندرت خیال بھی عروج پر ہے۔ ایک غزل میں کہتے ہیں:

آنکھیں بچھائیں ہم تو عدو کی بھی راہ میں
پر کیا کریں کہ تم ہو ہماری نگاہ میں

ایک اور غزل کا مطلع ہے:

کیا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

مرزا غالبؔ کا ایک شعر ہے:

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت کلام جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

حسنؔ بریلوی نے کہا:

کب وہ بلانے بیٹھے ہیں جب یہ سمجھ لئے اُٹھنے نہ دے گی اُن کو نقاہت کسی طرح

پھر کہا:

کہتے ہیں رنجش بھی ہے تو خاص تیری ذات سے
وہ عداوت بھی جتاتے ہیں محبت کی طرح

کیا تمہیں بھی بے قراری ہے کسی کی یاد میں
نکلے جاتے ہو جو قابو سے طبیعت کی طرح

مرزا غالبؔ کا شعر ہے:

جب وہ جمالِ دلفروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہے نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

حسنؔ نے کہا:

کس کی آنکھیں ہیں کہ بے پردہ اسے دیکھ سکے
یار کو انجمن حشر بھی خلوت ہو گی

دوسری جگہ کہا:

وہ جلوہ گاہ سے کوئی ہم کو ڈھونڈ لائے اللہ جانے آپ سے جا کر کدھر گئے

☆

پردے نے اُٹھ کے پردۂ اُلفت اُٹھا دیا ہم بے خبر ہوئے وہ خبردار ہو گئے

☆

جلوہ کر تو دیکھئے بے پردگی کیسی حضور　　لطف یہ ہے بزم میں سب ہوں مگر کوئی نہ ہو

☆

برق آسا کر لیا پردہ دکھا کر اِک جھلک
دیکھنے والوں نے یہ بھی تو نہ دیکھا کون ہے
اُف رے اِستغنا وہ اک جلوہ دکھا کر چھپ رہے
کیا غرض اُن کو کہ اب عالم میں رُسوا کون ہے
جس کا دامن چھوڑ کر ہم خاک پر تڑپا کیے
اُس نے پیچھے پھر کے یہ بھی تو نہ دیکھا کون ہے

☆

کہیں وہ پردۂ دل ہی میں چھپ کے آ جائیں
ہمیں نہ شکل دکھائیں انہیں حیا ہی رہے

☆

جب پیش حسن تنگ ہو وسعت جہان کی　　پھر آئینے کے گھر میں تیرا کیا جواب ہو

☆

پوچھتے کیا ہو کہ دل میں کون ہے　　لو یہ آئینہ اُٹھا کر دیکھ لو
ہاتھ سے جاتا رہے گا دل ابھی　　میرے دل سے ہاتھ اُٹھا کر دیکھ لو

☆

لیے جاتا ہے غبار پس محمل اے قیس
آسرے آسرے میں سینکڑوں منزل مجھ کو

☆

دل کے داغوں کا مداوا نہ کروں گا ہرگز　　چارہ گر اُن کی امانت میں خیانت ہو گی

☆

کیوں شکست آئینہ دل عیاں کریں　　کہیے تو پوست کھینچ لیں شیشے کے بال کا

سنگ غم فراق سے دل پر لگے نہ چوٹ آئینہ ٹوٹ جائے گا تیرے جمال کا

☆

وائے تقدیر کہ تم اس کو حنا سمجھے ہو چٹکیوں میں جو ملا جائے مرا دل ہے وہی

ندرت خیال:

ندرت تخیل بھی نازک خیالی ہی کا دوسرا نام ہے، حسنؔ بریلوی کے بیشتر اشعار میں ندرت ہے ان کے ہر شعر میں کوئی بات ہے پھر وہ بات سے بات پیدا کرتے ہیں۔ شیخ ناسخ لکھنوی کا شعر ہے:

غفلت سے اپنا طالبِ دیدار آپ ہوں میرا ہی چہرہ ہے جو نہاں ہے نقاب یاں

حسنؔ کہتے ہیں:

تھی اپنے ہی پردے میں نہاں شانِ تجلی جب ہم نظر آئے ہمیں تُو نظر آیا

دوسری غزل میں کہا:

اُف صفائے جسم جب وہ کھینچنے بیٹھا شبیہ خامۂ بہزاد سے نقشہ کھنچا بہزاد کا

مرزا داغ کا شعر ہے:

مقابل روئے روشن کے وہ رکھ کر شمع کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

حسنؔ نے کہا:

بزم میں بے پردہ ہے نورِ رُخِ جانانہ آج
شمع کی جانب نہ جائے گا کوئی پروانہ آج

سحرؔ بھوپالی کا مشہور شعر ہے:

سینے میں دل ہے دل میں داغ، داغ میں سوز و سازِ عشق
پردہ بہ پردہ ہے نہاں پردہ نشیں کا رازِ عشق

حسنؔ نے کہا:

سینے میں دل تو دل میں نہاں اُلفت حبیب
پردے پہ پردہ اور پھر اعلان ہو گیا

پھر کہتے ہیں:

پوشیدہ گیسوؤں میں ہوا روئے پُر ضیا ہے آج مہمان شب تارِ آفتاب
ہر دم خیال پردۂ رُخسارِ یار ہے ہر وقت ہیں نگاہ میں دو چار آفتاب

☆

بے مثالی کے لیے ہے یہ دلیل کافی عدم سایہ ہے خود شاہد یکتائی دوست
حیرت آنکھوں پہ برستی ہے زبانیں خاموش خود تماشا بنے بیٹھے ہیں تماشائی دوست

☆

خواہش دیدار میں ہیں کعبہ و دل طور و عرش
شمع کس محفل کی ٹھہرا جلوۂ جانانہ آج

☆

محرومیٔ جمال کہ مشتاق روئے دوست پردے کا حسن دیکھ کے حیران ہوگیا

☆

اب وہ مرے جنازے پہ رونے کو آئے ہیں
آخر کریں بھی رفع ندامت کسی طرح

☆

حسن والوں میں ہے وہ یکتائی سایہ تک رہ گیا جدا ہو کر

☆

دل مرا ہاتھ میں لیں مشکل ہے بوجھ بھاری ہے اُٹھائیں کیونکر

☆

بے طلب جان نہیں دیتے ہیں دینے والے
وہ بڑھا لیتے ہیں دو روز میں ایسا اخلاص

☆

ہمیں فروغ کواکب سے ہو گیا روشن
چمک رہے ہیں یہ فیل فلک کی جھول کے پھول

☆

دیکھوں بہار رابطۂ حسن و عشق کی — پڑ جائے مری جان جو تصویر یار میں
بے موت مجھ کو مار گیا جانِ جاں مرا — بے جان جی رہا ہوں غم ہجر یار میں
جس نازنیں کو ناز نہ چلنے دے دو قدم — وہ کس طرح سے آئے مرے اختیار میں
دل میں خیال عارضِ پُر نور یار ہے — ہم شمع لے کے آئے ہیں اپنے مزار میں

☆

یہ گھٹائیں کالی کالی یہ ہوائیں سرد سرد
ناصح مشفق خدا کے واسطے سمجھا نہ آج

ایک اور غزل میں ندرت تخیل کے جوہر دیکھئے۔

خیال آمد لیلیٰ کی تعظیم اس کو کہتے ہیں
کہ اب تک گردباد اُٹھتے ہیں مجنوں کے بیاباں میں

ہوائے وصل لیلیٰ خاک مجنوں کی گرہ میں ہے
بگولے ڈھونڈتے پھرتے ہیں محمل کو بیاباں میں

ہمارا آشیاں کنج قفس قسمت نے ٹھہرایا
بہار اب قید تنہائی کے دن کاٹے گلستاں میں

جناب عشق کے حسن ادب کو تو کوئی دیکھے
زلیخا اپنے ایواں میں ہو یوسف کنج زِنداں میں

خیال لکھنوی کا شعر ہے:

روز کہتا ہوں نہ جاؤں گا اب اس کوچے میں
روز اُس کوچے میں اک کام نکل آتا ہے

مصحفیؔ نے اس باب میں کیا خوب کہا:

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

حسنؔ نے کہا:

ہمیشہ کہہ کر آتے ہیں کہ اب ہرگز نہ آئیں گے
مگر یہ عہد یاد آتا ہے جا کر بزم جاناں میں

گناہِ عشق میں کیونکہ میں اس میں شامل ہوں
خطا ایسی ہو پھر اے آرزو جنت میں داخل ہو

ایک اور غزل میں کہتے ہیں:

وہ تو نظر اُٹھا کے اِدھر دیکھتا نہیں
کیونکر کہوں کہ درد مرا لا دَوا نہیں

گھل گھل کے جن کے ہجر میں ہم ہو گئے تمام
افسوس وہ کہے کہ میں پہچانتا نہیں

☆

دیکھے تو کوئی عشق سے یہ حسن کی شوخی
وہ ہیں مہ عید اور میں اُنگشت نما ہوں

☆

دل مضطر ترے جذب محبت سے خدا سمجھے
جو پردے میں بھی شرماتے تھے وہ باہر نکلتے ہیں

☆

موت سے جن کو ڈر نہیں لگتا   کب خدا سے وہ لوگ ڈرتے ہیں

مرزا غالبؔ کا شعر ہے:

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دَوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

حسنؔ نے ایک غزل میں کہا:

دادِ شوریدہ سری کس سے ملے گی یا ربّ
جس جگہ میں ہوں وہاں کوئی دیوار نہیں

اس 'نہیں' پر تو یہ حالت ہے جو 'ہاں' ہو کیا ہو
سینکڑوں طالبِ دیدار ہیں دو چار نہیں

خود معالج کی ضرورت ہے معالج کو مرے
میرے نسخے میں کہیں شربت دیدار نہیں

اُن کو بیمار سے پرہیز ہے اَغیار سے ربط
ہوتی ہے اُن کی دَوا جن کو کچھ آزار نہیں

دُشمن جاں نظر آتے ہیں مجھے سب بیمار
جس کا تُو یار نہیں اُس کا کوئی یار نہیں

ایک اور غزل میں ندرتِ خیال دیکھئے:

کیوں زندۂ جاوید نہ ہوں اہل محبت — اس کام میں مرنے کی بھی مہلت نہیں ملتی
میں وصل کی تدبیر میں وہ فکرِ ستم میں — اُلفت میں کسی شخص کو راحت نہیں ملتی
مجھ کو تو ستایا ہے میں دنیا سے مٹا دوں — پر وصل کے دن یہ شب فرقت نہیں ملتی

ایک اور غزل میں کہا:

سب حسیں ایک ہی عادت کے ہوا کرتے ہیں — پھول بھی نازِ بلبل پہ ہنسا کرتے ہیں
ہے جو محشر ہی پہ موقوف تمہارا دیدار — تو ابھی نالوں سے ہم حشر بپا کرتے ہیں

مرزا غالبؔ کا شعر ہے:

جانا پڑا رقیب کے دَر پر ہزار بار — اے کاش جانتا نہ تیری رہ گذر کو میں

حسنؔ بریلوی نے کہا:

کوئے اَغیار کے رستے سے میں کب واقف ہوں　　رہبری آپ کے نقش کف پا کرتے ہیں

اُستاد ذوقؔ کا شعر ہے:

ہمسفر ہو نہ سکا کوئی ہمارا لیکن　　جادہ پہنچانے گیا تا لب دریا ہم کو

حسنؔ نے کہا:

اور تو کوئی نہ تھا مرے جنازے پہ مگر　　بے کسی روتی ہوئی تا سر تربت آئی

حسنؔ کی ایک اور غزل میں ندرت خیال کی نیرنگیاں دیکھئے:

آنکھوں میں پھر رہا ہے کسی کا خرام ناز　　کیوں مست ہوں نہ آمد فصل بہار سے

دل سوختوں پہ دل نہ جلا یار کا کبھی　　خالی ملا ہمیں یہی پتھر شرار سے

اب تک بھری ہوئی ہے ہوا کوئے یار کی　　اُٹھتے ہیں گردباد ہمارے غبار سے

ایک اور غزل کے اشعار میں ندرت تخیل دیکھئے:

کم نہیں ہوتیں تصور میں بھی اُن کی شوخیاں
پھر رہے ہیں میری آنکھوں میں وہ اٹھلائے ہوئے

تیری آنکھوں سے تیری زلفوں سے دل کو ربط ہے
چار پریوں کے ترے دیوانے پر سائے ہوئے

سرد مہری پر بھی ہم بھرتے نہیں جو آہِ سرد
سوزِ اُلفت ہے ہمارے دل کو گرمائے ہوئے

☆

جو آنکھوں میں بسا ہے اُس کی نظریں منتظر کیوں ہیں
جو دل میں جلوہ فرما ہے دل اُس کو ڈھونڈتا کیوں ہے

معما نحن اقرب کا سمجھ میں آ نہیں سکتا
خدا جانے گلے مل کر کوئی ہم سے جدا کیوں ہے

☆

کیا تعجب ہے شہیدانِ اَدا پھر جی اُٹھیں　　یاد آ جائے اگر قاتل ہمارا کون ہے

☆

ہم یوں دل مظلوم کو بہلائے ہوئے ہیں
شاید کہ ستانے ہی کی عادت ہو کسی کی

☆

تُو نے دل کو تاک کر کیا جلد آنکھیں پھیر لیں
ہم تیرے تیر نگہ کو دلنشیں کہنے کو تھے

☆

اللہ رے غرور یہ نخوت یہ تکبر　　تصویر تیری بات نہیں کرتی کسی سے

☆

یوں تو سو دل ہیں تیرے حلقۂ گیسو میں اسیر
جس کے سو ٹکڑے ہر اک بال میں ہوں دل ہے وہی

☆

خلل پڑے نہ کہیں اُن کے خوابِ راحت میں
بلا سے ٹکڑے ہو دل نالہ ہے صدا ہی رہے

☆

نام اغیار میں درباں کو بتاتا ہوں کہ وہ
کہہ دے شاید کبھی دھوکے میں کہ اچھا آئے

☆

عندلیبانِ چمن بندۂ بے دام بنے
ہوئے چھوڑ کے گلشن مرے صیّاد کے ساتھ

اُستاد ذوق کا شعر ہے:

یاد آیا یاں کے آنے کا وعدہ نہیں اب تک
جب رات کو وہ پاؤں میں مہندی لگا چکے

حسنؔ بریلوی کہتے ہیں:

دل بیتاب اس اُمید کو بھی روکہ وہاں داستاں گو کو بلایا ہے حنا آئی ہے

پھر کہتے ہیں:

ہماری وصل کی رات ان کی ہجر کی شب ہے
وہ آج شام سے بے چین ہیں سحر کے لیے

کیا ہے طول شب ہجر نے عجب اندھیرا
گرا ہے سجدے میں خورشید بھی سحر کے لیے

☆

بُھولے جو قبر غیر کو وہ وقت فاتحہ غل ہر لحد میں تھا یہ وہی تو مزار ہے

☆

نظر بد کے لیے تُو نے جو باندھا تعویذ ڈال کر باہیں گلے سے تیرے لپٹا تعویذ

کہیں کہیں غزل میں نعتیہ شعر بھی ہو گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

مجھ سے گنہ گار کو ہے مغفرت کی آس یا ربّ مرے کریم کی وہ بارگاہ ہے
آنکھیں دکھائے مہر قیامت اب اور کو ہم عاصیوں پہ اُن کے کرم کی نگاہ ہے
محشر میں سرخرو تجھے فرمائیں گے حضور کچھ غم نہ کر حسنؔ تو اگر رُوسیاہ ہے

☆

زبانِ حال سے گویا ہے بے ثباتی دہر
فنا ہے سب کے لیے ایک رہے گا باقی تُو

ذیل کے اشعار میں بھی خیالات میں ندرت ہے:

ہنس کے بولے گلہ معالم تنہائی پر
ایک عالم میں انہیں شکوۂ تنہائی ہے

اپنے کوچے میں مری لاش پڑی رہنے دے
آج مدت میں مجھے چین کی نیند آئی ہے

اپنے در پر بھی وہ آنے نہیں دیتا مجھ کو
جس نے رہنے کو مرے دل میں جگہ پائی ہے
یا مرا دل مری آنکھیں ہیں جگہ سے خارج
یا یہ مشہور غلط ہے کہ وہ ہرجائی ہے

ایک اورغزل میں نوادراتِ تخیل دیکھئے:

وہ جنت تھی کہ جس سے جیتے جی آدم نکل آئے
ہمارا تو جنازہ بھی نہ نکلے کوئے جاناں سے
الٰہی خونِ بسمل سے ہو رنگیں دامن قاتل
وہ یوں مقتل سے نکلے جیسے گل نکلے گلستاں سے
ملے ہمدردیوں سے اَوج پستوں کو بلندوں پر
کہ آنسو پونچھنے میں دامن اُونچا ہو گریباں سے

ایسے ہی اور چند اشعار سنیے:

اس مے میں سوزِ دل سے ہے لطف کباب بھی
بوتل دبی ہوئی مری آغوش کی پیو

☆

فرشتو! گلشن فردوس میں نہ لے جاؤ — اسی گلی میں مجھے پائمال رہنے دو

☆

دل نہ دینے میں مجھ سے یہ رنجش — دل مرا کب ہے آپ ہی کا ہے

☆

کیا دل کو تصدق جان کر ابروئے جاناں پر
کتابِ عقل رکھ دی ہم نے قصداً طاق نسیاں پر

☆

اَبرو کی اک اَدا سے ہو ٹکڑے دل و جگر
تیر و تفنگ سے بڑھ کے یہ ظالم کمان ہے

☆

داغی ہے ماہ، مہر کو خوف زوال ہے　　بے نقص ہے اگر تو تمہارا جمال ہے

حسن بیان:

زبان بامحاورہ، الفاظ مناسب اور بندش چست ہوتو شعر میں جان پڑ جاتی ہے۔ سامع کا ذہن متاثر ہوتا ہے اور وہ بے اختیار داد دیتا ہے۔ موزوں اور مناسب الفاظ اور محاورات بیان میں حسن اور زور پیدا کرتے ہیں۔ کلام فصیح وبلیغ کی یہی نشانی ہے مولانا کے اُستاد فصیح الملک تھے زبان اور محاورات کے بادشاہ تھے مولانا حسنؔ کا کلام بھی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر ہے۔ تخیل سے شعر میں معنوی خوبیاں اور موزوں اور مناسب الفاظ سے ظاہری حسن پیدا ہوتا ہے حضرت حسنؔ کا کلام دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے دلکش اور لطف انگیز ہے مرزا غالبؔ نے کہا تھا:

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی　　منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

حضرت حسنؔ کہتے ہیں:

تم چھپ گئے تو رازِ محبت نہ چھپ سکا　　پردہ تمہارا عاشقوں کا پردہ در ہوا

مرزا غالب کا ایک اور شعر ہے:

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پہ رونق　　وہ سمجھے کہ بیمار کا حال اچھا ہے

عیشؔ فیروز پوری کا شعر ہے:

جاں بلب گو وہ مجھے دیکھ رہے ہیں پھر بھی
بد گمانی یہی کہتی ہے کہ حال اچھا ہے

حضرت حسنؔ بریلوی کا شعر ہے:

شادیٔ دید نے مجبوب کیا ہے کیا کیا　　وہ عیادت کو جب آئے مجھے اچھا دیکھا

غالبؔ کا ایک اور شعر ہے:

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا　　　درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

پھر دوسری جگہ کہا:

رَنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رَنج　　　مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

حضرت حسنؔ نے کہا:

رحم آ ہی جائے گا اُن کو دل بیمار پر　　　درد بڑھتے بڑھتے آخر کو دوا ہو جائے گا

مومنؔ کا ایک شعر ہے:

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

حضرت حسنؔ بریلوی کہتے ہیں:

درِ دشمن پہ لے جاتا ہے ہر روز　　　ستم کرتا ہے تیرا نقش پا کیا

رسؔا رام پوری کا شعر ہے:

دیکھیں تو اُس کی راہ میں مٹتا ہے پہلے کون
بیٹھے ہیں شرط باندھ کے ہر نقش پا سے ہم

حسنؔ کہتے ہیں:

نقش پا سے شرط بد کر بیٹھے ہیں　　　مٹ کے اُٹھیں گے تمہارے در سے ہم

حضرت حسنؔ بریلوی نے ''نقش پا'' کا مضمون اور بھی کئی اشعار میں باندھا ہے مثلاً

ہوگیا خاکِ نقش پا کی طرح　　　اُن کے قدموں سے میں جدا ہو کر

☆

آپ کے نقش قدم کو خاک سے کیوں ربط ہے
دل کا ٹکڑا کیوں نہ ہو آنکھوں کا تارا کیوں نہ ہو

مرے سر رکھتے ہو الزام اس کوچے میں جانے کا
تمہارا نقش پا کوئے عدو میں رہ نما کیوں ہو

کوئے اغیار کے رستے سے میں کب واقف تھا
رہبری آپ کے نقش کف پا کرتے ہیں

کہتا ہے یہ ہر نقش قدم یار کا مجھ سے
چل غیر کے گھر تک میں ترا رہ نما ہوں

سرگشتہ جستجو میں پھرا ہوں کہاں کہاں
کیا چال دے گئے ہیں مجھے نقش پائے دوست

مندرجہ ذیل غزلوں میں حسن بیان کا لطف دیکھئے:

چمکتے گال تیرے اُن میں لطف رنگینی
یہ آئینے کے ہیں آئینے اور پھول کے پھول

نسیم چلتی ہے آیا ہے جھوم جھوم کے اَبر
بہار گاتے ہیں شاخوں پہ جھول جھول کے پھول

ہمارا نخل تمنا بھی بید مجنوں ہے
کہ پھل تو پھل نہ کبھی آئے اس میں بُھول کے پھول

☆

چشم بد دُور عجب آنکھ ہے ماشاء اللہ
سجدے جھک جھک کے غزالانِ حرم کرتے ہیں

اُن کو ڈر ہے کہ نہ محشر میں ہو یہ دامن گیر
ذبح سے پہلے وہ ہاتھوں کو قلم کرتے ہیں

☆

یہ کیوں کہوں اَغیار بُرے ہیں میں بھلا ہوں
سودا تو نہیں مجھ سے جو میں ان سے بُرا ہوں

مشہور ہے جو دوست کا ہے دوست وہ ہے دوست
جی میں ہے کہ اب میں کسی دشمن ہی کو چاہوں

مرزا غالبؔ کا شعر ہے:

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دُکھتے ہیں آج اُس بت نازک بدن کے پاؤں

حسنؔ نے کہا:

انھوں نے خواب میں بھی آنے سے اُٹھایا ہاتھ
بُرا کیا جو کہا میں نے نازنیں تم ہو

صنعت تواتر یا تقسیم:

بعض فنّی صنعتوں سے شاعر کے حسن بیان میں زیادہ دل کشی پیدا ہو جاتی ہے یہ سب الفاظ ہی کے مناسب اور موزوں استعمال کا کرشمہ ہے۔ حسنؔ بریلوی نے صنعت تقسیم یا صنعت تواتر کا بہت استعمال کیا ہے، اس طرح اُن کے اشعار میں زیادہ زور اور لطف پیدا ہو گیا ہے، ایسے چند اشعار حاضر ہیں:

تبسم لب پہ، ڈھیلا ہاتھ، خنجر کند، منہ پھیرے
بڑی بے دردیوں سے کاٹتے ہو میری گردن کو

کیوں ہوں یہ رُسوائیاں گر آپ ہرجائی نہ ہوں
خاک بر سر، آہ بر لب اور بدر کوئی نہ ہو

ابھی تو جاں بہ لب ہوں مردہ دل ہوں نیم بسمل ہوں
تیرے کشتوں میں شامل ہوں تو میں زندوں میں داخل ہوں

جدائی بے کسی دل ٹکڑے ٹکڑے جان آنکھوں میں
تیرے نزدیک کیا اب بھی میں دُکھ دینے کے قابل ہوں

دشمن عزیز بخت عدو چرخ بر خلاف
اُٹھ کر میں تیرے دَر سے کہیں کا رہا نہیں

آشیاں اُجڑا خزاں آئی قفس میں پر نُچے
ہائے اب کس کے لئے رکھیں رِہائی سے غرض

پروانوں میں چراغ ستاروں میں آفتاب
گل بلبلوں میں ذرّوں میں ہے یادِ آفتاب

گل فسردہ شمع سوزاں مہر و مہ آوارہ گرد
اے دِلوں میں رہنے والے تجھ سے اچھا کون ہے

بزم جاناں، ساغرِ مے، نغمۂ نَے، فصلِ گل
اے حسنؔ جاتے تو ہو پر دل کو سمجھائے ہوئے

آئینہ طوماریوں میں چکوروں میں ماہتاب
گلشن میں پھول بزم میں ہے روئے یار شمع

مندرجہ ذیل اشعار بھی حسن بیاں کا اعلیٰ نمونہ ہیں:

قسمت نے کامیابی کے رستے کئے تھے بند
میرے خیال میں چلے آئے کدھر سے آپ

☆

مل جائے گا پتا دل گم گشتہ کا یہیں چھن جائے خاک کوئے محبت کسی طرح

☆

خاک ڈالے سلطنت پر خاک ڈالے تاج پر
کوچۂ جاناں میں ہو جس کو گدائی سے غرض

☆

جان لینی ہے تو حاضر ہے مگر یہ جان لو جاں ستانی لائق شان مسیحائی نہیں

☆

ادب عشق اگر ہاتھ نہ رکھ دے منہ پر چٹکیاں لے جو کلیجے میں وہ فریاد کریں

☆

سمجھ رکھا ہے کہ جیتا ہے دیکھ کر مجھ کو　　غلط کہ شرم سے اپنا وہ منہ چھپاتے ہیں

☆

پہاڑ چیخ اُٹھے سن کے نالۂ عاشق　　پر ان بتوں ہی سے ملتا ہمیں جواب نہیں

☆

ہمیں تو اپنی کہانی انہیں سنانی تھی　　وہ اعتبار کریں یا نہ اعتبار کریں

مرزا غالب کا شعر ہے:

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اُس قاتل کا خنجر تیز ہے

حسنؔ بریلوی نے کہا:

آج برسوں میں نظر آئی ہے اُس کی صورت
دم تو لینے دے ذرا خنجر قاتل مجھ کو

پھر کہتے ہیں:

نشانہ تیر نظر کا بناؤ دل کو مگر　　اُٹھا کے پردہ ذرا دیکھ لو یہیں تم ہو

☆

روشن اگر کرو نہ میرا گھر تو مجھ کو کیا　　تم چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو

☆

منزل ہے دُور پاؤں میں رعشہ ہے دل ضعیف
للہ کوئی ہاتھ پکڑتا ہے کہ ہم چلے

☆

وہ دل یوں لے گئے ہم سے کہ گویا　　اُٹھا لائے تھے ہم اُن کے یہاں سے

☆

گلشن خلد کیا بات ہے کیا کہنا ہے
پر ہمیں تیرے ہی کوچے میں پڑے رہنا ہے

☆

سزا دیکھو تو کوئی حد نہ پاؤ جورِ بے جا کی
خطا پوچھو تو صرف اتنی کہ تم ہم پر فدا کیوں ہو

☆

خوب تعظیم میں کانٹوں نے لئے سر پہ قدم
جوشِ وحشت میں جو ہم جانب صحرا آئے

☆

پھل ہیں تیغوں کے پھول زخموں کے　　رنگ پر گلشن شہادت ہے
اے چارہ ساز دردِ جدائی ہے لاعلاج　　جو درد لاعلاج ہو پھر اُس کا کیا علاج

☆

مجھ کو دیکھا ہے کنکھیوں سے تو منہ پھیریں نہ آپ
کوئی ساعت اور ان چھریوں کو چلنے دیجئے

محاورات:

مناسب اور موزوں الفاظ اور محاورات کے برمحل استعمال سے زبان میں حسن، زور اور مٹھاس پیدا ہوتی ہے اور شعر دل آویز ہو جاتا ہے۔ اُستاد ذوقؔ کے بعد مرزا داغ کی زبان محاورے کی جان ہے۔ حسنؔ نے بھی محاورات کا برمحل استعمال کر کے اپنے اشعار کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔ چند مثالیں حاضر ہیں، بعض اشعار میں دو دو تین تین محاورات ہیں:

کالے کوسوں حسنؔ اُس زلف کا سودا لے جائے
پاؤں پڑ پڑ کے نہ روکے جو سلاسل مجھ کو

☆

جگر کا درد وہ کچھ بے قراری دل کی ایسی کچھ
اگر اب بھی نہ پوچھا کس مرض کی پھر دَوا تم ہو

☆

ہو کر غبار اُن کی گلی میں اُڑا کروں مٹی میں مل کے کیوں میری مٹی خراب ہو

☆

اُس شعلہ خو سے قطع تعلق کریں گے آج دل کی لگی کو آگ لگانے کو ہم چلے

☆

آہیں لب پر، آرزوئیں دل میں، یوں اُس دَر پہ ہم
بیٹھے ہیں دُھونی رُمائے، چھاوَنی چھائے ہوئے

☆

کیا کہوں دردِ جدائی کی مصیبت اے موت تیرے آنے سے مری جان میں جان آئی ہے

☆

آنکھیں ہمیں دکھاؤ کہ آنکھیں نکال لو اب تو تمہارے طالب دیدار ہو گئے

☆

نہیں نیرنگیاں معشوق کی عشاق پر مخفی
اگر گل پتے پتے ہے تو بلبل ڈالی ڈالی ہے

☆

سینے کے آبلے جو بڑھے لا سکا نہ تاب آخر کو تنگ آ کے گریباں نکل گیا

☆

آبلے سینے کے اب بڑھنے لگے پھر گریباں کیوں نہ سل سل کر چلے

☆

ہے الگ گوہر تاثیر سے رونا اپنا آج پھر سُوکھی سنانے کو ہے دریا اپنا

☆

سنا ہے آنکھ کا لگنا ہے نیند کا آنا یہ کیسی آنکھ لگی ایک دم کو خواب نہیں

☆

وہ ہم سے کچھ کھنچنے لگے ہم اُن سے کچھ رُکنے لگے
غماز ظالم کہہ گیا کچھ اِس طرف کچھ اُس طرف

☆

اب اُس نگاہِ ناز کی آنکھیں ہی اَور ہیں　　اے یاس چین کر تُو دل بے قرار میں

☆

ہمارے زخم للچائی ہوئی آنکھوں سے تکتے ہیں
خدا جانے انہیں میٹھا ہے کیا ایسے نمک داں میں

☆

بتانِ حیلہ جُو قابو سے جو باہر نکلتے ہیں
یہ دم دے کر نکلنے والے دم لے کر نکلتے ہیں

☆

کیوں کہوں میرے لئے شربت دیدار نہیں　　اِتنا میٹھا تو مجھے یہ دل بیمار نہیں

☆

ہمیں تو قتل ہی ہونا ہے یاں وہ دم چرا جائیں
تیرے خنجر کو جو چلتا ہوا فقرہ سمجھتے ہیں

لیا تو بوسہ لڑ بھڑ کر بَلا سے جان دی دل نے
ہم اس کام آنے کو بھی کام آ جانا سمجھتے ہیں

ہزاروں باتیں سننے پر نہ نکلی آدھی بات اس سے
لب خاموش کو ہم بات کا پورا سمجھتے ہیں

رِعایات لفظی:

اُستاد ذوقؔ کے بعد لفظی رِعایات میں بھی مرزا داؔغ کا پایہ بہت بلند ہے ایسی رعایت لفظی شعر کے لئے مناسب نہیں جسے ''ضلع جگت'' کہتے ہیں بعض لکھنوی شعراء نے عمر بھر ضلع جگت کے سوا کچھ نہیں لکھا۔ ان میں امانتؔ لکھنوی پیش پیش ہیں لفظی رِعایتیں ایسی ہونی چاہئیں جن سے شعر میں لطف پیدا ہو ایسی رِعایات کو اہل فن نے ''صنعت مراعات النظیر'' کہا ہے۔ ذوقؔ کے بعد داؔغ کے کلام میں یہ صنعت عام پائی جاتی ہے۔

داغ کہتا ہے:

میری وحشت سے جو اُس کا دل حیراں اُلٹا　　بخیہ گر سینے لگا چاک گریباں اُلٹا

''دل'' کے ساتھ ''سینے'' کی رِعایت اور ''وحشت'' کے ساتھ ''چاکِ گریباں'' اور ''بخیہ گر'' کی رِعایت قابل داد ہے۔ لفظی رِعایت سے حسنؔ بریلوی نے بیشتر اشعار میں بلا کی دل کشی پیدا کی ہے۔ چند اشعار درج کرتا ہوں:

لکھا ہے روزِ عید در قتل گاہ پر　　قرب اُس کے واسطے ہے جو قربان ہوگیا

☆

پھرے دشمن سے وہ بت رام ہو کر اے تیری قدرت
اَدا بندے سے شکر حق تعالیٰ ہو نہیں سکتا

☆

سخت باتیں سن کے دل کچھ چپکے چپکے کہہ گیا
پی گیا شیشہ ہمارا اُس کے پتھر کا جواب

☆

رُک رُک کے پردۂ رُخِ روشن اُٹھائیے　　گر جائے چرخ کھا کے نہ اے یار آفتاب

☆

دستگیری کی جو تُو نے لغزش مستانہ آج　　آہی پہنچے گرتے پڑتے تا دَرِ میخانہ آج

☆

جینے نہ دے گی زلف کی اُلفت کسی طرح　　ٹل جائے مرے سر سے یہ آفت کسی طرح

☆

شب فرقت بھی ہے کیا روزِ قیامت یا ربّ　　کیوں نہیں ہوتی مری رات سحر کیا باعث

☆

لہو کے ساتھ لذت درد کی بھی نکلی جاتی ہے　　اور زخم جگر جلاد تیغا ہو نہیں سکتی

☆

خط بھی نہ آئے آپ کا اور آپ بھی نہ آئیں وہ ابتدائے خط ہے تو یہ انتہائے خط

(ایک خط کا مطلب ''رِیش'' اور دوسرے کا ''مکتوب'' ہے)

شاید جب اُن کے مصحف عارِض پہ آئے خط تفسیر بن کے ہم کو یہ سورت پڑھائے خط

☆

چاہ اس بحر لطافت کی ہے دل میں موجزن
ایک کوزے میں لئے بیٹھے ہیں دریائے عشق

☆

گلے میں ہار پہنتا ہے جب میرا گل رو
نہال ہوتے ہیں کیا کیا خوشی سے پھول کے پھول

دل فسردہ کو کیوں خار دیتے ہیں کہہ دو
نہ کھلکھلا کے ہنسیں تربتِ ملول کے پھول

☆

ایک عندلیب کیا ہے میں کہہ دوں ہزار میں
بس ایک تو ہی پھول ہے ساری بہار میں

(ہزار کی رعایت ایک کے ساتھ بھی اور عندلیب کے ساتھ بھی)

اب اُس نگاہِ ناز کی آنکھیں ہی وہ نہیں اے یاس چین کر تُو دل بے قرار میں

تجھ سے گلے ملے تو مہک اتنی بڑھ گئی ہیں ہار جیت میں گل فردوس ہار میں

(رعایت ہار جیت میں ہے)

مرزا غالب کا شعر ہے:

نکوہش مانع بے ربطیٔ شور جنوں آئے
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

حسنؔ بریلوی نے کہا:

ہنسے وہ مری وحشت پر تو وحشت سے ہوئی نفرت
کیا ہے خندۂ دنداں نما نے بخیہ داماں میں

☆

قیامت تک دل مضطر کو اپنے کل نہ آئے گی
اسے بھی ہم تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں
کیا پردہ جو چشم شوق میں حسرت نظر آئی
زبان حال کی باتوں کو وہ گویا سمجھتے ہیں

☆

ہم خاک ہو گئے ہیں فقط اس اُمید پر شاید کبھی وہ نقش قدم دستیاب ہو
بے مہریوں سے تم نے تو اندھیرا کر دیا ہم نے سنا تھا مہر میں تم آفتاب ہو

☆

کیوں ترس آتا نہیں ترسے ہوؤں کے حال پر
اے بت ترسا خدا ناترس ترساتے ہوئے

☆

خاک ساروں کی آبرو ڈوبی یا خدا خاک میں یہ چاہ ملے

محاورات اور رِعایات لفظی کی بیشتر مثالیں ان اشعار میں بھی ہیں جو اوپر شوخی، طنز، حسن تخیل وغیرہ کے ذکر میں درج ہو چکے ہیں۔

لفظی تقدم و تاخر:

حسنؔ بریلوی نے بعض اشعار میں لفظوں کے ہیر پھیر یا تقدم و تاخر سے دل کشی پیدا کی ہے:

یاد کرنا تو بھلایا بھول جانا یاد ہے
بھول جانے والے قائل ہوں میں تیری یاد کا

☆

جو اپنا ہو نہیں سکتا وہ اُن کے دل کا پیارا ہے
جو اُن کا ہو نہیں سکتا وہ اپنا ہو نہیں سکتا

☆

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو ہم اگر اُن کو بھولیں تو کسے یاد کریں

☆

ہنسی ہنسی میں کبھی وہ مجھے رُلاتے ہیں
رُلا کے ہنستے ہیں ہنس ہنس کے گدگداتے ہیں

☆

جو میرے پاس سے جاتے ہیں وہ نہیں آتے
وہاں سے یوں تو بہت لوگ آتے جاتے ہیں

☆

وہ نہ آئیں میرے گھر وہ جائیں میرے پاس سے
جذبۂ دل ایسی شام ایسی سحر کوئی نہ ہو

تکرار الفاظ:

مرزا داؔغ کو الفاظ کے تکرار سے مضمون پیدا کرنے میں کمال حاصل تھا ایک غزل میں کہتے ہیں:

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے
سنا ہے کہ آتا ہے سرنامہ بر کا کہاں رہ گیا ارمغاں آتے آتے
چلے آتے ہیں دل میں ارمان لاکھوں مکاں بھر گیا میہماں آتے آتے
نتیجہ نہ نکلا تھکے سب پیامی وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے
قیامت بھی آتی تھی ہمراہ اُس کے مگر رہ گئی ہم عناں آتے آتے
نہیں سہل اے داؔغ یاروں سے کہہ دو کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

حسنؔ بریلوی نے بھی بعض اشعار کو تکرارِ الفاظ سے تیر ونشتر بنا دیا ہے کہتے ہیں:

دل لگانے کی سزا ہم نے جو پائی پائی　　　پیار کرنے کا مزہ دل نے جو دیکھا دیکھا

☆

بزم سے گلشن کو یادِ کوئے جاناں لے چلا
میں گلستاں سے گلستاں کو گلستاں لے چلا

☆

اپنے کوچے سے اُٹھانا ہے تو یوں دلبر اُٹھا　　　مجھ کو دنیا سے اُٹھا کر تُو مرا بستر اُٹھا

☆

کچھ ہے اُن کو تو دل سے مطلب ہے　　　مطلبِ دل سے اُن کو کیا مطلب

☆

نہیں آتا نہیں آتا وہ کسی صورت سے　　　نہیں ملتا نہیں ملتا کوئی چلتا تعویذ

☆

چوٹ جب دل پر لگے فریاد پیدا کیوں نہ ہو　　　ایسے ستم آرا جو ایسا ہو تو ایسا کیوں نہ ہو

☆

جان جائے پر نہ جائیں گے تمہارے کوچے سے
جان جاتی ہے تمہارے کوچے سے جاتے ہوئے

☆

وصل فرقت سے وصل سے فرقت　　　غم زدوں کا یہ وصل و فرقت ہے
دل سلامت ہے تو ہزاروں غم　　　غم نہیں دل اگر سلامت ہے

☆

نہ آیا نہ آئے گا وعدے پہ کوئی　　　نہ نکلی نہ نکلے گی حسرت کسی کی
نہ سویا نہ سوئے گا پہلو میں کوئی　　　نہ جاگی نہ جاگے کی قسمت کسی کی

☆

مرا حال قصداً وہ بُھولے ہوئے ہیں　　　(بواوِ معروف)
وہ بَھولے نہیں ہیں انہیں سب خبر ہے　　　(بواوِ مجہول)

☆

قیامت ہے دلچسپئ دارِ فانی
سفر کا وطن ہے وطن کا سفر ہے

تضادِ الفاظ:

چونکہ حسنؔ کو زباں پر پورا پورا قابو تھا اور الفاظ و محاورات کے مناسب اور برمحل استعمال کی بہت مہارت تھی اس لیے انہوں نے بعض جگہ متضاد الفاظ سے مضمون پیدا کیا ہے اور بعض جگہ تضادِ مضمون سے نیا مضمون اَخذ کیا ہے تضادِ الفاظ استعمال کی مثالیں دیکھئے:

اُلفت زلف نے بچپن ہی سے پھانسا مجھ کو ہوش ہوتے تو میں دیوانہ سمجھ کر ہوتا
ہوتے بے خود تو وہ بت خوب ہی کھل کر ملتا وصل ہو کر جو نہ ہوتا وہ نہ ہو کر ہوتا

مرزا غالبؔ کا شعر ہے:

درد منت کش دَوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

مرزا کا ایک اور شعر ہے:

لو ہم مریض عشق کے تیماردار ہیں اچھا نہ کر سکیں تو مسیحا کا کیا علاج

حضرت حسنؔ نے کہا:

مسیحا ہو بیمارِ غم ہی کے دم تک نہ اچھا کرو گے تو بہتر نہ ہو گا

☆

خودی سے جدا ہو کر وصل خدا ہو نہ ہو کر جو ہو گا وہ ہو کر نہ ہو گا

☆

بزم جلوت میں کبھی یار کو تنہا پایا کنج خلوت میں کبھی انجمن آرا دیکھا

☆

وقت جلوہ شرم و شوخی کی کشاکش کیا کہوں پردۂ روئے صنم اُٹھ کر گرا گر کر اُٹھا

☆

تمہیں حضرت دل کہیں رو نہ بیٹھوں ہنسی تو نہیں مسکرانا کسی کا

☆

تھیں شوخیاں مگر یہ قیامت کبھی نہ تھی
سیدھی طرح سے دیکھئے ترچھی نظر سے آپ

☆

بے قراری کل بھی تھی کل سے زیادہ آج ہے   صبر کا یارا دل بے تاب کو کل تھا نہ آج

☆

وہ بھی ہم سے کھلے ہیں نہ کھلیں   دل کی اُمید بندھائیں کیوں کر

☆

عداوت سے محبت ہے محبت سے عداوت ہے
وہ دشمن دوست کو سمجھے ہوئے ہیں دوست دشمن کو

☆

دل نارِ غم سے پھونکا پانی کیا کلیجہ   اب مجھ پہ خاک ڈالیں برباد کرنے والے

☆

مارِ گیسو کا جسے زہر چڑھا پھر نہ بچا   اُس کے کاٹے کا کسی کو بھی اُتار آتا ہے

☆

جاتا ہوا قرار رُکا جب ٹھہر گئے   آئے حواس جاتے رہے وہ جہاں چلے

تضادِ مضمون سے نیا مضمون اَخذ کرتے ہیں:

اس قدر قتل کرو تم کہ مسیحا ہو جاؤ
جاں ستانی نہیں یہ مشق مسیحائی ہے

☆

بے حجابی سے حشر برپا کر   منہ چھپانا ترا قیامت ہے

☆

اے دردِ عشق اُٹھ کہ مداوائے دل کریں   پرہیز کرتے کرتے تو بیمار ہو گئے
آزاد عاشقی میں گرفتار بند عقل   آزاد ہو گئے جو گرفتار ہو گئے

☆

مقدر پھرے وہ پھریں پھر وہ آئیں ۔۔۔ مگر ہو نہ برگشتہ قسمت کسی کی

☆

تمہاری شانِ عطا نے قوی کیا دل کو ۔۔۔ تمہارے مہر و وفا نے مجھے کیا گستاخ

اُونچا ہو آسمان تیرے دَر سے کس طرح ۔۔۔ ہو جائے آسمان سے کیونکر زمیں بلند

☆

رُوٹھ کر اُن سے ہم کہاں جیتیں ۔۔۔ وہ منا لیتے ہیں خفا ہو کر

☆

پھنس گیا دل تو چھوڑ دو ہم کو ۔۔۔ اب کہاں جائیں گے رِہا ہو کر

☆

دل میں ہجوم یاس ہے اُمید چل بسی ۔۔۔ اتنا بسا یہ قصر کہ ویران ہو گیا

☆

وہ میری موت پر اتنا ہنسے آنسو نکل آئے ۔۔۔ حسنؔ ایسی خوشی سے غم عدو کا ہو نہیں سکتا

☆

پہرہ دیا ہے دولت بیدارِ حسن کا ۔۔۔ سوئے جو وہ بغل میں تو جاگا میرا نصیب

جان اور بے وفائی :

میں نے لڑکپن میں مولانا تاجورؔ نجیب آبادی مرحوم (م 1951) کا یہ شعر سنا تھا:

غیر نے تم کو جاں کہا سمجھے بھی تم کہ کیا کہا ۔۔۔ یعنی کہ بے وفا کہا جان کا اعتبار کیا

حسنؔ بریلوی نے اس مضمون کو بار بار مختلف انداز سے باندھا ہے فرماتے ہیں:

اُنہیں جب جان سمجھیں اہلِ اُلفت ۔۔۔ پھر اُن کی بے وفائی کا گلہ کیا

☆

نقص حبیب میں بھی اَدائے کمال ہے ۔۔۔ وہ بے وفا ہوا تو مری جان ہو گیا

☆

اُس نے جب اپنی جان کہا بھی تو خوش نہ ہو ۔۔۔ تم چشم غیر میں ہوئے بے اعتبار آج

جب اپنی جاں آپ کو سارا جہاں کہے ۔۔۔ کہیے پھر آپ کا ہمیں کیا اعتبار ہو

☆

اعتبار اُن کو تمہارا نہیں یہ مطلب ہے میرے دشمن جو تمہیں جان کہا کرتے ہیں

☆

جان اُن کو کیا کہا جینے کے لالے پڑ گئے
ہائے وہ رکھنے لگے اب بے وفائی سے غرض

☆

کہا جب اُن سے میری زندگی ہو تو کہا ہنس کر
میں سمجھا اب تمہیں میرا بھروسا ہو نہیں سکتا

☆

پہلے وہ میرے دل میں تھے اب بزم غیر میں
سچ کہتے ہیں کہ جان کا کیا اعتبار ہو

☆

انہیں ہم جان سمجھیں اُن کو اپنی زندگی جانیں
خدا جانے پھر ایسوں سے تمنائے وفا کیوں ہے

لفظ ''گم'' کا استعمال:

اساتذہ نے ''گم ہو جائیں'' تو باندھا ہے ''گم جائیں'' کسی اُستاد کے کلام میں کبھی نظر نہیں آیا۔ حسنؔ نے جابہ جا لفظ ''گم'' کا استعمال لفظ ''ہو'' کے بغیر ہی کیا ہے بلکہ ''گم کر دیا'' کی بجائے ''گما دیا'' بھی کہا ہے فرماتے ہیں:

مٹ جائیں جو ہم تیرے سوا اور کو چاہیں
گم جائیں جو ہم اور طرحدار کو چاہیں

زاہد کو کہو اُس کو تنفر ہے خودی سے
گم جائیں دو عالم سے پھر اُس یار کو ڈھونڈیں

☆

بے خودی کا قول ہے گمنے میں ملنا ہے یہاں
ہوش کہتے ہیں کہ ملنا ہو تو گمنا کیوں نہ ہو

اپنی ہستی سدِّ راہِ وصل جاناں ہے حسنؔ
ہم اگر گم جائیں تو پھر اُس سے ملنا کیوں نہ ہو

☆

یوں گموں میں کہ تجھ سے مل جاؤں　　یوں گما اس طرح ملا یا ربّ

☆

رہے تھے کچھ روز زیست کے جو میں بچ رہا زندہ ہم نشینو
وہ اپنی دانست میں تو مجھ کو مٹا چکے ہیں گما چکے ہیں

☆

مجھ سے میں جب تک گما اُن کو پا سکتا نہیں
ڈھونڈ لوں مجھ کو اگر میں اُس سے ملنا کیوں نہ ہو

☆

گما ہے کوچۂ دلدار میں دل گمراہ
گئے ہوئے ہیں وہ خرد و خبر کے لیے

☆

وہ بیٹھیں ہیں شرمائے گما ہے دل عاشق
اس شرم ہی کی آنکھ نہ نیچی ہو کسی سے

☆

اگر میں ڈھونڈ بھی لوں اُن کو تو دل کو گما بیٹھوں
مری مشکل کو آسانی میں بھی اک سخت مشکل ہے

حسنؔ بریلوی کے اُستاد مرزا داغ نے کہیں ’’گم گیا‘‘ نہیں باندھا ’’گم ہوگیا‘‘ ہی باندھا ہے اُن کا مشہور شعر ہے:

میں نے دیکھا اُن کی زلفوں کو تو فرمانے لگے
آپ کا دل کھل پڑا گم ہو گیا جاتا رہا

تیغ کو گلے لگانا:

حضرت حسنؔ بریلوی نے تیغ کو گلے لگانے کا مضمون بھی بار ہا باندھا ہے:

جب جائیں ہاتھ پیار سے ڈالے گلے میں تیغ ۔۔۔ قاتل کہے کہ میں تیرے قربان ہو گیا

☆

تلوار سج گئی بت قاتل کے ہاتھ میں ۔۔۔ بسمل گلے لگا کے کریں کیوں نہ پیار آج

☆

خوش ہوئے تھے ہم تو خنجر گلے سے مل گیا ۔۔۔ کیا خبر تھی یہ بھی دم دے کر جدا ہو جائے گا

☆

باہیں ڈالے گی تیری تیغ مری گردن میں ۔۔۔ آج مقتل میں بڑے لطف کی صحبت ہو گی

☆

جان کا خوف کریں کیوں نہ تڑپ کر بسمل ۔۔۔ تیغ جلاد گلے مل کے جدا ہوتی ہے

☆

اچھا کرم کیا کہ ہمیں ذبح کر گئے ۔۔۔ دم بھر میں شکل تیغ ملے اور جدا ہوئے

خرام اور قیامت:

خرام اور قیامت کا مضمون بھی بار ہا باندھا گیا ہے:

آپ بیٹھے ہیں تو ناوک کی طرح بیٹھے ہیں
دو قدم اُٹھ کے چلیں گے تو قیامت ہو گی

☆

اُف قیامت خرامیاں اُن کی ۔۔۔ محشرستاں ہماری تربت ہے

☆

آیا نہ حشر بھیس میں گر اُس خرام کے ۔۔۔ ہم تو کسی طرح نہ اُٹھیں گے مزار سے

☆

حشر برپا ہو تو ہو میں نہ اُٹھوں گا ہر گز
تیری رفتار سے جب تک نہ قیامت ہو گی

نازکی چال چلو کنج شہیداں میں تم
اُٹھ چلے قبر سے مُردے تو قیامت ہو گی

☆

کوئی قیامت آئے کہ دل پائمال ہو کچھ ہو بَلا سے یار دکھا دے خرام آج

☆

اُلٹ جائیں صفیں لاکھوں بَلا سے اُنہیں سیدھی طرح چلنا نہ آئے

جلوہ اور دنیا کی تباہی:

حضرت حسنؔ نے جلوۂ محبوب سے تباہی یا قیامت کے آنے کا مضمون بھی بار بار باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:

وہ اگر بے پردہ ہو جائیں تو ہو عالم تباہ
اُس گلی میں ہو زمانہ اپنے گھر کوئی نہ ہو

☆

گر یہی جلوے ہیں تو عالم ہو ویراں تمام
دیکھ لینا اُس کے کوچے میں ہزاروں گھر ویران

پردہ اُٹھتے ہی گرے غش کھا کے عاشقانِ دید
کیا تماشا ہے کہ اب کوئی تماشائی نہیں

☆

تیرے جلوے ہیں زمانے سے نرالے اے حسیں
تیرے جلووں پر فدا سارا زمانہ کیوں نہ ہو

☆

بے حجابی سے حشر برپا کر　　　منہ چھپانا تیرا قیامت ہے

☆

کچھ قیامت ہے حسن عالم سوز　　　بزم محشر بھی کنج خلوت ہے

زاہد، واعظ اور ناصح:

مرزا داغ نے زاہد، واعظ، ناصح اور محتسب سے بھی بہت چھیڑ چھاڑ کی ہے اور بعض جگہ تو حد سے بڑھ گئے ہیں۔ حسن نے بھی زاہد واعظ اور ناصح کو بارہا چھیڑا ہے مگر حدِّ اخلاق یا حدِّ ادب سے آگے نہیں بڑھے۔ متانت سے بات کی ہے چند مثالیں حاضر ہیں:

دیوانگانِ عشق کی تقصیر ہو معاف　　　ناصح کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے

☆

ناصح ستم یار سے کیا خوف دلانا　　　گر جور اُٹھانے ہی کی نیت ہو کسی کی

☆

ناصحو سچ ہے قیامت ہے محبت کا عذاب
اس کو تم کیا کہتے ہو ہم سے ہمیں کہنے کو تھے

☆

تیرے بس میں زباں نہیں ناصح　　　میرے بس میں میری طبیعت ہے

☆

وحشت عشق میں ناصح سے میں اُلجھوں تو معاف
اس مصیبت میں کہیں عقل بجا ہوتی ہے

☆

حضرت ناصح نہ رکھئے وقت نالہ منہ پہ ہاتھ　　　اب تو اس کافر کا پتھر دل پگھلنے دیجئے

☆

ناصح مشفق میرا دل میرے نالے آپ کون
دل اگر جلتا ہے نالوں سے تو جلنے دیجئے

☆

اب نظر آتے ہیں زاہد راہ پر آتے ہوئے
تا درِ میخانہ آ جاتے ہیں سمجھاتے ہوئے

☆

توبہ زاہد مے کشی سے توبہ ایسے وقت میں یہ چمن کھلتے ہوئے یہ سبزے لہراتے ہوئے

☆

یہ فصل گل یہ اَبر اور میکدہ قریب ایسے میں آپ حضرتِ زاہد کہاں چلے

☆

جو مٹا دے خودی کو اے زاہد ہم اُسی کو شراب کہتے ہیں

☆

تم اور بچی ہوئی کسی مے نوش کی پیو بہکے ہوئے ہو شیخ ذرا ہوش کی پیو

☆

بادۂ ناب کو ہم رُوح فزا کہتے ہیں اور اے حضرتِ زاہد اسے کیا کہتے ہیں

☆

دَور دَورِ میکشاں ہے شیخ صاحب آج تو ٹوپیوں کے ساتھ پگڑی بھی اُچھلنے دیجئے

☆

قابل تعزیر میکش ہیں جناب محتسب دَور کی تقصیر کیا ہے دَور چلنے دیجئے

☆

مدت سے تم بھٹکتے ہو جس کی تلاش میں مے خانے سے ملی ہوئی زاہد وہ راہ ہے

☆

بہار آئی گھٹا چھائی چھلکے شیشے بھرے ساغر گھڑی بھر کو چلو ہو آئیں زاہد بزم رِنداں میں

☆

ہو گیا زاہد مرید مشرب رِندانہ آج کھول ساقی فی سبیل اللہ کوئی میخانہ آج

چھوٹی زمینیں:

چھوٹی زمینوں میں اچھے شعر نکالنا بہت دشوار ہوتا ہے جن اساتذہ نے چھوٹی زمینوں میں شعر نکالے ہیں وہ مصرعے نہیں تیر ونشتر ہیں۔ چھوٹی زمینوں میں شعریوں کہنا پڑتا ہے جیسے باتیں کرتے ہیں لفظ نہایت آسان ثقیل لفظ یا محاورے کا دُور دُور پتہ نہیں۔ مرزا داؔغ کی چھوٹی زمین کی ایک غزل ہے کہتے ہیں:

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا — وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا
ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ — مقدر بہت نا رَسا ہے کسی کا
مری التجا پر بگڑ کر وہ بولے — نہیں مانتے اس میں کیا ہے کسی کا
بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے — تجھے داؔغ دل جانتا ہے کسی کا

حسنؔ بریلوی نے بھی چھوٹی زمینوں میں بہت سی غزلیں کہی ہیں جن کی زبان سادہ، سہل، رَواں اور شگفتہ ہے۔ یوں ہے جیسے بے تکلف باتیں کر رہے ہیں یا زبان سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ میں ذیل میں چند ایسی غزلوں کا انتخاب درج کرتا ہوں ان میں اُن کے کلام کی وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جن کا ذکر پہلے فرداً فرداً کیا جاچکا ہے۔

(۱)

تمہیں ٹھوکر لگانے سے مطلب — میں ہوا یا مرا مزار ہوا
آنکھ وہ ہے جو اَشک بار رہی — دل وہی ہے جو بے قرار ہوا
مشک کی کس سے چھپ سکی خوشبو — عشق کا کون پردہ دار ہوا
دست وحشت نے پھر نکالے پاؤں — سر پہ اب پھر جنوں سوار ہوا

(۲)

جب مرا مہر جلوہ گر ہو گا — دوپہر ہو گا جو پہر ہو گا

مر گیا کون کچھ خبر بھی ہے | کوئی تم سا بھی بے خبر ہو گا
کس سے کی جائے داد کی اُمید | سب اُدھر ہوں گے وہ جدھر ہو گا
بھر دیے دشمنوں نے کان اُن کے | نالہ اب خاک کارگر ہو گا

(۳)

اُن کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا | دیکھ دیکھا نہیں دیکھا جاتا
اُسے کیا آنکھ اُٹھا کر دیکھیں | جس کا سایہ نہیں دیکھا جاتا
آہ پہلو سے وہی جاتے ہیں | جنہیں جاتا نہیں دیکھا جاتا
اُلفت اُن کی نہیں چھوڑی جاتی | حال دل کا نہیں دیکھا جاتا

(۴)

کیوں شکوہ کروں جفا کا | اللہ برا کرے وفا کا
دل نوچ کے کیوں نظر چرا لی | کچھ حق تو اَدا کرو اَدا کا
جا بیٹھے ہیں مجھ سے دُور اُٹھ کر | کیا پاس کیا ہے اِلتجا کا
بولے وہ حسنؔ کا خون مَل کر | کیا شوخ ہے رنگ اِس حنا کا

(۵)

چھپ گیا یار خود نما ہو کر | رہ گئی چشم شوق وَا ہو کر
فخر کی جا ہے بزم دشمن ہے | نکلے ہم اُن کا مدعا ہو کر
نام زندہ ہے مرنے والوں کا | جی گئے کشتۂ اَدا ہو کر
ہم غریبوں سے لعل لب تیرے | ستے چھوٹے گراں بہا ہو کر
صدر محشر ہے نالۂ بلبل | گوش گل کیوں نہ اے صبا ہو کر

(۶)

دردِ دل لب پہ نہ لائیں کیونکر / جب چھپو تم تو چھپائیں کیونکر
ہم کہاں لذت دیدار کہاں / ناتواں حشر اُٹھائیں کیونکر
جب نزاکت نے قدم پکڑے ہوں / پھر مرے بس میں آئیں وہ کیونکر

(۷)

کہا یوں ہی ملتے ہیں ملنے والے / دوست اَغیار ہیں، اَغیار عزیز
حسن کو عشق سے پردہ مجبوب / عشق کو حسن کا دیدار عزیز
زندگی یہ ہے کہ اُن پر مر جائیں / زندگی ہے ہمیں بے کار عزیز

(۸)

ستائیں بت، میں خوش، مرا خدا خوش / خوشی اُن کی اگر اب بھی ہو ناخوش
شبیہ یار سے میں کہہ رہا ہوں / کہو تو تم خفا ہو ہم سے یا خوش
تمہیں تو نذر میں ہم نے دیا دل / ہمیں بھی تم نے صاحب کچھ کیا خوش
وہی مری خوشی جس میں وہ خوش ہوں / خدا خوش رکھے وہ اب بھی ہیں ناخوش

(۹)

مل گیا دل نکل گیا مطلب / آپ کو اب کسی سے کیا مطلب
حسن کا رُعب، ضبط کی گرمی / دل میں گھٹ گھٹ کے رہ گیا مطلب
اپنے مطلب کے آشنا ہو تم / سچ ہے تم کو کسی سے کیا مطلب
آتش شوق اور بھڑکا دی / منہ چھپانے کا کھل گیا مطلب
اُن کی باتیں ہیں کتنی پہلو دار / سب سمجھ لیں جدا جدا مطلب

(۱۰)

موت بھی کیا جانے کچھ بیمار ہے
کیوں نہیں آتی تیرے بیمار تک

ہو جو وہ بے پردہ روشن ہوا بھی
دل تو دل دل کے چھپے اَسرار تک

یاد رکھ ظالم کہ ہے قدر ستم
میرے دل تک مری جان زار تک

ہم ہیں وہ برگشتہ قسمت قاتلو
تم تو کیا منہ پھیر لے تلوار تک

(۱۱)

آئے تھے کیا جانے کیا حسرت لیے
پھر چلے محروم تیرے دَر سے ہم

☆

حسن بریلوی کی مثنویات

اُردو مثنویات حسن رضا خان بریلوی [1]

''مثنوی'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے، دو دو والا۔ دراصل مثنوی اُردو نظم کی وہ قسم ہے جس میں کوئی مسلسل بات بیان کی جاتی ہے۔ مثنوی میں ہر شعر کا قافیہ جدا لیکن ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اساتذۂ فن نے مثنوی کے اشعار کی تعداد مقرر نہیں کی ہے۔ شعرائے اُردو میں یہ صنف بڑی مقبول رہی ہے۔ اس میں بھی بحروں اور فارسی قواعدِ نظم کی پابندی کی جاتی ہے۔ غزل اور قصیدے کی طرح مثنوی کے تمام اشعار بھی ہم وزن ہوتے ہیں لیکن غزل اور قصیدے کے برعکس مثنوی ہر وزن میں نہیں کہی جا سکتی۔ اُردو اساتذہ نے اس کے لیے سات بحریں مقرر کر دی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزی شاعری کی دو مشہور اصناف ایپک (EPIC) اور ڈراما (DRAMA) کے مقابل اُردو میں صنف مثنوی ہے۔

نامور ناقد اور ''تاریخ ادب اُردو'' کے مؤلف رام بابو سکسینہ (۱۸۹۶ء۔۱۹۵۷ء) اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ انگریزی کی مذکورہ اصناف اور مثنوی میں فرق کے قائل ہیں۔ فنّی حیثیت سے مثنوی میں کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے لیکن مغربی ناقدین کی مثنوی سے متعلق رائے یوں ہے: مثنوی یا بیانیہ نظموں میں نفس قصہ دوسرے درجے پر اور الفاظ کے ماتحت ہوتا ہے۔ [یعنی شاعر کی توجہ قصے کی تفصیلات سے زیادہ شوکتِ الفاظ پر ہوتی ہے] میر حسنؔ (۱۷۲۷ء۔۱۷۸۶ء) کی ''سحر البیان''، دیا شنکر نسیمؔ (۱۸۱۱ء۔۱۸۴۵ء) کی ''گلزارِ نسیم''، مومنؔ (۱۸۰۰ء۔۱۸۵۱ء) کی ''جہاد''، نواب مرزا شوقؔ کی ''فریبِ عشق''، ''بہارِ عشق''، اور ''زہرِ عشق''، محسنؔ

---

[1] حضرت حسنؔ بریلوی کی اُردو مثنویات بارے یہ تحقیقی مقالہ ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری (جی سی یونیورسٹی، لاہور) نے راقم کی فرمائش پر تحریر فرمایا، اور پیشِ نظر کتاب میں پہلی مرتبہ شائع ہو رہا ہے۔ ثاقب قادری

کاکوروی کی ''صبحِ تجلی''، ''چراغِ کعبہ'' اور ''شفاعت ونجات'' اُردو ادب کی مشہور مثنویاں ہیں۔

''مثنوی'' عربی زبان کا لفظ ہے لیکن اس صنف کا آغاز فارسی شعرا نے کیا۔ فارسی شعرا کے موضوعات عشق ومحبت، جنگ و پیکار، تاریخِ ملی، فلسفہ وتصوف اور دین واخلاق تھے۔ اُردو میں زیادہ تر عشقیہ مثنویاں ہی لکھی گئیں۔ مُلّا وجہیؔ (۱۶۵۹ء) کی ''قطبِ مشتری''، سراج اورنگ آبادی (۱۷۱۲۔۱۷۶۴ء) کی ''بوستانِ خیال''، میر تقی میرؔ (۱۷۲۳۔۱۸۱۰ء) کی ''دریائے عشق''، میر حسنؔ کی ''سحرالبیان''، میر اثرؔ کی ''خواب وخیال''، مصحفیؔ (۱۷۴۸۔۱۸۲۴ء) کی ''بحر المحبت''، دیا شنکر نسیمؔ کی ''گلزارِ نسیم''، قلق لکھنوی کی ''طلسمِ اُلفت''، نواب مرزا شوق کی ''زہرِ عشق'' اور داغ دہلوی (۱۸۳۱۔۱۹۰۵ء) کی ''فریادِ داغ''، سب عشقیہ مثنویاں ہیں۔ اُردو شعرا میں محسن کاکوروی نے ''صبحِ تجلی''، ''چراغِ کعبہ'' اور ''شفاعت ونجات''، جیسی نعتیہ مثنویاں لکھ کر دین و اخلاق کے موضوعات بیان کئے تو حضرت حسنؔ بریلوی (۱۸۵۹۔۱۹۰۸ء) نے اس روایت کو، عرضِ سلام بدرگاہِ خیر الانام ﷺ، مثنوی در ذکرِ ولادت شریف حضور سرورِ عالم ﷺ، مثنویِ ناتمام، نعت شریف کے اشعار جاتے رہے، مثنوی وسائل بخشش، مثنوی فارسی صمصام حسن نیز فارسی کلام ''قند پارسی'' میں شامل کچھ (چھے) مثنویاں، متفرق (چار) مثنویاں لکھ کر اس سلسلۂ خیر کو آگے بڑھایا۔

عرضِ سلام بدرگاہِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ۴۲/ اشعار پر مشتمل ایک محبت بھری مثنوی ہے۔ خالق دو جہاں کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

''اللہ اور اُس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو''

قرآن حکیم کے اس حکم کے تحت درودِ محمدی اور درودِ ابراہیمی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود نبی کریم ﷺ نے اُمت کو سکھائے۔ ہر دعا سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا دورِ نبوت سے ہی

اُمتِ محمدیہ کا معمول رہا ہے۔دَورِ صحابہ میں دعا کی ایک صورت ''اِستغاثہ'' سامنے آئی تو اوّل آخر درود بر سیّدِ خیر الانام اس کا بھی حصہ رہا۔ یہ بات زبان زدِ عام ہے کہ قرونِ اولیٰ کے بعد اُمتِ مسلمہ کا اسلامی عقائد، عبادات، قرآن کریم، حدیث وسنت بلکہ بحیثیتِ مجموعی دین کے ساتھ تعلق بھی کم زور ہوا لیکن نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کی چاشنی کبھی کم نہ ہوسکی۔ وقت کے بہتے دریا میں قصیدہ، نعت، درود، سلام اور استغاثہ باہم جیسے شیر وشکر یا یک جان پنج قالب ہو گئے۔ قصیدہ بردہ میں شاعر کی زبان پر نعت کہتے ہوئے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

هو الحبيب الذی ترجیٰ شفاعته　　لکل هول من الاهوالِ مقتحم
آپ ہیں محبوبِ حق اور شافعِ روزِ جزا　　ناگہانی آفتوں میں آپ کا ہے آسرا

خواجہ الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۴ء) اگرچہ سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) جیسے جدّت پسند کے اَفکار سے متاثر تھے لیکن ''عرضِ حال'' میں وہ بھی یوں گویا ہوتے ہیں:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے　　اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
اے چشمۂ رحمت بِأَبِی انتَ وَ اُمّی　　دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے
کر حق سے دعا اُمتِ مرحوم کے حق میں　　خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے

صرف برصغیر میں نہیں بلکہ دنیا بھر کے اُردو تکلم سے وابستہ لوگوں میں جس نعتیہ سلام کو عدیم النظیر مقبولیت حاصل ہوئی وہ امام احمد رضا بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کا حاصل فکر کلام ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس سلام کی زمین، وزن، بحر اور الفاظ کی ایسی دُھوم مچی کہ گزری صدی میں ہر نعت گو نے اس سلام کے تتبع کو اپنی شان جانا ہے۔ حضرتِ حسنؔ رضا بھی اس کلام سے بجا طور پر متاثر ہوئے لیکن آپ نے یہ الگ راہ نکالی کہ سلامِ احمد رضا قصیدہ یا غزل کی ہیئت میں ہے لیکن حسنؔ رضا نے اپنا سلام بدرگاہِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام مثنوی کی صورت میں پیش کیا ہے۔

السّلام اے خسروِ دنیا و دیں　　السّلام اے راحتِ جانِ حزیں،

سے شروع ہونے والی اس مثنوی میں شاعر اُس مسافر کا حال بیان کر رہا ہے جس کی جان رنجور، منزل دُور اور غروبِ آفتاب کا وقت قریب آن پہنچا ہے:

مغربی گوشوں میں پھوٹی ہے شفق زردیٔ خورشید سے ہے رنگ فق

شاعر خود کو رسول کریم ﷺ کا بے دام غلام، سچا پیروکار اور ادنیٰ اُمتی ظاہر کرنے کے لیے ''خانہ زاد'' کے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ خانہ زاد اور وہ بھی سید المرسلین کا اس تعلق کی شان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان بلاؤں میں پھنسا ہے خانہ زاد آفتوں میں مبتلا ہے خانہ زاد

مثنوی کے آخری شعر میں حسنؔ رضا کس سادگی، عاجزی، انکساری بلکہ بھولپن سے ایک، دو خواہشات نہیں بلکہ دونوں جہان کی مرادیں مانگ لیتے ہیں۔ دراصل اُن کے لاشعور میں یہ احساس موجود ہے کہ مانگنے والا خانہ زاد اور دینے والی ذات رحمۃ للعالمین ہیں:

کیجیے رحمت حسنؔ پر کیجیے دونوں عالم کی مرادیں دیجیے

''مثنوی در ذکرِ ولادت شریف حضور سرورِ عالم ﷺ'' ۵۵ اشعار کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ بنو سعد بن بکر سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی سواری نکلی تو اس کے پاؤں سے اُڑنے والی گرد کو شاعر ''انوارِ باری'' سے تعبیر کرتا ہے:

وہ اٹھی دیکھ لو گردِ سواری عیاں ہونے لگے انوارِ باری

نبی رحمت ﷺ کے جود وسخا اور زہد و تقویٰ کو حسنؔ رضا ایک ہی شعر میں یوں بیان کرتے ہیں:

یہی ہیں جو عطا فرمائیں دولت کریں خود جَو کی روٹی پر قناعت

اپنا مدعا زبان پر لانے سے پہلے اُستاذِ زمن اُستادانہ چابک دستی سے خود کو تیار کرنے کے لیے کیا خوب انداز اختیار کرتے ہیں:

حسنؔ ہاں مانگ لے جو مانگنا ہو بیاں کر آپ ﷺ سے جو مدعا ہو

حضرت نقی علی خان (۱۸۳۰ء۔۱۸۸۰ء) کا بیٹا اور حضرت احمد رضا خان (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کا ماں

جایہ اپنے خانوادہ کی تربیت کے عین مطابق حرفِ مدعا زبان پر لایا تو کس ادب اور عاجزی سے:

بلا لیجے مدینے میں خدارا　　　نہیں اب ہند میں اپنا گزارا
ہمیشہ تم پہ ہو رحمت خدا کی　　　دعا مقبول ہو مجھ سے گدا کی

''مثنویِ ناتمام'' کے نام سے ۱۷، اشعار کی ایک چھوٹی نظم ہے۔ اس مثنوی کی ساخت، الفاظ اور آغاز و اختتام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسنؔ رضا جیسا قادرُ الکلام شاعر اپنے کسی منظومہ کو یہ عنوان نہیں دے سکتا۔ ''ذوقِ نعت'' چونکہ آپ کی زندگی میں طبع نہ ہوسکی اس لیے مرتبین کو ناتمام لکھی ہوئی یعنی شاعر اسے مکمل نہ کرسکے، موسم یا کسی اور اُفتاد کے باعث آخر سے ناتمام ہو جانے والی مثنوی ملی تو اسے ضائع کرنے کے بجائے ''مثنویِ ناتمام'' کا نام دے کر شامل اشاعت کر دیا۔ اس کا آغاز اس حمدیہ شعر سے ہوتا ہے:

یاربّ تُو ہے سب کا مولا　　　سب سے اعلیٰ سب سے اَولیٰ

جس طرح خالق اَرض وسما نے تصورِ توحید کو سورۃ الاخلاص کی صرف چار آیات کے ذریعے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ یعنی کسی سوال کی گنجائش چھوڑے بغیر بیان فرمادیا ہے۔ اسی طرح خانوادۂ نقی علی خان کے مؤحد مولانا حسنؔ رضا نے ۱۷/اشعار کی مختصر مثنوی میں تصورِ توحید کے اکثر پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ اپنا تمام علم، لفاظی اور زورِ بیان صرف کرنے کے بعد جب نظم کو عنوان دینے کا مرحلہ آیا تو مؤحد حسنؔ اپنے ربّ کی بارگاہ میں پیش ہو گئے۔ مرتبین ستائش کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک نامکمل نظم کو ''مثنویِ ناتمام'' کا نام دے کر خالق اَرض وسما کے سامنے نہ صرف اپنے بلکہ اُستاذِ زمن کے عجز کا بھی اظہار کیا ہے۔ توحید کے مختلف پہلو ملاحظہ ہوں:

کیا کوئی تیرا بھید بتائے　　　تو وہ نہیں جو فہم میں آئے
تجھ سے بھاگ کے جانا کیسا　　　کوئی اور ٹھکانہ کیسا
کوئی نہ تھا جب بھی تھا تُو ہی　　　تھا تُو ہی تو ہو گا تُو ہی

محاورات اُردو زبان کی جان ہیں لیکن موجودہ دَور میں محاورات سے واقفیت اور ان کا

اشعار میں استعمال آٹے میں نمک برابر بھی نہیں رہ گیا۔حسنؔ رضا کا تعلق جس علم دوست خاندان سے تھا کہا جاتا ہے اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ اُردو زبان اُن کے گھر کی لونڈی تھی۔آپ الفاظ، محاورات،تشبیہات،اِستعارات،تلمیحات اور اصطلاحات کو پوری آزادی اور اختیار سے اپنے کلام میں استعمال کیا کرتے۔ایک محاورہ ’’ہر پھر‘‘ کا استعمال دیکھئے:

تیرے دَر سے جو بھاگ کے جائیں ہر پھر تیرے ہی دَر پر آئیں

’’نعت شریف کے اشعار جاتے رہے‘‘ ۳۸؍اشعار پر مشتمل مثنوی ہے۔جس طرح ’’مثنوئِ ناتمام‘‘ میں حمدیہ اشعار کے بعد کچھ لکھا نہ جاسکا تو وہ نامکمل رہ گئی،اسی طرح زیرِ مطالعہ مثنوی میں منظر نگاری اور تخلیق کائنات کے اَحوال کے بعد لکھے جانے والے نعتیہ اشعار مرتبین کو نہ مل سکے تو انہوں نے اپنی بے نتیجہ کوشش کو ’’نعت شریف کے اشعار جاتے رہے‘‘ کا نام دے دیا۔اس حمدیہ ادبی شاہ پارے کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حسنؔ رضا تخلیق کِائنات کا ایک تخیلاتی منظر پیش کر رہے ہوں۔اس نظم سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ جدید نظریہ ارتقاء سے بھی علمی سطح پر آگاہ تھے۔خالق کائنات نے معمورۂ دنیا کو آباد کرنے کا آغاز زوردار بارشوں کے سلسلے سے کیا۔ایک عرصہ تک گھنگھور گھٹائیں پورے زور و شور سے برستی رہیں۔زندگی نے اپنا پہلا اظہار روئیدگی کی صورت میں کیا۔اِرتقائی عمل سے پھول والے اور پھل دار پودوں نے زمین کی رونق بڑھائی۔ بعد اَزاں پرندوں اور جانوروں نے اس باغ کو رَشک خلد بنایا۔

صانع نے اک باغ لگایا باغ کو رشکِ خلد بنایا
خوب گھریں گھنگھور گھٹائیں کرنے لگیں غل شور گھٹائیں
گل پر بلبل سرو پہ قمری بولے اپنی اپنی بولی
پھول کا سر سے پا تک زیور شکل عروس تازہ معطر
پھول پھول، عنادل چہکے گلشن مہکے صحرا مہکے
دامن گل چیں دامن دامن بھرنے لگے گلہائے گلشن

حضرت حسنؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام 'وسائلِ بخشش'، میں ۱۵ مثنویاں، دو نظمیں قصیدہ کی ہیئت میں اور متعدد عربی فارسی کی رُباعیاں ہیں۔ اس مجموعہ کی ابتدائی نظم حسبِ روایت حمدیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی کے ۴۶ ر اشعار میں صفاتِ باری تعالیٰ، توحید کا اقرار، تثلیث پر تنقید اور قرآنی تلمیحات جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ اپنی قادرُ الکلامی اور آمد کی کیفیت کا بیان یوں کرتے ہیں:

نازل ہیں وہ نور کے مضامیں　　　یاد آتے ہیں طور کے مضامیں

تصورِ توحید ایک کائناتی تصور ہے جس پر مشرق و مغرب میں بکثرت لیکن ناتمام کلام کیا گیا ہے۔ قرآنیات اور احادیث مبارکہ کے ایک سنجیدہ طالبِ علم کی حیثیت سے مولانا حسنؔ رضا نے صرف تین اشعار میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ سادگی، خوب صورتی اور وضاحت کا اعلیٰ نمونہ ہے:

توحید کے لطف پا رہا ہوں　　　وحدت کے مزے اُڑا رہا ہوں

دل ایک ہے دل کا مدعا ایک　　　ایمان ہے مرا کہ ہے خدا ایک

وہ ایک نہیں جسے گنیں ہم　　　وہ ایک نہیں جو دو سے ہو کم

یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ ہمارے علماء دوسرے مذاہب کے مطالعے سے گریزاں ہی رہے اس لیے ان کی گفتگو اور کلام میں دوسرے مذاہب پر مدلل یا علمی تنقید نہ ہونے کے برابر ہے۔ مولانا حسنؔ رضا اس حوالے سے ایک اِستثنائی حیثیت کے مالک ہیں۔ درج ذیل اشعار کے پہلے مصرع ''دو ایک سے مل کے جو بنا ہو'' میں عقیدۂ تثلیث پر آپ کی تنقید ایک طرف علمی وقار کی حامل ہے تو دوسری طرف شاعری کی دنیا میں اس کو سہل ممتنع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے:

دو ایک سے مل کے جو بنا ہو　　　وہ ایک کسی کا کب خدا ہو

جو وہم و قیاس سے قریں ہے　　　خالق کی قسم خدا نہیں ہے

باقی ہے کبھی فنا نہ ہو گا　　　ہے جس کو فنا خدا نہ ہو گا

قادر ہے ذوالجلال ہے وہ　　　آپ ہی اپنی مثال ہے وہ

فلسفہ اور منطق وہ علوم ہیں جو درسیات کے نصاب کا جزو لاینفک ہوا کرتے تھے آج ان کی پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی۔ ان علوم کے تحت توحید کی بحث کے ایک باب کو ایک معاصر عالم دین نے یوں بیان کیا ہے۔

''عربی گرامر کی رو سے لفظِ توحید باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے لغوی معنیٰ ''ایک کرنا'' کے ہیں۔ اس کا مادہ اشتقاق وَحْدَۃً ہے اور اِسی سے واحد مشتق ہے جس کے معنی ایک کے ہیں۔ ماہرین علم الریاضی وعلم الاعداد وہندسہ کے نزدیک ''نصف الاثنین واحد'' یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔

واحد کی اقسام

واحد کی تین قسمیں ہیں:

1. واحدِ عددی 2. واحد جنسی 3. واحد نوعی

واحد عددی:

الواحد نصف الاثنین یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔ [حسنؔ رضا خان کی زبان میں: وہ ایک نہیں جو دو سے ہو کم]

واحد جنسی:

علمائے مناطقہ وفلاسفہ کے نزدیک ''واحد جنسی'' اُسے کہتے ہیں جو اپنی جنس کے اعتبار سے ایک ہو مثلاً حیوان ایک جنس ہے اور جسم نامی ایک جنس ہے۔ شیر، گائے، بکری وغیرہ حیوان ہیں اور یہ تمام اپنی خاص جنس کے لحاظ سے واحد ہیں کیونکہ اِن تمام جانوروں میں حیوانیت مشترک جنس ہے لہٰذا یہ تمام جانور ایک جنس کے لحاظ سے واحد جنسی ہیں۔

واحد نوعی:

علمائے مناطقہ وفلاسفہ کے نزدیک ''واحد نوعی'' وہ ہے جو اپنی نوع کے لحاظ سے ایک ہو

مثلاً حیوان کی کئی انواع ہیں۔کوئی حیوان صاہل یعنی ہنہنانے والا جانور ہے،کوئی حیوان مفترس یعنی چیرنے پھاڑنے والا جانور ہے اور کوئی حیوانِ ناطق جیسے اِنسان۔ اِس لئے اِنسان ''حیوانِ ناطق'' ہونے کی حیثیت سے اپنی نوع کا ایک فرد کہلاتا ہے۔بیل کو جب واحدِ نوعی کہیں گے تو اُس میں شیر اور بکری وغیرہ شامل نہیں ہوں گے۔ اِس لئے کہ بیل اگرچہ حیوانیت میں دوسرے حیوانات کے ساتھ مشترک ہے مگر وہ اپنی نوع کے اعتبار سے الگ حیثیت رکھتا ہے اِس لئے وہ اپنی نوع کا فرد کہلائے گا۔

توحید:

مذکورہ بالا واحد کی تمام تعریفات کے مطابق اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحدِ عددی مانے تو مشرک ہوگا کیونکہ اُس نے واحد عددی کی تعریف کے مطابق اللہ تعالیٰ کو دو کا آدھا تسلیم کیا اور اللہ تعالیٰ میں دو کے لحاظ سے وحدت کا مفہوم آیا۔اگر کوئی اِنسان اللہ تعالیٰ کو واحد جنسی مانے تو تب بھی مشرک کہلائے گا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس میں اشتراکِ جنس ضروری ہے اور اللہ ربُ العزت اِشتراکِ جنس سے پاک ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحد نوعی مانے تو بھی مشرک ہوگا کیونکہ نوع کے لئے اَفراد کا ہونا ضروری ہے۔لہٰذا یہ اَمر متحقق ہوا کہ مذکورہ بالا تمام تعریفات کے مطابق اللہ تعالیٰ کو نہ تو واحد عددی، نہ واحدِ جنسی اور نہ واحد نوعی مان سکتے ہیں کیونکہ اِس سے شرک لازم آتا ہے تو پھر لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کو وہ واحد مانتے ہیں جسے زُبانِ مصطفی ﷺ نے بیان کیا ہے اور اس کا اظہار ''هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' میں ہے۔ ذہن نشین کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ دوسرے کے اعتبار سے اُس میں مفہوم وحدت آیا ہے۔ پوری اُمت کا متفق علیہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ ربُ العزت نہ واحد عددی ہے نہ واحد جنسی ہے اور نہ واحد نوعی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ واحد حقیقی ہے اور اُس کی ذات اَزل سے ہی وحدتِ ذاتی سے متصف ہے اور وہ ہر قسم کے اِشتراک، اِشتباہ، مماثلت، تعدد، تکثر، تجزی، حلول، اِتحاد، امکان، حدوث، ترکیب، تحلیل اور

تبعیض سے پاک ہے اور اِن تمام عقائدِ حقہ کا اعلان زبانِ رسالت مآب ﷺ سے لفظ ''قُل'' سے کروایا گیا ہے۔ اس واحد حقیقی کو ''اَحَد'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حسنؔ بریلوی نے سورۂ اخلاص سے بھی نعت کا مضمون نکالا ہے، مذکورہ سُورت اگرچہ توحید کے بیان پر مشتمل ہے لیکن حسنؔ بریلوی کا ماننا ہے کہ توحید کا بیان لفظ ''قل'' کے بغیر بھی ہوسکتا تھا لیکن ربّ کریم نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے اپنی توحید کا بیان کروا کر واضح کر دیا کہ عقیدۂ توحید بھی اُسی کا قبول کیا جائے گا جو اے حبیب ﷺ! تیرے بتائے سے میری توحید پر ایمان رکھے۔ چنانچہ ''ذوقِ نعت'' میں لکھتے ہیں:

''قل'' کہہ کے اپنی بات بھی لب سے ترے سُنی
اللہ کو ہے کتنی تری گفتگو پسند

وسائلِ بخشش کی دوسری نظم ایک نعتیہ مثنوی ہے جو ۱۰۶ اشعار پر محیط ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ کی تخیلاتی دید کے وقت بھی شاعر شوقِ دیدار مصطفیٰ کو جن الفاظ میں بیان کرتا ہے وہ حسن رضا ہی لکھ سکتے ہیں:

آنکھوں میں بسا ہے کس کا عالم — یاد آنے لگا ہے کس کا عالم
اب میں دلِ مضطرب سنبھالوں — یا دید کی حسرتیں نکالوں
عشاق کی آرزو یہ دَر ہے — محتاج کی آبرو یہ گھر ہے
ہم سب ہیں اس آستاں کے بندے — ہیں دونوں جہاں یہاں کے بندے
دربار ہے اُس حبیب ربّ کا — مختار ہے جو عجم و عرب کا

اس مثنوی کی ایک خاص بات وہ شعر ہے جس کا خیال، الفاظ، ترتیب اور معنویت حسنؔ رضا کے خانوادہ نے دنیائے علم و ادب میں متعارف کرائی۔ جسے بعد ازاں بہت سے شعرا نے اپنے اپنے انداز میں منظوم کلام کا حصہ بنایا۔ امام احمد رضا بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) نے پہلی مرتبہ اسے یوں باندھا:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا　　　　"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اسی خیال کو مشہور صاحب طرز نعت خواں اور نعت گو اعظم چشتی (۱۹۲۱ـ ۱۹۹۳ء) نے یوں بیان کیا:

ملتا نہیں کیا کیا دو جہاں کو ترے دَر سے
اک لفظ "نہیں" ہے کہ ترے لب پہ نہیں ہے

اپنے اُستاد اور بڑے بھائی کے اس خیال کو حسنؔ رضا نے مثنوی کے اس شعر میں یوں موزوں کیا ہے:

سرکار میں کون سی نہیں شے　　　　ہاں ایک 'نہیں' یاں نہیں ہے

حضرت شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے تعلق کو بہت فخریہ انداز میں پیش کرنا بھی حسنؔ رضا کا خاص انداز ہے:

دَم بھر نہ اسیر بے کسی ہوں　　　　مجبور نہ ہوں کہ قادری ہوں

صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار سے اپنی عقیدت کا اظہار حسنؔ رضا کی شاعری میں بہت سے مقامات پر نظر آتا ہے:

ہوں دل سے گدائے آل و اصحاب　　　　ہر دَم ہوں فدائے آل و اصحاب

"طلب مئے از ساقی خجستہ پے" ایک اور عقیدت بھری نظم ہے۔ نہ صرف اس مثنوی کا عنوان فارسی ترکیب میں ہے بلکہ کچھ اشعار بھی مکمل فارسی زبان میں ہیں۔ حضرت حسنؔ رضا بریلوی نے "مبارک قدم والے ساقی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرابِ طہور کی درخواست کرنا" عنوان بنا کر ۱۲۲ اشعار کی اس مثنوی میں اسی مرکزی خیال کو مختلف انداز میں دہرایا ہے۔

یہ بادہ ہے آبروئے کوثر　　　　نتھرا ہوا آب جوئے کوثر
یہ پھول ہے عطر باغِ رضواں　　　　ایمان ہے رنگ، بو ہے عرفاں
اللہ کا حکم وَاشْرَبُوا ہے　　　　بے جا ہے اگر پئیں نہ یہ مئے

مظاہرِ فطرت، رسولِ کریم ﷺ کا حلیۂ مبارک اور فاطر السّموات والارض کی صنعت کاری کو بہت سے شعرا نے بیان کیا ہے لیکن حضرت حسنؔ رضا کا اپنا رنگ ہے:

ہے سرو ''الف'' کی شکل بالکل　　اور صورتِ ''لام'' زلفِ سنبل
عیاں ہے کنگھیوں سے　　نرگس کی بیاض چشم ہے ''ھے''
صانع کی یہ صنع ہے نمودار　　''اللہ'' لکھا بخطِّ گلزار

خطِ گلزار، خطِ ریحان یا خطِ بہار ایک ایسا خط یعنی لکھنے کا انداز ہے جس میں حروف جلی ہوتے ہیں اور حروف کے پیچ میں نقش ونگار بنے ہوتے ہیں۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ بہت خفی قلم سے باریک لکیروں کے ذریعے حروف کی اس طرح حد بندی کی جاتی ہے کہ اس کا درمیانی حصہ سادہ رہے اس میں پھول بیل اور برگ و بار بنا دیئے جاتے ہیں۔ شاعر نے محبوبِ خدا کو اپنے تخیل میں یوں دیکھا کہ آپ ﷺ کی سرو قامت کی نمائندگی لفظ ''اللہ'' میں حرف ''الف''، آپ ﷺ کی زلف سنبل کی نمائندگی حرف ''لام''، آپ ﷺ کی زلف سنبل کے لمس کا اعزاز رکھنے والی کنگھی ''تشدید''، اور آخری ''ہ''، آپ ﷺ کے سفیدۂ چشم کو ظاہر کر رہی ہے۔ جس طرح کوئی ماہر ترین خطاط اپنی اعلیٰ ترین تخلیق کو سرو، زلف طِرح دار، اس زلف کی پھبن کا جزوِلازم کنگھی اور نرگس کے پھول کی پچّی کاری سے وجود عطا کرتا ہے اسی طرح اللہ جو خالق اَرض وسما ہے اُس نے اپنی مشیّت اور اپنی قدرت سے اپنے محبوب، اپنی اعلیٰ ترین مخلوق کو بخطِ گلزار وجود بخشا۔

مثنوی کے اختتام پر شاعر نے دو اشعار میں اپنی خواہش کو دعائی صورت موزوں کیا ہے:

مقبول میرا کلام ہو جائے　　وہ کام کروں کہ نام ہو جائے
دے ملکِ سخن کا تاج یا ربّ　　رکھ لے میری آج لاج یا ربّ

جس شعر میں حسنؔ رضا نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے اسے ایک باکمال شاعر کی طرح یوں ہمہ جہت بنا دیا ہے کہ اس میں تخلص، عاجزی، ثنا خوانی اور تعلّی کو جیسے جمع کر دیا ہے:

ہاں اے حسنؔ اے غلامِ سرکار　　مدّاحِ حضور نغز گفتار

آغاز روایت از کتاب مستطاب ''تحفہ قادریہ''

یہاں سے حضرت حسنؔ رضا بریلوی کی ان مثنویات کا آغاز ہوتا ہے جن کے اکثر مضامین حضرت شاہ ابوالمعالی (۱۵۵۲۔۱۶۱۵ء) کی تالیف ''تحفۃ القادریہ'' سے مستفاد ہیں۔اس حصے میں حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی کی حیاتِ پاک کے کچھ پہلوؤں کو منظوم صورت میں بیان کیا گیا ہے اس لیے اس میں زیادہ تر چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔

پہلی مثنوی کا عنوان ''ولادت حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ہے جو ۱۹/اشعار تک محدود ہے۔ اس کے پہلے اشعار دو اطلاعات ہم تک پہنچاتے ہیں۔پہلی اطلاع یہ کہ زیرِ نظر مثنوی کے مشمولات شاہ ابوالمعالی سے مستفاد ہیں اور دوسری یہ کہ ابن سیّد ابوصالح جب دنیا میں تشریف لائے تو والدہ محترمہ کی عمر مبارک ساٹھ برس ہو چکی تھی:

فرماتے ہیں اس میں یوں معالی ''تحفہ'' کہ ہے گوہرِ لآلی
جب زیبِ زماں ہوئے وہ سرور تھی ساٹھ برس کی عمرِ مادر

روایتِ دیگر از ''اخبار الاخیار شریف'' مؤلفہ مولانا شاہ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(سیّدی غوث الاعظم کا ایامِ شیر گی میں روزہ رکھنا)

یہ چھوٹی نظم صرف ۱۲/اشعار کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے،اس کا حاصل مثنوی شعر یہ ہے:

دن میں نہ پیا حضور نے شیر کی شہر صیام کی یہ توقیر

روایتِ دیگر از ''اخبار الاخیار شریف''

(حضور غوث پاک کا ایامِ طفلی میں کھیل کی طرف رغبت کرنا اور ہاتف کی ندا)

یہ مثنوی ۲۵/اشعار پر مشتمل ہے۔

روایت دیگر:

''حضور غوث پاک کو اپنی ولایت کا علم کب ہوا؟'' کے زیرِ عنوان ۱۸ ؍اشعار کی اس مثنوی میں اَخذ، اِستفادہ اور ترجمہ کرتے ہوئے مولانا حسنؔ رضا خالص مقامی لہجہ اختیار کرتے ہیں:

فرمایا کہ دس برس کے تھے ہم　　جاتے تھے جو پڑھنے کے لیے ہم
پہنچانے کے واسطے فرشتے　　مکتب کو ہمارے ساتھ جاتے
جب مدرسہ تک پہنچتے تھے ہم　　لڑکوں سے یہ کہتے تھے وہ اس دم
محبوبِ خدا کے بیٹھنے کو　　اطفال جگہ فراخ کر دو

''حضور غوث پاک سے آپ کی دایہ کا سوال'' کے عنوان سے ۲۰ ؍اشعار کی مختصر نظم کو پڑھتے ہوئے دو اشعار پر نظر رُک جاتی ہے۔ یہ اشعار پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ان کا قائل میدانِ غزل کا شاہ سوار ہے:

صدقے ترے اے جمال والے　　قربان تری تجلیوں کے
تو رُخ سے گر اُٹھا دے پردے　　ہر ذرّے کو آفتاب کر دے

اِستغاثہ یعنی اللہ والوں سے اپنے جسمانی، روحانی اور دنیاوی مسائل کے حوالے سے فریاد کرنا بھی اُردو کی تقدیسی شاعری کا جزوِ لاینفک ہے۔ حسنؔ رضا کی زیرِ مطالعہ مثنوی کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے دونوں جہان کے اُجالے!　　تاریکیٔ قبر سے بچا لے
حال دلِ بے قرار سُن لو　　للہ!!! میری پکار سُن لو

درج ذیل تین عنوانات ''حضور غوث پاک سے بیل کا کلام کرنا، والدۂ محترمہ سے طلب علم کے لیے سفر کی اجازت طلب کرنا، اور راستے میں ڈاکوؤں کا آپ کے دست مبارک پر تائب ہونا'' کے تحت مثنوی میں بیل کی گفتگو کو حضرت حسنؔ نے بایں الفاظ موزوں کیا ہے:

نر گاؤ کو لے چلے جو آقا　　منہ پھیر اس طرح وہ بولا
یہ حکم نہ آپ کو دیا ہے　　مخلوق نہ اس لیے کیا ہے

حصولِ تعلیم کے لیے شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی گھر سے روانہ ہونے لگے تو ماں نے ہمیشہ سچ بولنے کی نصیحت یوں فرمائی:

پھر عہد لیا کہ راستی کو　　ہر حال میں اپنے ساتھ رکھو

اس مثنوی کے ایک شعر سے جنابِ حسنؔ رضا کی زبان کے گھریلو لہجے کا لطف بھی اُٹھایا جاسکتا ہے۔ رِوایت کے مطابق جب ڈاکوؤں نے حضرت جیلانی کے پاس موجود دیناروں کے رکھے جانے کی جگہ دریافت کی تو آپ نے جو جواب ارشاد فرمایا، اس مکالمے کو اُستاذِ زمن نے یوں باندھا ہے کہ خانوادۂ احمد رضا بریلوی کی زبان کا رنگ سامنے آجاتا ہے۔

رہزن نے کہا، کہو! کہاں ہیں؟　　فرمایا تہ بغل نہاں ہیں

حسنؔ رضا اَصنافِ شاعری میں سے جس صنف میں بھی طبع آزمائی کر رہے ہوں تغزل کی خوبصورتی، حلاوت، بلند خیالی اور معنی آفرینی رُوح کی طرح اس میں موجود رہتی ہے۔ شعر مثنوی کا ہے لیکن تغزل ملاحظہ ہو:

تاثیرِ بیاں بیاں ہو کیوں کر　　دل کھینچ لیا ہے لب ہلا کر

شاعرانہ تعلّی، سلسلۂ عالیہ قادریہ کے ساتھ گہری وابستگی، شخصی عاجزی اور اِستغاثہ ان مثنویوں میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں:

آقا میں بَلا میں مبتلا ہوں　　شیطان کے دام میں پھنسا ہوں
اب میری مدد کو آؤ یا غوث　　رہزن سے مجھے بچاؤ یا غوث
لٹتا ہے غریب آہ سرکار　　درکار ہے اک نگاہ سرکار
لٹتا ہے میاں غلام تیرا　　للہ! اِدھر بھی کوئی پھیرا
مضطر ہے بہت غلام آقا　　جنگل میں ہوئی ہے شام آقا

''حضور غوث پاک کا مرید کون؟'' کے عنوان والی مثنوی ۱۹/اشعار کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ حضور غوث کریم کو مرشد مشفق اور خود کو مرید صادق باور کرتے ہوئے حضرت حسنؔ رقم طراز ہیں:

ہاں مژدہ ہو بہرِ قادریاں ہے جوش پہ بحرِ فیض احساں
دیکھے تو کوئی حسنؔ کہاں ہے وہ وقفِ غم و محن کہاں ہے

''مانگ من مانتی، منہ مانگی مرادیں لے گا'' کے عنوان کے ساتھ ۸۳/اشعار کی اس مثنوی میں رِوایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی کے دربار میں اولیاء کی ایک جماعت تشریف فرما تھی۔ حضرت نے اِذنِ عام دیا کہ مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔ حضرت ابوسعید نے کہا میں اپنی طرف سے کچھ نہیں مانگتا بلکہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنی مرضی سے عطا کریں۔ حضرت ابن قاید نے قوتِ مجاہدہ کا سوال کیا، جنابِ بزاز عمر نے خوفِ خدا اور صدق وصفا کو طلب کیا۔ حضرتِ حسنؔ نے اپنی موجودہ حالت میں بڑھوتری کی خواہش ظاہر کی، جنابِ جمیل نے حفظِ اوقات کو اپنی چاہت بتایا۔ حضرت ابوالبرکات نے فرمایا کہ میں عشقِ الٰہی کا منگتا ہوں۔ حسنؔ رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ میں بھی اس رُوحانی مجلس میں حاضر تھا، میں نے عرض کیا کہ میں اس بات کا خواہش مند ہوں کہ خود پر وارِد ہونے والی کیفیات میں امتیاز کرسکوں کہ کون سی رحمان کی طرف سے اور کون سی شیطان کی طرف سے ہیں۔ شیخ خلیل نے قطبیت کی شان مانگی۔ حضور غوث الثقلین نے سب کے سوال سن کر فرمایا ارشادِ باری تعالیٰ ''كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا'' [1] ترجمہ: ''ہم ان کو اور ان سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں'' کے تحت:

یعنی کہ ہوا یہ سب سے ارشاد ہم کرتے ہیں فضلِ ربّ سے اِمداد

پھر حضور غوث اعظم نے فرمایا کہ میری صدا، میری طلب اور میری خواہش یہ ہے:

شاہا مری صرف یہ صدا ہے منگتا ترا تجھ کو مانگتا ہے

---

[1] بنی اسرائیل: آیت ۲۰

بھٹکا پھرے کیوں گمان میرا　　تُو میرا تو سب جہاں میرا

اُردو زبان میں کہی گئی اس طویل مثنوی کے ۸۳ ؍اشعار میں سے حاصل مثنوی شعر فارسی میں لکھا گیا ہے:

مردانِ خدا خدا نباشند　　لیکن ز خدا جدا نباشند

اللہ کے بندے خدا نہیں ہوتے　　لیکن وہ خدا سے جدا نہیں ہوتے

''حسین بن منصور حلاّج (۸۵۸۔ ۹۲۲ء) کی امداد کی بابت'' ۱۰؍اشعار کی مثنوی میں استغاثہ اور ثابت قدمی کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا غوث صراط پر چلوں جب　　لغزش میں نہ آنے پائے مرکب

ثابت قدمی یہ لطف دے جائے　　جنت مجھے ہاتھوں ہاتھ لے جائے

''مجلسِ وعظ میں بارش ہونے اور حضور کی نگاہ سے بادلوں کا چھٹنا'' نو اشعار پر مشتمل ایک مختصر سی مثنوی ہے۔ رِوایت بیان کرنے کے بعد حسنؔ رضا ذاتی حوالے سے پانی کے بادلوں کے بجائے غم کے بادلوں کا ذکر کرتے ہیں:

گھر آئے ہیں غم کے کالے بادل　　چھائے ہیں اَلم کے کالے بادل

سینہ میں جگر ہے پارہ پارہ　　للہ! اِدھر بھی اک اشارہ

''حضور غوث پاک کے دیدار کی برکت سے عذابِ قبر جاتا رہا'' اس روایت کو ۶۲؍اشعار کی طویل مثنوی میں بیان کرنے کے دوران حضرتِ حسنؔ زمانے کے لحاظ سے اپنی جدت پسندی کو اس طور نمایاں کرتے ہیں۔

دیکھے تو کوئی حسنؔ کی رفتار　　ہے سب سے نئے چلن کی رفتار

استغاثہ کے اشعار حسنؔ رضا کے کلام میں جگہ جگہ موجود ہیں لیکن آپ مادی اور جسمانی ضروریات، آرام یا آسائشوں کا سوال نہیں کرتے بلکہ راہِ ہدایت اور روحانی بلندی کا سوال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

یا شاہ! غلام ہے خطا کار زندانِ گناہ میں گرفتار
للہ! کرو گرہ کشائی اس دامِ بَلا سے دو رہائی

صمصام حسن بر دابرِ فتن (فتنوں اور گم راہی کی پیروی کرنے والوں کے لیے حسنؔ رضا بریلوی کی تلوار) چھے فارسی مثنویوں کا چھوٹا سا رسالہ ہے۔ ہمارا مقالہ چونکہ اُردو مثنویوں تک محدود ہے اس لیے ہم فارسی مثنویوں کے مشمولات کا ذکر کیے دیتے ہیں لیکن ان کا جائزہ کسی اور مقالے کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔ فاتحہَ درسِ حدیث و قدیم۔ ۳۸، اشعار، تبری از آلہہ مخترعۂ بدعیاں بحضرت اِلٰہ حق سنیاں۔ ۱۷، اشعار، نعت شریف۔ ۴۰، اشعار، کشف استار ندوۂ نابکار۔ ۶۱، اشعار، باحکیم پریشاں مداح ندوہ خطاب دوستانہ نمودن بار بحال ندوہ رُجوع فرمودن۔ ۶۷، اشعار، بزم آرائی خامہ مشکیں سواد در مدح طرازی مجلس علمائے اہلِ سنت واقع عظیم آباد۔ ۵۳، اشعار۔

''قند پارسی'' فارسی منظومات پر مشتمل ہے جس میں غزلوں، رُباعیوں اور فردیات کے علاوہ چھے مثنویاں بھی ہیں۔ سب سے نمایاں ''مدحِ مثنوی شریف'' ہے۔

حضرت حسنؔ رضا بریلوی کا وہ کلام جو اُن کے کسی مجموعے کا حصہ نہیں ہے اس میں بھی چار مثنویوں کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ یہ چاروں مثنویاں برصغیر میں مسلم تہذیب کے ایک گڑھ صوبہ یو پی کی اسلامی ثقافت کے چند اِظہارات کو سامنے لا رہی ہیں۔ شبِ معراج کی اہمیت، اس کی برکات کے حصول کی طرف توجہ دلانے اور دعائیں دینے اور حاصل کرنے کے لیے شاید اب تو کوئی کسی کو ''رُقعہ رجبی شریف'' نہیں لکھتا۔ الحمدللہ کہ حضرت حسنؔ رضا کے کلام کی بدولت برصغیر کے مسلم معاشرے کی ایک پاکیزہ رِوایت محفوظ ہو گئی۔

(۱) رُقعہ رجبی شریف، بپاس خاطر محمد فصاحت اللہ خان صاحب رئیس شاہ جہان پور، شبِ معراج کی برکتوں کے حوالے سے ۱۵/ اشعار پر مشتمل مثنوی ہے۔ درج ذیل اشعار اس نظم کا حاصل معلوم ہوتے ہیں۔

یہ سب اَنوار ہیں ماہِ رجب کے تصدّق عزت و جاہِ رجب کے

شبِ معراج کے پھر آگئے دن　　　مہینوں بعد عاشق کے پھرے دن

(۲) رُقعہ تقریب تسمیہ خوانی مجید الدین، نبیرۂ مولوی بشیر الدین صاحب وکیل بریلوی ۱۲ر اشعار کا ایک منظومہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانانِ برصغیر کے ہاں بہت سے تہذیبی رویوں اور ثقافتی رُسومات کی جڑیں ہندو تہذیب سے نکلتی ہیں لیکن وہ رویے اور رُسومات جو علمائے دین کے ذریعے وجود اور رواج پذیر ہوئے وہ خالصتاً دینی، اسلامی اور ثقہ اظہارات ہیں۔ بچے کی پیدائش یا رسمِ بسم اللہ پر تہنیتی پیغام نظم کے ذریعے دینا یا پہنچانا بھی ایک خوب صورت رسم تھی جو اب وقت کی تیز رفتاری کے نیچے دب کر رہ گئی ہے۔ نو خیزوں کو ''بلبل'' اور ''مرغانِ آزاد'' جیسے الفاظ سے یاد کرنا بھی ہمارے تہذیبی رویوں کا ایک عکس ہے۔ اس مثنوی کے تین اشعار تسمیہ خوانی کے حوالے سے نمایاں ہیں:

سحر چمکی کھلا ہے مصحفِ گل　　　صبا کہتی ہے بسم اللہ بلبل

نوا سنج طرب مرغانِ آزاد　　　سب اپنا اپنا کرتے ہیں سبق یاد

ظہورِ سُوَر خاطر خواہ کیجئے　　　مجد الدین کی بسم اللہ کیجئے

(۳) رُقعہ شادی کتخدائی سیّد لیاقت علی ابن سیّد حامد علی صاحب ساکن بریلی ۲۰ر اشعار کی ایک نظم ہے۔ زیرِ نظر دونوں رُقعات شادی ہیں، سہرے ہرگز نہیں ہیں۔ سہرے عموماً قصیدہ یا غزل کی ہیئت میں لکھے جاتے ہیں لیکن یہ دونوں مثنویات ہیں۔ ان دونوں نظموں کا مقصد اظہارِ محبت اور دعا گوئی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ دولہا بننے والے نوجوان حضرتِ حسنؔ کے بہت قریبی عزیز یا تعلق والے معلوم ہوتے ہیں۔ سیّد لیاقت علی کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار آپ نے بایں الفاظ کیا ہے:

میرا نورِ نظر بنے دولہا　　　میرا لختِ جگر بنے دولہا

اس مثنوی میں تحدیثِ نعمت یا حسنِ تعلی کا ایک شعر نمایاں ہے:

فضل خالق سے سرفراز ہوں میں ‏ اس لیے مدعا طراز ہوں میں

(۴) رُقعہ شادی کتخدائی برخوردار نور الابصار حسین رضا خان المعروف بہ رضا حسین خان، ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ بھی ۲۰/اشعار کی ایک نظم ہے۔ یہ دولہا کوئی اور نہیں بلکہ حضرتِ حسن رضا کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ حسنؔ بریلوی شفقتِ پدری کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

کروں نورِ نگاہ کی شادی ‏ اور شادی بھی بیاہ کی شادی

میرا لختِ جگر حسین رضا ‏ خیر کے ساتھ اب بنے دولہا

دولہے کی تیاری اور خوشی کو بیان کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

روئے گل پر ملا گیا غازہ ‏ عشق بلبل کا ہو گیا تازہ

کوک کوئل کی دل کشا انمول ‏ اور پپیہوں کے پیارے پیارے بول

حاصل کلام:

اُستاذِ زمن حضرت مولانا حسنؔ رضا بریلوی کا شمار اپنے زمانے کے چند نمایاں غزل گو اور معدودے چند با قاعدہ نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ کی انفرادیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ غزل میں آپ کا شرفِ تلمذ لال قلعہ اور حیدر آباد دکن کی رِوایات کے امین فصیح الملک مرزا داؔغ دہلوی جب کہ نعت میں آپ صاحب طرز نعت گو امام احمد رضا بریلوی کے شاگرد تھے۔ اپنے زمانے کے شمس و قمر کی قربت نے حسنؔ بریلوی کو بھی دبِ اکبر کی چمک سے نوازا تھا۔ اگر اُردو کے نعت گو شعرا کے پس منظر، تعلیمی، خاندانی اور علاقائی کا جائزہ لیا جائے تو تلمیذ داؔغ اس میں بھی منفرد نظر آتے ہیں۔ درسیات سے فارغ التحصیل ہونا، ایک مشہور علمی خانوادے سے تعلق ہونا، صوبہ یو پی کے علمی مرکز بریلی میں پرورش پانا، متعدد علوم میں امام احمد رضا سے کسب فیض کرنا، داؔغ دہلوی جیسے شاعر سے شرف تلمذ ہونا اور سب سے بڑی بات طبیعت میں موزونیت کا پایا جانا۔ یہ سب انفرادیتیں حسنؔ بریلوی کے علاوہ اُردو شعرا میں کسی غزل گو اور نہ ہی نعت گو کا مقدر ٹھہریں۔ رسائل حسن میں اُستاذ زمن کی نثری تحریرات اور کلیاتِ حسن میں منظوم کلام کو جمع کر دیا

گیا ہے اب ضرورت اس اَمر کی ہے کہ ہر صنفِ ادب میں آپ کی تخلیقات کو تحقیق کی کسوٹی پر چڑھا کر مختلف اَصناف میں آپ کے درست مقام کا تعین کیا جائے۔

سفارشات:

رام بابو سکسینہ کی ''تاریخ ادب اُردو'' کو اپنے میدان میں نہایت بلند مقام پر فائز سمجھا جاتا ہے۔جس شاعر یا ادیب کا اس میں ذکر آ گیا اسے معتبر اور جس کا ذکر اس میں آنے سے رہ گیا اسے غیر معتبر یا کم اہم سمجھنے کی روش بھی بہت پرانی ہے۔ادب راقم کا میدان نہیں لیکن اس بات سے آگاہ ہے کہ رام بابو بھی اُردو ادب یا تذکرہ نگاری سے وابستہ محقق نہیں تھے بلکہ وہ انڈین سول سروس (ICS) کے افسر تھے۔اس اعلیٰ امتحان کے حوالے سے ایک آپشنل مضمون اُردو کی تیاری کے لیے جو نوٹس تیار کیے بعد از اں کتابی صورت دے کر انہیں (AHistory of Urdu Literature) کے نام سے شائع کر دیا۔انگریزی زبان میں طبع ہونے والے اس تذکرے کا دو سال بعد ۱۹۲۹ء میں کچھ لازمی اضافوں کے ساتھ مرزا محمد عسکری (۱۸۶۹۔۱۹۵۱ء) نے اُردو ترجمہ شائع کر دیا۔

(۱) اس ساری درازنفسی کا مقصد یہ ہے کہ اُردو ادبا اور شعرا کا ایک جامع تذکرہ سامنے آنا چاہئے جس میں نظرانداز ہو جانے والی ہستیوں کو اُن کے جائز مقام سے نوازا جائے۔

(۲) ادبی مقام کے حامل ایک نعت گو شاعر کے ساتھ ہندو ہونے کے باعث رام بابو کو کیا ہمدردی ہو سکتی تھی جب کہ بہت سے مسلمان ادبا،شعرا اور ناقدین،نعت کو ایک صنفِ سخن ماننے پر راضی نہیں تھے۔نعت سے محبت رکھنے والوں اور صنفِ ادب تسلیم کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ اس حوالے سے علمی اور عملی کاوشیں کریں۔

(۳) نعت کے ساتھ جنابِ عسکری کا فکری بُعد مانع رہا کہ جب وہ سکسینہ کے چھوڑے خلا کو پُر کر رہے تھے تو حسنؔ رضا کو اُن کے جائز علمی مرتبہ پر متمکن کرتے۔مذکورہ بالا تعصبات سے پاک محققین کا فرض ہے کہ وہ تاریخِ ادب اُردو کو جدید تحقیقی و تنقیدی اُصولوں کے مطابق

نئے سرے سے ترتیب دیں تاکہ مذہبی و مسلکی تعصبات سے مبّرا تاریخِ ادبِ اُردو وجود میں آسکے۔

(۴) جنگ آزادی کے بعد اب تک جس کثرت سے اُردو ادب لکھا گیا اس کا تقاضا ہے کہ ہر عشرے کے ادبا کے تذکرے لکھے جائیں۔

(۵) نعت گو شعرا کے تذکرے اُن کے نمونہ کلام کے ساتھ لکھے جائیں اور اُن کے ادبی مقام کا تعین کیا جائے۔

(۶) خانوادۂ نقی علی خان کے شعرا و ادبا کے خصوصی مطالعے کے لیے ایک تذکرہ سامنے آنا چاہیے جس میں اُن کی ادبی حیثیت کو سامنے لایا جائے۔

(۷) غزلیہ اور نعتیہ کلام کی عوامی مقبولیت بھی اگر ادبی مقام کا ایک پیمانہ ہے تو اس معیار کے مطابق حسنؔ رضا کس بلندی پر کھڑے ہیں، اس کا تعین بھی ضروری ہے۔

☆

فارسی زبان کے عظیم شاعر حضرت حسن رضا بریلوی[1]

ہماری دینی، حکومتی اور نجی درسگاہوں میں کثیر علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں۔ ہر علم و فن کے ماہرین تدریس اور تصنیف وتالیف کے دوران اپنے اپنے اُسلوب میں اپنے علمی جواہرات سے اپنے شاگردوں اور قارئین کے دامن دل کو مالامال کرتے ہیں، کسی بھی علم میں کسی صاحبِ علم کی کاوش کا متعلقہ علم کا کوئی ماہر ہی تنقیدی اور تجزیاتی جائزہ لے سکتا ہے۔ اس اعتبار سے کسی شاعر کی شاعری یا کسی نثر نگار کی نثر کا ادبی وتنقیدی جائزہ کوئی ادیب ہی لے سکتا ہے، مجھ ہیچمداں کو قدیم اور جدید عربی ادب پڑھنے اور پڑھانے کا موقع ملا۔ والد گرامی علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے شعوری طور پر میرے بچپن سے ہی میرے دل ودماغ میں قرآن وحدیث کی زبان عربی کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، پھر ان کی خصوصی دعاء کی برکت سے مجھ عجمی کو عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی الازہر الشریف میں ''العلامه فضل الحق الخير آبادی، حیاته و شعره العربی'' کے عنوان سے عربی زبان وادب (تنقید نگاری) میں پی ایچ ڈی کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میرے مقالے کے نگران ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ ادب کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے: ''الادب تذوق واحساس'' ادب صرف پڑھنے اور پڑھانے کی چیز نہیں یہ تو ادب کے سانچے میں ڈھل کر ادبی شہ پاروں کی حلاوت اور لطافت چکھنے اور محسوس کرنے کا نام ہے۔

اُردو زبان وادب کی رعنائیوں اور نزاکتوں سے آشنا میرزا داغ دہلوی کے چہیتے شاگرد حضرت حسنؔ رضا بریلوی کا دیوان ''ثمر فصاحت'' شائع ہوا تو اُن کی متنوع اصنافِ سخن پر مشتمل اُردو شاعری پڑھ

---

[1] یہ مقالہ ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازھری (منہاج یونیورسٹی، لاہور) نے ہماری فرمائش پر تحریر فرمایا اور پیش نظر کتاب میں پہلی مرتبہ شائع ہو رہا ہے۔ ثاقب قادری

کر میرے دل میں یہ تمنا مچل کر رہ گئی: ''کاش کوئی ادیب ''ثمرِ فصاحت'' کا تجزیاتی جائزہ لے کر اس دیوان کے فنّی محاسن اُجاگر کر کے ادبی دنیا کو ایک عظیم اُردو شاعر سے آشنا کرواتا۔'' نیز راقم کو یہ احساس ہوا کہ دَاغ دہلوی کا شاگرد ہی ایسا کلام لکھ ہوسکتا ہے۔ جذبوں کی رَوانی، تخیل کی پرواز اور احساس کی تمازت اُن کی ایک ایک نظم سے جھلکتی محسوس ہوئی۔ شاعری صرف شعری اَوزان اور ردیف وقافیہ کی پابندی کا نام نہیں، بلکہ لفظوں کی رَوانی، حسنِ معنی اور شاعر کی باطنی کیفیات کا نام ہے، ہمیں بحر کی شاعری والے لوگ تو بہت مل جائیں گے مگر ایسے شاعر ہی دلوں کو موہ لینے کا ہنر جانتے ہیں جن کا سوزِ دُروں، نیرنگِ خیال اور طرزِ بیاں اُن کی شاعری پڑھنے والوں کو رنگ و نور اور سوز وگداز کی دنیا میں لے جاتا ہے۔

رنگِ مجاز میں غزل لکھنے والے بھی اپنے جوہر دکھاتے ہیں مگر جس غزل میں تصوف کی چاشنی شامل ہو جائے وہ غزل اپنی رُوحانیت، پاکیزگی اور رَعنائی خیال کے باعث ''عرفانی غزل'' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ برصغیر کی فارسی، اُردو اور پنجابی شاعری میں صوفیانہ شاعری کی جھلک کثرت سے ملتی ہے۔

حضرت مولانا حسنؔ رضا بریلوی کی فارسی شاعری کے حوالے سے ہمارے فاضل دوست، کہنہ مشق لکھاری اور محقق جناب ثاقب رضا قادری صاحب نے کچھ لکھنے کی فرمائش کی تو میرے لئے یہ ایک نئی بات تھی کہ حضرت حسنؔ رضا بریلوی اُردو کے علاوہ فارسی کے بھی قادِرُ الکلام شاعر ہیں۔ جب حضرت کا فارسی کلام دیکھنا شروع کیا تو دیکھتا ہی چلا گیا۔ مجھے حضرت حسنؔ رضا کی فارسی شاعری سے جس نظم نے سب سے پہلے آشنا کیا وہ اُن کی ۳۳۰ فارسی اشعار پر مشتمل مثنوی ''صمصامِ حسن'' تھی، جسے پڑھنے بیٹھا تو آغاز سے اختتام تک ہر شعر فارسی زبان وادب میں حضرت حسنؔ رضا بریلوی کی مہارت کی گواہی دے رہا تھا۔ شروع کے کچھ اشعار میں تو علم الکلام کے دقیق مباحث پر مشتمل کچھ کلمات اپنے پہلو میں ایک جہانِ حیرت لئے ہوتے تھے، ملاحظہ فرمائیں:

اے کرَمت مطلعِ خورشیدہا	وَے حرَمت مرجعِ اُمیدہا
جلوتِ تشبیہ زِ شمعت منیر	خلوتِ تنزیہہ زِ تو مستعیر
ہم زِ تو پیوندِ حدوث و قدم	ہم زِ تو ایجادِ وجود و عدم
ملکِ تو از وہمِ تصور بری	حکمِ تو از عیبِ تغیُّر بری

جلوہ نما زِ ہمہ عالم توئی　　جلوہ بعالم کنی ہم توئی

حضرت حسنؔ رضا بریلوی اِسی مثنوی میں نبی کریم ﷺ کی نعت کی طرف متوجہ ہوئے تو ایک سرمستی کے عالم میں نعت لکھتے چلے گئے۔راقم الحروف کو گننے پر معلوم ہوا چالیس اشعار ہیں۔ یہ بات اِس اَمر کا پتہ دیتی ہے کہ ذخیرۂ الفاظ، عروضی وزن اور تخیل کی پرواز مولانا حسن رضا خان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا، اُن پر واقعی اشعار کا نزول ہوتا تھا اور وہ لکھتے چلے جاتے تھے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اے کرَمت اَوج دہِ فرشیاں　　وَے حرَمت سجدہ گاہِ عرشیاں
فاتحۂ مصحف ایماں توئی　　خاتمۂ سفر رسولاں توئی
دَورِ زماں در خطِ امکانِ تو　　کون و مکان بندۂ فرمانِ تو
شمعِ رخت رونقِ بزمِ شہود　　ہستیٔ تو وجہِ وجیہِ وجود
ہست بجانت قسمِ کردگار　　جانِ من و جانِ دو عالم نثار
ملکِ خدا زیرِ خط کلکِ تو　　زِ فلک و ہشت جنان ملک تو

ان اشعار میں وارفتگی اور سوز وگداز کا ایک جہاں نظر آیا۔

ربّ کریم کی بارگاہ میں ’’مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات‘‘ لکھنے بیٹھے تو حضرت حسنؔ رضا خان نے اپنے ربّ سے جو سرگوشیاں اور التجائیں کیں اُن سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ تصوف اُن کے اَنگ اَنگ میں سمایا ہوا تھا،تصوف کی رُوح سے ناآشنا کوئی بھی شاعر ایسی التجائیں اور ایسی مناجات کر ہی نہیں سکتا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

الٰہی روشنائی دِہ دِلم را　　بآسانی بدل کن مشکلم را
الٰہی پائے بند حرص و آزم　　گرفتارِ ہوسہائے درازم
نمازم خالی از لطف و نیاز ست　　نیازم مملو از صد حرص و آز ست
گرفتارم بدستِ نفس خود رائے　　خدایا بر گرفتاراں بہ بخشائے
شبِ دیجور دارم خانہ بے نور　　بہ مہرت صبح کن شبہائے دیجور
بری از عیبِ کفر و شرک ہستم　　بحمد اللہ کہ من یزداں پرستم
خداوندا خودی از من جدا کن　　بہ بندِ خود زِ آزادی رہا کن

حضرت مولانا حسنؔ رضا خان کا مزید کلام دیکھا تو مناجات اور ان کی عرفانی غزل، منقبت، تاریخی

قطعہ جیسی اصناف نظر سے گزریں۔ فارسی میں حضرت حسنؔ رضا بریلوی کے لکھے ہوئے تاریخی قطعات دیکھنے سے تاریخی قطعہ نگاری میں اُن کی مہارت سامنے آئی۔کسی شخصیت کی وفات پر قطعہ لکھا تو اس شخصیت کے تناظر میں خوبصورت کلمات سے تاریخ کا اِستخراج کیا۔مسجد کے حوالے سے مسجد کے مناسب کلمات لکھے، دیوان کے حوالے سے ''مضمون نفیس و مدح موزوں'' جیسے کلمات سے ۱۳۰۳ھ کا عدد نکالا۔

اُن کی ایک عرفانی غزل کے چند اشعار انتہائی دلکش اور وجد آفریں ہیں، اِن اشعار میں امیر خسرو کا رنگ جھلکتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

اگر در سوز میخواہی دل پرہیز گاراں را ‏ بنوشاں ساقیا! ساغر بیا پیئے مے گساراں را

زِمے صد بار توبہ کردہ ام لیکن پشیمانم ‏ چہ سازم زاہدا فصل گل و اَبرِ بہاراں را

ایک دوسری غزل میں کہتے ہیں:

بیا ساقی کہ اَبر تند خوش مستانہ می آید ‏ برو زاہد کہ وقت شیشہ و پیمانہ می آید

کدامی؟ دل رُبا بے پردہ از کاشانہ می آید ‏ نظارہ دست و پا گم کردہ بے تابانہ می آید

بہار تازہ دارد عشق حسنِ شمع رُخسارش ‏ صدائے خندہ از پر پروانہ می آید

ندارم شکوہ از زُلفش ز دل برخویش می پیچم ‏ بلاہا بر سرم از دستِ ایں دیوانہ می آید

شبِ غم از جفاہایش مگو اے قصہ خواں چیزے ‏ کہ خواب مرگ در چشمم ازیں افسانہ می آید

عجب شمعِ دل افروزے بہار صد چمن داری ‏ کہ بلبل پیش رویت صورت پروانہ می آید

یہ حضرت مولانا حسنؔ بریلوی کی فارسی شاعری کا ایک طائرانہ جائزہ تھا، راقم السطور یہ توقع کرتا ہے کہ تصوف اور صوفیانہ آہنگ سے آشنا فارسی زبان و ادب کا کوئی ماہر ہی حضرت حسنؔ بریلوی کی شاعری کے محاسن، نشیب و فراز اور تشبیہات و اِستعارات کو اُجاگر کر سکتا ہے۔ یہ ایک اَدبی قرض ہے جسے اَحسن انداز سے چکانے کی ضرورت ہے۔

نگاہ ز چشم کرم بر حسنؔ کن ‏ بکویت رسید ست آشفتہ حالے

☆

خراجِ محبت

حسّان کی زباں ہیں میرے حسنؔ رضا

(جناب صوفی محمد جمیل اختر صدیقی رضوی، کولکتہ)

آقا کے مدح خواں ہیں میرے حسنؔ رضا
ہاں ثانیٔ حسّان ہیں میرے حسنؔ رضا

بے شک مشام جانِ دو عالم ہے مشکبار
نعتوں کے عطرداں ہیں میرے حسنؔ رضا

نعتوں کو سن کے اُن کی فرشتے بھی مست ہیں
مولیٰ کے حمد خواں ہیں میرے حسنؔ رضا

بحر علوم دین و شریعت کے ہیں گہر
حسن علم کی کاں ہیں میرے حسنؔ رضا

سرکارِ دو جہاں کی دونوں جہان میں
عظمت کے پاسباں ہیں میرے حسنؔ رضا

شعر و سخن کی راہ کے دراصل دوستو
سرخیل کارواں ہیں میرے حسنؔ رضا

کہتے ہیں سارے لوگ بریلی کے آج بھی
رُوحانیت کی جاں ہیں میرے حسنؔ رضا

فضل خدا و فیض نبی و ولی سے آج
بندوں پہ مہرباں ہیں میرے حسنؔ رضا

شعروں میں اُن کے عشق صحابہ کا ہے خمار
حسّان کی زباں ہیں میرے حسنؔ رضا
نعتوں میں عشق سیّد عالم کی ہے مہک
شعر و سخن کی جاں ہیں میرے حسنؔ رضا
ردّ وہابیت پہ بھی اشعار ہیں کہے
مسلک کے ترجماں ہیں میرے حسنؔ رضا
سرکارِ دو جہاں کی عظمت پہ بالیقیں
سو جان سے قرباں ہیں میرے حسنؔ رضا
سجدوں کا نور چہرۂ تاباں پہ دیکھئے
ایمان کی پہچاں ہیں میرے حسنؔ رضا
پیکر نگاہِ پاک سے سب مست ہو گئے
میخانۂ ایماں ہیں میرے حسنؔ رضا
یوں بندگی پہ جس کی ملائک بھی دَنگ ہیں
وہ بندۂ رحماں ہیں میرے حسنؔ رضا
شایانِ شان آپ کی لکھوں کوئی غزل
دل کے مرے اَرماں ہیں میرے حسنؔ رضا
نازاں تھا جس کے شعر پہ دلّی کا دؔاغ بھی
وہ شاعر ذیشاں ہیں میرے حسنؔ رضا
مجھ پر بھی دل سے سن لے شب و روز اے جمیلؔ
مدّت سے مہرباں ہیں میرے حسنؔ رضا

☆

جناب صوفی محمد جمیل اختر صدیقی قادری رضوی اختری کولکتہ

نعت خوان احمد مختار ہیں قبلہ حسنؔ
واصف حسن شہ ابرار ہیں قبلہ حسنؔ
مدحت سرکار طیبہ کے تصدق میں جمیل
جنت الفردوس کے حق دار ہیں قبلہ حسنؔ

☆

کیا کروں توصیف میں اُس شاعر خوش فکر کی
اُس کی ہر ہر نعت پر جبرائیل بھی قربان ہیں
عصر حاضر میں جمیلؔ قادری سن لیجئے
کہتے ہیں نقّاد اُن کو ثانئ حسان ہیں

☆

حکیم قدرت اللہ اشرفؔ نوری بریلوی

اپنے فکر و فن میں جس کی ذاتِ عالی بے مثال
وہ شہنشاہِ تغزل دین کا ماہِ کمال
ایسا شاعر آج کوئی دوسرا اشرفؔ کہاں
جس کی ہر اِک نعت سے ظاہر ہو طیبہ کا جمال

☆

حسّانِ دوراں عاشق رسالت مآب ﷺ

حضرت مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

چشم نبی کا اشک چکیدہ کہیں جسے — انجیل عشق و نور، صحیفہ کہیں جسے

کندہ ہے لوح دل پہ فقط نام مصطفےٰ — عشقِ نبی کے اسم کا ورطہ کہیں جسے

ہر ہر نفس میں وجد کناں عشقِ بطحیٰ — قرآن ربّ پاک کا آیہ کہیں جسے

اسلام کی بقا کا یہ شاعر ہے لازوال — ہر عاشق رسول کا ورثہ کہیں جسے

سرمایۂ جنونِ محمد کے چار لفظ — حسّانِ وقت جامیؔ یکتا کہیں جسے

سعدیؔ کا اس میں جذب تو بوالخیرؔ کی نوا — عشق نبی میں غرق سفینہ کہیں جسے

سحابؔ کا اس میں درد تو اقبالؔ کی صدا — احمد رضاؔ کے فیض کا چشمہ کہیں جسے

پنہاں ہے شعرِ شعر میں سوزِ ظفر علی — محسنؔ کے لفظ لفظ کا نقشہ کہیں جسے

خسروؔ بھی غوطہ زن تو نظامیؔ بھی موجزن — فیضیؔ کے وجد و شوق کا عرشہ کہیں جسے

رومیؔ کا کرب اور ہے حالیؔ کا زخم بھی — یعنی نشاطِ رُوح، حدیقہ کہیں جسے

بیدلؔ کا عکس اور ہے خنساء کی ہر اَدا — نذرل کی ہر فغاں کا شعلہ کہیں جسے

حافظؔ بھی اس میں، خالق سیف الملوک بھی — گنج شکر، لطیفؔ کا نوشہ کہیں جسے

باہوؔ کا رقصِ جان ہے بلھےؔ کا داغ بھی — وارثؔ کا سوز، ہاشمؔ یکتا کہیں جسے

غالبؔ بھی اس میں، دردؔ بھی خالدؔ بھی رقص زا — اکبرؔ کا داغ، اصغرؔ شیدا کہیں جسے

اک مرد باکمال کہ اُترا ہے عرش سے امجدؔ کے ہر جنوں کا نگینہ کہیں جسے
مجذوب شعر و عشق، قلندر ہے وقت کا تبریزؔ و بو علیؔ کا نوشتہ کہیں جسے
اصحاب مصطفےٰ پہ فدا ہو گیا ہے یہ پیارے نبی کی آل کا رشتہ کہیں جسے

تاریخِ نعت گوئی حسنؔ سے جدا نہیں
جانِ عظیمؔ، شاعر فردا کہیں گے

رشحات قلم: جناب عظیم قریشیؔ۔ بی۔اے آنرز (ادبیات ایران) پوسٹ ماسٹر (ریٹائرڈ)

آپ اُستاذ زمن ہیں بالیقین قبلہ حسنؔ

(مولانا علی احمد مصباحی سیوانی، حسن پورہ ضلع سیوان)

عاشق شاہِ زمن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ
مدح خوانِ پنجتن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

نکہت نکتہ بیانی سے معطر ہیں دماغ
خوشبوئے گلہائے فن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

داؔغ بھی نازاں تھے اپنے نیک خو شاگرد پر
معترف اہل سخن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ کا ہر شعر ہے تفسیر قرآن مجید
مظہر خلق حسن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ کی نعتوں کی تاثیروں سے دل ہیں مضطرب
واصفِ شاہِ زَمن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

کیسے کیسے شاعروں کی تربیت فرمائی ہے
آپ اُستاذِ زمن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آج بھی نقّادِ فن اس بات کے ہیں معترف
ہاں شہنشاہِ سخن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ کی نکتہ بیانی کی جہاں میں دُھوم ہے

آفتابِ علم و فن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ کی ہر ہر اَدا عکسِ کردارِ رسول
پرتوِ شاہِ زمن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ گلزارِ سخن کی ہیں بہارِ بے خزاں
باغبانِ باغِ فن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ کا احسان ہے دنیائے ادب و شعر پر
محسنِ اہلِ سخن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ کے جلوؤں کی کرنیں ہیں جہانِ شعر میں
نیّرِ چرخِ کہن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

گلستانِ شعر و گلزارِ سخن کا دوستو
بلبلِ شیریں دہن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

آپ کی فکرِ رَسا کی ہیں شعاعیں دَہر میں
جلوۂ شعر و سخن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

اچھے اچھے شاعرانِ نکتہ رَس کے دیکھئے
آج بھی اُستادِ فن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

اہلِ دیں، اہلِ عقیدت سب پہ ہے نظرِ کرم
مشفقِ اہلِ سنن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

میں علیؔ کم فہم کیا سمجھوں اُن کے شعر کو
ماہرِ فنِّ سخن ہیں بالیقیں قبلہ حسنؔ

☆

حواشی

(کتاب میں مذکور اہم شخصیات کا تعارف)

۱۔ **حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوری:** اصل نام شاہ خیر الدین ہے۔آپ کا مزار لاہور میں لاہور ہوٹل کے عقب میں مرجع خاص وعام ہے۔عام لوگ آپ کو صرف ایک ولی اور بزرگ کی حیثیت سے جانتے ہیں حالاں کہ آپ کی اصل بزرگی اور اصل ولایت آپ کا طرزِ عمل اور آپ کا علم وفضل تھا اور آپ کی وہ تصنیفات ہیں جو علم دین اور علم تصوف میں آپ نے تصنیف کی ہیں۔آپ کے زہد واتقاء اور آپ کے عالم متبحر ہونے کی وجہ سے آپ کی زندگی ہی میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔آپ دہم ماہ ذوالحجہ بروزِ عید الاضحیٰ ۹۶۰ھ میں بہ زمانۂ اکبر پیدا ہوئے اور ۱۶؍ربیع الاوّل ۱۰۲۴ھ کو بہ زمانۂ شاہجہان بہ عمر ۶۵ سال عہد جہانگیر میں وفات پائی۔مقبرہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں تعمیر کرایا تھا۔ساتھ ہی مسجد بھی بنوائی تھی جو اب تک موجود ہے۔سکھوں کے عہد میں غوثی خاں جرنیل توپ خانہ نے کچھ اور بھی ایزاد کیا۔مقبر کی بقیہ عمارت آپ کے فرزند شاہ محمد باقر نے تعمیر کی۔بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ ان کا اصل وطن بھیرہ (شاہ پور) تھا۔(تذکرہ علمائے لاہور از محمد دین فوق، بزرگانِ لاہور از پیر غلام دستگیر نامی)

۲۔ **شیخ عبدالحق محدث دہلوی:** (پیدائش: جنوری ۱۵۵۱ء۔وفات: ۱۹؍جون ۱۶۴۲ء، مقام: دہلی) آپ کا پورا نام شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری ہے، مغلیہ دَور میں متحدہ ہندوستان کے مایہ ناز عالم دین اور محدّث تھے۔ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج واشاعت میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔بیس بائیس سال کی عمر میں علوم دینیہ عقلیہ ونقلیہ مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔۹۹۶ھ/ ۱۵۸۸ء میں حجاز کا رُخ کیا اور کئی سال تک حرمین شریفین کے اولیاء کبار اور علماء زمانہ سے استفادہ کیا۔بالخصوص شیخ عبدالوہاب متقی خلیفہ شیخ علی متقی کی صحبت میں علم حدیث کی تکمیل کی۔پہلے اپنے والد محترم سے بیعت ہوئے اور پھر ان کے ایما پر سلسلہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی سے بھی شرف بیعت تھا۔جب حرمین سے واپس آئے سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ باقی باللہ سے بھی بیعت کی۔حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوری سے بھی دلی عقیدت ومحبت تھی۔پچاس سال تک دہلی میں مصروف تدریس وتالیف رہے۔چند کتب کے نام یوں ہیں: لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوۃ، جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، اخبار الاخیار، زبدۃ الآثار، مفتاح الفتوح، ماثبت من السنۃ، ضرب الاقدام، مکتوبات، تکمیل الایمان، تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف۔ثاقب قادری

۳۔ **علامہ شمسؔ بریلوی:** مولانا شمس الحسن صدیقی معروف بہ شمس بریلوی بن مولانا ابوالحسن صدیق عاصیؔ بریلوی

(م ۱۹۳۷ء) بن مولانا حکیم محمد ابراہیم بدایونی بریلی (انڈیا) کے محلہ ذخیرہ کے اسی مکان میں پیدا ہوئے جس میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی پیدا ہوئے تھے۔ حضرت شمس بریلوی کا سنہ ولادت ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء ہے۔ آپ کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ کے تایا مولانا ریاض الدین صدیقی بریلوی صاحب تصانیف بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شمس بریلوی نے دارالعلوم منظر اسلام میں تعلیم حاصل کی، نیز الٰہ آباد بورڈ سے فارسی زبان کے امتحانات منشی کامل اور ادیب کامل امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔ شاعری میں مولانا سید قاسم علی خواہاں تلمیذ حضرت حسنؔ بریلوی سے اصلاح لی۔ تقریباً دس سال ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۵ء مدرسہ منظر اسلام میں شعبہ فارسی کے اُستاد رہے، پھر بریلی کے اسلامیہ کالج میں ۱۹۵۴ء تک اُستاد رہے۔ ۱۹۵۶ء میں پاکستان آگئے اور گورنمنٹ اسکول ایئر پورٹ میں ملازمت اختیار کی اور ۱۹۷۵ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ نے متعدد کتب کا اُردو ترجمہ کیا نیز خود بھی متعدد کتب تحریر کیں۔ چند کتب کے نام یہ ہیں: شرح انشاء ابوالفضل (دفتر اوّل)، مقدمہ مثنوی سحر البیان (میر حسن)، تنقیدی شہ پارے، تہذیب خانہ داری، بچوں کی تربیت، ترجمہ گلستان سعدی مع حواشی، ترجمہ بوستان سعدی مع حواشی، شرح دیوان حافظ شیرازی مع حواشی، ترجمہ مدارج النبوۃ (جلد دوم)، سعیدی اُردو کمپوزیشن، ارمغان سیفی پر تنقید، تکان مرگ کا ترجمہ 'موت کا جھٹکا'، معلم الدین (ترجمہ)، نفسیات کے زاویے، لمعات خواجہ (ترجمہ)، لطائف اشرفی (ترجمہ)، مقدمہ مقامات صوفیہ، مقدمہ ماثر الکرام، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت، نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ترجمہ غنیۃ الطالبین، ترجمہ تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین سیوطی، ترجمہ عوارف المعارف از شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، ترجمہ نفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامی، سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط کا اُردو ترجمہ، کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ، امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری (دو جلدیں)، فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ عالمگیریہ، آفتاب افکارِ رضا (مثنوی کی بحر میں امام احمد رضا کے علوم وفنون کا تعارف۔ تقریباً پانچ ہزار اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ہنوز تشنۂ طباعت ہے۔)، تاریخ نعت۔ آپ کی حیات وسوانح عمری بارے ایک کتاب ''لمعات شمس'' اور ''جہانِ شمس'' مرتب ہوئیں۔ آپ کی چھ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ سفر حرمین شریفین وحج بیت اللہ کی سعادت ۱۹۷۹ء میں نصیب ہوئی۔ ۱۲/مارچ ۱۹۹۷ء مطابق ۲/ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ بروز بدھ بعد از نماز عشاء واصل باللہ ہوئے۔ کراچی کے سخی حسن قبرستان (نارتھ ناظم آباد) میں تدفین ہوئی۔ (انوارِ علمائے اہلِ سنت سندھ ص ۳۵۰۔ ۳۵۳)

۴۔ **اُستاذ الاساتذہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی:** نواب محمد حبیب الرحمٰن شروانی نے لکھا ہے کہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی کا شجرۂ نسب صحابی رسول حضرت امین الامۃ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ مفتی لطف اللہ کے والد مولوی اسداللہ 'کول' (علی گڑھ) میں وکالت کرتے تھے، اسی وجہ سے آمدنی بہ فراغت گزرتی، تمغائے شرافت قصبہ میں اَملاک بھی تھی جو بھائی کے لیے چھوڑ رکھی تھی، اُردو شاعری کا ذوق تھا۔ مفتی لطف اللہ کی پیدائش 'پلکھنے' میں ۱۲۴۴ھ میں ہوئی۔ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے پس ناز ونعمت میں پرورش ہوئی۔ بچپن سے نماز کے عادی تھے۔ 'جلیسر' کے مولوی عظیم اللہ سے فارسی پڑھی۔ انتہائی کتابیں اپنے پھوپھا مولوی حفیظ اللہ خاں سے پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لیے مفتی عنایت احمد کاکوروی کے پاس حاضر ہوئے۔ تحصیل علم کے بعد خود ساری زندگی درس و تدریس میں مصروف رہے۔ ندوۃ العلماء کے ساتھ بھی تعلق رہا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جو یقیناً ایک الگ موضوع تحقیق ہے۔ نواب حبیب الرحمٰن شروانی نے ۸۱ معروف تلامذہ کے نام ذکر کیے ہیں جن میں

یہ نام زیادہ معروف ہیں: مولانا احمد حسن کان پوری، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، مولانا عبدالحق حقانی، مولانا فضل احمد رحمانی، مولانا فضل حق رام پوری، حکیم عبدالقادر خاں شاہ جہان پوری، مولانا شمس الدین پنجابی، مولانا عبدالقدوس پنجابی، مولانا عنایت اللہ پنجابی، مولانا نور محمد پنجابی، مولانا عبدالفتاح، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا عبداللہ قائم گجراتی، نواب حبیب الرحمٰن شروانی۔

یوم عرفہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۸ر اکتوبر ۱۹۱۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔ نوے برس کی عمر پائی۔ حضرت شاہ جمال العارفین کے جوار میں مدفون ہوئے۔ مفتی لطف اللہ کی اولاد میں چھ لڑکے تھے۔ ان میں سے محمد کرامت اللہ کا انتقال اوائل عمری میں ہوگیا۔ سب سے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالقادر فاضل درس نظامی تھے۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن مجددی سے بیعت تھے۔ مدرسہ فیض عام (کان پور) میں صدر مدرس رہے۔ محض ۲۸ برس کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں وفات پائی۔ منجھلے مولوی عنایت اللہ حکیم و حافظ تھے۔ ماہر طبیب تھے۔ جامع مسجد میں اپنے والد کی جگہ صدر مدرس رہے۔ پھر بھوپال میں مجلس العلماء کے رکن اور بعداً زاں مفتی مقرر ہوئے اور وہیں ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔ سلطان جہاں بیگم بھوپال کے ہمراہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور علمائے حرمین شریفین سے کلام اللہ، حدیث رسول ﷺ، قصیدہ بُردہ اور دلائل الخیرات وغیرہ کی سندیں لائے تھے۔ تیسرے مولوی امانت اللہ درس نظامی کے فاضل تھے اور منجھلے بھائی کے بھوپال چلے جانے کے بعد جامع مسجد میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ برسوں پورے انہماک اور اہتمام کے ساتھ جملہ علوم کا درس دیا۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں انتقال ہوا۔ چوتھے بیٹے مولوی سلامت اللہ نے عربی کے ساتھ انگریزی بھی پڑھی۔ سب سے چھوٹے بیٹے عبدالحمید نے انگریزی و فارسی علوم حاصل کیے۔ (اُستاذ العلماء مفتی لطف اللہ علی گڑھی مؤلفہ نواب حبیب الرحمٰن شروانی مطبوعہ شروانی پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۳۷ء)

۵۔ **نظیرؔ لدھیانوی:** آپ ۹رفروری ۱۹۰۲ء کو لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی منشی محمد نجیب خاں نشاطؔ (م ۱۹۴۴ء) بھی اُردو اور فارسی کے معروف شاعر تھے۔ نظیر لدھیانوی مختلف اخباروں مثلاً زمیندار، نوائے وقت اور شہباز کے ساتھ منسلک رہے۔ تحریک پاکستان کے لیے بھرپور مضامین لکھے۔ متعدد ادبی کتب بھی تصنیف کیں جن میں نمایاں نام یہ ہیں: مختصر تاریخ ادب اُردو، شرح دیوان غالبؔ، اُردو قصیدے کا ارتقاء، تذکرہ شعرائے اُردو، لسان العصر اکبر آبادی، تذکرہ عندلیبان گلزار رسول ﷺ، فن تنقید اور شعراء پر تنقیدیں، شعر حسنؔ وغیرہ۔ آپ نے اپنی کتاب "تذکرہ شعرائے اُردو" میں اپنا مختصر تعارف تحریر کیا ہے۔ ۲۷رجنوری ۱۹۸۹ء کو لاہور میں فوت ہوئے اور لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب میں مدفون ہوئے۔ ثاقب قادری

۶۔ **حاجی محمد مرید احمد چشتی** (۱۹۵۲ء۔ ۲۰۱۴ء) بن میاں بہاول بخش چک جانی نزد پنڈی سید پور ضلع جہلم میں ۳رمارچ ۱۹۵۲ء بمطابق ۵ جمادی الاخری ۱۳۷۱ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام میاں بہاول بخش قادری جبکہ والدہ کا نام حاجبہ فضل جان تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ حسن "بھائی کے مٹو"، ضلع حافظ آباد سے ترک سکونت کرکے تحصیل پنڈ دادن خان کے مشہور و معروف گاؤں پنن وال میں آئے۔ شجرہ نسب یہ ہے: محمد مرید احمد چشتی بن میاں بہاول بخش قادری بن مولا بخش قادری بن حسن۔ مرید احمد چشتی نے ناظرہ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتب مولانا نیاز احمد واں بچھروی سے مدرسہ اشاعت العلوم چکوال میں سبقاً پڑھی۔ صرف کی ابتدائی کتب مولانا محمد صدیق ٹاہلیانوالہ (جہلم) سے پڑھی۔ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے ہاتھ پر ۱۹۶۸ء میں بیعت کی۔

ساری عمر ایک پرائمری اسکول ٹیچر کے طور پر کام کرنے کے ساتھ درج ذیل کتب بھی آپ کے قلم سے نکلیں:
(۱) جہان رضا، (۲) خیابانِ رضا، (۳) مناقب رضا، (۴) فوز المقال فی خلفائے پیر سیال (۱۰ جلدیں)، (۵) انوار سیال، (۶) انوارِ قمر۔ اس کے علاوہ آپ نے امام احمد رضا کے ۲۱ خلفاء کے احوال تحریر کئے ہیں جو کہ شائع نہیں ہوئے۔ شمس الاسلام کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۰ء میں آپ کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ راقم نے اس کانفرنس کی روئیداد لکھی جسے حاجی مرید احمد چشتی نے فوز المقال کی نویں جلد میں شامل کیا۔ جناب مرید احمد چشتی کا وصال ۶ ستمبر ۲۰۱۴ء کو ہوا۔ آپ کی اولاد میں بیٹا محمد کاشف رضا چشتی بقید حیات ہے۔ خورشید قادری

۷۔ **راجا رشید محمود:** آپ کے آباؤ اجداد جہلم کے قصبہ کھجولہ (جو اب چو آسیدن شاہ ضلع چکوال ہے) کے رہنے والے تھے۔ راجا صاحب کے والد گرامی راجا غلام محمد حیدر آباد دکن چلے گئے لیکن ۱۹۴۸ء میں سقوط دکن کے وقت مہاجرت کے عالم میں پاکستان آئے تو ضلع سرگودھا میں مقیم ہوئے، پھر ۱۹۵۹ء میں لاہور آ گئے۔ راجا غلام محمد کی کتاب ''امتیازِ حق'' پاک و ہند میں متعدد مرتبہ شائع ہوئی اور اہل علم و تحقیق میں کافی مقبول ہوئی۔ راجا غلام محمد ۱۶ رمئی ۱۹۸۸ء کو وصال فرما گئے۔ راجا رشید محمود ۲۳ راگست ۱۹۳۹ء کو ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کے بعد پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ (لاہور) میں ملازم ہوئے اور نصابی کتب کی ترتیب و تدوین کے فرائض نبھانے لگے۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف کیں جن میں تحریک ہجرت، اقبال و احمد رضا مدحت گرانِ پیغمبر، اقبال قائد اعظم اور پاکستان، وغیرہ نمایاں ہیں۔ آپ نے حمد و نعت کے فروغ کے لیے اَن تھک کام کیا۔ جنوری ۱۹۸۸ء کو ایک ماہنامہ 'نعت' کا اجراء کیا جو تقریباً دسمبر ۲۰۱۱ء تک ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ خود بھی حمد و نعت لکھتے رہے یہاں تک کہ نعت میں ۴۷ دیوان ہو گئے، یونہی حمدِ باری تعالیٰ میں بھی متعدد دیوان تحریر کیے۔ راجا صاحب کی صاحبزادی ڈاکٹر شہناز کوثر بھی سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے ۱۷ کتب تصنیف کر چکی ہیں جن میں سے چھ کتابوں پر انہیں صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے۔ راجا صاحب کے بیٹے راجا اظہر محمود بھی سیرت النبی ﷺ کے متعلق چھ کتب تحریر کر چکے ہیں جن میں سے دو پر اُن کو صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے۔ راجا صاحب کے دوسرے بیٹے راجا اختر محمود کی تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ایک مرتبہ انہیں صدراتی ایوارڈ مل چکا ہے۔ ۲۰۱۱ء میں مولانا حسن رضا خان بریلوی کی مثنوی وسائل بخشش کی تحقیق و ترتیب کے سلسلہ میں راجا رشید محمود سے میرا پہلا رابطہ ہوا، اور اس کے بعد متعدد ملاقاتیں رہیں۔ بزرگ محقق عابد حسین شاہ پیرزادہ کا راجا صاحب سے قدیم تعلق تھا، وہ اس دوران جب بھی لاہور آئے ان کے ہمراہ بھی راجا صاحب کے ہاں جانے کا موقع ملتا۔ راجا صاحب ہر ماہ پابندی سے مشاعرہ بھی منعقد کرتے 'رسائل حسن' 'کلیات حسن' کی ترتیب و اشاعت سے خوش ہو کر راجا رشید محمود مرحوم نے حضور سیدی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر راقم کو بطور مہمانِ خصوصی مدعو کیا اور سرکاری اشتہارات میں نام بھی شائع کروا دیا۔ راقم کی کوشش سے راجا صاحب کی کتاب ''تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء'' مقصود احمد کامران نے اپنے مرحوم اشاعتی ادارے 'دار النعمان' سے شائع کی تھی۔ راجا صاحب نے اپنے ساٹھ سے زیادہ نعتیہ دیوان اور ماہنامہ 'نعت' کے متعدد اہم شمارے راقم کی ترغیب و تحریک پر جناب طارق محمود لاہوری کو اسکین کر کے انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کرنے کے لیے دیے۔ میری خواہش تھی کہ ماہنامہ نعت کے تمام شمارے اپ لوڈ ہو جاتے لیکن ابھی تک اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ راجا صاحب کا ایک اور اہم کارنامہ ناموس رسالت و غازیانِ ناموس

رسالت کے متعلق ماہنامہ نعت (لاہور) کے چھ خصوصی نمبروں کی ترتیب و اشاعت بھی ہے۔ راجا صاحب سچے عاشق رسول اور عقیدے کے نہایت پختہ تھے۔ ۱۲/اپریل ۲۰۲۱ء کی صبح راجا صاحب کا وصال ہو گیا۔ دعا ہے رب کریم راجا صاحب کی مغفرت فرمائے اور بلند درجات سے نوازے۔ آمین۔ ثاقب قادری

۸۔ **حضرت سید اویس علی سہروردی:** یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء جمعرات بمطابق ۲۲ محرم ۱۳۷۳ ہجری کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد محترم پیر سید عظیم علی شاہ چشتی صابری سلسلہ کے اہل دل بزرگ تھے۔ سید اویس سہروردی نے ۱۹۸۵ء میں پنجابی اور پھر فلسفہ میں ایم اے کیا۔ زاں بعد نیشنل بنک آف پاکستان میں ملازم ہو گئے۔ آپ باسکٹ بال کے بین الاقوامی کھلاڑی بھی رہے ہیں، ۱۹۷۸ء میں اسی سلسلہ میں جاپان گئے تو وہاں ایک عیسائی پادری سے بحث کے بعد دینی علوم کے حصول کی اہمیت کا شدید احساس ہوا چنانچہ ادیانِ عالم کا مطالعہ شروع کیا قلبی اطمینان حاصل نہ ہوا تو پھر ہر مذہب کے تصوف کا مطالعہ شروع کر دیا بقول آپ کے دلی سکون اسلامی تصوف کے گہرے مطالعے سے ہی حاصل ہوا چنانچہ اس کی عملی تربیت کے لئے شیخ طریقت کی تلاش شروع کر دی۔ صوفی محمد نذیر غوری سہروردی بلند پایہ درویش سے رابطہ ہوا، چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: میرے لائق خدمت؟ عرض کی حضور ﷺ سے نسبت پیدا ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ یہاں آتے جاتے رہا کریں واپس گھر آئے تو عصر کے وقت دل نے چاہا کہ آپ کے پاس اعظم مارکیٹ میں حاضری دوں مگر سستی غالب آ گئی۔ ایک ہفتہ یونہی گزر گیا، آخر سات دن بعد عصر کے وقت حاضر خدمت ہوئے تو غوری صاحب نے فرمایا: ''شاہ جی! پورا ہفتہ ہو گیا ہے آپ کا انتظار کر رہا ہوں'' ان کے اس ارشاد کا دل پر گہرا اثر ہوا چنانچہ تقریباً سال بھر بوقت عصر حاضر خدمت ہوتے رہے دسمبر ۱۹۷۹ء میں آپ نے بیعت سے سرفراز فرما لیا۔ اویس صاحب بتاتے ہیں کہ صوفی صاحب صرف ایک لمحے کے لئے میری طرف دیکھتے گویا اس طرح توجہ باطنی فرماتے رہے نسبتاً طبیعت میں خاصی تبدیلی آ گئی، مسنون داڑھی بڑھالی، رات دو بجے خود بخود جاگ اُٹھتا، تہجد شروع کر دی لیکن بعض اوقات تھکاوٹ کی وجہ سے سستی کر جاتا اور ناغہ ہو جاتا۔ ایک دن حضرت صوفی صاحب فرمانے لگے شاہ جی! اگر تہجد کے وقت جاگ آ جاتی ہے تو نفل کیوں نہیں پڑھتے؟ تہجد حضور علیہ السلام پر فرض تھی درویش پر بھی فرض ہے۔ تم درویش کے ملنے والے ہو اس لئے پڑھ لیا کرو۔ ایک سال اسی طرح گزر گیا مگر حضور علیہ السلام کی زیارت نہ ہوئی، سوچا کہ اب جاگنا چھوڑ دوں، تہجد کے وقت خواب میں حضرت قبلہ غوث زماں ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے اس حقیر کو بغل میں لے لیا فیوض باطنی سے نواز کر اطمینان قلب عطا فرماتے ہوئے سلسلہ سہروردیہ کی ٹھوس علمی خدمات کا جذبہ دل کی گہرائیوں میں اُجاگر فرما دیا۔ ایک مجلس میں پیر و مرشد غوری صاحب نے فرمایا: ''سلسلہ سہروردیہ کی ٹھوس عملی و تبلیغی کاوشوں کو منظر عام پر ابھی تک نہیں لایا گیا۔'' یہ وہ فقرہ تھا جو میں نے ہر اُس محقق سے کہا جس سے بھی ملاقات کا موقع ملا، زہے نصیب کہ یہ دلی خواہش بھی پوری ہو گئی اور ستمبر ۱۹۸۶ء میں ''سہروردیہ فاؤنڈیشن'' کی بنیاد رکھ دی گئی۔ مارچ ۱۹۹۸ء تک ''مجلّہ سہرورد'' کے گیارہ شمارے منظر عام پر آ چکے تھے جو تصوف پر بلند پایہ تحقیقی مضامین پر مشتمل ہیں۔ اس مجلّہ کے علاوہ سید اویس علی نے حضرت قبلہ عالیہ رحمتہ کی چند تصنیفات بھی شائع کی ہیں سیاح لامکاں کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر بیرون ممالک بھی بھجوایا ''مشائخین سہرورد'' ۱۹۸۶ء میں شائع کی۔ سید اویس سہروردی نے اپنے مرشد حضرت صوفی نذیر غوری کے

اَحوال ومقامات اور ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب ''جویائے حق'' بھی تحریر کی۔
سید اویس سہروردی نے متعدد کتب پر تفصیلی مقدمے وحواشی تحریر کیے نیز اشاریے بھی ترتیب دیے۔ جن میں کرامت نامہ (مؤلفہ پیر بخش قادری سہروردی)، شیخ فخرالدین عراقی سہروردی، احوال وآثار مع رسائل و مکاتیب، رشف النصائح الایمانیہ وکشف الفضائح الیونانیہ (مؤلفہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی)، دیوان سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، مجموعۂ رسائل علاء الدولہ سمنانی، ردّ قادیانیت اور سُنّی صحافت (جلد دوم)
سید اویس سہروردی مرحوم کی زیرِ طبع کتب کے نام یوں ہیں: تذکرہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی، تذکرہ شیخ ابوالنجیب ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردی، سہروردیہ مشائخ کی علمی خدمات، روابط مابین مشائخ سہروردیہ ودیگر۔
سید اویس سہروردی پاکیزہ شخصیت کے حامل اور سلسلہ سہروردیہ کی علمی وتحقیقی رِوایات کے امین تھے۔ آپ نے تمام عمر دینِ متین کی خدمت میں گزاری اور میں نے اس ضمن میں آپ کو نہایت فعال پایا۔ راقم کی ان سے پہلی ملاقات غالباً ۲۰۱۲ء میں ہوئی، اس کے بعد مسلسل سلسلہ جاری رہا۔ کتب کی ترتیب وتدوین اور موضوعات کے انتخاب میں ان کی رہنمائی شامل رہی، یونہی کتاب کی تکمیل پر بعض اوقات نظر ثانی بھی فرماتے۔ راقم نے ۲۰۱۶ء میں ''ردّ قادیانیت میں صحافت کا حصہ'' کے عنوان سے کام شروع کیا تو بہت خوش ہوئے، فرمایا کہ ''اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں مجھے بھی شامل رکھو''۔ راقم کی زیرِ ترتیب کتاب ''اخبار الوفیات'' کی ترتیب میں نہ صرف شاہ صاحب نے قیمتی مشوروں سے نوازا بلکہ کتاب کے ایک حصہ کی سوفٹ فائل بھی خود سیٹ کر کے دی اور فرمایا کہ میں نے جس انداز میں ترتیب دیا ہے اب اسی اُسلوب پر کتاب کو مکمل کرو۔ راقم نے ۲۰۲۱ء میں ''الخیر ریسرچ فورم'' کا آغاز کیا تو بہت خوش ہوئے، بہت دعائیں دیں۔ بیماری کے سبب ریسرچ سنٹر تشریف نہ لا سکے تھے، وصال سے ایک ہفتہ قبل کال پر آئندہ اتوار کو آنے کا وعدہ کیا لیکن جمعرات کے روز طبیعت کی خرابی کے باعث معذرت کر لی اور اتوار کے روز (مورخہ ۲۳ر جنوری ۲۰۲۲ء مطابق ۱۹ر جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ) سہ پہر تقریباً چار بجے اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہوئے۔ ۲۴ر جنوری بروز پیر آپ کی رہائش گاہ کے باہر نماز جنازہ اَدا کی گئی جس میں کثیر اربابِ علم وفضل نے شرکت کی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ (لاہور) کے شیخ الحدیث علامہ حافظ ظہیر بٹ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد آپ کے جسدِ خاکی کو شاد باغ (لاہور) میں صوفی نذیر غوری سہروردی کے مزار پر لے جایا گیا اور وہیں مزار کے احاطہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ رب کریم سے دعا ہے کہ قبلہ شاہ صاحب کی کامل مغفرت فرمائے اور بلند درجات سے نوازے۔ (آمین بجاہ النبی الامین ﷺ)
(سید اویس سہروردی مرحوم کے مذکورہ بالا کوائف آپ کے صاحبزادے محترم سید افتخار سہروردی نے مہیا کیے۔ رب کریم انہیں اپنے والد کا صحیح جانشین بنائے اور وہ اپنے والد کے قائم کردہ اشاعتی ادارے اورینٹل پبلی کیشنز کو کامیابی وکامرانی سے جاری رکھیں۔ ثاقب قادری)

۹۔ **شہاب الدین رضوی:** مولانا محمد شہاب الدین رضوی بن محمد امین بن الحاج محمد نذیر رضوی ۱۲راپریل ۱۹۷۲ء کو بہرائچ اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد مفتی اختر رضا خان الازہری سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۸۸ء میں منشی فاضل، ۱۹۸۹ء میں کامل اور ۱۹۹۰ء میں ادیب کے امتحانات پاس کیے۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی تصنیف وتالیف کا شوق تھا۔ آپ کی چند کتب کے نام یہ ہیں: اوّلیات، مفتی نقی علی خان بریلوی (حیات و

خدمات)، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ (بریلی)، مفتی اعظم اور اُن کے خلفاء۔ ماہنامہ سُنی دنیا (بریلی) کے مدیر رہے۔ اس دوران آپ نے حضرت حسنؔ بریلوی کے متعلق ارباب علم وفن سے مقالات تحریر کروا کر ایک ضخیم نمبر شائع کیا۔ دیگر جرائد ورسائل میں بھی آپ کی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ثاقب قادری

۱۰۔ **ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیبؔ** ۱۰؍جون ۱۹۳۱ کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سیّد اختر حسین ہے۔ شجرۂ خاندانی حضرت سیّد احمد شاہ المعروف بہ حاجی بابا سے ملتا ہے۔ حضرت بابا ترمذ کے باشندے تھے اور نسباً حسنی وحسینی سیّد تھے۔ موصوف حافظ رحمت خان کے پیر طریقت تھے جب حافظ رحمت خان نے روہیل کھنڈ کی زمام حکومت سنبھالی تو اپنے پیر طریقت کو اپنے پاس بلالیا۔ حضرت حاجی بابا کا مزار مسجد نَو محلہ بریلی میں مرجع خلائق ہے۔

ڈاکٹر لطیف حسین کی تعلیم کا آغاز ان کے دادا سیّد احمد حسن شاہ کے زیر سایہ ہوا، جو علوم شرقیہ میں دَرک رکھتے تھے اور شعر گوئی میں اخترؔ تخلص تھا، نیز مولانا حسن رضا بریلوی کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر لطیف نے آگرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی مکمل کی۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے ''چند شعرائے بریلی''۔ ثاقب قادری

۱۱۔ **کرامت علی خاں شہیدی** بن عبدالرسول خاں، موضع ہڑیا پور ضلع اناؤ، اتر پردیش میں پیدا ہوئے، تعلیم وتربیت لکھنؤ میں ہوئی اور وہیں کلیکٹریٹ میں ملازم ہوئے۔ قلندرانہ وضع اور جہاں گشت قسم کے انسان تھے۔ شہیدیؔ کے والد اعلیٰ عروضی تھے۔ راجہ ٹکیٹ رائے کے فارسی کلام پر اصلاح دیتے تھے۔ شہیدیؔ کو شاعری ورثہ میں ملی۔ ابتدا میں مصحفیؔ (متوفی ۱۸۲۵ء) کے شاگرد ہوئے، بعد کو دہلی میں شاہ نصیر (متوفی ۱۸۲۵ء) کا تلمذ اختیار کیا۔ عمر کی آخری دہائی میں بریلی وارد ہوئے۔ گلی نوابان میں روہیلہ کی رفاقت اختیار کی، وہاں سے نوابین کمبوہان قلعہ جامع مسجد بریلی کے یہاں چلے آئے۔ ان کے مربی نواب عطا حسین خاں عطاؔ تھے جن کی مدح میں اکیس اشعار ''کلیات شہیدی'' میں شامل ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی کی تحریک پر سفر حج اختیار کیا۔ ۴؍صفر ۱۲۵۶ھ مطابق ۷؍اپریل ۱۸۴۰ء کو مدینہ شریف میں گنبد خضرا دیکھ کر انتقال فرمایا۔ کرامت علی شہیدی کا دیوان شائع ہو چکا۔ (تذکرہ نعت گویانِ بریلی، ص ۷۷)

۱۲۔ **مولانا کفایت علی کافیؔ:** شہید جنگ آزادی حضرت مولانا مفتی سیّد کفایت علی کافی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا نسبی تعلق نگینہ، ضلع بجنور (یوپی) کے ایک معزز خانوادۂ سادات سے تھا۔ آپ نے مراد آباد کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ علمائے بدایوں و بریلی سے علم حاصل کیا۔ حضرت شاہ ابوسعید مجددی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے علمِ حدیث کی تکمیل کی۔ علمِ طب مولانا حکیم شیر علی قادری سے حاصل کیا۔ مولانا کافی پر اپنے استاذ ومربی حضرت شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا گہرا اثر تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو علمِ حدیث اور تصوف سے بے حد شغف تھا، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ عشقِ رسول اُن کی غذائے روح اور قلب کا سامانِ تسکین تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبات سے جب آپ کا دل مضطرب ہوتا، اور فراقِ حبیب اُن کی رُوح کا سکون وقرار چھین لیتا تو ان کے جذباتِ دروں نعتیہ اشعار کا رُوپ دھار لیتے، اور اُن کے نازک احساسات کے سرچشموں سے عشقِ نبوی سے لبریز منظوم آبشار جاری ہو جاتے۔ آپ کا دل زیارت حرمین طیبین کے لیے تڑپتا تھا۔ ''دیوانِ کافی'' میں جا بجا زیارت دیارِ حبیب کا شوق اپنی جلوہ سامانیاں بکھیرتا نظر آتا ہے ۱۸۴۱ء میں زیارتِ حرمین شریفین کا موقع عنایت فرمایا۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء میں بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ ۱۶؍

رمضان ۱۲۷۴ھ مطابق ۳۰/اپریل ۱۸۵۸ء کو مولانا کافی گرفتار ہوئے، ان پر انگریزی حکومت کی بغاوت کے تعلق سے مختلف الزامات عائد کیے گئے۔ اس کے بعد پھانسی کا حکم صادر ہوا۔ مولانا کافی نے جیسے ہی حکم سنا، نہایت خوشی کا اظہار فرمایا۔ سزائیں شروع ہوئیں، جسم پر گرم گرم لوہا (استری) پھیری گئی، زخموں پر نمک مرچ چھڑکا گیا۔ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے ہر طرح کا حربہ استعمال کیا گیا، مگر آپ ان اذیت ناک سزاؤں کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلتے رہے، صبر و شکر سے کام لیتے رہے اور اس نازک موقع پر بھی آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ جب اس مردِ مجاہد سے انگریز مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنی سزاؤں کے ترکش کا آخری تیر نکالا، اور ۶/مئی ۱۸۵۸ء کو برسرِ عام جیل کے سامنے چوک مراد آباد میں اس عاشقِ رسول مردِ مجاہد کو تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ جب آپ کو سُولی دینے کے لیے تختۂ دار کی جانب لے جایا گیا تو آپ کی زبان پر ایک تازہ نعتیہ غزل تھی جسے بڑے ترنم اور وجد و شوق سے بلند آواز میں پڑھ رہے تھے۔ کوئی گل باقی رہے گا، نَے چمن رہ جائے گا۔۔۔ پر رسول اللہ کا دینِ حَسن رہ جائے گا۔ ثاقب قادری

۱۳۔ **سید علی احسنؔ مارہروی:** ڈاکٹر حامد علی (گلبرگہ، ہند) اپنے مقالہ **"داغ دہلوی کے ایک شاگرد سید احسن مارہروی"** میں لکھتے ہیں: "خانوادۂ سادات بلگرام کی شہرت و مقبولیت اور مقام و مرتبہ شہرۂ آفاق ہے۔ اورنگ زیب کے زمانے میں سید شاہ برکت اللہ معروف بہ صاحب البرکات قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ میں تشریف لائے اور رُشد و ہدایت، تعلیم و تبلیغ، دعوت و اصلاح اور خدمتِ خلق کے لئے خانقاہ قائم کی جو صدیاں گذرنے کے بعد آج بھی سرکار خورد کے نام سے مارہرہ میں موجود ہے۔ یہی بزرگ جناب احسنؔ مارہروی کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ احسنؔ مارہروی کا اصل نام علی سید علی حسن ہے۔ "شاہ میاں" کے لقب سے معروف تھے۔ ان کی پیدائش مارہرہ شریف میں ۱۰/نومبر ۱۸۷۶ء مطابق ۲۲/شوال ۱۲۹۲ھ کو ہوئی۔ احسنؔ مارہروی کے والد گرامی کا نام نامی سید مجتبیٰ حسین ہے۔ سادات بلگرام کی یہ شاخ اپنی خاندانی روایت اور سماجی و معاشرتی رکھ رکھاؤ اور خالص مذہبی شناخت کی بنیاد پر نہایت معزز و محترم تھی۔ اس لئے جناب احسنؔ کی تعلیم خالص خانقاہی، مذہبی اور دینی ماحول میں ہوئی۔ قرآن کریم حفظ کیا اور دینی تعلیم لی۔ اسی دوران ان کے والد گرامی جو سفر حرمین شریفین اور مناسک حج کی ادائیگی کے لئے مکۃ المکرمہ تشریف لے گئے تھے، واپسی میں بمبئی پہنچ کر انتقال ہو گیا۔ احسنؔ مارہروی نے بذات خود ۱۸۹۴ء میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ جب واپس آئے تو ان کے اندر کا شاعر ہمکنے لگے اور انہوں نے بذریعہ خط و کتابت حضرت داغؔ سے راہ و رسم قائم کی اور جب آتشِ شوق مزید بھڑکی اور اُستاذ کی صحبت فیض کی کشش نے اُبھارا تو احسنؔ مارہروی حضرت داغؔ کے پاس تشریف لے گئے۔ داغؔ ان دنوں ریاست حیدر آباد کو اپنے علم و فن سے سیراب کر رہے تھے۔ احسنؔ ۱۸۹۷ء میں حیدر آباد پہنچے اور شرف ملازمت حاصل کیا۔ حیدر آباد کے محلہ دار الشفاء میں کرایہ کے مکان میں رہ کر اُستاذ سے استفادہ کرنے لگے۔ کچھ دو ڈھائی سالوں کے بعد احسنؔ حضرت داغؔ کے بنگلے کے قریب محبوب گنج سے متصل ایک دوسرا کمرہ کرایہ پر لے کر قیام پذیر ہوئے۔ حیدر آباد میں احسنؔ کے قیام کی مدت لگ بھگ ۸/سال ہے۔ کچھ عرصہ ان کا قیام لاہور میں بھی رہا اور وہاں انہوں نے خمخانۂ جاوید جلد اوّل جو لالہ سری رام مرتب و مدوّن کر رہے تھے، اس میں ان کی اُنہوں نے مدد کی۔ حضرت احسنؔ کی زندگی کا کامیاب سرگرم اور آخری زمانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اُردو میں گزرا۔ ۱۹۲۱ء میں وہ شعبہ سے وابستہ ہوئے اور

۱۹۳۸ء تک سر گرمی کے ساتھ علم و ادب اور فکر و فن کی آبیاری کرتے رہے۔ ریٹائرڈ ہونے کے دو سال بعد ۳۰/اگست ۱۹۴۰ء کو اس دار فانی سے دار البقاء کی جانب وہ رخصت ہوئے۔

احسنؔ مارہروی بذاتِ خود علمی و ادبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ حضرتِ داغؔ کی صحبت و تربیت نے ان کے فکر و فن کے نکھارنے میں سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ داغؔ کی جو خصوصیات تھیں وہ خصوصیات ان کے شاگردوں میں بھی منتقل ہوئیں۔ حضرت احسنؔ نے بھی اپنے اُستاذ کے رنگ کو اپنے فکر و فن پر چڑھانے کی کامیاب کوشش کی اور تلامذہ داغؔ میں ایک منفرد مقام بنایا۔ حضرت احسنؔ کو تحریر و قلم سے بھی خاصا شغف تھا۔ اپنے استاذ کے ایماء پر انہوں نے 'فصیح اللغات' کی تیاری بھی شروع کی تھی تاکہ داغؔ کی زبان، اُسلوب اور خصوصیات و امتیاز کو زیادہ سے زیادہ فروغ ملے۔ لیکن یہ لغت تشنۂ تکمیل رہی کہ اسی دوران حضرت داغؔ اپنے چاہنے والوں کے ایک عظیم جہان کو داغ مفارقت دے گئے، اگر یہ لغت تیار ہوتی تو یقیناً اس کا شمار اہم لغات میں ہوتا۔

شعر و سخن کے علاوہ حضرت احسنؔ مارہروی کو خوش نویسی سے بھی خصوصی تعلق تھا۔ کشتی سے بھی دلچسپی تھی۔ منکسر المزاج اور متواضع مزاج و طبیعت کے حامل حضرت احسنؔ مارہروی جامع کمالات تھے۔ ان کے اوصاف و امتیازات انہیں کے ایک شعر سے یوں عیاں ہے۔

احسنؔ مرحوم سے ہم بھی ملے تھے ایک دن　　　آدمی خوش وضع خوش اوقات خوش پوشاک تھا

حضرت احسنؔ مارہروی کی یادگار اور باقیات الصالحات میں ان کی صلبی اولاد کے علاوہ کثیر تعداد میں ان کے تلامذہ بھی ہیں اور ان کی بہت سی تصانیف بھی ہیں۔ نظم و نثر میں ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور تصانیف کی ایک نامکمل فہرست یہ ہے۔ ۱: جلوۂ داغؔ (سوانح عمری داغؔ) ۲: کلیات ولی دکنی (ترتیب و تدوین) ۳: کسوف الشمسین (مرثیۂ شبلی و حالیؔ) ۴: اُردو لشکر (نظم) ۵: نمونۂ منثورات (تاریخ نثر اُردو) ۶: کارنامۂ غم (رُباعیات وسلام) ۷: انشائے داغؔ (مکاتبِ داغؔ) ۸: شاہکارِ عثمانی (نظام دکن کی فارسی نثر کا اُردو ترجمہ) ۹: منتخب داغؔ (انتخابِ کلامِ مرزا داغؔ) ۱۰: احسن الکلام (مجموعۂ کلام) ۱۱: گلدستۂ ریاضِ سخن (ریاضِ خلیل) اور اس کے علاوہ رسالہ 'فصیح الملک' کے متعدد شمارے۔ جو ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء کے دورانیہ میں نکلے۔

۱۴۔ **محسنؔ کاکوروی:** حضرت محسنؔ کاکوروی ۱۲۴۲ھ میں دیارِ اُردو لکھنؤ کے قصبہ کاکوری کے ایک شریف، دین دار اور تعلیم یافتہ علوی سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ فطری اعتبار سے آپ نیک، متقی، پرہیزگار اور پاکیزہ طبیعت کے حامل تھے۔ شاعری کی ابتدا نو سال کی عمر سے ہوئی۔ شب کو اپنے جدِ امجد کے پہلو میں سوتے تھے۔ خواب میں زیارت جمال مبارک حضرت رسول کریم ﷺ سے مشرف ہوئے۔ اس خواب کی خوشی میں سب سے پہلی نظم لکھی۔ اُستاذِ گرامی مولوی ہادی علی اشکؔ آپ کے خالہ زاد ماموں ثقہ، متقی پرہیزگار عالم باعمل تھے۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے وابستہ تھے۔ محسنؔ کاکوروی نے حضرت اشکؔ کی وفات کے بعد کسی سے اصلاح نہیں لی۔ دل عشقِ رسول ﷺ سے معطر و معنبر تھا۔ لہٰذا ان کے قلم سے نکلا ہوا ہر شعر کیف و سرمستی اور سوز و گداز میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ محسنؔ نے زیادہ تر نعتیہ قصائد قلم بند کیے۔ آپ کے یہاں دیگر شعرا کی طرح خیالات کی بے راہ روی نہیں ملتی۔ آپ نے محض سولہ سال کی عمر میں ایک ایسا شاندار نعتیہ قصیدہ لکھا جو خیالات کی پاکیزگی، جذبات کی صداقت، ندرتِ بیان اور تعظیم و محبت کے حدود میں قائم رہنے کی وجہ سے ایک شاہکار قصیدہ سمجھا جاتا ہے۔ محسنؔ کا قصیدہ ''سراپائے

رسول‘‘ بھی کافی مقبولیت رکھتا ہے۔ محسنؔ کے قصائد اور مثنویوں کی تفصیل یوں ہیں۔ **قصائد:** گلدستۂ رحمت، ابیاتِ نعت، مدیح خیر المرسلین ﷺ، نظمِ دل افروز، انیس آخرت، **مثنویاں:** صبح تجلّی، چراغ کعبہ، شفاعت ونجات، فغانِ محسنؔ، نگارستانِ اُلفت۔ ان کے علاوہ رُباعیات اور مسدّس کی ہیئت میں بھی کچھ نعتیہ منظومات ملتی ہیں۔ محسنؔ کی شعری کائنات، فکری پاکیزگی، بلند نگاہی، ندرتِ بیان اور نادرِ تشبیہات و استعارات، پیکر اور ترکیب سازی کی وجہ سے ایک خصوصی اور انفرادی اہمیت کی حامل ہے۔

محسنؔ کاکوروی کا قد میانہ اور رنگ گندمی تھا۔ چہرے پر چیچک کے کچھ داغ تھے جو بہت غور سے دیکھنے محسوس ہوتے تھے۔ چہرہ گول تھا۔ ہر معاملے میں متانت اور سنجیدگی سے کام لیتے تھے۔ آواز میں ملائمیت تھی۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے اور اپنے مزاج کی وجہ سے اتنی عزت پائی کہ بغیر پوچھے منصف مقرر کیے گئے لیکن حضرت نے انکار کر دیا۔ ۴/ اپریل ۱۹۰۵ء کو اسہال کبدی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ دوشنبہ ۱۰/ صفر ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۴/ اپریل ۱۹۰۵ء میں دس بجے دن کو اس عالم فانی سے ملک جاودانی کے لیے روانہ ہو گئے۔ مزار بمقام مین پوری متصل مزار مولوی حسین بخش مرحوم کے ساتھ ہے۔

۱۵۔ **شاہ بدیع الدین قطب المدار:** شیخ محقق نے ’’اخبارالاخیار‘‘ میں آپ کا سال پیدائش ۱۷۷ھ اور سال وصال ۸۵۱ھ تحریر کیا ہے۔ آپ کے حالات بڑی عجیب عجیب رِوایات ملتی ہیں، حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: ’’لوگ آپ کے متعلق بڑے بڑے عجیب وغریب واقعات نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ سمندر میں رہا کرتے تھے جو صوفیوں کا ایک مقام ہے، آپ نے بارہ سال تک کھانا نہیں کھایا، ایک بار جس کپڑے کو پہنتے پھر دھونے کی غرض سے اُتارتے نہ تھے، اکثر کپڑے سے چہرہ ڈھانپے رہتے تھے، آپ کے چہرہ پر جس کی نظر پڑ جاتی تو وہ بے اختیار ہو کر آپ کی غایت درجہ تعظیم وتکریم کرتا۔ عمر کے طویل ہونے یا کسی اور وجہ سے آپ کا سلسلہ پانچ یا چھ واسطوں سے رسول کریم ﷺ تک مل جاتا ہے اور سلسلہ مداریہ کے بعض لوگ تو آپ کو بغیر کسی واسطہ کے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں۔ بعضے کچھ اور کہتے ہیں لیکن یہ سب باتیں حدود شریعت سے خارج اور بے اصل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی آپ ہی کے ہم عصر تھے، ایک خط کے متعلق لوگوں میں بہت مشہور ہے کہ یہ خط شاہ بدیع الدین نے قاضی شہاب الدین کو لکھا تھا اور جو کچھ شیخ سراج سوختہ کے متعلق لکھا گیا ہے وہ کالپی کے بعض بڑے فضلاء سے منقول ہے، یہی فضلاء فرماتے ہیں کہ اس خط کا قصہ ہمارے دیار میں بھی مشہور ہے لیکن یہ بلا سند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب‘‘ (اخبارالاخیار، ص ۴۱۸ مطبوعہ شبیر برادر، لاہور)

۱۶۔ **حضور احمد خان آثمؔ بریلوی:** آپ ابتداء میں نیاز احمد خان ہوشؔ بریلوی (۱۸۹۲ء) کے شاگرد ہوئے، بعد کو امیر مینائیؔ (۱۹۰۰ء) کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ مدرسہ ’مصباح العلوم‘ بریلی میں مدرسی اختیار کی اور تاحیات اسی سے منسلک رہے۔ آثمؔ بریلوی نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن نعت سے زیادہ دلچسپی تھی۔ نعتیہ کلام ’منظور حق‘ (۱۳۰۴ھ) ۱۸۸۶ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا۔ آثمؔ بریلوی ۱۹۴۷ء میں فوت ہوئے۔ (تذکرۂ نعت گویانِ بریلی، ص ۲۵) بعض اہل قلم نے آپ کو حسنؔ بریلوی کے تلامذہ میں شمار کیا ہے جو کہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ ثاقب قادری

۱۷۔ **علامہ شبنم کمالی:** اُردو زبان کے بڑے شعراء میں ایک اہم ومعتبر نام ’’شبنم کمالی‘‘ کا ہے۔ آپ کا اصل نام ’مصطفیٰ رضا‘،

اور تخلص 'شبنم' تھا جبکہ نسبت 'کمالی' سے مراد یہ ہے کہ موصوف حضرت مولانا سید ابونصر حمد اللہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ (مدفون قصبہ پنّی ضلع پشاور) سے بیعت تھے۔ تعلیمی اسناد کے مطابق ۲۲ر جولائی ۱۹۳۸ء کو ضلع سیتامڑھی، بہار (انڈیا) میں مولانا حسن رضا کمالی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ تمام زندگی درس و تدریس اور تقریر و تحریر میں گزاری۔ ڈاکٹر ابرار رحمانی لکھتے ہیں: ''شبنم کمالی ایک باکمال انسان تھے۔ شاعری ان کی کثیر الابعاد شخصیت کا صرف ایک پہلو ہے۔ یوں تو انھوں نے شاعری کی دوسری اصناف پر بھی طبع آزمائی کی ہے اور خوب کی لیکن وہ بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے اور بوجوہ انھیں صنف نعت میں امتیاز حاصل تھا۔ انھوں نے اُردو کی نعتیہ شاعری میں بیش بہا اضافے کیے۔ نعت گوئی میں انھوں نے محض صنفی اور فنی مہارت اور مشاقی کا ثبوت نہیں دیا ہے بلکہ پورے جذباتی وفور کے ساتھ مکمل طور پر عشق محمد ﷺ میں ڈوب کر نعتیں کہی ہیں۔'' (علامہ شبنم کمالی، حیات و خدمات، ص ۳۰) عالم اسلام کی عظیم دینی درس گاہ مدرسہ منظر اسلام (بریلی) نے علامہ شبنم کمالی کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۲۰۰۰ء میں ''رئیس الاساتذہ'' کا لقب دیا جبکہ اس سے قبل انڈین حکومت نے ۱۹۹۹ء میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا۔ آپ کی تصانیف میں ''کمال النحو''، ''کمال الصرف''، ''فقہ اور امام اعظم''، ''قیام میلادی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں''، ''شمع ولایت'' (سوانح شاہ علاء الدین علی احمد صابر) ''تنویر خیال'' (شعری مجموعہ)، ''صحرا بھی گلزار لگے'' (مجموعۂ غزل و نعت)، ''صہبائے عقیدت'' (نعتیہ کلام)، ''ضیائے عقیدت'' (نعتیہ کلام)، ''انوارِ عقیدت'' (نعتیہ کلام)، ''فردوسِ عقیدت'' (نعتیہ کلام)، ''نوائے دل'' (ساٹھ غزلیات کا مجموعہ)، اور '' آؤ گیت گائیں'' (بچوں کے لیے نغمے)، ''گیت گاتے رہو'' (بچوں کے لیے نغمے)، ''مقالات و مضامین''، آئینۂ جمال مصطفیٰ ﷺ (سیرت رسول اکرم ﷺ) معروف ہیں۔ مولانا شبنم کمالی ۱۹ر اگست ۲۰۰۴ء کو واصل باللہ ہوئے۔ آپ کی حیات و خدمات بارے ڈاکٹر محمد قمر الدین ناپوری نے کتاب تحریر کی ہے جو کہ صائمہ پبلی کیشن (پٹنہ) سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی جو کہ ریختہ ویب سائٹ پر موجود ہے۔ ثاقب قادری

۱۸۔ **ڈاکٹر سید شمیم گوہر:** ۲۰ر جون ۱۹۵۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ یادگارِ اسلاف علامہ الحاج حکیم سید شاہ عزیز احمد (زیب سجادہ خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، نیا حجرہ چک الہ آباد) کے اکلوتے فرزند تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی پھر علامہ الحاج علی شیر سے چھ سات سال تک فارسی پڑھی۔ ۱۹۶۸ء میں 'ادیب کامل' پاس کیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور دارالعلوم غریب نواز (الہ آباد) سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ۳ر ستمبر ۱۹۷۲ء کو سند فضیلت سے نوازے گئے، نیز اسی موقع پر سید العلماء علامہ سید شاہ آلِ مصطفیٰ مارہروی نے خلافت اور جملہ اجازات سے نوازا۔ مختلف علمی و ادبی اخبارات و رسائل میں آپ کے تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہے ہیں، نیز آپ نے درج ذیل کتب تحریر کیں: ارتعاش (شعری مجموعہ)، لب ولہجہ (شعری مجموعہ)، رقص تحریر (طنز و مزاح کے موضوع پر تحریریں)، نعت کے چند شعرائے متقدمین، شہرگ، مولانا سید عبدالرشید قادری عظیم آبادی کی دینی خدمات وحیات کا مختصر جائزہ۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر جامعہ اشرفیہ مبارک پور (ہند) کے ترجمان رسالہ 'اشرفیہ' (مبارک پور) کے مدیر بھی رہے۔ ثاقب قادری

۱۹۔ **سید اکمل اجملی:** شمالی ہند کی مشہور خانقاہ اور برصغیر کے عظیم مرکز تصوف وعلم دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کے سجادہ نشین سید محمد اکمل اجملی گیارہ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ر مئی ۱۹۴۰ء کو حضرت مولانا سید احمد اجملی کے ہاں پیدا

ہوئے۔تعلیم وتربیت خانقاہ کے خالص علمی و روحانی ماحول میں ہوئی۔ بعد اَز اں سکول و کالج کی تعلیم مکمل کر کے پی ایچ۔ڈی کے لیے الہ آباد یونیورسٹی میں داخلہ لیالیکن بعض نا گزیر وجوہات کی بنا پر تحقیقی مقالہ مکمل نہ کر پائے۔ لیکن آپ کے تعاون سے کثیر محققین نے تحقیقی مقالات مکمل کیے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔سیّد محمد اکمل اجملی کی تحریریں مختلف علمی و ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں جن میں نظم ونثر اور تحقیق و تنقید سبھی شامل ہیں۔آپ کی کتب میں ''تذکرۂ سراج منیر''(غیر مطبوعہ تذکرہ سجادہ نشینانِ دائرہ شاہ اجمل)،''نقش دوام''(سیرت وسوانح حضرت مولانا سیّد احمد اجملی)،''باغ عشرت''،''زادِ سفر''،''والنجم'' اور''النبی ﷺ'' کے نام ملتے ہیں۔آپ کا سب سے فقید المثال کارنامہ سیرت پاک سے متعلق ۵۷۱/بندوں پر مشتمل مسدّس بہ عنوان ''محمد ﷺ'' ہے،اس طویل نظم میں ۵۷۱ءسنہ ولادت نبی آخرالزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی مناسبت سے مسدّس کے ۵۷۱ بند کہے گئے ہیں۔ ۱۹/شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴/ستمبر ۲۰۰۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔ثاقب قادری

۲۰۔ **مولانا حسرت موہانی:** اصل نام سیّد فضل الحسن اور تخلص حسرتؔ،قصبہ موہان ضلع اناؤ میں ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سیّد اظہر حسین تھا۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے بی اے کیا۔عربی کی تعلیم مولانا سیّد ظہور الاسلام فتحپوری سے اور فارسی کی تعلیم مولانا نیاز فتح پوری کے والد محمد امیر خان سے حاصل کی تھی۔حسرتؔ سودیشی تحریک کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔شروع ہی سے شاعری کا ذوق تھا۔اپنا کلام تسنیم لکھنوی کو دکھانے لگے۔ ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے ایک رسالہ" اُردوئے معلی" جاری کیا۔اسی دوران شعرائے متقدمین کے دیوانوں کا انتخاب کرنا شروع کیا۔حسرتؔ پہلے کانگریسی تھے۔گورنمنٹ کانگریس کے خلاف تھی چنانچہ ۱۹۰۷ء میں ایک مضمون شائع کرنے پر جیل بھیج دیے گئے۔اس کے بعد ۱۹۴۷ء تک کئی بار قید اور رہا ہوئے۔اس دوران ان کی مالی حالت تباہ ہوگئی تھی۔رسالہ بھی بند ہو چکا تھا۔مگر ان تمام مصائب کو انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور مشق سخن کو بھی جاری رکھا۔آپ کو''رئیس المتغزلین'' بھی کہا جاتا ہے-مولانا حسرتؔ موہانی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے بانیوں میں سے ایک تھے۔حسرتؔ موہانی نے ۱۳/حج کیے۔حسرتؔ موہانی نے ۷۲سال ۷ ماہ ۹ دن کی عمر میں ۱۳/مئی ۱۹۵۱ء کو لکھنؤ میں وفات پائی۔ثاقب قادری

۲۱۔ **ماہر القادری:** اصل نام منظور حسین ہے آپ ۳۰/جولائی ۱۹۰۶ء کو کسہیہ کلاں(انڈیا) میں پیدا ہوئے۔عملی زندگی کا آغاز حیدرآباد دکن سے کیا، پھر بجنور چلے گئے جہاں اخبار'مدینہ' بجنور اور'غنچہ' کے مدیر رہے۔زندگی کا بڑا حصہ حیدرآباد دکن، دہلی،بمبئی میں گزرا،اور پھر مستقل قیام کراچی میں رہا۔چند ماہ ملتان میں بھی گزارے۔اس کے علاوہ سیر وسیاحت کا بارہا اتفاق ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں ریاست حیدرآباد کے مختلف محکموں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ قیام حیدرآباد کے دوران میں جب نواب بہادر یار جنگ کی تقاریر کا طوطی بولتا تھا،نواب صاحب نے قائداعظم سے ان کا تعارف یوں کرایا:''میری تقریروں اور ان(ماہر القادری) کی نظموں نے مسلمانانِ دکن میں بیداری پیدا کی ہے۔''ماہر القادری کی تصانیف یہ ہیں: ذکر جمیل(نعتیہ مجموعہ)،ظہور قدسی(نعتیہ مجموعہ)،فردوس،نغماتِ ماہرؔ، جذباتِ ماہر،محسوساتِ ماہر۔ماہر القادری کا وصال ۱۹۷۸ء کو ۷۲ برس کی عمر میں دوران مشاعرہ مکۃ المکرمہ میں ہوا۔اساتذۂ فن جمیلؔ الدین عالی،حفیظؔ جالندھری،احسان دانشؔ،سرورؔ بارہ بنکوی اور اقبال عظیمؔ کی موجودگی میں جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔(بحوالہ ویب سائٹ: نعت کائنات) ثاقب قادری

۲۲۔ **محوؔ بریلوی:** مولوی مفتی حکیم حماد الحسن عثمانی محوؔ بریلوی نے عربی و فارسی کی درسی کتابیں مولوی سید ہدایت علی بریلوی سے پڑھیں اور تکمیل اپنے والد مفتی سلطان حسن خان احسنؔ بریلوی سے کی۔ شہر بریلی میں ایک مفتیوں کا خاندان تھا جن سے مذکورہ شخصیات کا تعلق تھا۔ محوؔ بریلوی کے شاعری میں اُستاد حضرت بسملؔ بریلوی تھے۔ مفتی محوؔ بریلوی نے ملازمت کی طرف توجہ نہ فرمائی اور خانہ نشینی کی زندگی بسر کی تاہم آپ نے رفاہِ عام سے غفلت نہ برتی اور ہمیشہ اپنے اعزا و اقارب، احباب اور عوام الناس کی طبابت سے خدمت فرماتے رہے۔ آپ مولانا حافظ کرامت علی خان شاہ جہان پوری سے بیعت تھے۔ محوؔ بریلوی مربی سخن اور غزل گو شاعر تھے آپ نے ۱۹۱۲ء میں ''بزم ادب'' کی تشکیل کی جس کے باقاعدہ مشاعرے ہوتے تھے۔ ان مشاعروں کی محفلیں مشرقی روایات اور تہذیب کا نمونہ تھیں، یہ ''بزم ادب'' ۱۹۴۷ء تک قائم رہی۔ آپ کا مولانا حسنؔ بریلوی سے خاص تعلق تھا۔

۲۳۔ **حافظ خلیل الدین پیلی بھیتی:** آپ کا پورا نام مولوی قاضی حافظ خلیل الدین ہے۔ حافظ تخلص اختیار کیا، شہر پیلی بھیت کے رئیس تھے۔ ابتداء میں وکالت کی بعد ازاں آنریری مجسٹریٹ رہے۔ حافظ پیلی بھیتی شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی قدس سرہ سے ارادت رکھتے تھے۔ دورۂ حدیث محدث سورتی قدس سرہ سے کیا۔ نعتیہ شاعری میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے آٹھ نعتیہ دیوان مطبوع موجود ہیں:

(۱) نعت مقبول خدا ۱۸۸۶ء، (۲) نعت رُوح ۱۸۹۳ء، (۳) خم خانۂ حجاز ۱۸۹۸ء، (۴) آئینۂ پیغمبر ۱۹۱۱ء، (۵) بیاض نعت ۱۹۱۴ء، (۶) نغمۂ جگر روز ۱۹۱۶ء، (۷) لذت درد ۱۹۱۹ء، (۸) میخانۂ خلد ۱۹۲۱ء۔

حافظؔ پیلی بھیتی کے تلامذہ کی ایک کثیر جماعت ہے۔ آپ کا مولانا حسنؔ رضا بریلوی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ سے خاص تعلق تھا۔

۲۴۔ **مفتی اعجاز ولی خان رضوی:** مولانا اعجاز ولی خاں رضوی (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۷۳ء) تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان آ گئے۔ ۱۹۵۱ء تک جامعہ محمدی شریف (جھنگ) میں شیخ الحدیث رہے، پھر کچھ عرصہ دارالعلوم اہل سنت و جماعت (جہلم) میں مدرس رہے، جون ۱۹۵۴ء میں جامعہ نعیمیہ لاہور میں بہ حیثیت شیخ الحدیث والفقہ منسلک ہوئے، چھ سال کے بعد جامعہ نعمانیہ (اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور) میں شیخ الحدیث کا منصب سنبھالا۔ ۲۴ر شوال مطابق ۲۰ر نومبر ۱۹۷۳ء بروز منگل فوت ہوئے۔ لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب میں مولانا غلام محمد ترنم امرتسری اور مفتی غلام معین الدین نعیمی کی قبور کے سرہانے کی جانب کچھ آگے جا کر ان کا مزار ہے۔ ثاقب قادری

۲۵۔ **مفتی تقدس علی خان رضوی:** مفتی تقدس علی خان (۱۹۰۷ء۔ ۱۹۸۸ء) قیام پاکستان کے بعد سندھ چلے آئے اور وہاں تبلیغ و تدریس میں مگن رہے، جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ، خیرپور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور ۳ رجب ۱۴۰۸ھ میں فوت ہو کر وہیں مدفون ہوئے۔ معروف محقق پیر سید زین العابدین راشدی نے اپنی کتاب ''انوار علمائے اہل سنت سندھ'' میں آپ کے حالات رقم کیے ہیں۔ ثاقب قادری

۲۶۔ **ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی:** ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی بن سید حلیم الدین رضوی (م ۱۹۴۶ء) کو ۱۹۴۲ء اُترپردیش کے شہر امروہہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد اعلیٰ شاہ اَبن کرمان سے ہندوستان آئے۔ آپ کے نانا محمد حسن محدث امروہی تھے۔ آپ نے ۱۹۸۱ء میں ابن الشعار کے تذکرہ شعرائے معاصرین ''قلائد الجمان'' کے ابتدائی ۱۲۰ر صفحات پر ڈاکٹر احسان الٰہی کی نگرانی میں تحقیق کر کے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل

کی۔ عربی کا ذوق آپ کو ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق سے حاصل ہوا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں صدر شعبۂ عربی بن کر ۱۹۹۱ء میں تشریف لائے۔ اس وقت جی سی یونیورسٹی لاہور میں Distinguished Professor کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ راقم ۱۹۹۳ء۔ ۱۹۹۴ء میں پنجاب یونیورسٹی شعبۂ عربی میں ایم اے عربی زبان و ادب کا طالب علم تھا جب آپ Visiting Professor کی حیثیت سے ''حماسہ'' پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ آپ پچھلے گیارہ برس سے شعبۂ علوم اسلامیہ میں راقم کے Colleague ہیں۔ خورشید قادری

۲۷۔ ڈاکٹر سراج احمد القادری بستوی: سراج احمد قادری ابن محمد عبد القیوم قادری (مرحوم) ۱۳؍جولائی ۱۹۶۹ء بروز سنیچر بعد نماز عصر آبائی وطن موضع ڈڑوا پوسٹ بھوجینی تحصیل خلیل آباد سابق ضلع بستی (موجودہ ضلع سنت کبیر نگر) اتر پردیش، انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں ایک مرد حق آگاہ حضرت ضیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے جا کرملتا ہے، جن کا مزار مبارک اُن کے آبائی وطن سے قریب شمال کی جانب ۲۰ کلومیٹر کی مسافت پر موضع کیتھولیا ضلع سنت کبیر نگر میں واقع اور مرجع خلائق ہے۔ بسم اللہ خوانی دادا الحاج مولوی محمد اسحاق نور اللہ مرقدہ اور ابتدائی عربی، فارسی کی تعلیم چچا حضرت علامہ مفتی محمد قمر الحسن قمرؔ بستوی، مقیم ہیوسٹن، امریکہ سے حاصل کی۔ ۱۹۸۹ء میں درس نظامی کی تعلیم کی تکمیل ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، ضلع فیض آباد، یوپی سے کی، اور ۱۹۸۹ء ہی میں اَوَدھ یونیورسٹی، فیض آباد سے اردو زبان میں ایم۔اے پاس کیا۔ ۱۹۹۵ء میں کانپور یونیورسٹی، کانپور سے پروفیسر سید ابوالحسنات حقی سابق پرنسپل و صدر شعبۂ اردو حلیم مسلم ڈگری کالج، کان پور کی نگرانی میں ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ قارئین کی خواہش کے احترام میں اُنہوں نے اپنے مذکورہ تحقیقی مقالے کو دو حصوں میں منقسم کر پہلا حصّہ ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی مطالعہ'' ۱۹۹۷ء میں ہندوستان کے مشہور و معروف نشریاتی ادارہ رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی نیز ۲۰۰۰ء میں فرید بک سٹال، لاہور، پاکستان سے شائع کرایا۔ مقالے کا دوسرا حصّہ ''نعتیہ روایت کا عروج و ارتقاء'' ۲۰۰۲ء میں رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی سے شائع کرایا۔ اپنے چچا حضرت علامہ محمد قمر الحسن قمرؔ بستوی کی ادبی شخصیت سے متاثر ہو کر ۱۹۸۲ء میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر سب سے پہلا مضمون قلم بند کیا جو ماہ نامہ ''تاجدار کائنات'' رام پور، یوپی میں طبع ہوا، اور اُسی وقت سے ان کا لکھنے پڑھنے کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔ سراج احمد قادری کو نعتیہ ادب سے خصوصی شغف ہے، موضوعات نعت ان کی فکر کا محور، فروغ نعت ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ وہ ہمیشہ نعت کے موضوع پر لکھنے پڑھنے کے لیے سوچتے رہتے ہیں۔ بایں سبب اب تک وہ نعتیہ ادب کے ۷۰؍ سے زائد مختلف موضوعات پر مقالات و مضامین قلم بند کر چکے ہیں جو ملک و بیرون ملک کے موقر مجلات و کتب جیسے ''نعت رنگ'' کراچی، ''معارف رضا'' کراچی، ماہ نامہ ''کنز الایمان'' دہلی، ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور، ماہنامہ ''قاری'' دہلی، سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی، ماہنامہ ''المسعود'' بہرائچ، ماہنامہ ''سُنّی دُنیا'' بریلی، ششماہی ''جہان نعت'' کرناٹک، سہ ماہی ''کاوش'' شاہجہاں پور، ''جہان حمد و نعت'' جموں کشمیر، ''ادبی محاذ'' کٹک، اڑیشہ وغیرہ میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ اسلامیات کے علاوہ مختلف موضوعات پر بھی اُنہوں نے قلم اٹھائے ہیں۔ دہلی کے عظیم صوفی بزرگ عالم دین، سلسلہ مجددیہ کے روحانی فرزند حضرت علامہ شیخ عبد العزیز بن حمید الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور و معروف کتاب ''عمدۃ الاسلام'' کا ترجمہ

اُردو زبان میں ’’زینت الاسلام‘‘ کے نام سے ۲۰۰۴ء میں رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی سے طبع کرایا۔ ان کی یہ عظیم کاوش پاکستان میں سلسلہ مجدّدیہ کے ادارہ تبلیغِ صوفیاء الیٰ الخیر، اورنگی ٹاؤن، کراچی سے ۲۰۱۷ء میں شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا ’’مجدّدی بہشتی زیور‘‘ جلد اوّل میں بھی شامل اشاعت ہے۔ اُن کے مقالات و مضامین کا ایک مجموعہ ’’شمائم النّعت‘‘ ماہ جنوری ۲۰۰۹ء میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے مالی تعاون سے رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی سے چھپ چکا ہے۔ نعتیہ ادب پر مقالات و مضامین کا دوسرا مجموعہ ’’نکات النّعت‘‘ زیرترتیب ہے جو عنقریب ہی (ان شاء اللہ مولیٰ تعالیٰ) طبع ہو کر منظر عام پر آئے گا۔ ان کے علاوہ اسلامیات کے دیگر موضوعات پر تقریباً ایک درجن سے زائد مقالات و مضامین قلم بند کر چکے ہیں جو سب کے سب مطبوعہ ہیں۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے پاکستان کے مشہور شاعر محترم جناب فیروز ناطق خسروؔ کے حمدیہ، نعتیہ، منقبتی اور سلامیہ مجموعۂ کلام ’’ہزار آئینہ‘‘ پر ۱۷ر صفحات، اور ضلع بستی کے مشہور و معروف شاعر و ادیب محترم جناب محمد علی صدیقی شیداؔ بستوی (علیگ) کے نعتیہ مجموعۂ کلام ’’وہی اوّل وہی آخر‘‘ پر ۱۶ر صفحات نیز شیداؔ بستوی صاحب کے ہی مجموعۂ کلام ’’رعنائی فکر‘‘ پر دو صفحات۔ مہاراشٹرا، ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر محترم جناب خواجہ معین الدین مخلص مصوری (مرحوم) کے نعتیہ مجموعہ ’’دیار حرم کے سائے تلے‘‘ ۸ر صفحات پر مشتمل پیش لفظ اور مقدمے تحریر کر چکے۔ پروفیسر نازؔ قادری (مرحوم) کے نعتیہ مجموعۂ کلام ’’چراغ حرا‘‘ اور حضرت علامہ سید اولاد رسول قدسیؔ (امریکہ) کے نعتیہ مجموعۂ کلام ’’لب و لہجہ‘‘ پر تبصرے بھی قلم بند کر چکے ہیں۔ شمالی ہندوستان کے مشہور و معروف بزرگ ولی کامل حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ (بہرائچ) کے احوال و آثار پر تحقیقی کام انجام دینے والے مشہور اسلامی اسکالر مولانا محمد علی مسعودی کی تالیف منیف ’’انوار مسعودی‘‘، ماہ ستمبر ۲۰۲۰ء مخدوم اشرف اکیڈمی، ہبلی، کرناٹک کی جانب سے شائع ہونے والے یادگاری مجلہ ’’معارف مخدوم اشرف‘‘ پر تاثرات لکھ چکے ہیں۔ ملک بھر میں انعقاد پذیر نصف درجن سے زائد نیشنل اور انٹرنیشنل سیمینارز اور کانفرنسوں میں مقالات لکھ کر شرکت کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ۲۰۱۶ء میں محترم فیروز احمد سیفی (نیویارک) کی وساطت سے اپنے وطن عزیز خلیل آباد میں نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا قائم کیا جس کی ایک برانچ نیویارک، امریکہ میں بھی ہے، ان دونوں کے فاؤنڈر/ ڈائریکٹر محترم فیروز احمد سیفی ہیں۔ نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا کے زیر اہتمام عالمی سطح پر ایک علمی و ادبی نعتیہ کتابی سلسلہ ’’دبستان نعت‘‘ جاری کیا جس کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ ’’دبستانِ نعت‘‘ کے اب تک چھ شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ پہلا شمارہ ۲۰۱۶ء میں ۴۰۰ر صفحات، دوسرا شمارہ ۲۰۱۷ء میں ۶۸۷ر صفحات، تیسرا شمارہ ۲۰۱۸ء میں ۶۴۰ر صفحات اور چوتھا شمارہ ۲۰۱۹ء میں ۶۸۰ر صفحات، پانچواں شمارہ ۲۰۲۰ء میں ۶۸۰ر صفحات اور چھٹا شمارہ ۲۰۲۱ء میں ۹۶۰ر صفحات کی ضخامت پر مشتمل شائع کر چکے ہیں۔ ’’اُردو میں نعتیہ شاعری‘‘۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری جو یونیورسٹی سطح پر اردو میں نعتیہ شاعری پر قلم بند کیا جانے والا سب سے پہلا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے، جسکی اشاعت تاہنوز ہندوستان سے نہیں ہو سکی ہے، عنقریب ہی طبع کرا کر منظر عام پر لانے کے لیے کوشاں ہیں۔ نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا کی جانب سے نعتیہ ادب پر اب تک چار اہم کتابیں (۱) اُردو کی اوّلین تخلیق۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری (۲) لولاک (سیرت پاک پر مبنی ایک طویل نظم)۔ چندربھان خیالؔ (۳) صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری (فکری و تنقیدی تناظر)۔ ڈاکٹر شمع افروز (۴) چمنستان نعت (

بیسویں صدی کے اُردو کے مشاہیر نعت گو شعراء کے کلام کا نمائندہ انتخاب) پروفیسر فاروق احمد صدیقی شائع کر چکے ہیں نِعت ریسرچ سینٹر (انڈیا) کی مطبوعات اور ''دبستان نعت'' کے قارئین ہندوستان، پاکستان، امریکہ، برطانیہ، مصر اور ایران تک پھیلے ہوئے ہیں۔ الغرض ڈاکٹر سراج احمد قادری عالمی سطح پر علمی و ادبی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

۲۸۔ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی: ڈاکٹر صابر حسین بن جعفر حسین ۳۰ ر جولائی ۱۹۴۲ء کو سیف خاں سرائے، سنبھل ضلع مراد آباد (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ اُردو زبان و ادب میں ایم۔اے اور پھر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد شعبۂ تدریس سے تاعمر وابستہ رہے۔ متعدد کتب و تحقیقی مقالات تحریر کیے جن میں ذیل کے نام نمایاں ہیں: ادبی تجزیے، تحقیق نما، اوراق العروض، توضیح فنون ادب، شعارِ زبان دانی، آرزوئے بخشش (دیوان صابرؔ) وغیرہ۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی ۲۸ر دسمبر ۲۰۲۱ء مطابق ۲۳ر جمادی الاوّل ۱۴۴۳ھ کو وصال فرما گئے۔ ثاقب قادری

۲۹۔ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی عبدالرشید برکاتی کے گھر بھارت کے ضلع ناشک، مہاراشٹر کے نگر مالیگاؤں میں محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ ایم۔اے اور ڈی۔ایڈ کے بعد انہوں نے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی جس کا موضوع ''مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ'' ہے جسے آپ نے ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی، اورنگ آباد، مہاراشٹر میں محترمہ ڈاکٹر شرف النہار صاحبہ، صدر شعبہ اردو ڈاکٹر رفیق زکریا کالج فور ویمن، اورنگ آباد، مہاراشٹر کی زیرِ نگرانی مکمل کیا۔ یہ مقالہ پاکستان کے اشاعتی ادارہ والضحیٰ پبلشرز (لاہور) سے شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی دورِ حاضر کے ایک محقق ہیں۔ وہ شعر و ادب اُردو ادب اور مذہبی تاریخی تحقیقات میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ بالخصوص نعتیہ ادب ان کا شناخت نامہ ہے۔ موصوف نثر و نظم دونوں اصنافِ ادب میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اُردو کے اُبھرتے ہوئے عمدہ نعت گو شاعر، قلم کار اور نعتیہ ادب کے جواں سال محقق و ناقد کے طور پر آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کا طرزِ تحریر انتہائی دل نشین، شگفتہ اور سلیس ہے، مذہبی، اصلاحی، سماجی، تعلیمی اور ادبی موضوعات پر اب تک درجنوں تحقیقی و تنقیدی اور تجزیاتی مضامین و مقالات نہ صرف مقامی اخبارات بلکہ ملکی و بین الاقوامی اخبارات و رسائل اور جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ موصوف کے کئی اہم مضامین کے دوسری زبانوں میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔ شاعری میں حمد و مناجات و دعا، نعت گوئی، سلام، اولیائے کرام کی شان میں مناقب اور مقتدر علمائے کرام کے لیے نذرانۂ عقیدت کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی سیرت، قرآنیات، احادیث، شاعری، تنقید و تحقیق، ادب اور مذہبی ادب پر تین درجن سے زائد کتب لکھ چکے ہیں جن میں درج ذیل قابل ذکر ہیں۔ چہل حدیث مع گلدستۂ احادیث، اُردو کی دلچسپ اور غیر معروف صنعتیں، لمعات بخشش (نعتیہ دیوان)، تذکرہ مجیب، عملی قواعد اُردو، نثر رضا کے ادبی جواہر پارے، سرکارِ دوعالم ﷺ کی خوش طبعی، جنگ آزادی 1857ء کا فتوائے جہاد اور علامہ فضل حق کا قائدانہ کردار، تشطیرات بخشش (شعری مجموعہ)، شادی کا اسلامی تصور، پھنس گیا کنجوس (ادب اطفال، مراٹھی کہانیوں کا ترجمہ)، اقلیمِ نعت کا معتبر سفیر نظمی مارہروی، عملی قواعد اُردو، گلشن اقوال، رہنمائے نظامت، خواجہ معین الدین چشتی، جگا ڈاکو اور جادوئی غار (کہانیاں)، سلطان ٹیپو، میلاد النبی اور علمائے عرب، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ بنت عمر، حضرت زینب بنت خزیمہ، گل دستے

(نظمیں برائے اطفال)، درود وسلام رضا مع فرہنگ ،نعت کی خوشبو گھر گھر پھیلے،نعت میں حزم واحتیاط اور موضوع روایتیں،عید الفطر اجتماعیت اور اُخوت کے عملی اظہار کا دن، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کی ’’اُردو میں حمد ومناجات‘‘ پر چند معروضات،بدرالقادری مصباحی ،فکرِ اقبال کے حسین وجمیل مظہر ،مقیم اثر بیاولی-نو تراشیدہ ترکیبوں کا مجتہد شاعر وشار، علامہ حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، محدث اعظم ـ شخصیت اور شاعری، بلبل بستانِ مدینہ......علامہ اختر رضا ازہری بریلوی، مولانا سعید اعجاز کامٹوی کی سعادت افروز نعتیہ وسلامیہ شاعری، اُمہات المؤمنین حضرت اُم سلمہ وحضرت زینب بنت جحش، آسان حدیثیں اور دعائیں، مفتی اعظم حیات وخدمات اور نعتیہ شاعری (پی ایچ ڈی مقالہ)،نعتیہ روایت اور ہندوستان میں اُردو نعت گوئی ، اسلامی کہانیاں ، شیخ سعدی کی کہانیاں ، کنجوس جوہری (بچوں کی کہانیاں) رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں 2014ء، امیر خسرو (شخصیت اور منتخب کلام)، انتخابِ مولانا اسماعیل میرٹھی، علمِ دین کی اہمیت پر چالیس حدیثیں، مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، امیرؔ مینائی (شخصیت اور منتخب غزلیں)، ولیؔ دکنی (شخصیت اور منتخب غزلیں)، داؔغ دہلوی (شخصیت اور منتخب کلام)، میر تقی میرؔ (شخصیت اور منتخب غزلیں)، خواجہ میر دردؔ (شخصیت اور منتخب غزلیں)، فانیؔ بدایونی (شخصیت اور منتخب غزلیں)، مولانا حسرت موہانی (شخصیت اور منتخب کلام)، آتشؔ لکھنوی (شخصیت اور منتخب غزلیں)،نعتیہ روایت اور ہندوستان میں اُردو نعت گوئی کا تاریخی جائزہ (1412ء سے 1980ء تک)، مفتی اعظم ہند کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ، مرزا غالب (شخصیت اور منتخب غزلیں با معنی)، اشرف المجالس: تصنیف حضرت مفتی سید عبدالفتاح گلشن آبادی، ترتیب و تحشیہ: ڈاکٹر مشاہد رضوی، رُوحِ کائنات: مولانا سعید اعجاز کامٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے منتشر کلام، قادر نامہ: مرزا غالب، مرتب: ڈاکٹر مشاہد رضوی، انبیائے کرام قصے: باز نویس: ڈاکٹر مشاہد رضوی، تضمیناتِ بخشش: کلام رضا پر لکھی گئی تضمینوں کا انتخاب، طرزِ رضا کی پیروی: رضا بریلوی کی زمینوں میں لکھی گئی نعتوں کا انتخاب، نوائے مشاہد: دینی و اصلاحی مضامین و مقالات کا مجموعہ، گلاب رنگ جستجو: ادبی مضامین و مقالات اور تبصروں کا مجموعہ، شاخِ نشیمن (غزلیات کا مجموعہ)، اشرف الاشعار: دیوان حضرت مفتی سید عبدالفتاح گلشن آبادی، تخییل نوری مع مناقب نوری: کلام سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہٗ مختلف شعرائے کرام، مرتبہ ڈاکٹر مشاہد رضوی، کلیات سروری: کلام مفتی غلام سرور قادری لاہوری، رزقِ حلال کی اہمیت اور فضیلت، مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (حیات و خدمات: اک جائزہ)، تشطیراتِ بخشش برسفینۂ بخشش، ریاضِ نعیم: اک مطالعہ، سید الشعراء محدث اعظم ہند کا قصیدۂ معراج (ایک جائزہ)، اسپینی کہانیاں، باز نویس: ڈاکٹر مشاہد رضوی، تذکرۂ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی، قطعاتِ بخشش، آسان حج وعمرہ، فضائل اخلاق: احادیث کی روشنی میں، سیدنا امیر حمزہ: فضائل ومناقب، جمالِ خلیل کا دل کش جمال، جگر مرادآبادی (شخصیت، شاعری اور منتخب غزلیں)

مزید کئی کتب ورسائل کی ترتیب وتالیف اور تحقیق وتصنیف کا سلسلہ جاری وساری ہے، نیز ڈاکٹر مشاہد رضوی کی مرقومہ بیش تر نعتیں بھی جو ادھر ادھر بکھری ہوئی ہیں اُن کو جمع کر کے آپ کا چوتھا نعتیہ مجموعہ عنقریب پیش کیا جائے گا۔ واضح ہو کہ ہیرور، کرناٹک (ہندوستان) سے نعتیہ ادب کے اولین ماہ نامے جہانِ نعت نے جنوری ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر مشاہد رضوی پر خصوصی گوشہ بھی شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی کی شعری ونثری نگارشات پر اصحاب علم و فن نے کھل کر داد وتحسین دی ہے اور توصیفی وتنقیدی مضامین ومقالات قلم بند کیے ہیں۔

۳۰۔ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری: عربی زبان عصر حاضر میں بھی اپنے شعری اور نثری ذخیرے کے لحاظ سے عالمی ادب میں ماضی کی طرح آج بھی ایک منفرد مقام رکھتی ہے، قرآن اور حدیث کے ساتھ نسبت کے باعث عربی زبان نثری اور جغرافیائی قیود سے آزاد ہو کر دنیا بھر کے مسلمانوں میں اپنی چاشنی بانٹ رہی ہے۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں وہاں وہاں عربی زبان سمجھی جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات غیر عرب شخصیات کو عربی میں غیر معمولی مہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی بھی ہیں۔ جنہیں اُن کے عظیم والد حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خاص دعاؤں کی بدولت عربی زبان و ادب کا گہرا فہم و ادراک حاصل ہوا۔ ذیل میں اُن کا مختصر تعارف اور عربی میں اُن کی مہارت کا احوال پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ابن شرف ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ ۲۴ رشعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق ۸ردسمبر ۱۹۶۶ء بروز جمعرات لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام آپ کے دادا مولانا اللہ دتہ رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا اور پھر اپنے بیٹے علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پوتے کی پیدائش کی خبر پنجابی اشعار کے سانچے میں ڈھال کر یوں دی:

فرزندا فرزند عطیہ ربّ عطا فرمایا صدقہ سرور دوہاں جہاناں میں پر کرم کمایا
نام اِس دا ممتاز احمد میں رکھیا شوق کمالوں خضری عمر سکندری طالع بخشے ربّ سرکاروں

پرائمری کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ قاری محمد ظفر قریشی صاحب سے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، پھر ۱۹۸۸ء میں ایک سال فارسی زبان و ادب پڑھنے کے بعد عربی و اسلامی علوم پر مشتمل درس نظامی مکمل کیا۔ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے امتحانات ثانویہ خاصہ، ثانویہ عامہ، عالیہ اور عالمیہ پاس کیے جبکہ عالمیہ کے امتحان میں پرچہ جات عربی میں حل کیے اور پورے پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ستمبر ۱۹۸۹ء میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد میں داخلہ لیا۔ تین سالہ کورس ورک مکمل کرنے کے بعد دو سال میں ڈاکٹر مصطفیٰ بکر کی نگرانی میں "اسالیب القسم فی القرآن الکریم دراسة نحویة" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا، جس کا مناقشہ عربی زبان و ادب کے معروف استاد پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے کیا۔ دسمبر ۱۹۹۶ء میں الازہر یونیورسٹی، قاہرہ میں داخلہ لیا۔ وہاں سے عربی زبان و ادب میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے ۲۰۰۴ء میں واپس پاکستان آگئے۔ اُنہوں نے الازہر یونیورسٹی میں "الشیخ احمد رضا خان البریلوی شاعراً عربیاً" کے عنوان سے ایم فل کا مقالہ لکھا جس کا مناقشہ ڈاکٹر قطب یوسف زید اور ڈاکٹر سعدی فرہود نے کیا۔ یونہی پی ایچ ڈی کے لیے "العلامہ فضل الحق الخیرآبادی، حیاته وشعرہ العربی، دراسة تحلیلیة نقدیه" کے عنوان سے عربی زبان و ادب میں مقالہ تحریر کیا، جس کا مناقشہ ڈاکٹر علی الصبح اور ڈاکٹر حسن عبداللطیف نے کیا۔ ڈاکٹر سدیدی صاحب نے پانچ سال انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اور تقریباً سات سال الازہر یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے تقریباً بارہ سال عرب اساتذہ کے درمیان گزارے۔ یوں انہیں عربی زبان و ادب میں قابل رشک مہارت حاصل ہوئی۔ اُن کا ایم فل کا مقالہ "الشیخ احمد رضا البریلوی شاعراً عربیاً" شائع ہو چکا ہے جس کے مطالعہ سے عربی زبان و ادب میں سدیدی صاحب کی مہارت کا اندازہ بخوبی لگایا

جا سکتا ہے۔علاوہ ازیں وہ اپنے والد گرامی علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کی تصنیف ''اندھیرے سے اُجالے تک'' کا عربی ترجمہ کر چکے ہیں جسے کمپوز ہوئے تین سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔امید ہے کہ یہ کتاب جلد منظر عام پر آجائے گی۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈاکٹر سدیدی صاحب سے علماء اہل سنت کے تذکروں کا عربی ترجمہ کروا کے شائع کیا جائے۔ اِسی طرح اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ العزیز اور علماء اہل سنت کی کتب کا عربی ترجمہ کروا کے شائع کیا جائے۔ مجھے برادرم ممتاز احمد سدیدی کی اِن صلاحیتوں کا اندازہ اُس وقت ہوا جب میں نے مولانا محمد حسن فیضی رحمۃ اللہ علیہ کے عربی قصائد کی تصحیح اور بعض قصائد کے اُردو ترجمہ کے لیے اُن سے رُجوع کیا تو اُنہوں نے خلاف توقع اپنی مصروفیات کے باوجود خندہ پیشانی سے یہ کہتے ہوئے میری طرف دست تعاون بڑھایا: ''اس خدمت کی بدولت والد گرامی حضرت علامہ شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح مجھ سے خوش ہو گی۔ یہ صرف آپ کا نہیں میرا بھی کام ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل، اخلاص اور تواضع میں مزید برکتیں عطا فرمائے اور انہیں حضرت شرف ملت کی غیر مطبوعہ علمی تحقیقات کو مکمل کرنے اور منظر عام پر لانے کی ہمت، وسائل اور توفیق عطا فرمائے۔(آمین) محمد ثاقب رضا قادری

۳۱۔ **ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری:** ڈاکٹر صاحب کی پیدائش ۱۹۶۹ء بمقام لاہور ہوئی۔ والد کا نام الحاج علی احمد قادری ہے۔ڈاکٹر صاحب نے امام المجودین قاری محمد یوسف سیالوی (بانی و سر پرست جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ /جہلم) سے قرآن کریم ناظرہ، حفظ و تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ بنیادی سکول و کالج کی تعلیم کے بعد اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے ایم اے عربی کیا۔آپ نے مفسر قرآن علامہ نبی بخش حلوائی کی حیات و خدمات بارے ''العلامة محمد نبی بخش الحلوائی،حیاته و خدماته'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے اسلامک اسٹڈیز کیا۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ۲۰۰۸ء میں''A critical study of Pickthall's contribution to Islam'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ تحریر کر کے ایم۔فل کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں ۲۰۱۶ء میں منہاج یونیورسٹی (لاہور) سے درج ذیل عنوان پر مقالہ تحریر کیا:

[A critical study of Abdullah Yousuf Ali's translation & Commentary of the Holy Quran and its effects on posterity.]

جس پر یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ (PhD) کی سند عطا کی۔ سنہ ۲۰۱۰ء سے جی سی یونیورسٹی (لاہور) کے شعبہ اسلامیات میں اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر فرائض نبھا رہے ہیں۔ملک و بیرون ملک رسائل و جرائد میں آپ کے تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ان میں سے بیس مقالات ہائیر ایجوکیشن کمیشن کے منظور شدہ جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ہماری خواہش پر ڈاکٹر صاحب نے مولانا حسن رضا کی اُردو مثنویات بارے یہ مقالہ تحریر کیا بلکہ کتاب کی ترتیب و تدوین میں بھی شریک مرتب کی حیثیت سے اپنا کردار بخوبی نبھایا۔ثاقب قادری

۳۲۔ **محمد ثاقب رضا قادری:** راقم کی تاریخ پیدائش یکم جولائی ۱۹۸۴ء سرکاری ریکارڈ میں درج ہے جبکہ والدہ محترمہ کے مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ ہے۔ممکن ہے سرکاری ریکارڈ کے اندراج میں تین چار دن کا فرق آ گیا

ہو۔ والدمحترم کا نام حاجی مہر محمد صادق بن سراج دین۔ ہمارا خاندان کئی پشتوں سے (تقسیم ہند سے قبل بھی) لاہور کے علاقہ ڈھولنوال (نزد دربار حضرت شاہ فرید، سبزہ زار، لاہور) مقیم ہے۔ آباؤ اجداد کا پیشہ کھیتی باڑی تھا۔ قرآن پاک (ناظرہ) گھر میں والدۂ محترمہ سے ہی پڑھا۔ گھر میں دینی ماحول کے سبب بچپن سے ہی مذہبی رجحان غالب رہا۔ چار سال کی عمر میں گلستان ماڈل ہائی اسکول (بندروڈ، لاہور) سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ آٹھویں جماعت تک یہیں پڑھا، پھر الباسط ماڈل ہائی اسکول (فرنیچر مارکیٹ، جھگیاں شہاب دین، بندروڈ لاہور) سے میٹرک (سائنس مضامین) کا امتحان ۱۹۹۹ء میں پاس کیا۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز (لاہور) سے ۲۰۰۱ء میں ایف اے کرنے کے بعد گورنمنٹ اسلامیہ کالج آف کامرس (راوی بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور) سے ۲۰۰۳ء میں بی۔ کام کیا۔ اس کے بعد کالج آف اکاؤنٹنسی اینڈ پروفیشنل اسٹڈیز (CAPS) لاہور سے ۲۰۰۸ء میں چارٹرڈ اکاؤنٹنسی (انٹرمیڈیٹ) کا امتحان پاس کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ اُمیدوار کے طور پر ایم۔ اے (اسلامیات) کیا۔ ایل ایل بی کا امتحان بھی پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ابھی یونیورسٹی آف لاہور سے ایل ایل ایم مکمل ہونے والا ہے۔ سنہ ۲۰۱۱ء میں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا۔ راقم کی ترتیب وتحقیق سے شائع ہونے والی کتب ورسائل کی تفصیل یہ ہے: مثنوی ُوسائل بخشش ٗ از مولانا حسن رضا خان بریلوی (مطبوعہ مکتبۂ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور)، میلاد کیا اور کیوں؟ (علامہ عبدالسمیع رام پوری کے رسالہ ''دافع الاوہام فی محفل خیر الانام ﷺ'' کی ترتیب جدید، تخریج وحواشی پر مشتمل)، سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ (مولانا رحمٰن علی مؤلف ''تذکرہ علمائے ہند'' کے رسالہ ''تحفۂ مقبول درفضائل رسول ﷺ'' کی ترتیب جدید)، رسائل حسن (حضرت حسنؔ بریلوی کے نثری رسائل کا مجموعہ)، کلیات حسن (حضرت حسن بریلوی کی منظومات کا مجموعہ)، مفتی غلام دستگیر قصوری کے ۱۶؍رسائل کا مجموعہ بنام ''رسائل محدث قصوری'' (دو جلدیں)، ردّ قادیانیت اور سُنّی صحافت (تین جلدیں)، تحریک ختم نبوت اور نوائے وقت (پاکستان میں تحریکات ختم نبوت ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کی مکمل ومستند تاریخ)، تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء (ایام تحریک ختم نبوت میں ملکی اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والے ایک سو اداریوں کا مجموعہ)، غازیانِ ناموس رسالت، مفتی سیّد غلام معین الدین نعیمی (حیات وخدمات)، اَحوال وآثارِ فیضی (مولانا محمد حسن فیضی کے اَحوال وآثار اور تحقیقی مقالات ومنظومات کا مجموعہ)، مرزا قادیانی حاضر ہو (مرزا قادیانی کے مقدمات کی رُوداد)، حسن رضا بریلوی: فن اور شخصیت،

درج ذیل کتب ابھی ترتیب وتدوین کے مراحل میں ہیں: تاریخ مباحثۂ لاہور (پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی اور مرزا غلام قادیانی کے مابین طے پانے والے مناظرہ کی مستند تاریخ ورُوداد)، مجموعۂ مقالات قاضی فضل احمد لدھیانوی، مجموعۂ کتب ومقالات شیخ الاسلام علامہ انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی، ردّ قادیانیت اور سُنّی صحافت (جلد چہارم)، اشاریہ اخبار الفقیہ (امرتسر)، اخبار الوفیات، تذکرہ علمائے لاہور (محمد دین فوق)،

ان کے علاوہ متعدد مقالات پاک وہند کے مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہوچکے ہیں۔ ربّ کریم قبول فرمائے کہ یہ سب کام اُسی کی عطا کردہ توفیق وعنایت سے ہی ممکن ہوا۔

ماخذ و مراجع

کتاب	مصنف / ناشر	
القرآن الحکیم		
تاریخ روہیل کھنڈ		
آئینۂ قیامت	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
ندوہ کا تیجہ رُوداد سوم کا نتیجہ	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
سوالات حقائق نما برروس ندوۃ العلماء	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
فتاوی القدوہ لکشف الدفین الندوہ	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
قند پارسی (فارسی دیوان)	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
بے موقع فریاد کے مہذب جواب	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
عربی زبان و ادب میں روہیل کھنڈ کا حصہ	ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی، رضا لائبریری، رام پور ۲۰۰۴ء	
چند شعرائے بریلی	ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب	
ذوق نعت (مع تقدیم علامہ شمس بریلوی)	مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی	
ذوق نعت (مع تذکرہ مختصر از نامی)	مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی	
ذوق نعت (مع تذکرہ مختصر از نامی)	انجمن حزب الاحناف، لاہور	
خمخانۂ جاوید	لالہ سری رام امپیریل بک ڈپو پریس، دہلی۔ ۱۹۱۱ء	
اُردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر فرمان علی فتح پوری	
چند شعرائے متقدمین	ڈاکٹر سید شمیم گوہر	
نکات سخن	مولانا حسرت موہانی	
نگارستانِ لطافت (مع تقدیم پروفیسر منیر الحق کعبی)	مسلم کتابوی، لاہور	
رسائل حسن	محمد ثاقب رضا قادری/محمد افروز قادری	اکبر بک سیلرز، لاہور
کلیات حسن	محمد ثاقب رضا قادری/محمد افروز قادری	اکبر بک سیلرز، لاہور
ثمر فصاحت (جدید)	مولانا حسن رضا خان	

ثمر فصاحت (قدیم)	مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی	
حیات اعلیٰ حضرت	مولانا ظفرالدین بہاری	
تذکرہ علمائے ہند (مترجم)	مولانا رحمٰن علی/ ڈاکٹر محمد ایوب قادری	
الملفوظ	مولانا مصطفیٰ رضا نوری/مولانا حسنین رضا خان	
تزک مرتضوی (جدید)	محمد ثاقب رضا قادری/محمد افروز قادری	دارالکتاب، لاہور ۲۰۱۱ء
سیرت اعلیٰ حضرت	مولانا حسنین رضا خان بریلوی	
کلیات مکاتیب رضا	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	
سفرنامۂ اعلیٰ حضرت	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	
دآغ کے اہم تلامذہ	ڈاکٹر اسعد بدایونی	
شعر الہند	ڈاکٹر عبدالسلام ندوی	
تذکرہ نعت گویانِ بریلی	ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیب	
مولانا نقی علی خان	شہاب الدین رضوی	عالمی دعوت اسلامیہ، لاہور
جہان ملک العلماء	غلام جابر مصباحی	انجمن برکات رضا، بمبئی
تذکرہ محدث سُورتی	خواجہ رضی حیدر	سُورتی اکیڈمی، کراچی۔
ماہِ تاباں اَوج معرفت	محمد اعظم قادری بدایونی	مطبع جماعت تجارت، لکھنو
وسائل بخشش (جدید)	محمد ثاقب رضا قادری	مکتبۂ اعلیٰ حضرت، لاہور
وسائل بخشش (قدیم)	حسن رضا خان بریلوی	مطبع نادری، بریلی
شعر حسن	نظیر لدھیانوی	رضا پبلیکیشنز، لاہور
مٹی کے چراغ	ڈاکٹر محمد اسلم بھٹی، ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور۔ ۲۰۲۱ء	
تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی	شہاب الدین رضوی	
حیات صدرالشریعہ	مفتی عبدالمنان اعظمی	
صمصام حسن بردابرفتن	مولانا حسن رضا خان بریلوی	
ذوق فصاحت	منشی اعجاز احمد قیصرؔ بریلوی	
نگارستان لطافت	مولانا حسن رضا خان بریلوی، رضوی پریس، بریلی	
نگارستان لطافت	مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی۔ ۱۳۳۱ھ	
دین حسن	مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی	

لیکچر پادری ایزک ٹیلر — مطبع اسلامیہ، لاہور
مؤید الاسلام جون ڈیون پورٹ — مطبع بدر الدجیٰ، دہلی
اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے — اسلامیہ پریس، لاہور
ریوائز ڈفیتھ آف اسلام — عبداللہ کوئیلیم — مطبع اسلام، آگرہ
المجمل المعد دلتالیفات المجدد — مفتی عبدالمبین نعمانی
فتاویٰ مصطفویہ — مفتی مصطفیٰ رضا خان نوری، شبیر برادرز، لاہور
فتاویٰ رضویہ — امام احمد رضا خان بریلوی — رضا فاؤنڈیشن، لاہور
تحریک ختم نبوت اور نوائے وقت — محمد ثاقب رضا قادری — دار النعمان، لاہور
فن تاریخ گوئی — کسریٰ منہاس — نقوش، لاہور۔ ۱۹۸۹ء
تاریخ ادب اُردو
لکھنؤ کا دبستانِ شاعری — ابواللیث صدیقی
اخبار الاخیار — شیخ عبدالحق محدث دہلوی — شبیر برادرز، لاہور
وفیات اہل قلم — منیر احمد سلیچ — اکادمی ادبیات پاکستان
قلمی بیاض (ذوق نعت) — مرید احمد چشتی
اشتہارات خمسہ — حکیم سجاد احمد کانپوری
حسن بریلوی کی علمی و ادبی خدمات (پی ایچ ڈی مقالہ) ڈاکٹر حامد علی
مولانا حسن رضا کی ادبی خدمات (ایم فل مقالہ) — گلشن آراء

رسائل، جرائد و اخبارات

ماہنامہ قومی زبان، کراچی ''گلدستہ بہارِ بے خزاں'' شمارہ مئی ۱۹۶۸ء
ماہنامہ نعت، لاہور 'حسن بریلوی کی نعت' — جنوری ۱۹۹۰ء
رسالہ نگار ''داغ نمبر'' جنوری فروری ۱۹۵۳ء
ماہنامہ سُنّی دنیا، بریلی ''حسن رضا نمبر'' ۱۹۹۴ء
رسالہ نعت رنگ، کراچی ''امام احمد رضا نمبر'' جلد نمبر ۱۸
رسالہ مدحت، لاہور ''گوشۂ حسن رضا بریلوی'' مارچ تا نومبر ۲۰۱۷ء
ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی ''جشن زرّیں نمبر''
ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی ''منظر اسلام نمبر''

ماہنامہ قاری، دہلی "امام احمد رضا نمبر"
ماہنامہ الرضا، بریلی
ماہنامہ قہر الدیان علی مرتد بقادیان، بریلی
ماہنامہ تحفہ حنفیہ، پٹنہ
ماہنامہ اُردوئے معلیٰ، علی گڑھ
ماہنامہ فاران، کراچی
اخبار الفقیہ، امرتسر
اخبار اہل فقہ، امرتسر
اخبار انگلش مین
اخبار البدر، قادیان

مولف کی دیگر کتب

۱۔ مثنوی وسائل بخشش از مولانا حسن رضا خان بریلوی (مطبوعہ مکتبۂ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور)،
۲۔ میلاد کیا اور کیوں؟ (علامہ عبدالسمیع رام پوری کے رسالہ ''دافع الاوہام فی محفل خیر الانام ﷺ'')
۳۔ سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ (مولانا رحمٰن علی مؤلف ''تذکرہ علمائے ہند'' کے رسالہ ''تحفۂ مقبول در فضائل رسول ﷺ'' کی ترتیب جدید)،
۴۔ رسائل حسن (حضرت حسنؔ بریلوی کے نثری رسائل کا مجموعہ)،
۵۔ کلیات حسن (حضرت حسن بریلوی کی منظومات کا مجموعہ)،
۶۔ مفتی غلام دستگیر قصوری کے ۱۶ رسائل کا مجموعہ بنام ''رسائل محدث قصوری'' (دو جلدیں)،
۷۔ ردّ قادیانیت اور سُنّی صحافت، جلد اوّل (ہفت روزہ سراج الاخبار جہلم کے شماروں سے)،
۸۔ ردّ قادیانیت اور سُنّی صحافت، جلد اوّل (ہفت روزہ اہل فقہ، امرتسر کے شماروں سے)،
۹۔ ردّ قادیانیت اور سُنّی صحافت، جلد اوّل (معروف صحافی مرتضیٰ احمد خان میکش کی تحریرات کا مجموعہ)،
۱۰۔ تحریک ختم نبوت اور نوائے وقت (پاکستان میں تحریکات ختم نبوت ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کی مکمل و مستند تاریخ) مطبوعہ دار النعمان، لاہور/ ورلڈ و یو پبلشرز، الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور
۱۱۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء (ایام تحریک ختم نبوت میں ملکی اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے ایک سو اداریوں کا مجموعہ) مطبوعہ دار النعمان، لاہور/ ورلڈ و یو پبلشرز، الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور
۱۲۔ غازیانِ ناموس رسالت (تقسیم ہند سے قبل غازیان ناموس رسالت کے ایمان افروز واقعات کی مستند رُوداد)
۱۳۔ مفتی سیّد غلام معین الدین نعیمی (حیات وخدمات) مطبوعہ دار النعمان، لاہور
۱۴۔ اَحوال وآثار فیضی (مولانا محمد حسن فیضی کے اَحوال وآثار اور تحقیقی مقالات ومنظومات کا مجموعہ)، ورلڈ و یو پبلشرز،
۱۵۔ مرزا قادیانی حاضر ہو (مرزا قادیانی کے مقدمات کی رُوداد) مطبوعہ اکبر بک سیلرز، لاہور
۱۶۔ حسن رضا بریلوی: فن اور شخصیت، مطبوعہ اکبر بک سیلرز، لاہور

زیر ترتیب:

۱۔ تاریخ مباحثۂ لاہور (پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی اور مرزا غلام قادیانی کے مابین طے پانے والے مناظرہ کی مستند تاریخ ورُوداد)،
۲۔ مجموعۂ مقالات قاضی فضل احمد لدھیانوی،
۳۔ مجموعۂ کتب ومقالات شیخ الاسلام علامہ انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی،
۴۔ اخبار الوفیات (۱۸۷۰ء تا ۱۹۵۲ء تک کے مشاہیر کی وفیات بارے معاصر رپورٹس پر مشتمل)